جادوگر

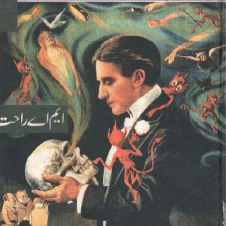

ایم اے راحت

جادُوگر

ایم اے راحت

خزینہ علم وادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37211468 - 37314169

ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ اقرا سنٹر اُردو بازار لاہور 37355743
مکتبہ العلم 17 اُردو بازار لاہور 37211788
اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ لاہور 37223506
مشتاق بک کارنر اُردو بازار لاہور 37230350
علم وعرفان پبلی کیشنز اُردو بازار لاہور 37232336
منیر برادرز مین بازار جہلم
احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ راولپنڈی
بنگش بک ڈپو اُردو بازار سیالکوٹ 052-4595359
اسلم بک ڈپو کلوال سیالکوٹ 0347-6841995
چوہدری بک ڈپو مین بازار دینہ
ضیاء القرآن پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور
نیو الیاس کتب محل کچہری بازار جڑانوالہ
ادریس کتاب محل مین بازار منڈی سمبڑیال
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ سرائے عالمگیر 653057
چغتائی بک ڈپو پوڈیال آزاد کشمیر
اتفاق بک ڈپو بھلوال
کوالٹی ڈیپارٹمنٹل سٹور کالج روڈ بورے والا 3355889
شاہین بک ہاؤس منڈی بہاؤالدین
بختار سنز قصہ خوانی بازار پشاور
بلال بک ڈپو گجرات
الفضل کتاب گھر میرپور آزاد کشمیر
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد 2278843-5
جہانگیر بک ڈپو لاہور 37220897
سعد پبلی کیشنز فسٹ فلور اُردو بازار لاہور 37122943
مسلم بک لینڈ بینک روڈ مظفر آباد
یونائیٹڈ بک ہاؤس کچہری روڈ منڈی بہاؤالدین
نیو وہاڑی کتاب گھر جناح روڈ وہاڑی 62310
الکریم نیوز ایجنسی گول چوک اوکاڑہ
شائلہ بک ایجنسی محلہ چوہدری پارک ٹوبہ ٹیک سنگھ
ڈار برادرز تحصیل بازار جہلم
فضلی سنز اُردو بازار کراچی
کھوکھر بک سٹال مسلم بازار، گجرات
مکتبہ رشیدیہ چکوال
بٹ بک ڈپو جہلم
اخلاق بک ڈپو پاڑیاں والہ
[illegible]ب لائبریری، واہ کینٹ
شاہین بک سنٹر، وہاڑی
[illegible]ہاب بک ڈپو مانوالہ
[illegible]یم بک سنٹر، الاحائی بازار سیالکوٹ 052-4592767
کتاب گھر علامہ اقبال روڈ راولپنڈی
ویلکم بک پورٹ اُردو بازار، کراچی
بلال کاپی ہاؤس لیاقت روڈ میاں چنوں 662650
میاں ندیم مین بازار جہلم 0544-621126
دارالادب تلمبہ روڈ میاں چنوں الرحمت سٹیشنری ڈسکہ
اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی
شمع بک ایجنسی فیصل آباد
ہاشمی برادرز کتب ورسائل گوردت سنگھ روڈ کوئٹہ
الیاس بک ڈپو جلال پور جٹاں
اسلامی کتب خانہ حافظ آباد
خان بک ڈپو حافظ آباد
نظامی کتب خانہ پاکپتن شریف
شکیل بک ڈپو سمندری
خالد کتاب محل اگوکی سیالکوٹ روڈ
لاثانی لائبریری ربوہ
زمان لائبریری ربوہ
سلیمی بک ڈپو احمد پور شرقیہ
جالندھر بک ڈپو ڈسکہ
پاکستان بک ڈپو مین بازار جلال پور جٹاں
کارنر سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں 510274
کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان کینٹ 061-510444
صابر بک سٹال نسبت روڈ لاہور 37230780
کارواں بک سنٹر ملتان کینٹ
علمی بک ہاؤس لاہور
عزیز سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور
سلطان بک پیلس گجرات پنجاب بک ڈپو سرکلر روڈ گجرات
حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ سیالکوٹ
وارث سنز بک ڈپو صرافہ بازار پنڈ دادنخان جہلم
کارواں بک سنٹر بہاولپور۔
مکہ بک سنٹر جلالپور جٹاں
مکتبہ کشمیر لالہ موسیٰ
رائل بک سنٹر چوک نواب گجرات
مقدر بک ڈپو گول چوک اوکاڑہ
کوثر بک ڈپو، لالہ موسیٰ
عثمان بک ڈپو، لالہ موسیٰ
ایشیاء بک ڈپو، پاڑیاں والہ
پنجاب بک ڈپو، ڈنگہ
النور بک کارنر، میرپور آزاد کشمیر
لکی جنرل اسٹور، مریدکے
فرینڈ بک ڈپو گجرات
خالد بک ڈپو، گجرات

دیدہ زیب اور
خوبصورت کُتب کا
واحد مرکز

تزئین واہتمام
نذیر محمد، طاہر نذیر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : جادوگر
مصنف : ایم اے راحت
سن اشاعت: ستمبر 2014ء
اہتمام : محمد نذیر، طاہر نذیر
کمپوزنگ : عاصم شہزاد 0306-4171117
مطبع : ریاض شہباز پرنٹرز، لاہور
قیمت : -/750 روپے

انتساب

اپنے پڑھنے والوں کے نام جو مجھے بے حد سراہتے ہیں
اور انتظار میں رہتے ہیں کہ انہیں میری کوئی نئی تحریر پڑھنے کو ملے

(ایم اے راحت)

☆......☆......☆

جادوگر

کسی ایسے شخص کو خوش شکل اور جامہ زیب ہونے کا کوئی حق نہیں ہے جو غریب اور بے روزگار ہو۔ لیکن مشیت ایزدی ہمیشہ ناقابل فہم رہی ہے۔ اگر انسان قدرت کے راز جان لے تو پھر انسان ہی کہاں......؟ یہ تو ولی اور درویش بھی نہیں جان سکتے۔

اپنا تعارف کرانا تو ضروری ہے۔ نام احتشام احمد، ولد قاسم احمد ہے۔ قد چھ فٹ ایک انچ، رنگ گورا، کبھی ورزش نہیں کی لیکن جسم قابل تعریف ہے۔ چہرے کے نقوش بھی شاید اچھے ہی ہیں، کیونکہ کبھی کبھی سرراہ چلتی ہوئی شہزادیوں کی آنکھوں میں پسندیدگی کے تاثرات نظر آجاتے ہیں، لیکن "جس تن لاگے سوتن جانے" غمِ دوراں سے فرصت ملے تو غمِ جاناں کی سوجھے۔

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
PAKISTANIPOINT

سات سال کی عمر تھی جب ایک ٹریفک کے حادثے میں والدین کا انتقال ہوگیا۔ ایک چچا تھے جو والد صاحب کی اپنی کپڑے کی دُکان پر کام کرتے تھے اور ہم سب ساتھ رہتے تھے۔ چچا عاصم احمد اچھے انسان تھے، لیکن چچی جان خالص چچی جان تھیں۔ ان کے بھی بچے تھے، ان کا سلوک میرے ساتھ بہت خراب تھا۔ چچا جان کی میری وجہ سے چچی سے کئی بار لڑائی ہوئی تھی اور چچی جان کئی کئی ہفتے میکے جا کر بیٹھ جاتی تھیں۔

میں بالکل ناسمجھ نہیں تھا، حالات سے واقفیت تھی۔ پڑھ بھی رہا تھا اور جوان بھی ہو رہا تھا۔ جس دن میرا بی اے کا رزلٹ آیا، اسی دن چچا جان کو ہارٹ اٹیک ہوگیا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ جو ہونا تھا ہوا، لیکن پھر بعد میں بھی ہوا۔ چچی جان نے تنہائی دُور کرنے کے لئے اپنے کچھ عزیزوں کو اپنے پاس بلا لیا جنہوں نے کپڑے کی چلتی ہوئی دُکان سنبھال لی۔ مجھے حالات کا بخوبی اندازہ تھا اور اب میرا دل بھی یہاں نہیں لگتا تھا۔ لیکن آگے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ چچی جان نے یہ مشکل بھی حل کر دی۔

''تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں احتشام......!''

''جی چچی جان......!''

''کچھ مشکلیں پیش آ گئی ہیں۔ ماموں احسان کچھ دقیانوسی قسم کے آدمی ہیں، لیکن میرے لئے بہت ضروری ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں......؟''

''سلطانہ جوان ہے، ماموں کہہ رہے تھے کہ شانی کی موجودگی سے سلطانہ کو پریشانی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ یہاں نہیں رہ سکتے۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ وہ میرے پاس رہیں۔''

سلطانہ چچی جان کے ماموں کی بیٹی تھی۔ کالا رنگ، بھینگی آنکھیں، وزن ایک سو ساٹھ پونڈ، جس کے لئے یہ پریشانی لاحق ہوگئی تھی۔

''تمہیں کہیں اور بندوبست کرنا ہوگا اپنی رہائش کے لئے۔''

''جی ٹھیک ہے......! کچھ وقت لگ جائے گا۔''

''جتنی جلدی ہو سکے......!''

چچی جان نے کہا۔ لیکن زیادہ وقت نہ لگا۔ ایک رہائش گاہ مل گئی اور میں اپنے ہی گھر سے نکال دیا گیا۔ ماموں احسان نے ایک احسان اور کیا کہ کپڑے کی دُکان سے بھی مجھے بے دخل کر دیا۔ میں چاہتا تو ماموں احسان کے سارے احسانات قانونی اور غیر قانونی طور پر لمحوں میں اُتار دیتا۔ کسی ماں باپ سے محروم ہونے کے بعد میں بالکل عجیب ہوگیا تھا۔ ایک بے کلی، بے چینی سی دل پر طاری رہتی تھی۔ کچھ کروں، زندگی میں کوئی تبدیلی آئے، منفرد، عجیب، لیکن کیا......؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

کچھ رقم بینک میں تھی، اسی سے کام چلایا۔ کپڑے وغیرہ بھی تھے جنہیں پہن کر میں صاحب حیثیت لگتا تھا لیکن رفتہ رفتہ پیسے ختم ہوتے جا رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ سب سے بڑی پریشانی اب لاحق ہوگی۔ چنانچہ ملازمت تلاش کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ اخبارات میں اشتہار دیکھتا، انٹرویو دیتا، بھانت بھانت کے لوگوں سے واسطہ پڑتا اور آرام سے بھگا دیا جاتا۔

پیسے ختم ہوگئے، فاقے شروع ہوگئے۔ پھر ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ویٹرز کی ضرورت کا اشتہار دیکھ کر وہاں پہنچ گیا۔ جنرل منیجر کوئی سرپھرا تھا، سفارشیں نہیں مانتا تھا۔ صرف اپنی ضرورت کے بندوں کو رکھ رہا تھا۔ اس نے مجھے بہت پسند کیا۔

''گریجویٹ ہو......؟''

اس نے کہا۔

''معافی چاہتا ہوں۔''

''کیسی معافی......؟''

وہ بولا۔

''گریجویٹ ہونے کی۔''

''گڈ......!''

وہ ہنس پڑا۔

''کل سے آجاؤ......! ڈیڑھ ماہ کی ٹریننگ ہوگی، رہائش بھی مل سکتی ہے۔''

مجھے اور کیا چاہئے تھا......؟ ٹریننگ ہوئی اور میں ہوٹل کا سب سے خوب صورت ویٹر بن گیا۔ فائیو اسٹار ہوٹل تھا، فائیو اسٹار لوگ آتے تھے، بے باک، خود پسند، آزاد منش، میں خواتین کی اوّلین پسند تھا۔ بہت سی خواتین نے مجھ سے میرے بارے میں بہت کچھ پوچھا تھا، بہت سی پیش کشیں کی تھیں، جن کی تفصیل میں نہیں بتا سکتا۔ شرم آتی ہے۔

خیر......! نوکری خوش اسلوبی سے چل رہی تھی کہ جھیل کی ساکن سطح میں کنکری آ کر گری۔ حسب معمول ہوٹل کے ریکریشن ہال میں اپنی خدمات سرانجام دے رہا تھا، سب کچھ معمول کے مطابق ہی تھا۔ نگاہ ایک جوڑے پر پڑی۔ ایک میز پر بیٹھے ماحول کا لطف لے رہا تھا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن پھر خاص بات ہوگئی۔ میں تو انہیں دیکھ ہی رہا تھا کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور اسی طرح چونک پڑے جیسے بھوت دیکھ لیا ہو۔

میں ان کے اس انداز سے کسی قدر بوکھلا گیا۔ کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی مجھ سے......؟ مگر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا......؟ وہ مجھے مسلسل گھورے جا رہے تھے اور ان کے چہرے پر حیرت کے نقوش تھے۔ میں اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا، مجھے اندازہ تھا کہ ان کی نگاہیں میرا تعاقب کر رہی ہیں۔ ایک ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر میں نے ان کا تفصیلی جائزہ لیا۔ لڑکی کی عمر ستائیس اٹھائیس کے قریب ہوگی۔ ہلکے آسمانی رنگ کی قیمتی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ کافی خوب صورت اور پُر وقار سا چہرہ تھا۔ بدن کا تناسب بھی شاندار تھا، دراز قد تھی۔ مرد بھی رعب شخصیت کا حامل تھا۔ اس کی عمر پچاس کے قریب لیکن صحت شاندار تھی۔ لڑکی ہندو معلوم ہوتی تھی۔ مرد بھی یقیناً ہندو ہوگا۔ پتا نہیں مجھے اس طرح کیوں گھور رہے تھے......؟

اچانک میں نے لڑکی کو اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے دیکھا، لیکن یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ وہ میری طرف آ رہی ہے۔ میں نے رُخ بدل لیا، لیکن ایک ہلکی سی وحشت ضرور ہوگئی تھی۔ تبھی مجھے اپنے پیچھے ایک مترنم آواز سنائی دی۔

''ایکسکیوز می......!''

مجبوراً پلٹنا پڑا تھا۔ لڑکی میرے بالکل قریب تھی۔ قریب سے دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ اس کی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں۔

''یس میم......!''

میں نے ادب سے کہا۔

''دھرم......!''

وہ بولی۔

''مسلمان ہوں۔''

میں نے جواب دیا۔

''تم دھرم ہوناں......؟''

''نہیں......! شانی ہوں۔''

''دھرم......! پلیز، مجھ سے خود کو نہ چھپاؤ۔''

''ارے میم......! کیا آپ مجھے دھرم سمجھ رہی ہیں......؟ میرا نام واقعی احتشام ہے۔ میرے جاننے والے مجھے شانی کہتے ہیں۔''

''اس طرح باتیں کرنا اچھا نہیں لگ رہا۔ تم یہاں ویٹر کی نوکری کر رہے ہو......؟''

''جی......!''

''کیوں......؟''

''پیٹ بھرنے کے لئے۔''

''دھرم......! پلیز، ہم لوگ تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے اُٹھ جاتے ہیں۔ اسی ہوٹل کی آٹھویں منزل پر روم نمبر 816 میں ہیں، وہاں آجاؤ......!''

''لیکن آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں دھرم نہیں ہوں۔''

''پلیز......! تم آؤ تو سہی......! رہتے کہاں ہو......؟''

''ہوٹل کے سرونٹ ونگ میں۔''

''تم پلیز آجاؤ......! ہم انتظار کر رہے ہیں۔''

''اوکے......! میں نے اصلیت بتا دی ہے۔ آپ مجھے دھوکے باز نہیں کہیں گی۔''

''تم آؤ، میں چلتی ہوں۔''

وہ واپسی کے لئے مُڑی تو میں نے کہا۔

''میری چھٹی دس بجے ہوگی۔ اس کے بعد آسکتا ہوں۔''

''دھرم......! نوکری کو گولی مارو۔ تمہیں نوکری کا کیا کرنا ہے......؟''

اس نے کہا اور واپس چلی گئی، لیکن میں شدید اضطراب کا شکار ہوگیا۔

''یہ کیا ہے......؟ وہ لوگ مجھے معصوم کیوں سمجھ رہے ہیں......؟''

فلمی قسم کی غلط فہمی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن فلموں میں اس طرح کی غلط فہمیوں سے منسلک کہانیاں بڑی دلچسپ ہوتی ہیں۔

''کیوں نہ دھرم بن کر دیکھا جائے......؟ میرا کون آگے پیچھے ہے......؟ اگر کوئی بھی لمبی کہانی چل گئی تو دیکھا جائے گا، زندگی میں کوئی رد و بدل تو ہو۔''

بڑا دلچسپ، بڑا انوکھا فیصلہ تھا۔ یہ بھی سوچا کہ کوئی بڑا فراڈ نہ ہو، کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔

ڈیوٹی بہرحال پوری کی، رہائش گاہ میں جا کر لباس تبدیل کیا اور پھر آٹھ سو سولہ پر پہنچ کر دستک دی۔

''آجاؤ......!''

اندر سے مترنم آواز سنائی دی اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ وہ ایک خوب صورت کاؤچ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کے تاثرات اُبھر آئے۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے قریب آگئی۔ اس کے بدن سے بھینی بھینی مسحور کن خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ اس نے بوجھل لہجے میں کہا۔

''اور تم کہتے ہو کہ تم دھرم نہیں ہو......؟''

میں نے ایک گہری سانس لی۔ پھر کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

''پتا نہیں میں کون ہوں......؟''

''اوہ......! تیواری جی کا بھی یہی خیال تھا۔''

''تیواری جی......؟''

سوالیہ انداز میں کہا گیا۔

''رام تیواری......!''

''آپ کے ساتھی......؟''

''ہاں......!''

''وہ کہاں ہیں......؟ آپ اس کمرے میں رہتی ہیں......؟''

''نہیں......! وہ میرے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ کسی کام سے گئے ہیں، آجائیں گے۔ آؤ بیٹھو......!''

اس نے بڑے پیار سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اپنے ساتھ کاؤچ پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

''ویٹر بنے تم کتنے عجیب لگ رہے تھے۔ سب سے منفرد، بے حد خوب صورت، تم کہاں کھو گئے تھے دھرم......؟ جانتے ہو، تیواری جی کیا کہہ رہے تھے......؟''

''نہیں......!''

میں نے کہا۔ اس وقت مجھے خود اپنی صلاحیت پر رشک آ رہا تھا۔ میں بہترین اداکاری کر رہا تھا، لیکن مجھے یہ سب بہت دلچسپ لگ رہا تھا۔ میں دھرم کی کہانی جاننا چاہتا تھا لیکن پوری طرح محتاط ہو کر۔

''وہ کہہ رہے تھے کہ ہماری تقدیر بہت اچھی ہے کہ تم اس طرح مل گئے۔ کہہ رہے تھے کہ اب وہ اس شیطان کی بچی کو دیکھیں گے جو خود کو بہت ذہین سمجھتی ہے۔''

''شیطان کی بچی......؟ کون......؟''

''ہمارا خیال تھا کہ اس نے تمہیں قتل کرا دیا لیکن کم بخت خود اپنے جال میں پھنس گئی۔ اب تم خود کو بالکل محفوظ سمجھو دھرم......! کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ چلو چھوڑو، کافی پیئیں......!''

میرے جواب دینے سے پہلے وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور روم سروس کو فون کر کے کافی طلب کر لی۔ ویٹر کافی لے کر آیا تو رُخ بدلنا پڑا، کیونکہ وہ مجھے جانتا تھا۔ لڑکی نے کافی بنا کر مجھے دی، پھر بولی۔

''تم کہاں گم ہو گئے تھے دھرم......! بتاؤ تو سہی......!''

''آپ میری بات کو عجیب سمجھیں گی۔''

''کیا مطلب......؟''

''مجھے اب بھی پتا نہیں ہے کہ میں دھرم ہوں۔ مجھے اپنا نام شانی یاد ہے۔''

''اوہ......! میرا نام جانتے ہو......؟''

''نہیں......!''

''میں رکمنی ہوں۔''

''جی......؟''

''تمہاری یادداشت بہت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ یقیناً تم پر بے پناہ تشدد کیا گیا ہے۔ لیکن فکر مت کرو۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم اپنے دماغ پر زور دے کر سب یاد کرنے کی کوشش کرو۔''

''مجھے لگتا ہے، جیسے میرا کچھ کھو گیا ہے۔ میں تمہیں رکمنی کہہ کر بلا سکتا ہوں......؟''

''ہاں دھرم......! رکمنی، جے پرلتا ایڈووکیٹ کی بھتیجی۔ تم بہت کچھ بھول گئے ہو دھرم......! کیا تمہیں اشوکا کی وہ آگ یاد نہیں جس سے تم نے میری جان بچائی تھی، ورنہ میں وہیں بھسم ہو جاتی۔''

''او مائی گاڈ......!''

میں نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا اور وہ میرے قریب آ گئی۔

''نہیں......! ابھی تم دماغ پر زور مت دو۔ سب یاد آ جائے گا۔ لو کافی پیئو......! ذہن کو پرسکون کرو، بے فکر رہو، سب یاد آ جائے گا۔ تمہیں ایک نام بتاؤں......؟''

''بتاؤ......!''

''ارون شرما......!''

''ارون شرما......؟ ہاں......! جانا جانا سا لگتا ہے۔''

''اور جے وتی......؟''

''جے وتی......؟ سنے ہوئے نام ہیں، لیکن یاد نہیں آتے۔ کون ہیں......! اور میں انہیں کیسے جانتا ہوں......؟''

''ان ناموں کا تمہارے جیون سے گہرا تعلق ہے۔ بھگوان تاشی کو جانتے ہو جنہوں نے دولت کے لئے تمہارا جیون خواب کر دیا۔''

''کون تھے وہ......؟''

''ارون شرما، جو تمہارے پتا جی کا جگری یار بنتا تھا، لیکن اس پاپی نے تمہارے پتا جی کے خلاف ایسی سازش کی کہ انہوں نے آتم ہتھیا کر لی۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ کھنہ جی نے خودکشی کی تھی۔ یہ سب ارون کی سازش تھی۔ ارون نے ان کی موت کے بعد خود کو ساری دولت اور جائیداد کا اٹارنی بنا لیا اور تمہارا سرپرست بن گیا۔ بہت پاپی ہے۔ وہ دیکھنے میں لگتا ہے، لیکن اس کے بارے میں، ہم دونوں اچھی طرح جانتے ہیں۔''

ہم دونوں کون......؟''

''میں اور چاچا جی......! میرا مطلب ہے، جے چرن......!''

اصل بات جو تھی، میں جانتا تھا۔ کوئی بے حد دلچسپ غلط فہمی چل رہی تھی۔ لیکن تھا سب کچھ مزے دار، ایک دلچسپ اور انوکھی فلمی کہانی۔ میں نے کہا۔

''پھر کیا ہوا رکمنی جی......؟''

''شرما جی طرح طرح سے سورگ باشی وکرم کھنہ کی دولت پر ہاتھ صاف کرتے رہے، لیکن انہیں خطرہ تھا کہ تم کبھی ان سے اپنے پتا جی کی دولت کا حساب مانگ کر ان کی گردن میں پھانسی کا پھندہ نہ بن جاؤ۔ وہ طرح طرح سے تمہیں اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرتے رہے اور جب اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو......''

وہ جملہ اُدھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

''آگے بتاؤ......!''

''تم ریاست سے غائب ہو گئے۔''

''ریاست......؟''

''ہاں......! تمہاری ریاست سونا پوری، جو دہلی کے شمال مغرب میں بیل کھوالی کے پاس ہے، جمنا جی کے کنارے۔''

''دریائے جمنا......؟''

''تو اور کیا......؟ تمہیں آہستہ آہستہ سب یاد آجائے گا۔ ریاست سونا پوری کے جنوب میں تمہاری بے شمار زمینیں بکھری پڑی ہیں اور پھلوں کے باغات پورے ہندوستان میں مشہور ہیں، خاص طور پر سونا مندری آم جو پورے ہندوستان میں صرف تمہارے باغوں میں ہوتے ہیں۔ ذرا غور کرو، دریائے جمنا کے کنارے آموں کے یہ باغ کیسی بہار دیتے ہیں......؟''

''ہاں......! ویسے دماغ میں مٹے مٹے سے نقوش اُبھرتے ہیں۔ لیکن سب یاد نہیں آتا۔''

میں اب پوری بے ایمانی پر آمادہ ہوگیا تھا۔

''زندگی ایک نیا کھیل کھیل رہی ہے تو ٹھیک ہے۔ ویسے ہی کون سا خاندان ہے میرا......؟ جب تک یہ کھیل چلے، چلاؤں۔ آخر کار ایک دن پول کھل جائے گا۔ لیکن قصور میرا نہیں ہوگا۔ میں تو کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ہوں۔ جو یہ لوگ یاد دلا رہے ہیں، وہ یاد آرہا ہے۔''

رکمنی کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

''ان شیطانوں نے پتا نہیں کیا عمل کیا ہے......؟ خیر......! تم مل گئے، ہمیں سب کچھ مل گیا۔ رام تیواری جی بھی معمولی آدمی نہیں ہیں۔ وہ ارون شرما کی ٹکر کے آدمی ہیں۔ اچھی طرح نمٹ لیں گے۔''

میں دل میں ہنس پڑا۔ میں نے سوچا۔

''بی بی......! آخر کار ایک دن دھرم جی آجائیں گے اور آپ لوگ مجھے دھکے دے کر نکال دیں گے۔ چلو کیا فرق پڑتا ہے......؟''

رام تیواری جی آگئے۔ رکمنی نے میرے سامنے ہی ان سے پوچھا۔

''جی تیواری جی......! آپ کیا کر کے آئے ہیں......؟''

''میں نے کچھ منصوبے ترتیب دیئے ہیں۔''

''وہی پوچھ رہی ہوں، کیا......؟''

''ہم فوراً سونا پوری نہیں جائیں گے۔''

''ظاہر ہے......!''

''میں نے دہلی میں اپنے آدمیوں سے رابطہ کرلیا ہے۔''

''اوہ......! کیا آپ نے انہیں تفصیل بتادی ہے......؟''

''پاگل سمجھ رہی ہو مجھے......؟''

''مطلب......؟''

''بہت محتاط رہتا ہے۔ اومن شرما کا سارا پریوار اور وہ خود دہلی میں ہے۔ بات کسی سے بھی لیک

[illegible] تھی اور میں وقت سے پہلے یہ نہیں چاہتا تھا۔''

''بالکل ٹھیک......!''

''میں نے انہیں چوکس کر دیا ہے۔''

''گڈ !''

''[illegible] دہلی روانگی کے لئے [illegible] تیاریاں کرنی ہیں۔ اس دوران پھر دوسرے ہوٹل منتقل ہو جائیں [illegible] جانتے ہیں۔''

''[illegible] کب تک روانہ ہونا ہے......؟''

''[illegible] ! دو تین دن۔''

''گڈ !''

[illegible] نے کہا۔ اس دوران میں نے بھی کچھ تیاریاں کر لی تھیں۔ چنانچہ میرے خیال کے مطابق [illegible] [illegible] ڈال لیا۔

''دھرم جی......! آپ ذہن پر زور دے کر بتائیں۔ آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا......؟''

''مجھے یاد نہیں آتا۔''

''کوئی بات نہیں......! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سب کچھ سامنے آجائے گا۔''

اس نے کہا۔ پھر کچھ کارروائیاں ہوئیں۔ تیواری نے ایک اور ہوٹل میں کمرے حاصل کئے اور ہم [illegible] اس میں منتقل ہوگئے۔ مجھ جیسے لوگ بھی کم ہوتے ہیں۔ بڑی مشکل سے ہوٹل میں نوکری ملی تھی۔ [illegible]، اُمید کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ لیکن دماغ پر چھپکلی سوار ہوگئی اور جب کچھ چھوڑ کر ایک احمقانہ عمل کے لئے تیار ہوگیا۔ آرام سے کہہ سکتا تھا۔

''بھائی......! جاؤ دھرم کی تلاش کرو۔ تمہارا دھرم گم ہوگیا ہے۔''

لیکن جناب میرا نام بھی احتشام تھا۔ خاموشی سے سب کو چھوڑ دیا۔ غرض یہ کہ دوسرے ہوٹل میں [illegible] جون ہی بدل گئی۔ شاندار خریداری کی گئی۔ میرے لئے نئے سوٹ، ہر چیز نئی اور پرسنالٹی تو خدا نے دی ہی تھی۔ میں نے رکمنی کو خود پر قربان ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے۔ یہاں تک کہ دہلی روانہ ہونے کا وقت آگیا اور ہم دہلی کے لئے چل پڑے۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کمال کا فیصلہ تھا۔ ادھر رکمنی مجھ سے حد سے زیادہ گھل مل گئی تھی۔ مجھے بھی وہ بری نہیں لگتی تھی۔ اس وقت بھی جہاز میں میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ [illegible] لئے جہاز کا سفر جادوئی قالین سے پرواز کا تو تھا، پتا نہیں کیوں میں نے پوچھ لیا......؟

''رکمنی......! ایک بات بتاؤ۔''

''ہوں......!''

'' میرے دوسرے اقارب بھی ہوں گے۔ ماں باپ، بہن بھائی، باپ کے بارے میں تو تم بتا چکی ہو کہ انہوں نے خودکشی کر لی تھی۔ مگر ماں......؟''

'' وہ تمہارے بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھیں۔''

'' کوئی بہن بھائی نہیں......؟''

'' نہیں......! تم اپنے والد کی تنہا اولاد ہو۔''

میں خاموش ہو گیا۔ آخر کار جہاز دہلی پہنچ گیا۔ ایئرپورٹ سے فراغت ہوئی، باہر ایک قیمتی کار ہمارے استقبال کے لئے موجود تھی۔ جس عمارت میں یہ کار جا کر رکی تھی، وہ اپنی مثال آپ تھی۔ انتہائی خوب صورت اور وسیع۔ یہ تیواری صاحب کی ملکیت تھی۔ اس عمارت میں مجھے شہزادوں جیسی حیثیت حاصل تھی اور میں واقعی خود کو الف لیلیٰ کے دور میں محسوس کر رہا تھا۔ چوتھے دن رکمنی نے مجھ سے کہا۔

'' تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں......؟''

'' نہیں......!''

'' مجھے جانا ہے۔''

'' کہاں......؟''

'' میں یہاں نہیں رہتی۔ تمہیں انکل نے جون کے بارے میں بتایا تھا۔ میں انہیں کے ساتھ رہتی ہوں۔ بہت جلد واپس آؤں گی۔''

'' اوہ......! ٹھیک ہے......!''

میں نے جواب دیا۔ رکمنی چلی گئی اور مجھے بہت کچھ سوچنے کے لئے وقت مل گیا۔ کہانی کافی حد تک میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ دھرم، ایک دولت مند شخص جو ایک ریاست کا مالک تھا۔ اس کی دولت کے حصول کے لئے ارون شرما نامی شخص نے سازش کی اور دھرم کے باپ وکرم کھنہ نے خودکشی کر لی۔ پھر ارون شرما نے کسی طرح دھرم سے نجات حاصل کر لی اور میں دھرم کا ہم شکل ہونے کی وجہ سے دھرم بن گیا۔ سب سے زیادہ پُرتجسس بات یہ تھی کہ خود دھرم کہاں ہے......؟ زندہ ہے کہ مر گیا۔

ادھر تیواری جی اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ میرے ذہن میں آیا تھا، وہ کافی ذہین معلوم ہوتا تھا۔ اب میں بھی جاہل نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ ماہر نفسیات سوالات کرتے ہیں اور اس کے جوابوں سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس ماہر نفسیات سے مقابلہ کرنا تھا۔

'' تیار ہیں مسٹر دھرم......؟''

'' جی......!''

'' آپ کو میرے سوال کا فوری جواب دینا ہے، سوچ کر نہیں...

'' بہتر ہے......!''

'' سمندر......!''

'' ہال ٹھاکرے......!''

میں نے پھٹ کر جواب دیا۔

'' ایں ؟''

یہ جواب کسی بھی طرح ماہر نفسیات کی کھوپڑی میں نہیں بیٹھتا تھا۔ اس نے اپنی حیرت پر قابو پا کر کہا۔

'' ٹاور آف پیسا۔''

'' چچو کی ملیاں......!''

'' جون آف آرک۔''

'' نان خطائی......!''

'' مائی گاڈ......!''

وہ پریشانی سے بولا۔ پھر کہنے لگا۔

'' امیتابھ بچن۔''

'' بغیر ٹونٹی کا لوٹا......!''

'' اوشٹ اپ......!''

ماہر نفسیات بری طرح جھلا گیا، لیکن دوسرے لمحے تیواری نے اپنا ہاتھ اس کے کاندھے پر رکھ کر کہا۔

'' مسٹر بھلا۔''

'' سس......سوری سر......!''

ماہر نفسیات نے خود پر قابو پا کر کہا، پھر بولا۔

'' حیرت انگیز رپورٹ ہے سر......! دماغی قوتیں بہترین ہیں، حس لطافت بے مثال ہے، بس کوئی عارضی ذہنی انتشار معلوم ہوتا ہے۔ کچھ دوائیں لکھتا ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

مجھے اندازہ تھا کہ ڈاکٹر خود ذہنی تکلیف کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ چلا گیا، لیکن تیواری جی کو گہری سوچ میں چھوڑ گیا۔ رکمنی کے چلے جانے سے دل اُداس ہو گیا تھا۔ لیکن شاید وہ بھی اُداس ہو گئی تھی اس لئے شام ہوتے ہی آ گئی۔ وہ بے حد خوب صورت لباس میں آئی تھی اور بے حد حسین لگ رہی تھی۔

'' تمہارے بغیر ایک لمحے کو بھی دل نہیں لگا۔''

'' میرا بھی......!''

میں نے کہا اور صاف محسوس ہوا کہ رکمنی میرے ان الفاظ سے بہت خوش ہوئی ہے۔ اس نے کہا۔

''آؤ ڈارلنگ......! گھومنے چلیں۔ لباس تبدیل کرلو۔''

اس نے خود میرے لئے لباس پسند کیا اور پھر باہر نکل آئی۔ اس وقت وہ دوسری کار میں آئی تھی جس کے شیشے لاک تھے۔ رات گئے تک ہم گھومتے رہے تھے۔ شاہانِ مغلیہ کی دلی آج بھی اپنی روایتوں میں زندہ تھی۔ جہاں اس سے مغل حکومتوں کی درگاہیں منسلک تھیں، وہیں ولیوں اور درویشوں کی یادگاریں دلی سے وابستہ تھیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء کا مزار مبارک، فیروز شاہ کا کوٹلہ، لال قلعہ، جامع مسجد، چاندنی چوک، کناٹ پیلس، نئی چاوڑی، دلی میں کیا نہیں تھا......؟ میرے ذہن میں دلی کی تمام درگاہیں زندہ ہوگئیں۔ نادر شاہ درانی، محمد شاہ رنگیلا اور نہ جانے کیا کیا......؟

پہلے تو یوں لگا تھا جیسے رکمنی مجھ سے الگ ہو جائے گی۔ لیکن شاید منصوبہ بدل دیا گیا تھا۔ اب وہ میرے ساتھ ہی رہتی تھی اور ہم روزانہ دہلی گھومنے جایا کرتے تھے۔ رکمنی کے ساتھ بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔ ایک دن اس نے پوچھا۔

''تمہیں کچھ یاد آتا ہے دھرم......؟''

''کیا......؟''

''اپنی یاست سونا پوری......؟''

''نہیں رکمنی......! مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔''

''بہت خوب صورت ہے، مالا گاسی کی پہاڑی چوٹیوں کے درمیان آباد بہت ترلیں ہیں تمہاری۔''

''ہم یہاں کیوں نہیں جاتے......؟''

''بس......! کچھ منحوس روایتیں وہاں سے وابستہ ہیں۔''

''منحوس روایتیں......؟''

''ہاں......! دولت، جائیداد، عورت، ساری آسائشیں انہی کے گرد گھومتی ہیں۔''

''کچھ اور بتاؤ رکمنی......!''

میں نے کہا اور رکمنی سوچ میں ڈوب گئی، پھر بولی۔

''گیارام......! راجہ گیارام انگریزوں کے زمانے سے پہلے اس ریاست کا مالک تھا۔ بہت اچھا اور محبت وطن آدمی تھا۔ انگریزوں نے اسے اپنے رشتے پر لگانا چاہا تو اس نے سخت مزاحمت کی، اور......''

''ہاں ہاں......! بولو......! خاموش کیوں ہوگئیں......؟''

''گیارام نے انہیں قبول نہیں کیا۔ لیکن تمہارے دادا جی نے جو گیارام کے دیوان تھے، انگریزوں سے ساز باز کر کے گیارام کو مروا دیا۔ جس کے نتیجے میں انگریزوں نے ریاست سونا پوری تمہارے دادا کے حوالے کر دی۔ لیکن گیارام اور اس کے پریوار کی آتما آج تک سونا پوری میں بھٹکتی دیکھی جاتی ہے۔ اس نے کئی ایسے

لوگوں کو ہلاک کیا ہے جو انگریزوں کے پٹھو تھے۔ بس اس کے بعد سوبھاشی وکم کھنہ نے دہلی میں رہائش اختیار کر لی۔''

''اوہ......! اور ریاست......؟''

''وہاں کارندے کام کرتے ہیں۔''

''مجھے وہاں جانا ہے۔''

''ہاں......! ضرور جانا، مگر ابھی نہیں۔ ابھی تو ہمیں یہاں بہت کام کرنا ہے۔ اپنی کھوٹی دیکھو گے......؟ میرا مطلب ہے، سونا پوری والی کوٹھی......؟''

''وہ ہی گھسار رہتا ہے۔ میرا مطلب ہے میری کوٹھی میں۔''

''اروِن شرما......!''

رکمنی نے مجھے میری محل نما کوٹھی دکھائی اور میں دل ہی دل میں خوب ہنسا۔

''کل جب اصل دھرم آجائے گا تو مجھے اس کوٹھی کا دربان بھی نہیں رکھا جائے گا لیکن کیا حرج ہے! اب تک یہ خوب صورت زندگی چل رہی ہے، چلائی جائے، بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

پھر ایک شام تیواری چائے کے وقت آگیا۔ مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''بہت شاندار نظر آرہے ہو دھرم......! آج رات کو ڈنر پر پرکاش ورما جی آرہے ہیں، تم سے ملنے۔''

''پرکاش ورما کون ہیں......؟''

میں نے پوچھا۔

''ڈی آئی جی اسپیشل ونگ میرے ان سے فیملی تعلقات ہیں۔ میں تمہیں خاص طور سے ان کے سامنے لانا چاہتا ہوں تاکہ تمہاری واپسی رجسٹر کی جائے۔''

''جی......!''

''لیکن ایک اعلیٰ پولیس افسر کے سامنے تمہیں بہت حاضر دماغ رہنا ہے۔ ہمیں اروِن شرما جیسے [illegible] آدمی کی سازش سے نمٹنا ہے، کوئی لغزش نہ کھانا، تم بالکل نارمل رہو گے اور اپنے اوپر گزرنے والے واقعات کا [illegible] نہیں کرو گے۔ اسی ذہانت سے ہم اروِن شرما کو شکست دے سکیں گے۔''

''آپ مطمئن رہیں۔''

میں نے جواب دیا۔ ایک اعلیٰ پولیس افسر جس قدر شاندار پرسنالٹی کا حامل ہوسکتا تھا، پرکاش ورما ایسا [illegible] اس کے ساتھ کچھ اور قباحتیں بھی تھیں۔ یہ اس کی دو توبہ شکن لڑکیاں بھی تھیں۔ انتہائی ماڈرن لباس میں [illegible]، دھرم پتنی بھی سوار تھیں۔

میرے لئے لباس کا انتخاب رکمنی نے کیا تھا۔ باقی تیاریاں بھی اس نے کی تھیں۔ ایک بار تو خود کو

آئینے میں دیکھ کر مجھے بھی اپنی مردانہ وجاہت پر غرور محسوس ہوا تھا۔ مزید غرور ان دونوں ماڈرن لڑکیوں کو دیکھ کر ہوا تھا جو مجھے پاگلوں کی طرح دیکھتی رہ گئی تھیں۔

''ہیلو مسٹر دھرم کھنہ......! آپ سے تو غیر متوقع ملاقات ہو رہی ہے۔''

''ہیلو سر......!''

میں نے پُر وقار لہجے میں کہا۔

''آپ تو شاید ملک سے باہر گئے ہوئے تھے......؟''

''جی......!''

میں نے آہستہ سے کہا۔

''سیر و سیاحت کے لئے یا کوئی اور کام تھا......؟''

پرکاش ورما اپنی پولیس کی فطرت سے باز رہ سکتے بھلا......؟

''نہیں......! کام کوئی بھی نہیں تھا۔''

''کہاں کہاں گئے......؟''

''لندن، پیرس، روم وغیرہ۔''

''ویری گڈ......! شرما جی نے روشنی کی اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔ وہ تمہارا کتنا خیال رکھتے ہیں، اور رکمنی جی تم کیسی ہو......؟''

''ٹھیک ہوں انکل......!''

میں نے ان دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھا جو اب بھی مسحور نظر آ رہی تھیں۔ رکمنی کی آنکھوں کے تاثرات خراب تھے۔ جیلسی محسوس کر رہی تھی۔ کھانے کا پُر تکلف دور چلا، پھر لڑکیاں میری طرف متوجہ ہو گئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''مغربی لڑکیوں نے آپ کو واپس کیسے آنے دیا......؟ وہ تو اس ہندوستانی شہزادے پر مرمٹی ہوں گی۔''

''مجھے تو مشرقی لڑکیاں بھی کافی پریشان نظر آ رہی ہیں۔''

رکمنی بری طرح جل گئی، لیکن دونوں نے برا نہیں مانا تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''تو پھر آپ ہمارے گھر کب آ رہے ہیں......؟''

پرکاش ورما نے بھی مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ پھر وہ لوگ چلے گئے تو تیواری جی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''میں نے پہلی اینٹ رکھ دی ہے۔ اب ہمارے پاس تمہاری موجودگی کا ایک معقول گواہ موجود ہے

اور اب ہم ...ہال میں کھیل کا آغاز ہو جانا چاہئے، کیوں رکمنی......؟''

''جی مسٹر تیواری انکل......! کیا پروگرام ہے......؟''

''اشوکا، دھرم کو اشوکا میں منتقل کر دیا جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ارون شرما روزانہ اشوکا میں بلیرڈ کھیلتا ہے۔ دھرم بلیرڈ روم میں جائے گا، ہمیں اس کا ردِعمل دیکھنا ہے۔''

''گڈ......! اچھا آئیڈیا ہے۔''

''مگر مسٹر تیواری......! مجھے تو کچھ بتایا جائے۔''

میں نے کہا۔

''ہاں میری جان......! بہت کچھ بتانا ہے تمہیں۔''

دوسری صبح ناشتے کے بعد رکمنی اور تیواری جی نے کام شروع کر دیا۔ مجھے کچھ تصویریں دکھائی گئیں۔ ... امتحان کے لمحات آ گئے۔ مجھے ان تصویروں کو پہچاننا تھا۔ یہ ارون شرما اور اس کے اہل خاندان تھے۔ ... قتل سے کام چلایا تھا۔

سارا منصوبہ میرے علم میں آ گیا لیکن یہ بات دونوں بھی نہیں جانتے تھے کہ اصل کیا ہے......؟ میں تو ...ے دھرم کرم تھا ہی نہیں، لیکن یہ بھی ایک دلچسپ تجربہ تھا۔ پتا یہ چلانا تھا کہ خود تیواری جی اور رکمنی دیوی کا ان معاملات سے کیا مفاد وابستہ ہے......؟

مجھے پوری طرح بریف کر دیا تھا۔ لیکن باقی کام مجھے خود کرنے تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ میں ایک بڑا آدمی ہوں، مجھے اشوکا جیسے ہوٹلوں کا خوب تجربہ ہوگا، لیکن سچ یہ ہے کہ میرے فرشتوں نے بھی اس ہوٹل کو اندر سے نہیں دیکھا ہے۔ البتہ بھلا ہو فلموں اور ڈراموں کا، انہوں نے عام لوگوں کو بھی بہت کچھ سکھا دیا ہے۔

اشوکا بیچ کا بھی ہوٹل ہے۔ دیکھ کر عقل چکرا جاتی ہے۔ ایک خوب صورت ویٹر لڑکی نے مجھے میرے کمرے تک پہنچا دیا۔ میں نے اسے زبردست ٹپ دی تھی، جس سے اس کی مسکراہٹ میں بڑا خلوص اُبھر آیا۔

''ون کال بٹن ہے اور میرا نام سونیا ہے۔''

اس نے دعوت دینے والی آنکھوں سے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ خیر جناب......! مجھے اپنی ...ے اداریاں نبھانا تھیں۔ اب یہاں رکمنی تو تھی نہیں، جو مجھے جگہ جگہ سپورٹ کرتی۔ ساری اداکاری خود ہی کرنی تھی۔ چنانچہ بہترین لباس پہن کر باہر نکلا اور سوٹ کی طرف بڑھ گیا۔

اشوکا واقعی بے مثال تھا۔ اس قدر خوب صورت اور پُر رونق کہ بس دیکھتے رہو، اور میں دیکھتا رہا۔ مجھے اس کے تمام گوشوں کی سیر کراتی، چنانچہ میں بڑے اعتماد سے اشوکا کے مختلف حصے دیکھتا رہا۔ ہر طرف ان کے جلوے بکھرے ہوئے تھے، لیکن ایک انتہائی حسین اور دریدہ لباس میں ملبوس اس چاند زادی کو دیکھ کر میں مبہوت ہو گیا، جو میری طرف بڑھ رہی تھی۔ مبہوت ہونے کی وجہ سے اس کا حسن اور دلکشی نہیں تھی، بدری اس کا شناسا تھا۔

یہ پرکاش ورما کی دونوں بیٹیوں میں سے ایک تھی۔ وہ میرے قریب آگئی اور شوخی سے بولی۔

''میرا ہی نہیں کہ اس وقت اشوکا بھی موجود میرا دل پھینک لڑکی کا خیال ہوگا کہ کسی طرح اسے آپ کی خیریت حاصل ہو جائے۔''

''ہیلو مس ورما......!''

میں نے کہا۔

''ہائے......! اتنی بے رُخی......؟''

وہ بولی۔

''کیوں......؟ یہ آپ نے کیوں کیا......؟''

''بڑی سادگی سے آپ نے مجھے مخاطب کیا ہے۔ کوئی لگاؤ نہیں ہے آپ کے لہجے میں، جس سے مجھے مایوسی ہوتی ہے۔''

''میں تو آپ کا نام بھی نہیں جانتا۔''

''نتاشا ورما......! ویسے ہم دونوں یہ شکایت دل میں لے کر آئے تھے۔''

''کون سی شکایت......؟''

''آپ نے ان تیواری کے گھر سے بھی ہمارا نام نہیں پوچھا تھا۔''

''بس......! معذرت میں کر سکتا ہوں۔''

''میرا خیال کچھ اور ہے۔''

''کیا......؟''

''رُکمنی......!''

اس نے کہا۔ پھر خود ہی جلدی سے بولی۔

''چلیں چھوڑیں، آیئے آگے چلیں۔''

میں نے خاموشی سے اس کے ساتھ قدم آگے بڑھا دیئے۔ اس وقت اس کی معیت مجھے بری نہیں لگی تھی۔ ہم گیمز ہال میں آگئے۔ یہی میری مطلوبہ جگہ تھی۔ پھر میں سنبھل گیا۔ کچھ فاصلے پر میں نے ارون شرما کو دیکھ لیا۔ مجھے اس کی بہت سی تصویریں دکھائی گئی تھیں۔ بے حد پُر وقار اور خوش لباس شخصیت تھی۔ بڑی مہارت سے اسنوکر کھیل رہا تھا۔ دانتوں میں پائپ دبا ہوا تھا۔

میں اسے دیکھتا رہا تھا، وہ اپنا کھیل کھیل رہی تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، میری توجہ اس کی طرف نہیں تھی۔ میں نے ایسا زاویہ اختیار کیا کہ ارون شرما کی نگاہ مجھ پر پڑے جائے اور میں اس کا ردِعمل دیکھوں، ایسا ہو گیا۔ ارون شرما نے مجھے دیکھا اور اس کے منہ سے پائپ چھوٹ کر نیچے گر گیا، میں نے ایسا رُخ رکھا تھا کہ وہ مجھے

دیکھ لے لیکن اسے یہ احساس نہ ملے کہ میں نے بھی اسے دیکھ لیا ہے۔ کسی نے اسے پائپ اُٹھا کر دیا اور ارون شرما [illegible] باہر نکل گیا۔ میں نے گہری سانس لی اور نتاشہ کی آواز سنی۔

''تم کتنے رومینٹک ہو ڈارلنگ......! لیکن مجھے ایک پریشانی ہے۔''

''کیا......؟''

میں نے بے خیالی سے پوچھا۔

''رُکمنی تم سے بہت قریب ہے۔''

وہ بولی، پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ کر بولی۔

''سوری......! مجھے اب جانا ہے، کسی پولیس آفیسر کی بیٹی ہونا بھی بس...... ڈیڈی اُصولوں کی پابندی کے سختی سے قائل ہیں۔ میرے لئے وقت مقرر ہے۔''

''اچھی بات ہے......!''

''لیکن میں تم سے ملتے رہنا چاہتی ہوں۔ یہ میرا موبائل نمبر ہے، ہمارا رابطہ رہے گا۔''

وہ چلی گئی اور میں مسرور نظروں سے حسین اشوکا کو دیکھنے لگا۔ سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ ارون شرما نے مجھے دیکھ لیا تھا اور اس پر ردِعمل بھی شاندار ہی تھا۔ اب دیکھنا تھا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

میں اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ لباس تبدیل کر کے آرام دہ بستر میں لیٹ کر میں نے خود پر غور کیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''کتنے دن کی ہے یہ بہار......؟ کب آجائے گی خزاں......؟ یہ عیش و عشرت خواب جیسے ہو جائیں گے۔ ممکن ہے، دھرم زندہ ہو اور واپس آجائے۔ لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ تو ہونا ہے۔''

دوسرے دن تیواری کا فون میرے انتہائی قیمتی موبائل پر موصول ہوا۔

''ہیلو دھرم......! میں تیواری بول رہا ہوں۔''

''جی انکل......! میں نے پہچان لیا۔''

''میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں نے دوسرے نمبر سے فون کیا ہے۔''

''جی......!''

''سب کچھ بہت شاندار ہوا ہے۔''

''آپ مطمئن ہیں......؟''

''بہت زیادہ، وہ بری طرح بدحواس ہو گیا ہے۔ تمہارے فرشتوں کو بھی پتا نہیں ہوگا۔ اس وقت اس کے آدھے درجن افراد اشوکا کی نگرانی کر رہے ہیں۔ مطلب ہے تمہاری نگرانی۔''

''گڈ......!''

میں نے کہا۔

''ہاں......! ایک بات اور بتاؤ، یہ پرکاش ورما کی بیٹی تمہیں کہاں سے مل گئی......؟''

''وہیں اشوکا کے ریکریشن ہال میں۔''

''اس سے اور مزہ آ گیا ہے، اسے اندازہ ہو گیا ہے کہ تم ورما تک پہنچ گئے ہو۔ اب وہ تمہارے خلاف کوئی اور خفیہ کارروائی کرنے سے گریز کرے گا۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔''

''کام اتفاقیہ طور پر بڑی تیزی سے شروع ہو گیا۔ اب دیکھو آگے کیا ہوتا ہے......؟ اچھا......! محتاط رہو، میں فون بند کر رہا ہوں۔''

تیواری جی نے فون بند کر دیا اور میں گہری سانس لے کر سوچ میں ڈوب گیا۔

''سب کچھ ٹھیک، تمہاری اس بات کا خوف تھا کہ میری اصلیت نہ کھل جائے۔ جو رکمنی اور جناب رام تیواری صاحب، دونوں ہی نہیں معلوم تھی۔''

''اب کیا کروں......؟''

ہوٹل میں گھسے رہنا تو مشکل تھا اور پھر یہ غیر فطری بھی تھا۔ چنانچہ باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ لباس تبدیل کر کے خود کو سنوارا۔ وہاں بہت خوب صورت شہر تھا۔ گو غیروں کے قبضے میں تھا، لیکن مغلیہ دور کی یادگاریں آج بھی اس شان و شوکت کی حامل تھیں۔ رکمنی نے بہت کچھ دکھا دیا تھا۔ کچھ یہ بھی خیال تھا۔

''دیکھیں آئندہ کیا ہوتا ہے......؟ زندگی کے یہ لمحات جس قدر خوش گوار بتائے جا سکتے ہیں، بتاؤں۔ باقی جو تقدیر......!''

لفٹ سے باہر نکلا ہی تھا کہ خوشبو کا ایک جھونکا ناک سے ٹکرایا۔ بادِ صبا تھی کہ بادِ نسیم......؟ یا پھر ایک نوشگفتہ کلی سیاہ بالوں کے گچھے، پیشانی پر جھول رہے تھے اور اس سیاہی کے نیچے شفق کھلی ہوئی تھی۔ وہ شاید لفٹ میں داخل ہونے کے لئے کھڑی تھی۔

لیکن اچانک ذہن میں ایک تصویر کوندگئی۔ مجھے اس تصویر سے متعارف کرایا گیا تھا اور اگر میری یادداشت مجھے دھوکا نہیں دے رہی تھی تو یہ نرمل شرما تھی۔ ارون شرما کی چھوٹی بیٹی نرمل شرما۔ میرے قدم رُک گئے۔ اس نے مجھے دیکھا اور اس کے منہ سے نکل گیا۔

''ارے......!''

''سوری......! آپ نے مجھ سے کچھ کہا......؟''

اس کے چہرے پر سختی کے آثار نمودار ہو گئے۔ پھر اس نے کہا۔

''کہاں فرار ہو رہے تھے......؟''

میں اس بے تکلفی پر دنگ رہ گیا۔ پھر میں نے سوچا کہ ممکن ہے، اس کے دھرم سے ایسے ہی بے تکلفی [illegible] میں اسے دیکھتا رہا۔

''میرے آنے کی خبر مل گئی تھی کیا......؟''

''پتا نہیں......!''

''کیا پتا نہیں......؟''

''یہ بھی پتا نہیں......!''

''اب یہیں کھڑے رہو گے......؟''

''نہیں......! آگے جانا ہے۔''

''کہیں نہیں جانا، میں تمہارے پاس ہی آئی ہوں۔''

''پھر کیا کروں......؟''

''واپس چلو......!''

''کہاں......؟''

''اپنے کمرے میں بابا......! کیوں بحث کئے جا رہے ہو......؟ آؤ......!''

اس نے بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑا اور لفٹ میں داخل ہو گئی۔

''تم میرے پاس آئی تھیں......؟''

''ہاں......!''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں......؟''

''ڈیڈی نے بتایا تھا۔''

وہ بولی۔ میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ ویسے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ مجھے زندہ سلامت دیکھ کر ارون شرما سخت بدحواسی کا شکار ہو گیا ہے اور ہر قدم بدحواسی میں اُٹھا دیا ہے۔ اس نے اپنی بیٹی کو آگے بڑھایا ہے۔ چند لمحوں کے بعد ہم کمرے میں آ گئے۔

''کیا پیو گی......؟''

میں نے پوچھا۔

''کولڈ کافی......!''

اس نے کہا، میں نے روم سروس کو فون کر کے کافی کے لئے کہا۔ وہ غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''ہوٹل میں کیوں ہو......؟''

''تمہیں شرما صاحب نے یہاں بھیجا ہے۔''

''اب وہ انکل سے شرما صاحب ہو گئے۔''

''ماموں نے یہ سب کیا ہے۔''

''غلط......!''

''کیوں......؟''

''تمہیں بتا دیا گیا تھا کہ کچھ لوگ ہمارے درمیان نفاق ڈالنے میں کوشاں ہیں۔ لیکن سم اس کا شکار ہو گئے۔''

''شاید......!''

''تم نے مجھے بھی چھوڑ دیا۔ جبکہ جانتے ہو کہ میں دُنیا میں سب سے زیادہ تمہیں چاہتی ہوں۔''

ویٹر کافی لے آیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ بولی۔

''واپس چلنا ہے۔''

''کہاں......؟''

''گھر......! اور کہاں......؟''

''اب یہ ممکن نہیں ہے۔''

''آخر کیوں......؟''

''تم نہیں جانتیں، مجھ پر کیا گزری ہے......؟''

''تم بتاؤ گے تو جانوں گی۔''

''سوری......! میں کچھ نہیں بتانا چاہتا۔''

''دھرم......! پلیز......!''

''مجھے افسوس ہے زمل......!''

میں نے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ غرض کافی وقت اس نے میرے ساتھ گزارا لیکن میں نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔

''چلتی ہوں۔''

''اوکے......!''

میں نے صاف گوئی سے کہا اور وہ چلی گئی۔ میں چکرایا ہوا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے......؟ میرے مالک......! مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے تو نے......؟ ایک دم کایا ہی پلٹ گئی ہے۔ لیکن اس خدشے کے ساتھ کہ اصلی دھرم آ گیا تو کیا ہو گا......؟''

اس ے ملاوہ شکل و صورت کچھ بھی سہی، لیکن اتنی اوقات ہی نہیں تھی کہ کسی حسینہ کو ایک وقت لنچ بھی ا ا ملوا، اور اب ،· سیناؤں کا طوفان آیا ہوا تھا۔ رکمنی، نتاشہ، زمل، ایک سے بڑھ کر ایک، انتخاب مشکل ہے۔ ا ما اور گزرا۔ پھر مجھے سیل پر تیواری کی کال موصول ہوئی۔ میں نے سیل آن کر کے کہا۔

''ہیلو......!''

''پہلا سوال، تم نے اپنا سیل نمبر زمل کو تو نہیں دیا......؟''

''نہیں......! اس نے مانگا بھی نہیں، لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ زمل مجھ سے ملی ہے......؟''

''جو کھیل ہو رہا ہے، وہ ہر لمحہ زندگی موت کا کھیل ہے۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو۔ مجھے بھی تمہاری مصروفیات ے ہر لمحے سے آگہی ہے اور اب ارون شرما کو بھی۔''

''اوہ......!''

میں نے کہا۔

''پھر اب غور سے سنو......! ہوٹل سے باہر نکل آؤ۔ باہر ٹیکسیاں کھڑی ہیں۔ ایک ٹیکسی لے کر نکل ا۔ اس سے کہو کہ لال قلعہ چلے، کچھ وقت لال قلعہ میں گزارو، بے فکری سے گھومو، آدھے درجن خطرناک لوگ تمہاری حفاظت کر رہے ہیں۔ پھر ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد باہر آؤ۔ جیسے ہی تم باہر نکلو گے، تمہیں کال ملے گی۔ وہیں تمہیں آگے کے پروگرام کے بارے میں بتا دیا جائے گا۔''

''اوہ......! اتنا گھماؤ پھراؤ......؟''

''ضروری ہے......!''

جواب ملا اور فون بند ہو گیا۔ مجھے وہی کرنا تھا جو کہا گیا تھا۔ بہت بڑی تاریخ نگاہوں کے سامنے تھی۔ لال قلعے میں ایک گھنٹہ لمحوں میں گزر گیا۔ باہر نکلا تو فون پر اشارہ موصول ہوا، اور وہ تھا، سیل آن کریں۔

''سر......! نیلے رنگ کی خوشیاں آپ کے عین سامنے ہے۔''

''ہاں......!''

''اور میں اس کے پاس کھڑا آپ کو فون کر رہا ہوں۔''

لہا گیا اور میں نے سامنے دیکھا۔ ایک بھاری بھرکم آدمی نیلے رنگ کی امپورٹڈ گاڑی کے ساتھ کھڑا

ہوا تھا

''ہاں ! میں نے دیکھ لیا ہے۔''

''پلیز ! آ جایئے......!''

''اوکے !''

میں نے کہا اور کچھ دیر کے بعد خوب صورت لگژری کار دلی کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ اس بار تیواری

نے ایک بالکل نئی عمارت میں میرا استقبال کیا تھا۔ وہ بہت خوش گوار موڈ میں تھا۔ مجھ سے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''تہلکہ مچا دیا ہے تمہاری آمد نے، میں نے کسی اتنے بڑے آدمی کو اس طرح بدحواس نہیں دیکھا۔ کمال ہوگیا ہے۔''

''لیکن میں اُلجھن میں ہوں۔''

''بالکل مطمئن ہو جاؤ...... ! سارے کام ہماری توقع کے مطابق ہو رہے ہیں۔ ہاں...... ! نرل سے تمہاری کیا بات چیت ہوئی......؟''

میں نے نرل سے ہونے والی تمام باتیں بتادیں۔

''گڈ...... ! ارون شرما پر بہت برا وقت آ پڑا ہے۔ وہ اپنے سارے مہرے استعمال کر رہا ہے۔ اپنی چھوٹی بیٹی نرل کو اس نے تمہارے پاس بھیج دیا۔ بڑی بیٹی کومل کو میں نے نتاشہ کے پاس بھیج دیا۔ وہ نتاشہ کی دوست ہے۔ اس سے یہ بات معلوم کرلی کہ نتاشہ کی ملاقات تم سے میری کوٹھی میں ہوئی تھی۔''

''ویری گڈ...... ! آپ کی معلومات بھی زبردست ہیں۔''

''اور سنو...... ! خود جانتے ہو وہ کہاں گیا......؟''

''میں کیا جانوں......؟''

''درجن سنگھ کا نام سنا ہے کبھی......؟''

''نہیں...... !''

''درجن کے نام سے مشہور ہے۔ کرائے کا قاتل اور کافی خطرناک آدمی ہے۔''

''گڈ...... !''

اس نے کہا۔

''دو وجوہات ہوسکتی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ وہ درجنا سے تمہارے سلسلے میں کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ دوئم یہ کہ ممکن ہے اس نے تمہارے لئے پہلے ہی درجنا کی خدمات حاصل کی ہوں گی اور اب اس سے بازپرس کرنے گیا ہوگا کہ تم زندہ کیسے ہو......؟''

''اوہ...... !''

میں نے آہستہ سے کہا۔

''یہ بات مجھے خطرناک لگی تھی۔''

تیواری نے شاید میرے چہرے سے میری پریشانی کا اندازہ لگالیا اور مسکرا کر بولا۔

''میرا نام تیواری ہے، درجنا کو اب تک اغواء کرلیا گیا ہوگا۔ تیواری نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی

[illegible]

[illegible] وہ الفاظ یاد آگئے جن میں اس نے کہا تھا کہ تیواری جی بھی ارون شرما کی ٹکر کے آدمی [illegible]

''[illegible] آپ کے آدمی اسے اغواء کریں گے۔''

''[illegible] میں نے بندوبست کرلیا ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی احتیاط ضروری ہے۔ یہ پستول [illegible] کا بنا ہوا ہے، دیکھو...... !''

اس نے ایک خوف ناک پستول میرے ہاتھ میں تھمایا اور میرا ہاتھ لرز گیا۔ میں نے تو کبھی غلیل بھی [illegible] لی تھی، پستول دیکھ کر خود بخود ہاتھ لرز گیا تھا۔ شکر ہے، تیواری نے اس پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی دُھن [illegible]

''میں نے تمہاری وراثت اور جائیداد وغیرہ کے کاغذات تیار کرائے ہیں۔ ایک نگاہ ان پر بھی ڈال [illegible]''

میں نے سرسری طور پر وہ کاغذات دیکھے۔ مجھے ان سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی......؟

''ذرا مجھے درجنا کے بارے میں خبر مل جائے۔ اس کے بعد تم پر حملے کی رپورٹ درج کرائی جائے [illegible]''

''ٹھیک...... !''

''ارون شرما ہر قیمت پر تم سے ملنے کی کوشش کرے گا لیکن اس سے دُور رہنا ہے۔''

میں تیواری سے رُخصت ہو کر اشوکا واپس آگیا۔ جیب میں پستول کا اضافہ ہوگیا تھا، لیکن اسے دیکھ [illegible] سی آرہی تھی۔ مجھے تو اسے ٹھیک طور سے پکڑنا بھی نہیں آتا تھا۔ غرض یہ کہ خوب کھیل ہو رہا تھا۔ اس دن [illegible] کراس کر رہا تھا۔ تیواری کو بھی اور اذن شرما کو بھی۔ ہاں...... ! اذن میں جانتا تھا کہ اب بھی اس جنجال [illegible] بھاگنا بھی چاہوں تو نہیں بھاگ سکتا تھا۔

دوسرے دن نتاشہ میرے پاس آگئی۔ سیدھی میرے کمرے کے دروازے پر آگئی تھی۔ میں سمجھا ویٹر [illegible] وہ نتاشہ تھی۔

''ہیلو...... !''

اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

''[illegible] اطلاع کے بغیر......؟''

[illegible] اسے اندر آنے کی دعوت دے کر کہا۔

''کیا [illegible] اطلاع مل چکی ہے......؟''

''اطلاع......؟''

''ہاں......! لگتا ہے تمہیں نہیں پتا چلا۔''

''کیا ہوا......؟ کس بارے میں......؟''

میں نے حیرانی سے کہا۔

''رام تیواری کو قتل کر دیا گیا۔''

''کیا......؟''

مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

''ہاں......! اور رکمنی بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ بچ گئی لیکن سخت زخمی ہو گئی ہے۔''

بمشکل تمام میں نے اپنے اعصاب پر قابو پالیا، اور بولا۔

''لیکن کس نے......؟ کب......؟ کیسے......؟''

''ایک اجرتی قاتل درجنا نے، لیکن وہ بھی مسٹر تیواری کے ہاتھوں مارا گیا۔ تیواری صاحب نے شدید زخمی ہوتے ہوئے بھی درجنا پر گولیاں چلا کر اسے ختم کر دیا۔''

''مائی گاڈ......!''

میرے منہ سے نکلا۔

''تمہارے نہ چاہنے کے بعد بھی میں یہاں آ گئی۔''

نتاشہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''نہ چاہنے کے باوجود......؟''

میں سوالیہ لہجے میں بولا۔

''ہاں......! تم نے تو مجھے فون تک نہیں کیا۔''

''اوہ......! آپ کو میری پریشانیوں کے بارے میں معلوم نہیں ہے نتاشہ......! معافی چاہتا ہوں، کیا کہوں......؟''

''کوئی بات نہیں......! میں جب بھی ضرورت ہو آپ مجھے فون کر سکتے ہیں۔''

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ چلی گئی اور میرے سامنے پریشانیاں منہ کھول کر کھڑی ہو گئیں۔ تیواری تو میرے لئے سب کچھ تھا۔ اس کے بغیر تو میں پھر وہی غریب آدمی تھا جس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ اسے خوش شکل اور جامہ زیب نہیں ہونا چاہئے۔

''اب کیا کروں......؟''

سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ارون شرما، تیواری پر بھاری پڑ گیا تھا۔ اس نے تیوری کو درجن کے ہاتھوں قتل

[illegible] نے درجنا کو قتل کرا دیا۔ بہترین چال تھی اور اب، اب خود میری زندگی خطرے میں [illegible] خیال آیا۔

''[illegible] اس کا کیا حشر ہوا ہے......؟ وہ کہاں ہے......؟''

[illegible] تھا کہ میرے لئے تو یہی دونوں سب کچھ تھے۔ ان کے بغیر میں بالکل تنہا تھا اور میں بھلا [illegible] کیا مقابلہ کر سکتا تھا......؟ نتاشا کے ذریعے پرکاش ورما سے رابطہ کیا جا سکتا تھا لیکن وہ [illegible] رشتہ تھا۔ اگر میری تہہ تک پہنچ گیا تو پھر جیل میں ہی میری آخری رسومات ادا ہوں گی۔ بھلا اس [illegible] کیا سوال ہو سکتا تھا......؟ دروازے پر دستک ہوئی تو میں چونک پڑا۔

''کون ہے آ جاؤ......!''

اندر داخل ہونے والی نرمل شرما تھی۔ اتنی ہی حسین، اتنی ہی بدصورت اتنی ہی روشن۔

''ہیلو......!''

اس نے دلکش مسکراہٹ سے کہا۔

''ہیلو نرمل......!''

''اوہ یہ ہے تمہارا پرانا لہجہ، ایک بات کہوں......!''

''ہوں......! بیٹھو......!''

میں نے کہا۔

''گھر واپس چلو......! وہ تمہارا گھر ہے۔ تمہیں بہکانے والوں نے تمہیں ہم سے برگشتہ کر دیا ہے۔ [illegible] ہم سے زیادہ اپنا تمہارے لئے کون ہے......؟''

اچانک ہی میرے ذہن میں خیالات کی بجلیاں کوند گئیں۔ ایک انوکھا خیال بھی تھا۔ تیواری ارون [illegible] ہاتھوں زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ میں اس کے مقابلے میں سکت نہیں رکھتا تھا۔ اس شکل میں کیوں نہ چور کو [illegible] دوں۔ بات جائیداد اور دولت کی ہے، گو کون سی میرے باپ کی ہے......؟ جس کی ہے، وہ جانے زندگی [illegible] تو مل جائے گا۔

''کس سوچ میں ڈوب گئے......؟''

نرمل نے مجھے چونکا دیا۔

''سنو......! میں تم سے کچھ اور کہنا چاہتی ہوں۔''

وہ میرے قریب آ گئی۔ میں سوالیہ نگاہوں سے نرمل کو دیکھنے لگا تو کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ [illegible]

''میں تمہیں ساتھ لے جانا چاہتی ہوں، ہر قیمت پر۔ اگر تمہارے ذہن میں کچھ خدشات ہیں تو یہ

بات تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے ہمیشہ تمہارا ساتھ دیا ہے، چاہے اس معاملے میں ڈیڈی سے مجھے مخالفت ہی کیوں نہ مول لینی پڑی......؟"

"میرے ایک سوال کا جواب دو گی......؟"

"ہاں پوچھو......!"

"میرے بارے میں تمہاری اپنے ڈیڈی سے کوئی بات چیت ہوئی......؟"

"ہاں......! ہوئی ہے، لیکن میں تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ اس وقت تک جب تک ڈیڈی سے تمہارے تعلقات اچھے نہ ہو جائیں۔ لیکن ایک بات کی خواہش مند ہوں، وہ یہ کہ جس طرح تم پہلے مجھ پر بھروسہ کرتے رہے ہو، اسی طرح مجھ پر اپنا اعتماد قائم کرلو۔ بولو......! جواب دو......! کیا کہتے ہو اس بارے میں......؟"

"مجھے کیا کہنا تھا......؟ میں تو خود یہ چاہتا تھا کہ اب چور کو چوکیداری سونپ دی جائے۔ کچھ تو بھلا ہوگا۔ چنانچہ میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا اور میرے اس اظہار پر نرمل بہت خوش ہوگئی۔ آخر کار میں اس کے ساتھ اس کی خوب صورت کار میں بیٹھ کر چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد کار اس کوٹھی میں داخل ہوگئی جو تیواری کے کہنے کے مطابق میری کوٹھی تھی۔ صدر دروازے میں ہی ایک خوب صورت شکل نظر آئی اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ درحقیقت ہندوستان بھی حسن کے معاملے میں کسی سے کم نہیں تھا، لیکن وہ لڑکی آگے بڑھی اور کسی قدر طنزیہ انداز میں بولی۔

"تو آپ تشریف لے آئے......؟"

اس کے لہجے پر نرمل چڑ گئی اور بولی۔

"کومل......! تمہارا لہجہ اچھا نہیں ہے، سمجھیں......؟ اور مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں۔ آؤ دھرم......!"

اس نے بڑی اپنائیت کے کہا اور مجھے لے کر اندر داخل ہوگئی۔ کوٹھی جس قدر حسین باہر سے تھی، اسی طرح اندر سے بھی تھی۔ نرمل نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"تمہارا کمرہ آج بھی اسی طرح آراستہ ہے، کسی کو اس کے استعمال کی اجازت نہیں دی گئی۔ اسے کھول کر صاف کر دیا جاتا ہے، مجھے یقین تھا کہ آخر کار تم واپس آؤ گے۔"

میں کمرے میں داخل ہوگیا اور دل چاہا کہ پاؤں سے جوتا اُتار کر کھوپڑی پر دس، بیس لگا لوں۔ اتنا خوب صورت کمرہ چھوڑ کر میں نہ جانے کیسے کیسے چکروں میں پڑا ہوا تھا۔ دبیز اونی قالین بچھے ہوئے تھے، اتنی عظیم الشان مسہری تھی کہ میں اس پر قلابازیاں کھا سکتا تھا۔ ہر چیز سے نفاست ٹپک رہی تھی۔ چھت پر قیمتی فانوس لٹکا ہوا تھا، دیواروں پر حسین پینٹنگز، یہ میری خواب گاہ تھی۔ نرمل نے میرے دونوں شانوں پر دباؤ ڈال کر مجھے مسہری پر بٹھا دیا اور پُرمسرت لہجے میں بولی۔

"اپنی دُنیا میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو، آج بھی ہمارے دل تمہارے لئے کھلے ہوئے ہیں۔"

"صرف ایک بات کہوں گا نرمل......! میں اپنی مرضی سے یہاں سے نہیں گیا تھا۔"

میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"گزری ہوئی باتوں کو بھول جانا ہی اچھا ہوتا ہے دھرم......! غلط فہمیاں تو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہیں، لیکن صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔"

میں نے خاموشی اختیار کی۔ تھوڑی دیر کے بعد نرمل چلی گئی۔ پھر لنچ کا وقت ہوگیا۔ ایک ملازمہ نے کھانے کے کمرے تک ہماری رہنمائی کی۔ یہاں ایک بار پھر میں نے ارون شرما کو دیکھا۔ بلند و بالا قد و قامت، اس شخص کو دوسری بار میں نے بالکل قریب سے دیکھا تھا۔ سفید بالوں کے نیچے جاندار چہرہ، لباس میں نفاست اور ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ۔

"بیٹھو دھرم......! کھانے کے بعد تم سے بات چیت ہوگی۔"

ارون شرما نے کہا اور میں خاموشی سے کھانے میں مصروف ہوگیا۔ ایسی ایسی لذیذ ڈِشیں تھیں کہ دل چاہ رہا تھا کہ میز پر ہی چڑھ جاؤں۔ مسز شرما بھی موجود تھیں۔ شکل ہی سے خرانٹ اور مکار نظر آ رہی تھی یہ عورت، اور اس کی آنکھوں میں نفرت کی جھلکیاں پائی جاتی تھیں۔ اس دوران اس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں کہا تھا اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ دھرم سے بہت نفرت کرتی ہے۔ کھانے کے بعد ارون شرما نے کہا۔

"کچھ وقت دے سکو گے مجھے......؟"

میں خاموشی سے کھڑا ہوگیا تھا اور پھر ارون شرما کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ کمرے کے بارے میں کچھ کہنا ہی بے کار تھا۔ دولت مند لوگوں نے دُنیا میں دولت کی کرشمہ سازیوں سے اپنی جنت تعمیر کر لی ہے۔ یہ کمرہ بھی اسی جنت کا نمونہ تھا۔ ارون شرما نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور خود سگار دانتوں میں دبا کر سونے کے خوب صورت لائٹر سے اسے سلگانے لگا۔

"تم نے اپنا یہ وقت کہاں گزارا دھرم......؟"

"یہ تمام باتیں بے مقصد ہیں شرما صاحب......! میں واپس آ گیا ہوں۔"

"تمہارے دل میں بہت کدورت ہے میرے لئے۔ سنو......! میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ وکرم کھنہ میرے دوست تھے اور ہم دونوں مشترکہ کاروبار کرتے تھے، لیکن آج میں تمہیں پہلی بار یہ بات بتا رہا ہوں کہ یہ کاروبار وہ نہیں تھا جو دُنیا کے سامنے تھا۔ ہمارا اصل کاروبار کچھ اور ہی تھا۔ میں اس کا تذکرہ کر کے وکرم کھنہ کی آتما کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ میں دماغ تھا اور وہ بدن، میں سوچتا تھا اور وہ عمل کرتے تھے۔ جس کاروبار کے تم دعوے دار ہو، اگر اس کے لئے عدالتی کاروائی ہو جائے تو تم پائی پائی سے محتاج ہو جاؤ گے۔ تمام کاروبار میرے نام

یہ دوسری بات ہے کہ اس کے بہت سے مفادات وکرم کھنہ کو پہنچتے تھے۔ کیا سمجھے......؟ میں یہ نہیں کہتا

کہ یہ تمام ملکیت میری ہے، وکرم کھنہ کا بھی بہت کچھ تھا۔ کیونکہ وہ میرا ساتھی تھا۔ لیکن بس، ہاں......! اور ایک بات اور تمہیں بتاؤں۔ رام تیواری اس کاروبار کا دعوے دار بننا چاہتا تھا۔ صرف اس بنیاد پر کہ اسے اس کاروبار کی حقیقت معلوم تھی۔ وہ مجھے بلیک میل کرتا رہتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ مجھے تمہارے خلاف یہ کارروائی کرنی پڑے۔ آج بھی میں تمہیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم مکمل طور پر میرے حق میں دست بردار ہو جاؤ۔ تمہارے لئے سنسار میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں رہے گی۔ وہ سب کچھ تمہارا ہوگا جو وکرم کھنہ کے لئے تھا اور میں تمہیں اتنا بتا دوں کہ تمہارے پاس یہ دولت تمہارے حصے میں آئے گی۔ وہ اتنی ہوگی کہ تمہاری نسلیں عیش کر سکتی ہیں۔''

مجھے بہت ہی احتیاط سے کام لینا تھا۔ ذرا سا پٹڑی سے اُترا تو پٹڑی ہی غائب ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

''میں ہارا ہوا جواری ہوں انکل......! اور ہارے ہوئے جواری کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سودے بازی کرے۔''

''ویری گڈ......! ویری گڈ......! اگر یہ بات ہے تو میری تم سے تمام دُشمنی ختم......! اب ہم نئے ساتھیوں کی حیثیت سے آغاز کریں گے۔''

میں نے گردن خم کر دی، ارون شرما کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کا روّیہ پوری طرح بدل گیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پورے جیون عیش سے رہو۔ کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے جیون میں وہ سب کچھ واپس آ گیا جسے تم کھو چکے تھے۔''

میں نے بظاہر خاموشی اختیار کی۔ لیکن دل میں مسرتوں کی پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں۔ ارے بابا......! مجھے کیا پڑی تھی کہ ایک شاندار زندگی چھوڑ کر بہت بڑی دولت کے حصول کی تلاش میں سب کچھ کھو بیٹھتا......؟ جو مل رہا تھا، بہت کافی تھا، بہت ہی کافی۔ جس کا میں خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا اور اب یہ دُعا تھی میرے ہونٹوں پر کہ خدا اگر دھرم کہیں زندہ بھی ہے تو اس سے اس کی زندگی چھین لے۔ تاکہ میں دھرم بن کر باقی زندگی گزار سکوں۔ پھر اس کے بعد تو واقعی اس کوٹھی میں میری حیثیت ہی بدل گئی۔ اب تو کرمل بھی مجھ سے گھل مل گئی تھی اور یہ دونوں حسینائیں کئی بار میرے دماغ کو شیطان کا مسکن بنا چکی تھیں۔ مگر میں ہر بار شیطان کو اپنے دماغ سے نکال پھینکتا تھا۔

میرے لئے ایک شاندار گاڑی مہیا کر دی گئی تھی جسے میں اپنی خواہش کے مطابق دہلی کی سڑکوں پر دوڑا سکتا تھا، لیکن ابھی جلد بازی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں بے چاری رمنی کے لئے بھی تشویش تھی۔ اس کا کوئی پتا نہیں چلا تھا اور یہ بات میں ارون شرما سے بھی پوچھنا مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ تیواری کو کس نے قتل کیا......؟

لیکن پھر ایک شام میں نے ارون شرما کی کوٹھی میں پرکاش ورما کو دیکھا۔ وہ ارون کے ساتھ باتیں ... اندر آ رہا تھا۔ یہ گٹھ جوڑ بھی کافی دلچسپ تھا۔ ورما تنہا ہی تھا اور وہ ارون شرما کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کافی دیر تک دونوں اندر رہے اور اس کے بعد میں نے ورما کو اپنی کار میں بیٹھ کر جاتے ہوئے دیکھا۔

اسی رات کو ارون شرما ایک اور شخص کے ساتھ اندر آیا تھا، یہ بھاری بدن کا جوان آدمی تھا۔ ارون شرما نے مجھے اس سے ملاقات کراتے ہوئے کہا کہ یہ ایڈووکیٹ ہے اور میرے کاغذات لے کر آیا ہے۔ اس شخص کا نام جئے کرن تھا اور یہ نام میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ بہرحال جئے کرن نے ایک فائل نکال کر میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ اس فائل کو دیکھ لیں، اس کے بعد ان پر دستخط کر کے آپ کو عدالت میں پیش ہونا ہوگا۔''

مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا......؟ اس حسین ماحول کو بھلا کون چھوڑتا......؟ البتہ اس شخص کے جانے کے بعد شرما جی نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا۔

''تمہارے اس تعاون کو میں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، تم اطمینان رکھو دھرم......! تمہارے لئے سنسار میں بہت کچھ موجود ہے۔''

بہرطور یہ کاغذات میرے ہی حوالے کر دیئے گئے تھے، لیکن اپنے کمرے میں داخل ہو کر میں نے ان کاغذات کو پڑھا اور خاصا پریشان ہو گیا۔ کاغذات میں درج تھا کہ میرے پتا جی یعنی دھرم کے پتا جی وکرم کھنہ، ارون شرما کے کروڑوں روپے کے مقروض تھے اور انہوں نے اپنے تمام حصے ارون شرما کے ہاتھوں فروخت کر دیئے تھے اور مجھے ہدایت کی تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے، میں اپنی ہمت اور محنت سے شرما جی کا قرض چکانے کی کوشش کروں۔ کسی چیز کو اپنا نہ سمجھوں، کیونکہ یہ سب شرما جی کی ملکیت ہے۔

تھوڑی دیر تک تو یہ پریشانی میرے ذہن میں رہی، لیکن سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ ان کاغذات پر دھرم کے دستخط کون کرے گا......؟ میں نے تو کہیں دھرم کے دستخط کا نمونہ تک نہیں دیکھا تھا۔ رام تیواری نے بھی یہ کاغذات تیار کرائے تھے جو مقدمے کے لئے تھے۔ اس وقت بھی میرے دستخطوں کی بات آئی تھی، لیکن وہ چیز ٹل گئی تھی۔ میں اپنی کم دماغی کا مظاہرہ کر کے دھرم کے دستخطوں کو طلب کر لیتا، لیکن اب تو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پھر میرے ذہن میں نرمل آئی۔

وہ مجھ سے محبت کرتی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ کہیں مشکل ہوئی تو اس کی مدد لوں گا۔ پھر ایک اور خیال میرے دل میں آیا۔ یہ میرا یعنی دھرم کا بیڈروم تھا۔

''کیوں نہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر بیڈروم کی تلاشی لی جائے......؟''

چنانچہ میں نے یہ کام شروع کر دیا اور میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔ مجھے کچھ ایسے کاغذات مل گئے جن پر دھرم کے دستخط تھے۔ دل مسرت سے اُچھل پڑا تھا۔ آدھی رات تک میں مختلف کاغذوں پر دھرم کے دستخط

کرتا رہا اور آخر کار میں نے اس پر عبور حاصل کر لیا۔ جو کچھ بھی تھا، چاہے اس وقت میرے ہاتھ ہی کٹ جاتے، لیکن جب کچھ نہ ہو تو کچھ ہونا بہتر ہے۔ بعد میں اگر کوئی تحقیق ہوئی اور کوئی مسئلہ بنا تو پھر دیکھا جائے گا۔

''کیا فرق پڑتا ہے......؟ زندگی جو روپ دکھائے، وہ بہتر ہوتا ہے۔''

صبح کو سب سے پہلا سوال ارون شرما نے یہی کیا تھا۔

''ہاں دھرم......! تم نے کاغذات پڑھ لئے......؟''

''جی......!''

میں نے جواب دیا۔

''کیا فیصلہ کیا......؟''

ارون شرما کی ٹٹولتی ہوئی نگاہیں بڑی گہرائی سے میرا جائزہ لے رہی تھیں۔

''میں آپ سے تعاون کروں گا۔''

میں نے جواب دیا اور ارون شرما کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ وہ بولا۔

''اگر یہ فیصلہ تم پہلے ہی کر لیتے تو، خیر......! ٹھیک ہے......! میں جئے کرن کو تمہاری رضامندی کے بارے میں اطلاع کر دیتا ہوں۔''

میرے اس اقرار کے بعد حالات تبدیل ہو گئے۔ ارون شرما کا پورا خاندان خوش تھا، ہر شخص مجھ سے محبت کر رہا تھا، جئے کرن نے کئی بار مجھ سے ملاقات کر کے مختلف کاغذات پر میرے دستخط لئے اور آخر کار ایک دن مجھے عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ میں نے رٹایا ہوا بیان دُہرایا اور آخر کار عدالت میں جج کے سامنے دستخط کر دیئے۔ گویا کام مکمل ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد جو مزہ آیا، اس سے واقعی مزہ ہی آ گیا۔

اچانک ہی حالات بدلے ہوئے محسوس ہوئے۔ سب نے کینچلی اُتار دی تھی۔ شام کی چائے پر مجھے نہ پوچھا گیا، رات کا کھانا مجھے میرے کمرے میں دے دیا گیا اور میں دہشت زدہ ہو گیا۔

''یہ سب کیا ہو گیا......؟''

خوف کے مارے مجھ سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ پھر رات کے پہلے پہر میں نے نرمل کی خواب گاہ پر دستک دی۔ اندر روشنی ہو رہی تھی اور نرمل کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر مجھے دیکھا اور سرد لہجے میں بولی۔

''کیا بات ہے......؟''

''نرمل......! تم بھی......''

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟ کیا کر سکتی ہوں تمہارے لئے......؟''

''تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں نرمل......! میری بات تو سن لو۔''

میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے حکم ملا ہے کہ تم سے کوئی بات نہ کی جائے، اس لئے سوری......!''

اس نے کہا اور بے رُخی سے دروازہ بند کر دیا۔ میں سناٹے میں رہ گیا تھا۔ اب اس چالاک خاندان کی پوری سازش میرے علم میں آ گئی تھی۔ ایک لمحے میں مجھے اندازہ ہوا کہ دستخط جعلی ہی سہی، لیکن ان دستخط سے مجھے کتنے بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ میرے دل میں ایک دم غم و غصے کا طوفان سا برپا ہو گیا۔ لیکن میری پوزیشن ہی کیا تھی......؟ نرمل کے کمرے سے پلٹا تو پیچھے ہی کوئی کھڑا ہوا نظر آیا۔ یہ ارون شرما جی تھے۔

''آؤ......!''

ان کی بھاری آواز اُبھری اور میں ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئے اور بولے۔

''بیٹھو......!''

میں بے جان سے انداز میں بیٹھ گیا۔

''نرمل کے کمرے میں کیوں جا رہے تھے......؟''

''میں اس سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا تھا انکل......!''

''انکل نہیں، صرف مسٹر شرما......! سنو لڑکے......! میں تمہیں اپنی زندگی کا سب سے تلخ سچ سنانا چاہتا ہوں۔ غور سے سنو......! اس میں تمہارا مستقبل پوشیدہ ہے۔ تمہارا باپ وکرم کھنہ میرا دوست نہیں، بلکہ میرا سب سے بڑا دشمن تھا۔ میں ایک چھوٹا سا کاروباری تھا اور وہ کاروبار کی دُنیا کا شیطان تھا۔ اس نے مجھے کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا۔ میری ساکھ ختم کر دی اور نتیجے میں مجھے اس کے جوتوں میں گرنا پڑا۔ وہ یہی چاہتا تھا، میں جھکا تو اس نے مجھے سہارا دیا۔ لیکن میری ٹوٹی انا کی کرچیاں میرے دل میں پیوست تھیں اور ہر کرچی میرے سینے میں کرب پیدا کرتی تھی۔

وکرم کھنہ نے مجھے ازراہِ مذاق اپنا دوست بنا لیا، لیکن خود میری زندگی میں انتقام کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ میں حالات کا انتظار کرتا رہا اور پھر وکرم کھنہ کو میں نے عیاشی کے راستے پر لگا دیا۔ میں نے اپنی عزت بھی [illegible] اس کے لئے، اور میری کوششیں کارآمد ہو گئیں۔ رام تیواری اس کا قانونی مشیر تھا، میں نے اسے توڑ لیا۔ اس کی مدد سے وکرم کھنہ کے مفادات اپنے قبضے میں کرنے لگا۔ لیکن ایک مرحلے پر مجھے وکرم کھنہ کی ضرورت نہ رہی تو میں نے اسے راستے سے ہٹا دیا اور آخری کانٹا تم رہ گئے تھے۔

میں نے تمہارے گرد زبردست جال بنا تھا اور تمہیں بھی راستے سے ہٹانے کی کارروائی کر ڈالی تھی۔

[illegible] ہوئی، جس کی میں نے اسے پوری سزا دے دی۔ میرا تم سے اتنا ہی تعلق تھا دھرم......! کہ تم

سے ان کاغذات پر دستخط کرا لوں، تو یہ کام ہو گیا۔ لیکن میں نے کھنہ کے تمام اثاثوں پر قبضہ کرنے کے بعد جب تمہیں راستے سے ہٹایا تو رام تیواری پھیل گیا۔ اس نے اس دولت میں سے آدھا حصہ مانگا جو میں نے دینے سے انکار کر دیا۔ میں اسے صرف پندرہ فیصد حصہ دینا چاہتا تھا۔ وہ بے بس تھا۔ کیونکہ اگر وہ خود اس جرم کا انکشاف کرتا تو وہ خود بھی مجرم گردانا جاتا۔ پھر نہ جانے کہاں سے اس بدبخت نے تمہیں برآمد کر لیا اور ایک نیا کھیل شروع کر دیا۔ چنانچہ اس کی موت میرے لئے ضروری ہو گئی اور درجنا نے اسے قتل کر دیا اور اس کے بعد میں نے درجنا کو، سمجھے......؟ باقی کام تمہارے علم میں ہے۔

میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں مائی ڈیئر......! اس گھر میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جاؤ دلی کے گلی کوچوں میں بھیک مانگو۔ دُنیا کو بتاؤ کہ تم وکرم کھنہ کے بیٹے ہو اور یہی میرا انتقام ہے۔''

''نہیں انکل......! لیکن......''

''نہ انکل، نہ نہیں نہ لیکن، سمجھے......؟ میرا نام ارون شرما ہے۔''

''ارون شرما......! میں نے آپ سے تعاون کیا ہے۔ میں نے وہ سب کچھ کر دیا جو آپ کی خواہش تھی۔ کیا اس کا کچھ صلہ بھی نہیں دیں گے آپ مجھے......؟ کیا اتنا بھی نہیں کریں گے کہ میں دلی کے کسی گمنام گوشے میں انسانوں کی طرح جی سکوں......؟''

''نہیں......! میرا عہد تھا، میری اکڑ تھی کہ میں وکرم کھنہ کی نسلوں سے بھیک منگواؤں گا۔ بس یہ کافی سمجھو کہ میں نے تمہیں زندگی دے دی ہے۔ اگر اپنی انا کی تشکیل کا خیال نہ ہوتا تو تم بھی ایک دن اپنے باپ کی مانند چتا میں جا لیٹتے۔ جاؤ اس جیون کو غنیمت جانو اور یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ میرے لئے تمہیں دُنیا سے واپس بھیجنا مشکل نہیں ہوگا۔''

''لیکن سر......!''

''جاؤ......!''

ارون شرما نے پستول نکال لیا۔

''ٹھیک ہے......!''

میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا اور دل میں سوچا کہ جان ہے تو جہان ہے۔ سب سے پہلے جان بچائی جائے۔ ویسے بھی میں ایک غیر ملکی ہوں اور ایک دھوکے باز آدمی ہوں۔ وہ نہیں ہوں جو مجھے سمجھ کر یہاں لایا گیا ہے۔ اس لئے فی الحال کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے ساری زندگی جیل میں گزر جائے۔

''دھت تیرے کی......! بس اتنے دن کا کھیل تھا......؟''

لیکن کہانی کتنی مختلف تھی، اس کے بارے میں، میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ میں کوٹھی سے نکل آیا۔ بہت سارے دن ایک ساتھ تھے، زیادہ دُکھ اس کم بخت لڑکی کا تھا جس نے چہرے پر نقاب لگا کر مجھ سے بات کی

تھی۔ بے شک دھرم سمجھ کر ہی سہی، لیکن مجھے محبت کی آنکھوں کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔

مغلوں کی دلی جگہ جگہ جا رہی تھی۔ میں آدھی رات تک بھٹکتا رہا۔ پھر ایک شبینہ ہوٹل میں جا بیٹھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ تھوڑے بہت پیسے بے شک موجود تھے، لیکن اتنے نہیں کہ زیادہ عرصے تک چل سکتے۔ دیارِ غیر میں کیا قسمت آزمائی کرتا......؟ اپنے وطن میں ہی تقدیر نے ساتھ نہیں دیا تھا۔ یہ کھیل تو بچپن سے ہی تقدیر میں لکھا ہوا تھا۔ سب ہی نے دھوکہ دیا تھا۔ سگے چچا نے بھی اور سوتیلے چچا نے بھی۔ اسی ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے صبح ہو گئی۔ کمر دُکھ گئی، چہرہ اُتر گیا تھا۔ سخت ہیجان تھا دل و دماغ پر۔ میں نے سوچا کہ کیا کروں......؟ اگر کسی ہوٹل میں کمرہ لیتا ہوں تو اس کے بعد کھانے کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔ اچانک ہی تاریکی میں ایک شمع روشن ہو گئی۔ ایک خیال دل میں آیا تھا، وہ خیال نتاشہ کا تھا۔ پبلک کال بوتھ میں داخل ہو کر نتاشہ کے نمبر ڈائل کئے اور ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

''ہیلو......!''

''میں مس نتاشہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کون صاحب ہیں آپ......؟''

''دھرم کھنہ......!''

میں نے جواب دیا۔

''ہولڈ کیجئے......!''

کچھ دیر کے بعد نتاشہ کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو دھرم......!''

''نتاشہ......! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کہاں......؟''

اس نے سوال کیا۔

''جہاں تم کہو......!''

''کشن داس کافی ہاؤس، جامع مسجد کے سامنے ہے۔ چھوٹا سا خوب صورت کافی ہاؤس ہے، وہاں آ جاؤ......!''

''کتنی دیر میں پہنچو گی......؟''

''بس دس پندرہ منٹ کے اندر، کوئی خاص بات ہے کیا......؟''

''ہاں......!''

میں نے جواب دیا۔

''اوکے......!پہنچ جاؤ......!''

میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ پھر ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر جامع مسجد جانے والی سڑک پر چل پڑا۔ وہ کافی ہاؤس مجھے آرام سے مل گیا۔ پرسکون ائیر کنڈیشنڈ، میرے پہنچنے کے چند منٹ کے اندر اندر نتاشہ بھی وہاں آگئی، بہت کھلی کھلی نظر آرہی تھی، مجھے دیکھ کر چونک پڑی۔

''ارے......! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے......؟ خیریت......؟ بتاؤ کیا بات ہے......؟''

''کیا پیو گی نتاشہ......؟''

میں نے پھیکے لہجے میں کہا۔

''یار......! ابھی کچھ نہیں۔ پہلے اپنی کیفیت کے بارے میں بتاؤ''

نتاشہ نے اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تقدیر نے میرے وجود کو ٹھکرا دیا ہے نتاشہ......! میں ہر بازی ہار چکا ہوں۔''

''مگر ہوا کیا......؟ یہ تو بتاؤ......!''

وہ بولی اور میں نے محتاط انداز میں اپنی اصل شخصیت چھپا کر اسے پوری کہانی سنا دی۔ نتاشہ کے چہرے کے رنگ بدلتے رہے۔ پھر اس نے کہا۔

''مگر تم نے ان لوگوں پر اتنا اعتبار کیوں کرلیا......؟ حماقت تمہاری ہے۔ چلو اٹھو آؤ۔ چلتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈیڈی سے بات کرتی ہوں۔ وہ ضرور تمہاری مدد کریں گے اور کوئی مشورہ دیں گے تمہیں۔ اُٹھو......! ہمیں کچھ نہیں پینا۔''

نتاشہ نے ضد کی اور میں اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ بہرطور کچھ وقت کے بعد نتاشہ مجھے لے کر اپنے ڈیڈی کے دفتر پہنچ گئی۔ لیکن مجھے دیکھ کر خود مسٹر پرکاش ورما نے عجیب سی شکل بنائی تھی۔ مجھے بیٹھنے کے لئے کہا گیا اور اس کے بعد نتاشہ نے پُرجوش لہجے میں پوری کہانی پرکاش ورما کو سنائی۔ لیکن پرکاش ورما کے چہرے کی بے حسی میں نے ابتداء ہی میں محسوس کرلی تھی۔

''آپ ارون شرما کو اس جرم کی سزا دیں ڈیڈی......! اسے گرفتار کرلیں۔''

نتاشہ نے کہا۔

''تم بے وقوف ہو لڑکی......! تم ارون شرما کو جانتی ہو۔ قصور کسی اور کا نہیں، دھرم کا ہے۔ اس کی عقل کہاں چلی گئی تھی......؟ جس وقت اس نے عدالت میں دستخط کئے تھے اور یہ دستخط تم نے ہوش وحواس کے عالم میں کئے تھے مسٹر دھرم کھنہ......! کسی کا کیا قصور ہے......؟''

''لیکن سر......! مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

''کیا یہ وعدہ عدالت میں کیا گیا تھا......؟''

پرکاش ورما نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''نن نہیں......! عدالت میں تو نہیں۔''

''پھر ایک زبانی وعدے کی کیا حیثیت ہے......؟ تم اپنا سب کچھ کھو چکے ہو جوان......! بہتر ہے اب کوئی الجھنے کی کوشش نہ کرو۔ ارون شرما کی قوتوں کا غلط اندازہ لگایا ہے تم نے، اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ اگر چاہے تو آسانی سے تمہیں رام تیواری اور درجنا کے قتل کے الزام میں پھنسا سکتا ہے۔ وہ اگر چاہے تو کسی بھی سڑک پر تمہاری خون میں ڈوبی ہوئی لاش پڑی مل سکتی ہے۔ زندگی بچاؤ اور زندگی کے لئے نئے سرے سے جدوجہد کرو۔ اس کے علاوہ تمہیں اور کوئی سزا نہیں دے سکتا میں۔''

نتاشہ کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''لیکن ڈیڈی......! سنئے تو سہی......!''

''تم خاموش ہو جاؤ نتاشہ......!''

''اور تم جاسکتے ہو دھرم......!''

نتاشہ میرے ساتھ اُٹھنے لگی تو پرکاش ورما نے کرخت لہجے میں کہا۔

''تم کہاں جارہی ہو نتاشہ......؟''

''ڈیڈی......! میں......''

''بیٹھو......! مجھے تم سے کام ہے۔''

پرکاش ورما کے لہجے سے اندازہ ہوگیا کہ اب مجھے وہاں نہیں رُکنا چاہئے۔ چنانچہ وہاں سے بھی نکل آیا۔ وقت بدل گیا۔ میری خوش قسمتی ایک بار پھر مجھے سڑکوں پر لے آئی تھی۔ اب کیا کروں......؟

سوچنے کے لئے کوئی جگہ درکار تھی۔ جو بچی تھی، اس نے کمر توڑ دی۔ مجرم در مجرم تھا۔ غیر کام سے غیر قانونی طور پر ایک ملک میں موجود تھا، اور وہ نہیں تھا جو جانا جا رہا تھا۔ ایک مناسب جگہ رُک کر میں نے جیب میں موجود رقم کا جائزہ لیا۔ اس وقت وہ زندگی کی ضمانت تھی۔ غور کر کے ہر قدم اُٹھانا تھا۔ ساری صورتِ حال کا بخوبی اندازہ تھا۔ بہت دیر تک اجنبی سڑکوں اور گلیوں میں گھومتا رہا۔ پھر ایک چھوٹے سے ہوٹل میں جا بیٹھا۔ مسلمان ہوٹل تھا۔ چربی میں پکے کھانوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ بے اختیار دل کھانے کو چاہا اور میں نے کھانا منگوالیا۔

کیا کھانا تھا......؟ میری اوقات کے مطابق، وہ بیرا جو کھانا لایا تھا، پتا نہیں کیوں مجھے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''سنو......!''

میں نے اسے آواز دی۔

''جی پہلوان......! بولو......!''

''تم مجھے دیکھ کر مسکرائے کیوں تھے......؟''

''باہر سے آئے لگ رہے ہو......؟''

''ہاں یار......! بہت پریشان ہوں۔''

''کہاں سے آئے ہو میاں خان......؟''

''کک...... کانپور سے۔''

''میرا بھی یہی خیال تھا۔''

''کک...... کیا......؟''

''شکل سے ہی کنپوریئے لگ رہے ہو۔''

''اچھا......! تمہارا کیا نام ہے۔''

''شکور خان......!''

''یار......! نوکری کی تلاش میں آیا ہوں۔''

''منیجر کی نوکری کرو گے......؟''

''کک...... کیا......؟ کہاں......؟''

''میرے کو کیا معلوم بھیے......!''

''مذاق اُڑا رہے ہو میرا......؟''

''اماں نہیں پہلوان......! شکل وصورت دیکھ کر کہہ رہا ہوں۔ بیرا گیری تو کرو گے نہیں۔''

''پہلے تو رہنے کے لئے جگہ چاہیئے۔''

''ہوٹل......!''

''کہیں کوئی سستی سی جگہ۔''

''کتنی سستی......؟''

''یار......! بے کار بحث کر رہے ہو۔ جتنی زیادہ سے زیادہ سستی ہو، اچھا ہے۔''

''چلو......! تم نے مشکل حل کر دی۔ جاؤ اچھے کی سرائے چلے جاؤ۔ وہ خود بھی کانپور کا ہے۔ کنپوریوں سے بڑا پیار کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ تم سے پیسے بھی نہ لے۔''

''کہاں ہے یہ سرائے......؟''

''ٹوٹی حویلی کے پاس......!''

''میرے بھائی......! یہ ٹوٹی حویلی کہاں ہے......؟''

''ابے یار......! ڈینو پا ہو پورے، میں بتاتا ہوں۔''

شکور خان نے مجھے ٹوٹی حویلی اور اچھے کی سرائے کے بارے میں تفصیل بتائی، میں چل پڑا۔ ٹوٹی حویلی کا پتا چل گیا اور اچھے کی سرائے بھی مل گئی۔ خاصی بڑی جگہ تھی اور اچھے خاصے کمرے تھے۔ اچھے خان بھی سچ کا اچھا آدمی تھا۔ لیکن سرائے میں لوگ نہ ہونے کے برابر تھے۔

''بھائی میاں......! روزی روٹی مالک کے ہاتھ ہوتی ہے۔ کیسے وہ دیتا ہے، کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا۔''

''یہ جگہ تو بڑی سنسان ہے، یہاں لوگ آتے ہیں......؟''

''بھولے بھٹکے آجاتے ہیں، ورنہ ادھر کون آتا ہے......؟''

''کیوں......؟''

''ٹوٹی حویلی کی وجہ سے۔''

''کیا مطلب......؟''

''میاں......! جناتوں کی وجہ سے سب کی ہوا کھسکتی ہے۔''

''جنات......؟''

''ہاں میاں......! ٹوٹی حویلی میں جنات پھرتے ہیں۔''

اچھے خان نے بتایا۔ میں جناتوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ بہت سے قصے سن چکا تھا۔ جنات ایسے ہوتے ہیں، ویسے ہوتے ہیں۔ کسی کے دوست بن جائیں تو وارے نیارے ہو جاتے ہیں اور کسی کے دُشمن بن جائیں تو......

''ارے باپ رے......!''

اچھے خان سچ مچ اچھے انسان تھے۔ سادہ لوح، ہمدرد، انہوں نے بذاتِ خود کبھی ٹوٹی حویلی کے کسی جن سے ملاقات نہیں کی تھی۔ میں نے بھی کچھ وقت خاموشی سے گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جو دن گزرے تھے، وہ یادگار تھے۔ کیا نہیں تھا......؟ دولت، عیش وعشرت، خوب صورت حسینائیں، سب کچھ ایک خواب کی مانند۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ اچھے خان نے کہا۔

''ہاں احتشام بھیے......!''

''جی خان صاحب......!''

''ابے بھائی......! مایوس بیٹھے ہو کیا......؟''

''ہماری تقدیر ایسی کہاں......؟''

''ابے نہیں......! شادی کرو گے......؟''

''نہیں......!''

''کائے کو......؟''

''بس وہ شعر ہے ناں......!

جو اہل ہوتے ہیں انہیں ملتی ہے اہلیہ
ہر شخص کے نصیب میں منے کی ماں کہاں''

''ابے ــلے......! کیا شعر ہے......؟ میں اس لئے کہہ رہا تھا کہ جس دن سے آئے ہو، کمرے میں ہی گھسے رہتے ہو۔ گھوما پھرا کرو چندا......! پھپھوندی لگ جائے گی ہاتھ پیروں میں۔''

بے چارے اچھے خان یہ سب خلوص سے کہہ رہے تھے۔ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اچھا ہے ارون شرما کی آنکھوں سے دُور رہوں۔ وہ ذلیل انسان مجھے سڑکوں پر بھیک مانگتے دیکھنا چاہتا تھا۔ ویسے میں بھی اب بوریت محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ تیار ہو کر باہر نکل آیا۔

جیسے کہ میں بتا چکا ہوں کہ ٹوٹی حویلی کا علاقہ شہر سے کافی دُور کا علاقہ تھا، اس لئے زیادہ تر سنسان ہی رہتا تھا۔ اس وقت بھی ہر طرف ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ میں بے خوابی کے عالم میں چلتا رہا۔ ذہن سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ سمت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ پاؤں رُکے اور ہوش آیا تو ٹوٹی حویلی کے دروازے پر تھا۔

میں ہکا بکا رہ گیا۔ میں جان بوجھ کر ادھر نہیں آیا تھا۔ اس بے خیالی کے عالم میں قدم اس طرف لے آئے۔ اس عمارت کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، سب یاد آ گیا۔ دل سے کہا۔

''بیٹا......! واپس دوڑ لگا دو۔ کہیں کوئی جن گردن نہ پکڑ لے۔''

بدن میں خوف کی سنسنی دوڑ گئی۔ سردی لگنے لگی اور رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کچھ لمحات تو خوف کے عالم میں گزرے، پھر نہ جانے کون سے جذبے نے سر اُبھارا اور قدم خود بخود حویلی کے سنگی در کی طرف اُٹھ گئے جو ویران نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں اس ڈر سے اندر داخل ہو گیا۔ پہلا احساس جو دل میں اُبھرا تھا، وہ یہ تھا کہ حویلی پوری طرح کھنڈر میں کہیں تبدیل ہوئی ہے۔ پتا نہیں اس کی اصل تاریخ کیا ہے......؟ اندر اچھا خاصا صاف ستھرا ماحول تھا کہ ہر چیز سے ویرانی ٹپک رہی تھی۔ ایک پُراسراریت پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔

میں نے سوچا، اب یہاں آ ہی گیا ہوں تو اسے اور اندر سے دیکھیں۔ چنانچہ میں آگے بڑھ گیا۔ بہت سے سنگی در، ٹوٹ دروازے نظر آ رہے تھے، جن کے دوسری طرف چھت نہیں تھی اور روشنی سی تھی۔ لیکن ایک دروازہ کے دوسری طرف کچھ اندھیرا سا تھا۔ میں نے سوچا آگے بڑھ کر دیکھوں اور میرے قدم مجھے اس طرف لے چلے۔ میں در کے پاس پہنچ گیا۔ یہ بھی دوسرے دروں کی طرح تھا، لیکن اس کے اوپر چھت قائم تھی۔ اس کے دوسری طرف مکمل تاریکی تھی۔ میں نے آگے بڑھنے کے لئے قدم اُٹھا دیئے، لیکن بالکل غیر محتاط بات تھی اور نتیجہ بھگتنا پڑا۔

دروازے کے دوسری طرف خلاء تھا اور میں کچھ اس طرح اندر کی طرف قدم بڑھائے تھے کہ توازن بھی بر[illegible]را نہ رکھ سکا اور دوسرے لمحے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

دوسری طرف خلاء تھا اور میں اس خلاء سے نیچے گرا تھا۔ شکر ہے وہ کوئی گہرا کنواں نہیں تھا، بلکہ

[illegible] کے مطابق کوئی دس فٹ نیچے گرا تھا۔ چوٹ تو خیر لگی تھی لیکن ایسی نہیں کہ کھڑا نہ ہو سکتا۔ ویسے بھی گرنے [illegible] وہ سائیکل سے گرا ہو یا کہیں اور سے، اس دیوار کو ٹٹولا جس کے اوپر وہ دروازہ تھا، لیکن یہ سپاٹ دیواریں تھیں اور ان میں کوئی رخنہ نہیں تھا۔ پھنس گیا بری طرح، دل نے آواز لگائی۔ وہیں پر بیٹھ گیا۔

''دھت تیرے کی......! ایسی بھی کیا تقدیر......؟''

ہر جگہ مشکل ہی مشکل تھی۔

''اب کیا کروں......؟ کیسے یہاں سے نکلوں گا......؟''

پھر دل کو ڈھارس دی کہ یہ ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات ہیں، ممکن ہے کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں سے باہر نکلا جا سکے۔ یہ سوچ کر اُٹھا اور ہر طرف آنکھیں پھاڑنے لگا۔ رفتہ رفتہ آنکھیں اندھیرے کی عادی ہونے لگیں تو یہ جگہ ایک بہت بڑے ہال جیسی نظر آئی، جس میں چھ سات در بنے ہوئے تھے لیکن سارے کے سارے دروازوں سے محروم تھے۔ پھر ایک جگہ نگاہ رُک گئی۔ اگر نظر کا واہمہ نہیں تھا تو اس طرف ایک ہلکی سی مرمری روشنی نظر آ رہی تھی۔ مدہم سی روشنی، اس روشنی پر نگاہ جم گئی۔ کیا یہ اوپر سے آنے والی سوچ کی روشنی کی کوئی کرن ہے جو کسی درز سے آ رہی ہے، کسی شیشے سے منعکس ہو رہی ہے۔

''اس کا مطلب ہے کہ اس در کا بیرونی حصے سے رابطہ ہے۔ خدا کرے یہاں سے باہر نکلنے کا دوسرا راستہ مل جائے۔''

☆......☆......☆

میں سہمے سہمے قدموں سے چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا، قرمزی روشنی میری رہبر تھی اور اس کے قریب پہنچ کر ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خوشی کا سا ایک احساس جاگا۔ یہ ایک دروازہ تھا جس کے دوسری طرف سے یہ مدہم مدہم روشنی آ رہی تھی۔

''ہوسکتا ہے اس دروازے کا دوسرا حصہ باہر کی کسی جگہ کھلا ہوا ملے اور مجھے وہاں سے باہر نکلنے کا موقع مل جائے۔''

یہ سوچ کر میں اس کھلے دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ فضاء میں بے حد ٹھنڈک تھی اور دوسری جانب مدہم مدہم روشنی محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن کوئی ایسی جگہ نہیں نظر آ رہی تھی جو اس بات کا احساس دلائے کہ وہاں باہر جانے کا راستہ ہے۔ فضاء میں ایک پُر اسرار سا ارتعاش محسوس ہو رہا تھا اور میرے دل کی دھڑکنیں کافی تیز ہو رہی تھیں۔ اس مدہم روشنی میں یہ ماحول خاصا بہتر نظر آ رہا تھا۔ میں ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ایک جگہ مجھے کچھ رخنہ سا محسوس ہوا۔ یوں لگا جیسے یہ باہر جانے کا کوئی دروازہ ہو جو بند ہو۔

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس جگہ پہنچا لیکن پھر اچانک ہی میرے دل کی دھڑکنیں جیسے رُک گئیں۔ اس رخنے سے ایک ہاتھ باہر نکل پڑا تھا، سو فیصدی انسانی ہاتھ، گوشت پوست والا، کسی ڈھانچے کا ہاتھ بھی نہیں محسوس ہوتا تھا، بس یوں لگا تھا جیسے کسی نے ہاتھ باہر نکال دیا ہو۔ بڑی مشکل سے اپنی چیخ کو دبا سکا تھا، لیکن پھر دل میں تجسس پیدا ہوگیا۔

''انسان تو انسان ہی ہوتا ہے اور تجسس انسانی فطرت کا ایک حصہ۔''

میں نے سوچا کہ دیکھوں تو سہی یہ انسانی ہاتھ یہاں کہاں سے آ گیا......؟ چنانچہ آگے بڑھا، پتا نہیں اس وقت کون سی حس کام کر رہی تھی ورنہ اس پُر اسرار ماحول اور ٹوٹی حویلی کی آسیب زدہ حکایتیں بھی اس بات کے لئے آمادہ نہ کرتیں کہ میں اس ہاتھ کو چھو کر دیکھوں۔ میں نے ہاتھ کو چھو کر دیکھا اور اچانک ہی کچھ اینٹیں اوپر سے نیچے گر پڑیں۔

اس بار میں اپنی چیخ کو نہیں روک سکا تھا۔ گرتی ہوئی اینٹیں میرے اردگرد گری تھیں لیکن انہوں نے

مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ ان میں سے کچھ اینٹیں میرے پیروں پر بھی گری تھیں لیکن بالکل کاغذ کے پھولوں کی طرح سے۔ البتہ جو خلاء ان اینٹوں کے گرنے سے پیدا ہوا تھا، وہاں سے ایک پُر اسراری تیز روشنی پھوٹ پڑی تھی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ آہستہ آہستہ روشنی تیز ہوتی چلی گئی اور پھر میرے خوف کی انتہاء ہوگئی۔ اس روشنی میں، میں نے ایک انسانی بدن کو کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔ دیوار کے اندر ایک جیتا جاگتا انسان، ناقابل یقین سی بات تھی۔ میں اس پر سے نگاہیں بھی نہیں ہٹا سکتا تھا، میرے لئے وہ منظر انتہائی بھیانک تھا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں، لیکن آہستہ آہستہ اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے پپوٹے ہلنے لگے اور ان میں ابھری نمودار ہوتی رہی، پھر وہ آنکھیں پوری طرح کھل گئیں اور اس کے بعد اس نے اپنا وہ ہاتھ جو باہر نکلا ہوا تھا، سمیٹ لیا، ہاتھ سمیٹنے کے بعد اس نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر اپنا دوسرا ہاتھ آگے بڑھا دیا، جیسے وہ میرا سہارا حاصل کرنا چاہتا ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں......؟

لیکن پھر میں نے اپنے داہنے ہاتھ کو اُٹھتے ہوئے دیکھا۔ آپ یقین کریں، میں اپنے ہاتھ کو اپنی قوت ارادی کے بغیر اُٹھتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔ میرا ہاتھ اس کے ہاتھ تک پہنچا، اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر آہستہ آہستہ اس کا بدن ہلا اور وہ دیوار سے باہر نکل آیا۔ میری زبان اینٹھ گئی تھی، مجھ سے بولا تک نہیں جا رہا تھا۔ تبھی اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم......تم......تم کون ہو......؟''

اس وقت میری زبان بھی میرے قابو میں نہیں رہی تھی، جس نے اسے میرا نام بتایا، میری زبان سے نکلا۔

''میں احتشام...... شامی، احتشام...... شامی...... بدقسمتی سے یہاں آ پھنسا ہوں، مجھے معاف کر دو......! امم......میں یہاں سے باہر جانا چاہتا ہوں۔''

''نہیں......! اس طرح سے بات نہ کرو، اس طرح سے بات نہ کرو۔ مجھے سہارا دے کر چند قدم چلاؤ، میں چلنا بھول چکا ہوں۔''

اس نے اس طرح سے کہا جیسے اسے یقین ہو کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے، میں اس کی ہدایت پر عمل کروں گا، اور ایسا ہی ہوا۔ وہ میرے سہارے کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھ آیا، پھر وہ ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

''یہاں سے، اس جگہ سے باہر چلو، اس دروازے سے باہر نکل جاؤ تاکہ......تاکہ میری صورتِ حال بہتر ہو سکے۔''

اس بات پر بھی میں نے عمل کیا تھا۔ میں اس دروازے سے باہر نکل آیا۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا، گرم اور زندگی سے بھرپور ہاتھ، ویسے بھی وہ ایک زندہ انسان ہی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن میرے ہوش اُڑے جا

رہے تھے۔ ٹوٹی حویلی کی ایک دیوار سے ایک انسان برآمد ہوا تھا، اگر کسی سے کہتا بھی تو وہ میرا مذاق اُڑاتا۔ تاہم میں اسے لئے ہوئے اس دروازے سے باہر نکل آیا، تب میں نے اس کی گہری گہری سانسوں کی آواز سنی۔

''تم نے...... تم نے میرے اوپر اتنا بڑا احسان کیا ہے میرے دوست......! احتشام ہے ناں تمہارا نام......؟ میں تمہیں اگر شامی کہوں تو کوئی حرج تو نہیں ہے......؟''

''نہیں......! مجھے اسی نام سے بلایا جاتا رہا ہے۔ بلکہ...... بلکہ...... چلیں چھوڑیں۔''

''آؤ......! ذرا میں تمہیں آگے لئے چلتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایک اُمید سی ہوگئی کہ میں اس طلسم گاہ سے باہر نکل سکتا ہوں اور ایسا ہی ہوا۔ وہ مجھے لئے ہوئے باہر آیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے کھلا آسمان دیکھا۔ میرے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، میں نے حیرانی سے کہا۔

''میں باہر آگیا ہوں۔''

''ہاں......!''

اس نے جواب دیا اور میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ مجھے انتہائی حیرت ہوئی جب میں اس کی جانب مُڑا تو وہ میرے سامنے نہیں تھا۔ اِدھر اُدھر بھی کہیں موجود نہیں تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ معبود دو جہاں جیسے بھی باہر آیا، لیکن میں کسی بھی طرح باہر آگیا۔ البتہ چند ہی لمحوں کے بعد مجھے اس پُراسرار وجود کی آواز سنائی دی۔

''میں تم سے دُور نہیں ہوں، لیکن روشنی میں، میں تمہارے سامنے نہیں آسکتا۔ بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ، یہ جگہ بڑی پُرسکون ہے۔ بیٹھ جاؤ......! تمہیں تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا۔''

''انتظار......؟''

میں نے سوال کیا۔

''ہاں......! رات ہونے کا انتظار اور رات ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔''

اس کے ان الفاظ پر میں چونک پڑا۔ اب تک میں نے یہ اندازہ نہیں لگایا تھا کہ جس وقت میں یہاں آیا تھا، وہ کیا وقت تھا......؟ اور اب کیا وقت ہے......؟ مجھے لگ رہا تھا جیسے بہت سا وقت گزر چکا ہے۔ یہ انتہائی حیرت انگیز بات تھی۔ اس تہہ خانے میں یا ٹوٹی حویلی کے اس پُراسرار حصے میں جہاں سے یہ انسان نمودار ہوا تھا، مجھے وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا تھا۔ لیکن اب یہاں آنے کے بعد یوں لگ رہا تھا جیسے بہت وقت گزر چکا ہو۔

بہرحال اس کے اشارے پر میں بیٹھ گیا۔ مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ میرے برابر کوئی موجود ہے، لیکن میں اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ میں نے چند لمحات کے بعد اپنے آپ پر قابو پا کر کہا۔

''سنو......! تم کون ہو......؟ کیا ہو......؟ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم، لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ

میری وجہ سے تمہیں کچھ فائدہ ہوا ہے تو براہِ کرم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''میرا نام ابرانوس ہے، میں نسلاً جن ہوں، آتشیں مخلوق، جبکہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ تم مٹی کی تخلیق ہو اور انسان زادے ہو۔ لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں تمہیں مختصراً اپنے بارے میں بتاؤں۔ ایک عالم نے وظیفہ پڑھ کر مجھے قابو میں کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرا اس سے پھڈا ہوگیا اور اس نے مجھے انارکلی بنا دیا۔''

''کیا بنا دیا......؟''

''انارکلی......!''

اس کی آواز سنائی دی اور وہ ہنس پڑا۔ بڑی دلکش ہنسی تھی۔ ویسے بھی میں نے اسے نمودار ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ ایک حسین نقوش کا نوجوان آدمی تھا، بلند و بالا قد کا مالک اور دلکش شخصیت رکھنے والا۔ لیکن اس نے اپنے بارے میں جو انکشاف کیا تھا، وہ بڑا حیرت ناک تھا، البتہ فوراً ہی مجھے اچھے خاں کی باتیں یاد آگئیں۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ ٹوٹی حویلی جنوں کا مسکن ہے اور اس کی اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی۔ مجھے ایک جن ملا تھا۔ شک و شبے کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ وہ دیوار سے نمودار ہوا تھا اور اب اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''عالم نے مجھے قبضے میں کرنے کے لئے عمل پڑھا تھا اور میں نے اس سے گریز کیا تھا۔ جھگڑا ہوتا گیا، میں واپس یہاں بھاگا تو وہ میرے پیچھے پیچھے آیا اور پھر اس نے اپنے علم کے ذریعے مجھے دیوار میں قید کر دیا۔ میں دیوار کا قیدی بن گیا۔ لیکن میری زندگی کا خاتمہ نہیں ہوسکا تھا۔ مجھے صرف اس وقت کا انتظار تھا، جب کوئی مجھے اس عذاب سے نجات دلائے، اور وہ تم ہو میرے دوست......! میں تمہارا انتہائی شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے اس عذاب سے بچا لیا۔''

''تم کتنے عرصے سے یہاں قید تھے......؟''

اب میرے اندر بھی ہمت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

''کچھ بھی نہیں کہہ سکتا، کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ کوئی وقت کا اندازہ نہیں ہے۔ بہرطور میں تمہیں بتاؤں کہ اب میری اور تمہاری دوستی پکی ہوگئی۔ تم مجھے ابرانوس کے نام سے پکار سکتے ہو۔ بس ایک بات میں کہوں گا تم سے، تم کبھی جھوٹ مت بولنا۔ اب تمہاری آگے کی زندگی بالکل پُرسکون ہوگی۔ تمہارے دُشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ میرا وجود تمہارے ساتھ سفر کرے گا۔

میں جانتا ہوں کہ وہ عالم آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ وہ جگہ جگہ میرا تعاقب کرے گا۔ کیونکہ اس کے بعد سے اب تک وہ میری نگرانی کرتا رہا ہے۔ وہ بھی ایک جنونی آدمی ہے اور میں اس سے خوف زدہ ہوں۔ کیونکہ وہ زیادہ قوتوں کا مالک ہے، اس کے پاس بہت علم ہے اور میں تن تنہا ہوں۔ میں تم سے ایک

اجازت چاہتا ہوں میرے دوست......!''

اس نے کہا اور میں پھر ادھر اُدھر آنکھیں پھاڑنے لگا۔ پھر میری نگاہ زمین پر اُٹھ گئی۔ زمین پر دو سائے نظر آ رہے تھے، ایک میرا اور ایک اس کا۔ لیکن وہ صرف ایک سائے کی حیثیت رکھتا تھا، جبکہ اس سے پہلے میں اسے اصل شکل میں دیکھ چکا تھا، میں خاموش رہا تو وہ بولا۔

''اصل میں میرے لئے کچھ مشکلات ہیں جن کے بارے میں، میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ لیکن یوں سمجھ لو کہ وہ عالم جس نے مجھ پر قبضہ جمانے کی کوشش کی تھی اور جس نے مجھے انارکلی کی طرح دیوار میں چن دیا تھا، جب اسے علم ہوگا کہ میں آزاد ہو چکا ہوں تو وہ مجھے تلاش کرے گا۔ میں اس کی نگاہوں سے بچنا چاہتا ہوں۔''

''مگر تم تو ایک جن ہو، جن عام انسانوں کو تو نظر نہیں آتے۔''

''بے شک ایسا ہی ہے، لیکن وہ عالم عام انسان نہیں ہے، وہ مجھے تلاش کرے گا اور ایک بار پھر مجھے اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کرے گا۔''

''تو پھر میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں......؟''

میں نے سوال کیا۔

''تم مجھے اپنے اندر رہنے کی جگہ دے دو۔''

''کیا مطلب......؟''

''میں تمہارے اندر رہنا چاہتا ہوں۔''

''بھائی...... !میری سمجھ میں کچھ نہیں آسکا۔''

''بتا رہا ہوں ناں تمہیں، میں اپنے آپ کو تم میں ضم کر دیتا ہوں اور اس کے بعد وہ عالم مجھے نہیں پا سکے گا۔''

مجھے بڑی حیرانی ہوئی، اس کے یہ الفاظ میری سمجھ میں آ ہی نہیں سکے تھے۔ میں سر کھجانے لگا تو وہ بولا۔

''نہیں......!تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا اور سنو......! یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ میں ہر وقت تم پر مسلط رہوں۔ میرے اپنے بھی معاملات ہوں گے۔ ہاں......!اگر کہیں مجھے اس عالم سے خطرہ ہوا تو میں تمہارے اندر آ جاؤں گا۔''

''بات میری سمجھ میں ہی نہیں آسکی۔''

''تم بس مجھے یہ اجازت دو کہ ہاں، تم مجھے اپنے اندر تسلیم کرنے کو تیار ہو۔''

''میں تیار ہوں لیکن اگر نہ بھی تیار ہوتا تو جس مصیبت میں، میں آ پھنسا ہوں، اس سے نکلنے کے لئے ہر کام کر سکتا تھا۔''

''نہیں......!تم ایک بار ایسا کر کے تو دیکھو، تمہیں زندگی کا لطف آ جائے گا، اور میں تمہیں بالکل سچ بتا

رہا ہوں کہ کون بدبخت ہوگا وہ جو میرے دوست کو پریشان کرنے کی جرأت کر سکے گا......؟''

''ٹھیک ہے......!جیسا تم چاہو، میں تیار ہوں۔''

میں نے جواب دیا اور وہ خوش ہو گیا۔ اس نے کہا۔

''میری ساری قوتیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

''قوتیں......؟''

''ہاں......!ایک جن کی قوت جو آتش زادوں کی قوت ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے......!''

میں نے کہا اور وہ تیار ہو گیا۔ پھر میں نے جو کچھ دیکھا، وہ میری عقل خبط کرنے کے لئے کافی تھا۔ میں نے زمین پر ایک بار پھر ان سایوں کو دیکھا جو دو تھے، لیکن ایک سایہ آہستہ آہستہ مجھ میں سمٹتا جا رہا تھا۔ تاحد نگاہ ویرانی اور سناٹا پھیلا ہوا تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں ایک خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن تمام مناظر اس حقیقت کا یقین دلا رہے تھے۔ وہ مکمل طور پر میرے سائے میں مدغم ہو گیا تو میں نے کہا۔

''ابرانوس......!''

''ہاں......! میرے دوست......! میرے عزیز......! میرے پیارے......! میرے ساتھی......! میرا وجود......!''

اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ اب مجھے یوں لگا جیسے یہ آواز باہر سے نہیں، بلکہ میرے دماغ میں گونج رہی ہو۔ اس آواز کو میرے کان نہ سن رہے ہوں، بلکہ میرا دماغ محسوس کر رہا ہو۔ اس نے کہا۔

''اور اب میں نے تمہارے وجود میں رہائش اختیار کر لی ہے۔ میری روح اب تمہارے قالب میں ہے۔''

''خدا کی پناہ......!ایک جادو قالب تو سنا تھا، لیکن اب ایک جسم دو روح کا رواج بھی ہو گیا۔''

''جو دل چاہے سمجھ لو، تمہاری مرضی ہے۔ اب بتاؤ میں کیا کروں......؟''

کیا ہی انوکھے وقت کا آغاز ہوا تھا، زندگی بڑے مزے کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے کہا کہ کبھی کبھی انسان اپنے لئے کوئی راستہ منتخب نہیں کر سکتا اور اسے اس طرح غیر متوقع طور پر وقت کے ساتھ چلنا ہوتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائے۔

ابرانوس ایک جن میرے وجود میں داخل ہو گیا تھا۔ کسی کو بتاتے ہوئے خود بھی ہنسی آ جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا سب کچھ ہوا تھا اور جاری تھا۔ ادھر ابرانوس بھی خوش نظر آ رہا تھا، کہنے لگا۔

''تم نے دلی دیکھی ہے......؟''

''تھوڑی بہت......!''

"میں تمہیں جو دلی دکھاؤں گا، وہ بالکل ہی الگ ہوگی۔ شاہانِ مغلیہ کی دلی، جسے انہوں نے حسین سے حسین تر بنانے کی کوشش کی تھی۔ چلو آگے چلتے ہیں۔"

اور ہم ٹوٹی حویلی سے باہر نکل آئے۔ مجھے اپنا جسم بالکل ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بھرپور نیند کے بعد جاگا ہوں۔ طبیعت تازہ تازہ سی، چلتے ہوئے ذرا بھی تھکن نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ہم کسی اجنبی راستے پر کوئی دو کلومیٹر چلے ہوں گے۔ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اطراف میں کیا ہے کہ اچانک ہی بائیں سمت سے دو تیز روشنیاں چمکیں اور بجھ گئیں۔ کسی کار کی ہیڈ لائٹس تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے قدم اسی طرف اُٹھ رہے ہوں اور پھر اچانک ہی یوں لگا جیسے کسی نے چیخنے کی کوشش کی ہو اور اس کا منہ بھینچ لیا گیا ہو۔ میں ٹھٹک کر رُک گیا۔

"چلو چلو، آگے بڑھو......! آؤ ذرا دیکھیں تو سہی کیا قصہ ہے......؟"

ابرانوس کی آواز میرے ذہن میں اُبھری اور میں ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے کوئی مجھے پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔ ایک بار پھر ایک روشنی نظر آئی لیکن یہ کسی کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی نہیں تھی، بلکہ کسی ٹارچ کی تھی۔ وہ گاڑی اب زیادہ دُور نہیں تھی جس کی ہیڈ لائٹس جلی تھیں اور بجھ گئی تھیں اور اس کے بعد مجھے وہ بھی نظر آ گیا جو کار کے انجن پر جھکا ہوا تھا۔ ٹارچ اس کے ہاتھ میں تھی اور کار کا بونٹ کھلا ہوا تھا۔ اچانک ہی میرے منہ سے نکلا۔

"کیا بات ہے......؟"

یہ بھی ایک غیر ارادی عمل تھا جس پر میں ششدر رہ گیا۔ یہ الفاظ میں نے نہیں ادا کئے تھے، لیکن آواز میری ہی تھی۔

"پتا نہیں گاڑی کے انجن میں کیا خرابی ہوگئی ہے......؟"

کار پر جھکے ہوئے شخص نے کہا اور پھر ایک دم چونک کر سیدھا ہوگیا۔ اچھے تن و توش کا آدمی تھا، اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"مگر تم کون ہو......؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو......؟"

ایک بار پھر میری زبان گویا ہوئی۔

"وہ اس طرف کون ہے......؟ کیسی آوازیں آ رہی ہیں......؟"

میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بچاؤ......! بچاؤ......!"

ایک گھٹی گھٹی چیخ اُبھری۔ آواز نسوانی تھی، میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے پھر کچھ دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی اس جگہ سے نکل کر آگے کی طرف بھاگا تھا۔ اسی وقت بونٹ کے قریب کھڑے ہوئے

تنومند آدمی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹارچ پوری قوت سے میرے منہ پر دے ماری۔ اگر ٹارچ میرے منہ پر پڑ جاتی تو دو چار دانت تو ضرور ہی داغِ مفارقت دے جاتے، لیکن میرا ہاتھ مشینی انداز میں اُٹھا اور ٹارچ میری اُنگلیوں کی گرفت میں آ گئی۔ بونٹ کے قریب کھڑے ہوئے پہلوان نما آدمی نے اپنا یہ وار خالی جاتے دیکھ کر میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔

اس بار بھی اس کی پہنچ سے بچنے میں میرا کوئی دخل نہیں تھا۔ بس یوں لگا تھا جیسے کسی نے مجھے ایک طرف گھسیٹ لیا ہو۔ پھر میری ٹانگ کے جوڑ پر ایک ضرب لگی اور میرے حلق سے آواز نکل گئی۔ ضرب کی قوت سے میرے جوتے کی ٹھوکر چھلانگ لگانے والے پہلوان کی پیشانی پر پڑی اور پھر کسی نے مجھے بغلوں سے پکڑ کر اُچھال دیا۔ میں اس پہلوان پر جا گرا اور وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ میرا گھٹنا اس کی ناک پر پڑا تھا۔

ادھر تھوڑے فاصلے پر کسی پتھریلی جگہ سے نکل کر بھاگنے والا میری طرف دوڑا۔ دو سائے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے، انہوں نے شاید اپنے ساتھی کا حشر دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ غصے میں انہوں نے بیک وقت خونخوار چیتوں کی طرح مجھ پر چھلانگ لگائی اور اسی وقت کسی نے میری کمر پر لات ماری تو میں وزن نہ سنبھال سکا اور چھلانگ لگانے والے دونوں شخص میرے اوپر سے گزر کر اپنے ساتھی پر جا پڑے۔ وہ ان کے نیچے بری طرح کچلا گیا تھا۔ دونوں بمشکل اسے چھوڑ کر میری طرف لپکے لیکن اسی وقت کار کی ہیڈ لائٹس جل اُٹھیں۔ وہ دونوں ان روشنیوں کی زد میں تھے اور تیز روشنیوں نے ان کی آنکھیں چکا چوند کر دیں۔

اس بار پھر وہی ہوا۔ مجھے گردن اور پتلون سے پکڑ کر زور سے ان پر دھکا دے دیا گیا۔ میں نے گرنے سے بچنے کے لئے اس بار ان دونوں کا سہارا لیا اور اطمینان سے ان کے ساتھ زمین پر آ رہا۔ دونوں کے سر اس طرح زمین سے ٹکرائے کہ اس کے بعد وہ زمین سے اُٹھنے کی ہمت نہ کر سکے۔ دو چار بار پاؤں مارے اور اس کے بعد لمبے ہوگئے۔ بوکھلاہٹ میں میرے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ میری سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے......؟

حالانکہ یہ سب کچھ میرے ہی ذریعے ہوا تھا لیکن کرنے والا میں نہیں تھا۔ مجھے لڑائی بھڑائی کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ زندگی میں کسی سے ہاتھا پائی تک نہیں ہوئی تھی لیکن اس وقت یہ تینوں آدمی میرے ذریعے لمبے کر دیئے گئے تھے۔

میں خوف زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ تبھی میری نگاہ ساڑھی میں ملبوس ایک عورت پر پڑی۔ اس کا چہرہ اگر سامنے نہ ہوتا تو وہ رات کی تاریکی میں مدغم ہو جاتی۔ وہ گہرے رنگ کی ساڑھی باندھے ہوئے تھی اس لئے اندھیرے میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہاں......! اس کا سرخ و سفید چہرہ نمایاں تھا جس پر خوف منجمد تھا۔ کار کی لائٹس مستقل روشن تھیں اور اب ان کی وجہ سے آس پاس کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ عورت دہشت زدہ نگاہوں سے گرتے ہوئے لوگوں کو دیکھتی رہی۔ پھر میری طرف گھومی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب پہنچ گئی۔

''بھگوان کے لئے...... بھگوان کے لئے مجھے یہاں سے لے چلو۔ مجھے یہاں سے نکال کر لے چلو......!''

اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟''

یہ آواز بھی میرے ہی منہ سے نکلی تھی، لیکن اس میں بھی میری قوتِ ارادی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میں تو اس وقت ایک مشینی کھلونا بنا ہوا تھا جسے کوئی کنٹرول کر رہا تھا۔ عورت پھر بولی۔

''چلو جلدی چلو......! کہیں یہ ہوش میں نہ آ جائیں۔ بھگوان کے لئے جلدی چلو......!''

اب میں ایک دم سنبھل گیا تھا۔ صورتِ حال کافی حد تک میری سمجھ میں آگئی تھی۔ یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ میرا پُراسرار دوست ابرانوس بدستور میرے بدن میں حلول ہو کر یہ ہنگامہ آرائیاں کر رہا تھا۔ ہر چند کہ یہ ایک انوکھی اور ناقابل یقین بات تھی، اسے صرف افسانہ طرازی ہی کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اس وقت جو کچھ ہو رہا تھا وہ افسانہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ مجھ پر بیت رہا تھا۔ میں نے گردن جھٹکی اور اپنے حواس بحال کرنے لگا۔

''چلو چلو......! تم بھی یہاں سے نکل چلو......! یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔''

عورت پھر بولی۔ اب اس کے نقوش بہت زیادہ واضح ہو گئے تھے۔ لیکن میں عمر کا کوئی تعین نہیں کر پایا تھا۔ البتہ بدن سے احساس ہوتا تھا کہ وہ کوئی عمر رسیدہ عورت ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کار کی طرف بڑھ گیا۔ عورت جلدی سے کار کے اسٹیئرنگ پر جا بیٹھی تھی، اس نے بٹن دبا کر لائٹس بجھائیں اور پھر سیلف لگا کر کار اسٹارٹ کر لی۔ میں بے اختیارانہ انداز میں اس کے برابر بیٹھ گیا تھا۔ پھر ایک لمحے کے لئے میرے دل میں کچھ خیال آیا اور میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پتا نہیں ابرانوس کہاں ہے......؟ تبھی میرے ذہن میں آواز اُبھری۔

''میری فکر نہ کرو، میں تمہارے اندر ہوں۔''

جی چاہا کہ بدن کو ٹٹول کر دیکھوں، لیکن پھر اپنی اس حماقت پر شرمندگی ہی ہوئی۔ عورت نے برق رفتاری سے کار اسٹارٹ کر کے ایک طرف موڑ دی تھی اور بڑی طوفانی رفتار سے مٹی اُڑاتی ہوئی کار آگے بڑھانے لگی۔ میں کار کا ہینڈل پکڑے ہوئے ایک طرف بیٹھا ہوا تھا۔ کیونکہ بار بار جھٹکے لگ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد کار سڑک پر آ گئی۔ سڑک پر آنے کے بعد عورت نے کار کا رُخ شہر کی جانب موڑ دیا تھا۔

اب میرے حواس کافی حد تک بحال ہو گئے تھے۔ عورت بھی خاصے مضبوط اعصاب کی مالک معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ ان حالات سے گزرنے کے باوجود بہترین ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر تک عورت بھی خاموش رہی، پھر بولی۔

''میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں......؟ اس وقت اگر تم نہ ہوتے تو نہ جانے کیا ہو

جاتا......؟''

''کیا ہو جاتا......؟''

میں نے حیرت سے پوچھا۔

''پتا نہیں......!''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی پھر ایک دم چونک پڑی۔

''مگر تم...... تم یہاں کیا کر رہے تھے......؟''

''اس سوال کا جواب کیا دینا ضروری ہے......؟''

''نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی......! کیونکہ تم میرے محسن ہو اور میں نہیں جانتی کہ میں تمہارے کس مشغلے میں حائل ہوئی......؟ لیکن اس وقت تم نے مجھے بچا کر بہت بڑا احسان کیا ہے۔''

میں خاموش رہا تو عورت نے کہا۔

''میرا نام بھوج وتی ہے، ایک چھوٹا سا ریستوران کرشنا کے نام سے چلاتی ہوں۔ یہ غنڈے بہت عرصے سے مجھے پریشان کر رہے تھے۔ اس وقت میں ایک ضروری کام سے نکلی تھی کہ یہ مجھے میری کار میں اغواء کر کے لے آئے۔ شاید یہ مجھ سے کچھ کاغذات پر دستخط کرانا چاہتے ہیں۔

آہ......! میں بہت پریشان ہوں۔ میں پولیس کی مدد بھی نہیں لے سکتی۔ کیونکہ انہوں نے مجھے اپنے جال میں پھانسا ہوا ہے۔''

''یہ بلیک میل کر رہے ہیں آپ کو......؟''

میں نے سوال کیا۔

''ہاں......!''

''بلیک میلنگ کی وجہ......؟''

میں نے پھر پوچھا اور عورت خاموش ہو گئی، مجھے فوراً ہی یہ احساس ہو گیا کہ یہ سوال بے وقوفی کا ہے، ظاہر ہے، کوئی ایسی ہی کمزوری ہو گی جس کی وجہ سے کوئی اسے پریشان کر رہا ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

''مگر تم کون ہو......؟ تمہارا کیا نام ہے......؟''

''میرا نام......!''

میں نے ایک گہری سانس لی اور پھر دل چاہا کہ اسے اپنا اصل نام ہی بتاؤں۔

''میرا نام احتشام ہے اور مجھے شامی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔''

''میں تمہاری بے حد شکرگزار ہوں شامی......! یہاں کہیں جانا چاہو، میں تمہیں پہنچا دیتی ہوں۔ بتاؤ،

کہاں جاؤ گے......؟''

یہ سوال میرے لئے تشویش ناک تھا، ٹوٹی حویلی کی طرف رُخ کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ دفعتہً ہی میرے ذہن میں وہ پہلی جگہ آئی جہاں میں نے قیام کیا تھا اور وہاں سے شکور خان کی نشان دہی پر اچھے خان کی سرائے گیا تھا۔ وہ میرا مددگار تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اس وقت بھی میری مدد کرے گا۔ بہرحال میں نے اسے اس جگہ کا پتا بتا دیا اور وہ مجھے لے کر چل پڑی۔ مطلوبہ جگہ پہنچنے کے بعد میں نے اس کا شکریہ ادا کیا تو اس نے اپنا ننھا سا کارڈ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کبھی میری ضرورت پیش آئے تو براہِ کرم ہوٹل کرشنا چلے آنا۔''

میں نے کارڈ لے کر جیب میں رکھا اور پھر اس عمارت کی طرف بڑھ گیا، جس میں شکور خان کا کمرہ تھا۔ شکور خان اپنی کھولی میں موجود نہیں تھا، غالباً وہ ابھی تک ہوٹل سے نہیں آیا تھا کیونکہ باہر تالا لگا ہوا تھا، مجھے یہ تالا کھولنا آتا تھا کیونکہ پہلے بھی میں یہاں آچکا تھا اور جب میں تالا کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو دفعتہً ہی میرے ذہن میں ایک چھناکہ سا ہوا۔ شکور خان فرش پر پڑا ہوا تھا، مجھے حیرانی ہوئی کہ دروازے پر تو تالا لگا ہوا تھا، یہ کم بخت یہاں کہاں سے آگیا......؟

لیکن پھر مجھے وہ وقت یاد آگیا جب دروازہ بدستور اندر سے بند تھا اور شکور خان اندر داخل ہو گیا تھا۔ شاید اس نے اپنے کمرے میں داخل ہونے کے لئے کوئی اور راستہ بھی بنا رکھا تھا۔ اس نے میرے لئے جو بستر لگایا تھا، وہ یوں ہی خالی پڑا ہوا تھا۔ میں بستر پر بیٹھ کر گردن جھٹکنے لگا، آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ دل و دماغ عجیب سی کیفیت کا شکار تھے، جو کچھ گزری تھی مجھ پر، اب اس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ لیکن یقین نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

میرے نادیدہ دوست نے جس طرح میری مدد کی تھی، مجھ پر اب اس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ لیکن یقین نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میرے نادیدہ دوست نے جس طرح میری مدد کی تھی، وہ ناقابلِ یقین تھی۔ میرا دماغ اس کے زیرِ اثر تھا۔ لیکن صرف ان لمحات میں جب اس کی ضرورت پیش آتی تھی، نہ جانے میرے دل میں کیا خیال آیا کہ میرے ہونٹوں سے نکل گیا۔

''ابرانوس......! میرے دوست......!''

''میں موجود ہوں میری جان......! بولو......! کیا کہنا چاہتے ہو......؟''

''ارے باپ رے......! گویا تم یہاں ہو......؟''

''میں نے کہا تھا ناں......! اب میں تمہارے ساتھ ہوں اور جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ کچھ وقت تمہارے ساتھ ہی گزاروں گا۔ ویسے تم بھی بہت عجیب انسان ہو، یہ بڑی عجیب سی جگہ ہے۔''

''میں کیا جواب دوں اس بات کا......؟ تم جن ہو، میرے حالات اگر تمہارے علم میں آجائیں تو پھر

تم مجھے اس جگہ کے قیام میں حق بجانب قرار دو گے۔''

''تمہارے حالات......؟''

اس نے سوال کیا اور میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ میں ایک خیالی پیکر سے بات کر رہا تھا جس کا میرے سامنے کوئی وجود نہیں تھا، لیکن آواز کا تعلق انہی واقعات سے تھا۔ وہ میرے ہاتھ پیروں کو مشینی انداز میں جنبش دیتا تھا۔ مجھے دوسروں سے محفوظ رکھتا تھا۔ اگر اس کے بعد بھی میں اس کے وجود کو تسلیم نہ کروں تو اسے حماقت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا تھا......؟

جنوں، بھوتوں، پریوں وغیرہ کی کہانیاں میں نے افسانوں کی شکل میں پڑھی تھیں اور کچھ روایتیں بھی لوگوں کی زبانی سنی تھیں۔ لیکن ایک جن میرا دوست تھا، اس کا تصور بھی کبھی نہیں کیا تھا میں نے۔ لیکن آہستہ آہستہ دل کے گوشوں میں ایک روشنی سی پھوٹتی لگ رہی تھی۔ اگر واقعی میں ان پُراسرار روایتوں میں سے ایک روایت بن گیا ہوں تو کیوں نہ اس سے فائدہ اُٹھایا جائے......؟ دفعتہً ہی مجھے اپنے ذہن میں ایک ہنسی کی آواز سنائی دی اور ابرانوس کی آواز میرے ذہن میں گونجی۔

''دوستوں کی دوستی سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا دوست......! اگر تم ماضی کی کہانیاں یاد کرو گے تو تم پر بڑے عجیب و غریب انکشافات ہوں گے۔ چلو اب سو جاؤ۔ صبح جاگو گے تو تمہاری طبیعت بہتر ہوگی۔ پھر ہم بات چیت کریں گے۔''

پتا نہیں یہ کوئی حکم تھا یا کوئی مقناطیسی اثر کہ مجھے فوراً ہی نیند آنے لگی۔ میں نے جوتے اُتارے اور انہی کپڑوں میں بستر پر دراز ہو گیا۔

دوسری صبح میں خوب دن چڑھے جاگا تھا۔ خوب گہری اور پُرسکون نیند آئی تھی۔ آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک عجیب سی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔ غالباً چائے کی خوشبو تھی۔ میں چونک کر اُٹھ گیا۔

''پتا نہیں یہ چائے کہاں سے آگئی......؟''

اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک طرف ایک چھوٹی سی میز پر غضب کی چیزیں لگی ہوئی تھیں۔ چائے دانی جس کی ٹونٹی سے چائے کی بہترین خوشبو نکل رہی تھی، بہت ہی عمدہ قسم کا ناشتہ میز پر سجا ہوا تھا۔ میرے علاوہ وہاں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ حیرت ہوئی ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ہی مجھے اپنے ذہن میں ابرانوس کی آواز اُبھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''یہ سب کچھ میری طرف سے ہے۔''

رات کے واقعات ایک دم یاد آگئے اور میں متحیرانہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''نہیں میرے دوست......! حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ وہ سامنے منہ ہاتھ دھونے کا انتظام ہے، منہ ہاتھ دھو کر آؤ، اِدھر بیٹھو، ناشتہ کرو، پھر بعد میں بات کریں گے۔''

میں نے صرف ایک لمحے تک سوچا اور اس کے بعد ابرانوس کی قربت کو تقدیر کا عطیہ سمجھا۔ غضب کا ناشتہ تھا، ناشتے کے دوران کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ لیکن جیسے ہی ناشتے سے فارغ ہو کر چائے کی دو پیالیاں پی کر طبیعت سیر ہوئی، تو ابرانوس نے کہا۔

''ہاں تو میرے دوست......! مجھے ابھی تک تسلیم نہیں کیا ہے......؟ حالانکہ میں تمہارے وجود کا ایک حصہ ہوں۔ میں دُنیا کی ہر خوشی، ہر نعمت تمہارے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دوں گا۔ اصل میں تم مجھے بہت اچھے لگے ہو۔ احتشام......! اب میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔''

''لیکن ابرانوس تم میرے بارے میں ابھی کچھ بھی نہیں جانتے۔''

میں نے کہا، جواب میں مجھے اپنے ذہن میں ابرانوس کا قہقہہ سنائی دیا، اس نے کہا۔

''نہیں میری جان......! تمہارا ماضی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم وہ نہیں ہو جس حیثیت سے تمہیں یہاں لایا گیا ہے۔ لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم یہیں کی زندگی پناؤ۔ میں صرف دہلی کی بات نہیں کر رہا۔ غضب کا شہر ہے یہ، لیکن اب میں تمہارے ساتھ ہوں۔ دُنیا تمہارے سامنے وسیع ہے، فی الحال وہی بن کر رہو جو بنا دیئے گئے ہو۔''

''یعنی......یعنی دھرم......؟''

میں نے سوال کیا اور مجھے اپنے ذہن میں پھر ابرانوس کا قہقہہ سنائی دیا۔

''ہاں دھرم......! جبکہ سارا مسئلہ دھرم ہی کا ہے۔ ہمارا دھرم کچھ اور ہے اور وہ تمہیں کچھ اور سمجھ رہے ہیں۔''

''تو تمہیں اس بات کا پورا پورا علم ہو چکا ہے......؟''

''ہاں......! ہاں......! کتنی بار کہوں......؟''

''اور تم ارون شرما کے بارے میں بھی جانتے ہو......؟''

''اچھی طرح جانتا ہوں، وہ شیطان زادہ ہے، جتنا تیز چالاک اور جرائم پیشہ وہ ہے، تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ دولت کے بل پر اس نے اپنے لئے بے شمار پناہ گاہیں بنا رکھی ہیں۔''

''اس کو شکست دینے کے لئے تم میری مدد کر سکتے ہو......؟''

''یار......! کیا کہتے ہو......؟ اور کیا کہنا چاہتے ہو......؟ میں تمہیں بتا دوں گا کہ کس کس طرح میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں......؟ میں تمہارے دُشمنوں کی سازش سے تمہیں آگاہ کر سکتا ہوں۔ یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ تمہارے خلاف کیا کارروائیاں کر رہے ہیں......؟ لیکن بہت سے ایسے معاملات ہیں جن میں میرے اوپر بھی کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ میں کسی کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک نہیں کر سکتا، یا اپنے بارے میں تمہیں ایک حد سے آگے کچھ نہیں بتا سکتا۔

پچھلے رات ان غنڈوں سے نمٹنے کے لئے میں نے تمہارا بدن استعمال کیا، اس سے زیادہ میں کچھ اور نہیں کر سکتا اور ہر جگہ یہ میں کر بھی نہیں سکتا۔ تمہیں اپنی جسمانی قوتوں کو خود استعمال کرنا ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں تمہاری رہنمائی کر دوں گا۔ تمہیں اپنے آپ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا ہوگا۔ صرف میرے اوپر بھروسہ کرنا مناسب نہیں ہوگا اور نہ ہم جنوں کو اس کی اجازت ہے۔ ہم ایک حد تک ہی عمل کر سکتے ہیں۔ اپنے دُشمنوں سے نمٹنے کے لئے تمہیں اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کا سہارا لینا ہوگا۔ میری مدد اس شکل میں تمہارے لئے حاضر ہے کہ میں قبل از وقت تمہیں تمہارے دُشمنوں کی کارروائیوں سے آگاہ کر دوں۔''

میرے ذہن میں یہ آواز گونج رہی تھی، پھر میں نے ایک اہم سوال کیا۔

''کیا تم میری مالی اعانت بھی کر سکتے ہو......؟ میرا مطلب ہے، میری ضروریات پوری کر سکتے ہو......؟''

''کسی حد تک، میں تمہیں بہادر شاہ ظفر نہیں بنا سکتا۔ لیکن جو کچھ میرے بس میں ہے، میں ضرور کرتا رہوں گا۔ اپنی حد میں رہ کر۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی اور اس کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ یہی کیا کم تھا کہ مجھے ایک انوکھی ہستی سے دوستی حاصل ہوگئی تھی اور اب ایک جن میرا دوست تھا لیکن اس کے کہنے کے مطابق مجھے اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کرنا تھیں۔ ارون شرما، دھرم کی دولت ہضم کرنا چاہتا تھا، وکرم کھنہ کے بیٹے دھرم کی، اور اس نے چالاکی سے مجھے اپنے درمیان سے نکال پھینکا تھا۔ لیکن اب......!

''ہاں......! ہر کام سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا تمہیں۔''

''اگر میں کوئی غلط قدم اُٹھاؤں تو کیا تم مجھے روک سکتے ہو......؟''

''ارے واہ......! کیوں نہیں......؟ لیکن میں خود بتا رہا ہوں تمہیں کہ ذرا احتیاط رکھنا۔ بے شک جنوں کے بارے میں بہت ساری کہانیاں سنا دی گئی ہیں، وہ دُنیا کا ہر کام کر سکتے ہیں لیکن بھائی......! ہم بھی اللہ کے بندے ہیں۔ ہم پر بھی کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ ہمیں بس اتنا حاصل کہ ہم آتش زادے ہیں اور تم مٹی کی تخلیق ہو، لیکن بہر حال اشرف المخلوقات ہو، یہ بات ہر جن بھی تسلیم کرتا ہے۔''

میں نے ذہن کے دروازے کھول لئے، میں ارون شرما کے ہاتھوں زک اُٹھا چکا تھا، اب اس کے پاس جانا تو مناسب نہیں ہے۔ کسی ٹھوس بنیاد پر ہی کام کرنا ہوگا۔ یہ بھی سچ ہے کہ ابرانوس کی قربت نے میرے دل میں اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ بہر حال وہ میرا بہترین مددگار تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ سب سے پہلے میں اپنے لئے کسی رہائش گاہ کا بندوست کروں۔ اس کے لئے بھی رقم کی ضرورت ہوگی۔ اسی وقت مجھے اپنے ذہن میں ابرانوس کی آواز سنائی دی۔

''تم بھوج وتی کو کیوں بھول گئے......؟''

میں چونک پڑا، پھر میں نے کہا۔

’’کیا وہ میری مدد کر سکتی ہے......؟‘‘

’’ہاں......! اگر تم اسے شیشے میں اُتار سکو، وہ مجرمانہ کارروائیاں کرتی ہے اور اسے بہرطور ساتھیوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔‘‘

’’ویری گڈ......! ویری گڈ......! تم تو واقعی کام کے جن ہو۔‘‘

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ درحقیقت مجھے ابرانوس کی تجویز بہت اچھی لگی تھی۔

’’وہ حسن پرست ہے اور تم بلاشبہ یونان کے کیوپڈ کی طرح حسین ہو۔ اپنا حلیہ بہتر کر کے اس کے پاس جانا، کیا سمجھے......؟‘‘

’’ٹھیک ہے......!‘‘

اور اس کے بعد میرا یہاں رُکنا بے مقصد تھا، چنانچہ میں باہر نکل آیا۔ میں نے ایک خوب صورت شاندار اسٹور سے اپنے لئے نیا لباس خریدا، ایک حمام میں جا کر شیو بنوائی اور پرانا لباس وہیں چھوڑ دیا۔ باہر آ کر جوتوں پر پالش کرائی اور اب میرا حلیہ بہترین ہو گیا تھا۔ میں نے بھوج وتی کا دیا ہوا کارڈ اس دوران سنبھال کر رکھا تھا۔ پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو ہوٹل کرشنا کے بارے میں تفصیل بتائی اور چل پڑا۔ ہوٹل کی زندگی شاید دوپہر کے بعد شروع ہوتی تھی۔ کیونکہ اس وقت ہوٹل سنسان پڑا ہوا تھا۔ البتہ وہ کار مجھے ریستوران کے باہر کھڑی ہوئی نظر آ گئی جس میں رات کو بھوج وتی نظر آئی تھی۔ ایک ملازم کار کی صفائی کر رہا تھا، میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

’’مجھے بھوج وتی سے ملنا ہے۔‘‘

’’وہ بیمار ہیں، اس سے کسی سے ملنا پسند نہیں کریں گی۔‘‘

’’لیکن مجھ سے ملنا ضرور پسند کریں گی۔ تم یہ کارڈ انہیں دے دو۔‘‘

میں نے بھوج وتی کا دیا ہوا کارڈ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔ ملازم نے کارڈ اُلٹ پلٹ کر دیکھا پھر مجھے رُکنے کا اشارہ کر کے اندر چلا گیا۔

بھوج وتی شاید اسی ہوٹل ہی میں رہتی تھی۔ میں انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ملازم مجھے بلانے آ گیا۔ ہوٹل کے اندر ہال سے ہی ایک زینہ اوپر جاتا تھا، ملازم اس زینے سے گزار کر مجھے راہ داری تک لایا اور پھر ایک کمرے کے دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے مجھے اندر جانے کا اشارہ کر دیا تھا، میں نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور اندر داخل ہو گیا۔ کمرے کی سجاوٹ حسین تھی، سامنے ہی ایک سادہ سے لباس میں ملبوس بھوج وتی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی مخروطی اُنگلیوں میں سگریٹ ہولڈر دبا ہوا تھا جس میں ایک پتلی لمبی سگریٹ سلگ رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا، چونکی اور پھر سنبھل کر مسکرانے لگی۔

’’ہیلو......!‘‘

اس کے حلق سے باریک سی آواز نکلی۔ اس کی بادامی آنکھوں میں ایک تیز چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’ہر نئے آنے والے کا ایک تعارف ہوتا ہے۔ لیکن تم تو سر سے پاؤں تک خود ایک تعارف ہو۔ آؤ بیٹھو......!‘‘

اس نے کہا۔ اس وقت میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کی عمر تیس پینتیس کے درمیان تھی۔ بدن بھرا بھرا سا تھا، بال رنگے ہوئے تھے، چہرے اور ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ میں ایک خاص کیفیت نظر آتی تھی جس سے اس کے ٹائپ کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ وہ شوقین مزاج معلوم ہوتی تھی۔ میں آگے بڑھ کر اس کرسی پر بیٹھ گیا۔

’’ہاں......! کیا منگواؤں میں تمہارے لئے......؟ وہسکی یا کچھ اور......؟‘‘

’’شکریہ......! آپ نے مجھے پہچان لیا......؟‘‘

میں نے کہا۔

’’شاندار ہو، بہترین ہو، مگر میرا کارڈ کہاں سے آیا تمہارے پاس......؟‘‘

اس کے ان الفاظ نے مجھے دنگ کر دیا تھا۔ بڑا برا سا محسوس ہوا تھا، لیکن بہرحال میں ایک مقصد سے اس کے پاس آیا تھا۔ میں نے کہا۔

’’اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے نہیں پہچان سکیں......؟‘‘

میں ’’آپ‘‘ سے ’’تم‘‘ پر آ گیا۔

’’آواز سنی ہوئی لگتی ہے۔ اوہو......! نہیں نہیں......! ارے توبہ......! میں بھی کس قدر بھلکڑ ہوں۔ تم وہی ہو ناں جس نے فیروز شاہ کے کوٹلے کے سنسان مقام پر میری مدد کی تھی......؟‘‘

’’اور تم نے مجھے اپنا کارڈ دیا تھا۔‘‘

’’آہ......! مجھے افسوس کرنے دو کہ میں نے تمہیں رات کو غور سے نہیں دیکھا تھا۔ تمہیں تو میرے پاس ہی آنا چاہئے تھا۔ تم...... میں تمہیں چھوڑ کر کیوں آ گئی......؟‘‘

اس نے انتہائی اوباش لہجے میں کہا پھر ایک دم چونک سی گئی۔ اس کے بعد اس نے سگریٹ ہولڈر ایش ٹرے میں رکھ دیا اور سنبھال کر بیٹھ گئی۔

’’معاف کرنا، میں بے خیالی میں اُلٹی سیدھی باتیں کرنے کی عادی ہوں۔‘‘

’’جی......!‘‘

میں نے مختصراً کہا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی، پھر بولی۔

''کہو......! کیسے آنا ہوا......؟''

''میں معذرت چاہتا ہوں میڈم بھوج وتی......! کہ ایک چھوٹا سا کام کرنے کے بعد میں صبح ہوتے ہی تم سے اس احسان کا صلہ مانگنے چلا آیا۔ لیکن ایک پریشان حال انسان ہر سہارے کو ٹٹولتا ہے۔ میرے پاس اس کے سوا چارۂ کار نہیں تھا کہ میں تم سے مل لوں۔ اگر تم چاہو تو میری مدد کرنے سے انکار کر دینا۔''

''ارے......! نہیں نہیں......! اس رات تو میں ان لوگوں کے جال میں بری طرح پھنس گئی تھی۔ غلطی میری ہی تھی جو بس اسی طرح چلی گئی۔ اگر تم نہ ہوتے تو مجھے بڑا نقصان اُٹھانا پڑتا۔ اگر تم پریشان ہو تو مجھے اپنی پریشانی بتاؤ۔ کیا بات ہے......؟''

میرے دوست ابرانوس نے مجھ سے کہا تھا کہ اپنی دُنیا کے معاملات سے اس کی زیادہ واقفیت نہیں ہے، اس کے لئے مجھے اپنی ذہانت استعمال کرنا پڑے گی۔ وہ جن جن مواقع پر میری مدد کر سکتا ہے، وہ کرے گا۔ باقی مجھے خود ہی سنبھالنا ہوگا۔ مجھے یاد نہ آیا کہ میں نے بھوج وتی کو اپنا نام بتایا تھا یا نہیں......؟ لیکن بہرحال جو کچھ بھی تھا، مجھے سمجھ داری سے کام لینا تھا۔ میں نے کہا۔

''میں نے تمہیں رات ہی کو اپنے بارے میں بتایا تھا۔''

''ایں......؟''

وہ پُرخیال انداز میں بولی اور اپنا داہنا رُخسار کھجانے لگی، پھر کہنے لگی۔

''سوری......! سوری......! سوری......! میں اس وقت شدید ذہنی انتشار کے عالم میں تھی۔ ہوسکتا ہے تم نے مجھے اپنا نام بتایا ہو لیکن مجھے یاد نہیں ہے۔ چلو اب بتا دو......!''

اس نے کہا اور مجھے خوشی ہوئی کہ اسے میرا نام یاد نہیں ہے۔ اس وقت جو ضرورت تھی مجھے اسی کے مطابق کام کرنا تھا، چنانچہ میں نے کہا۔

''میرا نام دھرم کھنہ ہے۔''

''ٹھیک......! آگے بولو......!''

''تم نے شاید ارون شرما کا نام سنا ہوگا۔ وہ شہر کے دولت مند ترین لوگوں میں شمار ہوتا ہے، لیکن یہ بھی دُنیا جانتی ہے کہ وہ میرے پتا جی وکرم کھنہ کی بنیاد پر اس قابل ہوا ہے۔''

''وکرم کھنہ......؟ وکرم کھنہ...... دھرم کھنہ......؟ ارے رے رے......! مائی گاڈ......! تم وکرم کھنہ کے بیٹے ہو......؟ تم تو بہت بڑے آدمی ہو۔ میں ارون شرما کو بھی جانتی ہوں۔''

''ہاں......! لیکن اب میں بہت چھوٹا انسان بن چکا ہوں۔''

''بولو بولو......! میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔''

اس نے بڑی دلچسپی سے کہا اور میں نے مختصراً بہت سی چیزوں کو اُلٹ پھیر کر کے اسے اپنے بارے

میں بتا دیا۔ پھر میں نے کہا۔

''اور اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کے لئے ارون شرما یہ چاہتا ہے کہ میں سڑکوں پر بھیک مانگتا ہوا نظر آؤں۔ میرے وسائل محدود ہیں اور میں اس سے مقابلے کی سکت نہیں رکھتا۔ میں کچھ کرنا چاہتا ہوں لیکن کم سے کم اتنا کہ اس کی خواہش پوری نہ ہو سکے۔ وہ مجھے جس حال میں دیکھنا چاہتا ہے، اس حال میں نہ دیکھ سکے۔''

''کبھی نہیں دیکھ سکے گا، تم اطمینان رکھو۔ اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔''

اس نے مجھے دلاسہ دیا۔

''مجھے آپ کی مدد درکار ہے میڈم بھوج وتی......!''

''اپنے دماغ سے ہر اُلجھن نکال دو۔ تم اب میرے پاس ہو۔ اب میں اتنی بے وسیلہ بھی نہیں ہوں کہ ارون شرما جیسے لوگ میرے خلاف کچھ کر سکیں۔ اگر مجھ پر بھروسہ کر سکو تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ تم جوان، خوب صورت اور طاقت ور انسان ہو، اپنے دُشمنوں کو منہ توڑ جواب دے سکتے ہو۔ بھلا تمہیں کون جھکا سکتا ہے......؟''

''میں اس وقت تنکے کا بھی سہارا چاہتا ہوں۔''

میں نے کہا۔

''میرا سہارا تمہیں تنکے کا نہیں بلکہ شہتیر کا سہارا حاصل ہوگا۔ تم اس وقت کہاں رہتے ہو......؟''

''بس......! کیا بتاؤں......؟''

میں نے کہا تو وہ بولی۔

''مجھے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اب تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ یہاں بہت جگہ ہے۔ تمہاری ہر ضرورت یہاں سے پوری ہو جائے گی۔''

''میں نے ٹھیک کہا تھا ناں......؟''

میرے ذہن میں ابرانوس کی آواز اُبھری۔

''بالکل ٹھیک......!''

میں آہستہ سے بولا۔

''کچھ کہا......؟''

بھوج وتی نے خیالات سے چونک کر پوچھا۔

''ہاں......! بالکل ٹھیک......!''

میں نے بادلِ نخواستہ جواب دیا۔

''میرے برابر والے کمرے میں تمہارا قیام رہے گا۔ فی الحال میں کوئی دعویٰ تو نہیں کر سکتی لیکن

اطمینان رکھو۔ ارون شرما کو ناکوں چنے چبوادوں گی۔ اسے تمہاری دولت تو دینی ہی پڑے گی۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں بھوج وتی جی......!''

''چلو اب کچھ پی لو......!''

''شراب کے علاوہ جو دل چاہے پلا دیں۔''

میں نے پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ہائے......! شراب نہیں پیو گے......؟ پینے کی ایک ہی تو شئے ہے اس کائنات میں۔ لیکن کوئی بات نہیں......! میں تمہارے لئے کافی منگوائے دیتی ہوں۔''

کافی پیتے ہوئے میں نے کہا۔

''میں اس کے باوجود آپ کے اوپر بار نہیں بننا چاہتا بھوج وتی جی......! اس دوران جب تک آپ میری کفالت کریں، میرے سپرد ایسا کوئی کام کردیں جو میرے لئے مناسب ہو۔''

''اب ایسی جلدی بھی کیا ہے......؟ کچھ دن مہمان بن کر رہو۔''

اس نے سگریٹ کے پیکٹ سے نیا سگریٹ نکالا اور اسے ہونٹوں میں دبالیا۔ جو کمرہ اس نے میرے لئے منتخب کیا تھا، وہ خوب آراستہ تھا۔ ایک بار پھر تقدیر چمکی تھی، لیکن اب مجھے تقدیر پر کوئی بھروسہ نہیں رہا تھا۔ کون جانے کب تقدیر کا چاند بدلی میں چھپ جائے......؟

دوپہر کے کھانے کے بعد بھوج وتی نے کہا کہ وہ شام تک کے لئے جارہی ہے۔ ہوٹل کے ملازم ایک معزز مہمان کی حیثیت سے میری ہر خواہش کی پذیرائی کریں گے۔ مجھے کوئی تکلف نہیں کرنا چاہئے۔ شام کو سات بجے کے قریب بھوج وتی واپس آگئی۔ ہوٹل آباد ہوگیا تھا۔ نیچے سے موسیقی کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ اندر آکر اس نے کہا۔

''رات کو ایک بہت ہی خوب صورت رقاصہ رقص کرے گی، تمہیں اس کا رقص پسند آئے گا۔ آج کرشنا میں ایک خصوصی پروگرام ہے۔''

''بہت خوب......!''

''میں نے تمہارے لئے ایک لباس بھی خریدا ہے۔ اسے ایک دوست کا تحفہ سمجھ کر قبول کرلو، محسوس نہ کرنا۔''

میں نے دوست کا تحفہ بخوشی قبول کرلیا۔ ان حالات میں کر بھی کیا سکتا تھا......؟ بہرحال غسل کرکے خود کو سنبھالا اور لباس پہن کر تیار ہوگیا۔ میرے دوست ابرانوس نے بھی یہی کہا تھا کہ خوش لباس ایک اچھی چیز ہوتی ہے اور میں اس کے لئے انتہائی مکمل ہوں۔ ابرانوس نے میری تعریف کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ واقعی میں ایک خوب صورت انسان ہوں۔ بہرحال رات کو ساڑھے آٹھ بجے تھے جب نیچے ہال میں لاتعداد نسوانی چیخیں

گونج اُٹھیں۔ ان میں مردانہ آوازیں بھی شامل تھیں۔ پھر کرسیاں اور میزیں اُلٹنے کی آوازیں بھی ان میں شامل ہوگئیں اور میں بوکھلا کر باہر نکل آیا۔ بھوج وتی بھی دہشت زدہ ہوکر باہر آگئی تھی۔ نیچے بوتلیں ٹوٹ رہی تھیں۔ ہم دونوں نے بیک وقت جھانک کر نیچے دیکھا۔

وہ چھ آدمی تھے اور چست پتلونیں اور جیکٹس پہنے ہوئے تھے۔ ہال تقریباً خالی ہوگیا تھا۔ خوف زدہ لوگ باہر بھاگ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔

''اوپر......اوپر......وہ اوپر ہے......وہ اوپر ہے۔''

اور چار خوف ناک آدمی سیڑھیوں کی طرف لپکے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔ میرے ہوش اُڑ گئے۔ پچھلے کچھ واقعات نے تھوڑی سی ہمت تو بخش دی تھی، لیکن میں لڑائی بھڑائی کا آدمی نہیں تھا۔ ابرانوس نے بقول اسی کے مجھے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا تھا۔ چنانچہ جب ان غنڈوں نے اوپر کی جانب اشارہ کرکے یہ کہا کہ وہ اوپر ہے، تو میں خوف زدہ ہوگیا۔ کیونکہ وہ چاروں صورت ہی سے خطرناک نظر آرہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ انہیں بھوج وتی کی تلاش ہے۔

بھوج وتی جو صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے باہر بھاگی تھی، ایک دم اندر آگئی تھی۔ لیکن مجھ سے اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں گیا۔ ہر لحہ، ہر آن مجھے احساس ہورہا تھا کہ اب وہ اوپر پہنچے اور میرا تیا پانچہ کیا، لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا......؟ چاروں غنڈے سیڑھیوں پر اُچھلنے لگے۔

ان کے انداز سے پتا چل رہا تھا جیسے وہ اپنی دانست میں برق رفتاری سے سیڑھیاں عبور کررہے ہوں۔ لیکن حیرت کی بات تھی کہ وہ اوپر نہیں آپا رہے تھے، بس وہ اپنی سیڑھی پر کھڑے ہوئے اُچھل رہے تھے، البتہ انتہائی پُرجوش معلوم ہوتے تھے۔ لیکن اس دوران کرشنا کی تمام میزیں خالی ہوچکی تھیں۔ لوگ ان غنڈوں کی شکل دیکھ کر فرار ہوگئے تھے۔ بھلا کون اس افراتفری میں وہاں رُکتا......؟ یہاں تک کہ بارٹینڈر اور بیرے وغیرہ بھی حالات کی نزاکت کا احساس کرکے فرار ہوگئے تھے۔ ہال میں ان چار غنڈوں کے بقیہ دو ساتھیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گیا۔ لیکن سیڑھیوں پر جو اُچھل کود ہورہی تھی، وہ میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

''یہ کیا ہورہا ہے......؟''

وہ لوگ جو سیڑھیوں پر پریڈ کررہے تھے، شاید اب یہ احساس کرچکے تھے کہ وہ اوپر کیوں نہیں پہنچ پا رہے......؟ رفتہ رفتہ ان کا جوش سرد پڑنے لگا اور چہرے ہونق ہوگئے۔ لیکن وہ اب بھی اس طرح پاؤں اُٹھا رہے تھے جیسے سیڑھیاں طے کررہے ہوں، لیکن اس دوران انہوں نے جتنی سیڑھیاں طے کی تھیں، ان سے ایک سیڑھی بھی آگے نہیں بڑھ سکے تھے۔ نیچے کھڑے غنڈے حیرت سے منہ پھاڑے اپنے ساتھیوں کو دیکھ رہے تھے۔ بات ان کی سمجھ میں بھی نہیں آرہی تھی۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے والے غنڈے اس ناکامی کے باوجود اپنی کوشش

ترک نہیں کر پا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی قوت ساتھ چھوڑنے لگی۔ وہ اب بھی پاؤں اُٹھا رہے تھے، لیکن تھکے تھکے انداز میں، اوراس کے بعد وہ سیڑھیوں سے گر کر ہانپنے لگے۔

ان کی حالت کافی خراب ہوگئی تھی، اسی وقت دروازہ کھلا اور پولیس کے بہت سے سپاہی اپنے افسر کی ماتحتی میں اندر داخل ہوگئے۔ پہلے نیچے توڑ پھوڑ کرنے والے ان کی گرفت میں آئے پھر انہوں نے اطمینان سے سیڑھیاں چڑھ کر ہانپتے ہوئے غنڈوں کو اپنے قابو میں کرلیا۔ اس دوران بھوج وتی بھی باہر آگئی۔ پتا چلا کہ وہ پولیس کو فون کرنے گئی تھی، پولیس افسر کا رویّہ البتہ بھوج وتی کے ساتھ نہایت نیاز مندانہ تھا۔ بھوج وتی نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

''تم اطمینان سے اپنے کمرے میں رہو۔ اب میرے آدمی یہاں پہرے پر آگئے ہیں، میں ذرا پولیس افسر کے ساتھ جا رہی ہوں۔''

بھوج وتی نے مجھ سے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ لیکن عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ دلچسپ ہنگامہ تھا کیا......؟ اسی وقت میرے ذہن میں ابرانوس کی آواز اُبھری۔

''مزہ نہیں آیا تمہیں......؟''

''کیا مطلب......؟''

میں نے بے اختیار کہا۔

''اورن شرما کے بھیجے ہوئے غنڈے تھے۔''

''ارے باپ رے باپ......!''

''اور انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ تمہاری پٹائی کرنے کے ساتھ ساتھ کرشنا کو بھی تباہ کردیں تاکہ بھوج وتی کو تمہیں پناہ دینے کی سزا مل جائے۔''

''پھر یہ کیا ہوگیا......؟''

''کچھ نہیں......! سیڑھیاں ذرا لمبی ہوگئی تھیں۔''

ابرانوس نے ہنستے ہوئے کہا اور مجھے چکر آنے لگے۔ پھر میں نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے......''

''ہاں......! اس کا وہی مطلب ہے جو تم نے سمجھا۔ میرے یار......! عجیب آدمی ہو، ایک جن کی دوستی حاصل ہوگئی ہے تمہیں، اس کے باوجود ڈرتے ہو......؟''

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا، بہرحال بھوج وتی کافی دیر تک واپس نہیں آئی تھی۔ پتا نہیں کب میں اپنے کمرے میں صوفے پر لیٹے لیٹے سوگیا اور صبح کو اس وقت جاگا جب سورج کی نرم کرنیں آگ کا روپ اختیار کر رہی تھیں۔ آنکھ کھلی تو احساس ہوا کہ کوئی اور بھی میرے پاس موجود ہے۔ میں نے چونک کر دیکھا تو

بھوج وتی تھی جو شب خوابی کے لباس میں بے سدھ سو رہی تھی۔ منہ سے خودبخود ''ارے باپ رے باپ......!'' نکل گیا اور میں نے بوکھلا کر مسہری سے چھلانگ لگا دی۔ مسہری زور سے ہلی تو بھوج وتی بھی جاگ گئی۔ اس نے کروٹ بدل کر مسہری پر شاید مجھے ٹٹولا اور جب اس کا ہاتھ مجھ سے نہ ٹکرایا تو چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

میں بے وقوفوں کی طرح ایک سمت کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر بڑے دلکش انداز میں مسکرائی اور میری جان نکلنے لگی۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کی نشیلی کیفیت اور ہونٹوں کی لرزش بڑی تباہ کن تھی۔ میں تھوک نگلنے لگا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا......؟ کیا پھر کوئی ہنگامہ ہوا ہے......؟''

''نن......نہیں......! وہ باتھ روم......''

میں نے بوکھلاتے ہوئے کہا اور پھر تیزی سے باتھ روم کی جانب دوڑ گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل نے طبیعت صاف کردی تھی۔ رات کے واقعات مکمل طور پر یاد آگئے اور تھوڑی دیر کے بعد میں باتھ روم سے باہر نکل آیا۔

ادھر بھوج وتی نے بیڈ ٹی طلب کر لی تھی اور چائے آگئی تھی۔ اس نے چائے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یوں لگتا ہے جیسے ہم کوئی بھیانک خواب دیکھ کر جاگے ہیں۔ تمہیں کیا ہوگیا تھا......؟''

''کک......کچھ نہیں......! بس......سردی لگ رہی ہے۔''

میں نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

''لو......! چائے پیو......! میں بیڈ ٹی لینے کی عادی ہوں، اور تم......؟''

''شکریہ......!''

میں نے کہا اور مسہری کے پاس پڑی ہوئی ایک کرسی پر جا بیٹھا۔

''وہ کم بخت یقیناً میرے دشمنوں کے آدمی تھے اور مجھے نقصان پہنچانے آئے تھے۔ لیکن پولیس اسٹیشن میں انہوں نے بیان دیا کہ وہ اس وقت نشے میں تھے اور کسی جانے بوجھے پروگرام کے تحت کرشنا میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ پولیس افسر میرا شناسا ہے، میں نے اس سے کہہ دیا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں اور صحیح بات ان سے اُگلوانا ان کا کام ہے، کم بختوں نے اب تو میرا جینا دوبھر کردیا ہے۔ لیکن میں بھی اب انہیں ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔''

بھوج وتی جس غلط فہمی کا شکار تھی، اس سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ لیکن اس وقت میں نے اس کی غلط فہمی دُور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بھوج وتی نے مجھے بتایا۔

''اگر پولیس ان سے اصل بات معلوم نہ کرسکی تو پھر کرشنا میں فرنیچر کی توڑ پھوڑ اور شراب کی بوتلوں

کی ٹوٹ پھوٹ سے جو نقصانات ہوئے ہیں، وہ پورے نہیں ہوسکیں گے۔ پولیس نے ان لوگوں کو لاک اَپ کر دیا ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ میں کسی بھی وقت پولیس افسر سے ملاقات کرلوں، تاکہ وہ صورتِ حال کے بارے میں میرا اور تمہارا بیان لے لے۔''

''مم...... میرا بھی......؟''

میں نے چونک کر کہا۔

''ہاں......! میں نے پولیس افسر کو کہہ دیا ہے کہ میرا ایک عزیز دوست میرے ساتھ قیام پذیر ہے۔ تم تیاری کرلو۔ ناشتے کے بعد ہم پولیس اسٹیشن چلیں گے۔''

بھوج وتی نے کہا لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چائے پینے کے بعد وہ خود بھی غسل خانے میں داخل ہوگئی۔ میں اس کے بارے میں اچھی طرح اندازہ لگا چکا تھا کہ کس قسم کی عورت ہے۔ میرا اس کے ساتھ رہنا مناسب نہیں تھا۔ ابرانوس نے مجھے اس کی راہ دکھائی تھی، لیکن یہاں آنے کے بعد مجھے لگا تھا کہ یہ جگہ خطرے سے خالی نہیں ہے۔ غسل خانے سے بھوج وتی ایک خوب صورت لباس میں برآمد ہوئی اور پھر اس نے روم سروس سے ناشتہ طلب کیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد اس نے مجھے تیار ہونے کے لئے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تیار ہونے کے بعد میں نے اپنے ذہن میں ابرانوس کا نام دُہرایا تو اس کی آواز میرے کانوں میں اُبھری۔

''میں تمہاری پریشانی دیکھ رہا ہوں، لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تم جس پر نگاہ ڈالو گے، وہ صرف سچ بولے گا۔ کیونکہ ابرانوس کو صرف سچ پسند ہے۔ ان لوگس سے جب بھی ان کی حقیقت پوچھنا چاہو گے تو انہیں حکم دے دینا، وہ سب کچھ اُگل دیں گے۔''

''لیکن ابرانوس......! میرے لئے بھوج وتی کی دوستی خطرناک ہوسکتی ہے۔''

''بزدل دوست......! ہر جگہ بزدلی مت دکھایا کرو۔ رات کو ارون شرما کے آدمی تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکے......؟ بس یوں سمجھ لو کہ میں جب تک تمہارے وجود میں چھپا ہوا ہوں، وہ لوگ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''

''کیا اس بات کے امکانات ہیں کہ تم کبھی مجھ سے دُور ہو جاؤ......؟''

''بظاہر تو نہیں ہیں، لیکن میرے بھی کچھ مسائل بے شک ہیں۔ اب میں تمہیں جنوں کی نگری کے بارے میں کیا تفصیلات بتاؤں......؟ بس یوں سمجھ لو کہ تمہاری دُنیا کے عالم اپنی تن آسانی کے لئے ہم پر قابو پانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں اور چلّے وظیفے کر کے ہمیں اپنے قبضے میں کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ وہ عالم جس سے میرا بھِڑا ہوا تھا، میں کمزور پڑ گیا تھا اس کے سامنے، اور اس نے مجھے انار کلی بنا دیا۔ خیر......! فکر مت کرو۔ جہاں مصیبت کا شکار ہو جاؤ گے، وہاں میں تمہارا ساتھ دوں گا۔''

مجھے کافی ڈھارس ہوئی تھی، اور چونکہ میرے دوست نے مجھے سہارا دیا تھا، اس لئے میں تیار ہو گیا کہ

بھوج وتی کے ساتھ پولیس اسٹیشن چلا جاؤں۔ آخر کار بھوج وتی تیار ہو کر آ گئی اور اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ بڑی تیز طرار قسم کی عورت تھی۔ کسی طرح ہنگامے سے نہ ڈرنے والی، بس ان لمحات میں وہ بے بس ہوئی تھی جب اس سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

پولیس اسٹیشن پہنچ کر میں نے اس پولیس انسپکٹر کو پہچان لیا جس نے کرشنا میں چھاپہ مار کر ان لوگوں کو گرفتار کیا تھا۔ پولیس انسپکٹر بھوج وتی سے خصوصی لگاؤ رکھتا تھا، چنانچہ اس نے بڑی بے تکلفی کا اظہار کیا اور بھوج وتی کا استقبال کر کے اسے بیٹھنے کی پیش کش کر دی۔

''وہ...... کتے کے بچے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتے کہ وہ شراب کے نشے میں کرشنا جا گھسے تھے، میرے افسر اعلیٰ نے مجھ سے ان کے بارے میں تفصیلات طلب کی تھیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی نے ان کے لئے کوشش کی ہو۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد انہیں افسر اعلیٰ کے پاس لے کر جانا ہے، اگر آپ چاہیں تو میرے ساتھ چلیں محترمہ بھوج وتی......!''

بھوج وتی نے اس بات پر بھی آمادگی کا اظہار کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف چل پڑے۔ پولیس کی ایک اور گاڑی میں ان غنڈوں کو بھی ہمارے ساتھ ہی لایا جا رہا تھا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں جس شخص کے سامنے ان لوگوں کو پیش کیا گیا، اسے دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی کیونکہ وہ پرکاش ورما تھا، پرکاش ورما کے لئے ابتداء میں تو میرے دل میں بڑے اچھے خیالات تھے۔ لیکن بعد کی صورتِ حال کچھ اور نکلی تھی۔ ادھر پرکاش ورما نے مجھے دیکھا تو متحیرانہ انداز میں آنکھیں گھمائیں اور پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اوہو......! دھرم کھنہ جی......! آپ کا بھوج وتی دیوی سے کیسے تعلق ہو گیا......؟''

''اوہو......! اس کا مطلب ہے کہ آپ دھرم کھنہ سے واقف ہیں۔''

بھوج وتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور آپ ناواقف......! کیا آپ یہ بات نہیں جانتیں بھوج وتی دیوی......! کہ دھرم کھنہ، وکرم کھنہ کے صاحب زادے ہیں اور حال ہی میں وہ اپنی تمام دولت اور جائیداد سے دستبردار ہو گئے ہیں......؟ کیونکہ ارون شرما صاحب سے ان کا کوئی اختلاف چل رہا ہے۔''

''خیر......! یہ سب بعد کی باتیں ہیں اور ان کا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں آپ کو ان لوگوں کے بارے میں تفصیلات بتانے آئی ہوں۔''

پرکاش ورما نے گہری نگاہوں سے اپنے ساتھ پیش کئے جانے والے ان چھ غنڈوں کو دیکھا اور پھر اپنی ٹوپی سر سے اُتار کر میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں دوستو......! تم بھوج وتی جی کے ہوٹل کو تباہ کرنے کی کوشش کیوں کر رہے تھے......؟''

''ہم میں سے کسی نے بھی یہ کوشش نہیں کی سر......! ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نشے میں تھے۔ ویسے دیوی جی کا جو بھی نقصان ہوا ہے، ہم اسے پورا کرنے کے لئے تیار ہیں اور ان سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں......! ہرگز نہیں......! یہ لوگ پکڑے جانے کے بعد خود کو نشے میں کہہ رہے ہیں ورنہ میں جانتی ہوں کہ ان لوگوں کا تعلق کس سے ہے......؟''

''ہمارا تعلق کسی سے نہیں ہے دیوی جی......! ہم تو دلی کے شریف شہری ہیں اور اپنا یہ چھوٹا سا جرم تسلیم کر چکے ہیں۔''

ان میں سے ایک غنڈے نے بڑی دلیری سے کہا۔

''کیا آپ کے پاس ان کے خلاف کوئی مؤثر ثبوت ہے بھوج وتی دیوی......؟''

پرکاش ورما نے سوال کیا۔ لیکن اب میری باری تھی۔ چنانچہ میں نے ابرانوس کی ہدایت کے مطابق ان لوگوں کے چہرے دیکھے اور پھر میں نے ان سے سوال کیا۔

''کیا تم جو کچھ کہہ رہے ہو، سچ کہہ رہے ہو......؟ کیا تم صرف نشے میں کرشنا میں داخل ہوئے تھے......؟''

اچانک ہی ان لوگوں کے چہروں کے تاثرات بدلنے لگے۔ وہ گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور پھر سبھی کی آوازیں اُبھریں۔ ان کی اس بدلی ہوئی کیفیت کو پرکاش ورما نے چونک کر دیکھا تھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم......؟''

''نہیں جناب......! یہ سچ نہیں ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم ہوٹل کرشنا کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیں اور......اور اس آدمی کو اتنا ماریں کہ یہ اپنے طور پر کھڑے ہونے کے قابل نہ رہے۔''

انہوں نے میری طرف اشارہ کر کے کہا اور پرکاش ورما کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

''کیا بکواس کر رہے ہو تم لوگ......؟ ابھی تم نے کچھ اور کہا تھا۔''

''اس وقت ہم جھوٹ بول رہے تھے سرکار......! یہ سچ ہے کہ ہمیں ارون شرما نے اس کام پر لگایا تھا۔ اصل میں ارون شرما دھرم کھنہ جی کا مخالف ہے اور چاہتا ہے کہ دھرم کھنہ جی دلی کی سڑکوں پر بھیک مانگتے پھریں۔ کیونکہ بھوج وتی نے اس آدمی کو پناہ دے کر ارون شرما جی سے دشمنی لی ہے۔ یہ سب کچھ اس کے نتیجے میں تھا۔ شرما جی نے ہمیں حکم دیا تھا کہ کرشنا کو مکمل طور پر تباہ کر دیں اور اس شخص کو بری طرح ماریں پیٹیں، مقصد ان دونوں کو سزا دینا تھا۔''

''کیا تم پاگل ہو گئے ہو......؟ کیا تم سب ایک ہی بات کہہ رہے ہو......؟''

''ہاں......! ہم جھوٹ نہیں بول سکتے۔ یہ سچ بول رہے ہیں ہم۔''

''یہ لوگ شاید پاگل ہو گئے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ یہ لوگ سیڑھیاں طے کرنے کی کوشش کر رہے

تھے اور اوپر نہیں پہنچ سکے تھے۔ اگر تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ دھرم کھنہ کو نقصان پہنچاؤ تو تم اوپر کیوں نہیں گئے تھے......؟''

''پتا نہیں سر جی......! کیا ہو گیا تھا......؟ آپ یقین کر سکتے ہیں، ہمیں یوں لگا جیسے ہم نے بیس منزلیں طے کر لی ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ مگر ہم اوپر نہیں پہنچ سکے۔''

''آپ خود دیکھ رہی ہیں بھوج وتی دیوی......! پتا نہیں کون سا گندہ نشہ کیا ہے انہوں نے کہ ابھی تک ان کے حواس قابو میں نہیں ہیں۔ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے......؟ میں ان کا طبی معائنہ کراؤں گا۔ اگر یہ واقعی نشے میں تھے یا ہیں تو جو کچھ انہوں نے کیا ہے، اس کے لئے یہ لمبی سزا کے مستحق نہیں ہیں۔''

ادھر میرے ذہن میں بہت سے خیالات آ رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ پرکاش ورما، ارون شرما کے ہاتھوں بک چکا ہے اور اگر میں چاہتا تو اس وقت ابرانوس کی مدد سے پرکاش ورما کو بھی سچ بولنے پر مجبور کر دیتا۔ لیکن مصلحتاً میں نے ایسا نہیں کیا۔ ادھر پرکاش ورما نے بھوج وتی سے کہا۔

''دیوی جی......! اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں پر مقدمہ قائم کر سکتی ہیں۔ یہ لوگ ابھی پولیس کے پاس رہیں گے۔ لیکن اگر کسی نے ان کی ضمانت کرانا چاہی تو ہمیں اعتراض نہیں ہوگا۔ اگر آپ چاہیں تو اپنے وکیل کی مجھ سے ملاقات کرا دیں۔''

بھوج وتی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں سے واپس چل پڑے۔ وہ غصے سے سرخ ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔

''صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ پرکاش ورما ان کی مدد کر رہا ہے۔ لیکن میرے ہاتھ بھی چھوٹے نہیں ہیں۔ میں دیکھوں گی کہ اس کی پہنچ کہاں تک ہے......؟''

''میرا خیال ہے دیوی جی......! اس مسئلے کو زیادہ طول نہ دیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ارون شرما میرا دشمن ہو گیا ہے۔ وہ مجھ سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔ یہ سب کچھ میری ہی وجہ سے ہوا تھا۔''

''لیکن دھرم......! میں تمہیں اپنا مہمان بنا چکی ہوں۔ بے فکر رہو۔ میں بھی کمزور نہیں ہوں۔ میں دیکھوں گی کہ ارون شرما کہاں تک جاتا ہے......؟ اگر اسے تمہارے ساتھ مجھے بھی سزا دینے کی خواہش ہے تو پھر اسے بڑی تکلیف برداشت کرنا ہوگی۔ میں ابھی اپنے وکیل کو فون کرتی ہوں۔ دیکھوں گی انہیں، دیکھ لوں گی اچھی طرح۔''

بہرحال میرے لئے خاموشی کے سوا اور کیا چارۂ کار تھا۔ میں اب خاصی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ بہرحال یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں میرا دوست ابرانوس میری بزدلی پر ناراض نہ ہو جائے۔ بہت بڑا سہارا مل گیا تھا مجھے۔ حالانکہ عقل تسلیم نہیں کرتی تھی کہ ایک جن ایک آدم زادے کا اتنا گہرا دوست بن گیا ہے۔ غرض یہ کہ یہ

سارے کام بڑے دلچسپ ہو رہے تھے، ادھر میری سوچ پر ابرانوس کی آواز اُبھری۔

''اگر تم نے مجھ سے انحراف کیا تو دُنیا تم پر تنگ ہو جائے گی۔''

''نہیں نہیں......! خدا کے لئے تم میری بات کا برا مت ماننا۔''

''لیکن تم مجھ پر شک نہیں کرو گے۔ کمال کے آدمی ہو، مان ہی نہیں رہے۔ یار......! میں آتش زادہ ہوں، اگر تم نے مجھ سے انحراف کیا تو چلا جاؤں گا اپنی دُنیا میں واپس۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اب تمہارے ساتھ اس دُنیا کو دیکھوں۔''

''مم...... میں...... میں معافی چاہتا ہوں۔''

''بھوج وتی کو اپنے وکیل کو فون کرنے دو، وہ جس شکل میں بھی تمہاری مدد کر رہی ہے، اسے قبول کرتے رہو۔ واقعی اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ بس جو میں کہہ رہا ہوں، وہ کرتے رہو۔''

میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد بھوج وتی نے مجھے ایک وکیل سے ملایا۔ اچھی شخصیت کا مالک تھا۔ بڑے اخلاق سے مجھ سے پیش آیا۔ اس نے بتایا کہ وہ کرم کھنہ کو بھی جانتا تھا۔ خیر......! اس نے پہلے مجھ سے تفصیلات سنیں اور اس کے بعد بھوج وتی سے سوالات کرتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''آپ ان پر مقدمہ قائم کر دیں۔ پولیس افسر نے آپ کی رپورٹ تو لکھ لی ہو گی۔''

''ہاں......!''

''اس رپورٹ کی نقل طلب کر لیں، ہم ارون شرما کو براہِ راست گھیر سکتے ہیں۔''

میں نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ اس کے بعد یہ کارروائیاں دو دن تک جاری رہیں۔ اس دوران ہمیں خبر مل چکی تھی کہ ان چھ غنڈوں کو رہا کر دیا گیا ہے۔ ادھر ہمارے وکیل نے ارون شرما کو نوٹس بھجوا دیا تھا۔ میں اس دوران بھوج وتی کے ساتھ ہی رہ رہا تھا اور وہ میری دلجوئی میں کوئی کمی نہیں چھوڑ رہی تھی۔ کرشنا کے پروگرام جاری ہو گئے اور ان پروگراموں سے نمٹنے کے بعد مجھے بھوج وتی کو برداشت کرنا پڑتا تھا جو میرے لئے سزائے موت کی طرح سے تھی۔ لیکن ابرانوس کو ان ساری باتوں سے خاصی دلچسپی تھی۔

بھوج وتی مجھ پر جان نثار کر رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ میرے لئے اپنا سب کچھ لٹا سکتی ہے۔ لیکن مجھے اس لوٹ مار سے غرض نہیں تھی۔ البتہ ارون شرما کا کیس اب میرے لئے دلچسپ ہوتا جا رہا تھا اور میرے دل میں بھی یہ تصور اُبھرنے لگا تھا کہ جس شخص نے میرے لئے یعنی دھرم کے لئے گڑھا کھودا ہے، ذرا اسے بھی اس گڑھے کی سیر کراؤں۔

بہت سے کارڈ تھے میرے ہاتھ میں۔ ارون شرما کی بیٹی نرمل شرما تھی، کومل شرما تھی۔ ادھر پرکاش ورما کی بیٹی نتاشہ ورما تھی۔ ایک اور کردار بھی تھا جو بڑی حیثیت کا حامل تھا اور وہ تھی رکمنی۔ غرض یہ کہ اتنے سارے لوگ موجود تھے۔

''کس کس طرح لوگوں نے مجھے اپنے جال میں پھانسا تھا اور بے چارے دھرم کھنہ کی تمام دولت میرے ذریعے ہتھیا لی تھی۔''

بڑی دلچسپ صورتِ حال تھی۔ مجھے واقعی اس وقت ہمت کی ضرورت تھی۔ کم از کم ابرانوس کی موجودگی سے یہ فائدہ تو ہو سکتا تھا کہ میں ارون شرما کو دلی میں تماشہ بنا سکتا تھا۔ میرے دل سے اب خوف دُور ہوتا جا رہا تھا۔ حالانکہ میں اس مزاج کا انسان نہیں تھا لیکن اب کیا کیا جاتا......؟ لوگ مجھے کھینچ کھانچ کر یہاں تک لائے تھے چاہے کسی بھی حیثیت سے سہی۔

ادھر بھوج وتی بھی میرے ساتھ بہت اچھا ہی سلوک کر رہی تھی۔ حالانکہ اس کے دل میں میرے لئے جو صورتِ حال تھی، اس کا مجھے علم تھا۔ پھر تبدیلی ہوئی۔ ارون شرما براہِ راست کرشنا آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ پرکاش ورما بھی تھا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ ویسے بھی اسے پرکاش ورما کا تحفظ حاصل تھا۔ البتہ بھوج وتی نے خاصی سرد مہری سے اس کا استقبال کیا۔

''ہوں......! تو اب تم یہاں آ پڑے ہو دھرم کھنہ......! اور شریمتی بھوج وتی جی......! آپ کو مجھ سے کیا اختلاف ہے......؟ آپ کو اگر حقیقت کا علم نہیں تھا تو کم از کم معلوم ہی کر لیتیں مجھ سے۔ میرا تو آپ سے ایک تعلق ہے۔ یہ قلاش آدمی آپ کے لئے مشکل ثابت ہو گا۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اسے یہاں سے نکال کر اپنے لئے مشکلیں نہ خریدیں۔''

بھوج وتی نے تیکھی نگاہوں سے پرکاش ورما کو دیکھا اور بولی۔

''جی ورما صاحب......! آپ کی موجودگی میں ارون شرما جی مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں۔''

''نہیں......! میں معذرت چاہتا ہوں، ایک اچھے انسان کی حیثیت سے آپ کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اس شخص کی پشت پناہی سے ہاتھ اُٹھا لیجئے۔ یہ ایک لٹا ہوا جواری ہے۔ اس کے باپ نے ارون شرما سے اتنا قرض لیا تھا کہ اس کا سب کچھ وصول کرنے کے بعد بھی ارون جی کا قرضہ نہیں پورا ہوتا۔ ایک ایسے شخص سے آپ کو دلچسپی نہیں ہونی چاہئے۔''

''آپ نے کہہ دیا ٹھیک ہے، لیکن اپنے بارے میں میں بہتر جانتی ہوں۔ ارون شرما جی نے جس طرح اپنے غنڈوں کو یہاں بھیجا اور مجھے سزا دلوانا چاہی، اس کے بعد بھی آپ یہ بات کہہ رہے ہیں......؟''

''میری مان لیجئے۔ یہی آپ کے حق میں بہتر ہو گا۔''

اس بار ارون شرما نے کہا۔

''آپ غلط فہمی کا شکار ہیں شرما جی......! اگر قانون آپ کی جیب میں رکھا ہوا ہے تو انہیں بھی یہ جان لینا چاہئے کہ میرا تعلق بھی ایک بہت بڑی شخصیت سے ہے اور اس بڑی شخصیت تک یہ رپورٹ پہنچ جائے گی کہ آپ کا ایک اعلیٰ پولیس آفیسر ارون شرما صاحب کی مجرمانہ کارروائی کی مدد کر رہا ہے۔''

''ارے نہیں بھوج وتی جی......! نہیں نہیں......! میں جانتا ہوں آپ کس کی بات کر رہی ہیں......؟ میرا اس معاملے سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو ہماری ذاتی گفتگو ہے۔ میں تو آپ دونوں کے درمیان مصالحت کرانا چاہتا تھا۔''

''لیکن آپ نے جو کچھ کیا ہے، اس کی رپورٹ میں بہر طور اوپر پہنچاؤں گی۔ آپ جانتے ہیں کہ میں کس کی بات کر رہی ہوں......؟''

میں نے ایک بات دل میں تسلیم کی کہ بھوج وتی ایک نڈر عورت ہے اور کسی سے نہیں ڈرتی۔ بہر حال اس نے صاف صاف باتیں کیں اور ارون شرما غصے سے پھنکارتے ہوئے واپس چلے گئے۔ وہ بڑے زعم میں تھا۔ لیکن میں بھی اب کوئی معمولی شخصیت کا آدمی نہیں تھا جو آسانی سے ہار مان لیتا۔ بھوج وتی واقعی مجھ سے بہت زیادہ متاثر ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔

''تم بالکل چنتا مت کرنا دھرم......! ان لوگوں کو بہت جلد میری قوت کا احساس ہو جائے گا۔''

''ہاں......! میں بھی ان لوگوں کے نرم چارہ نہیں ثابت ہوں گا۔''

میں نے ابرانوس کی شہ پر کہا۔

''واہ......! یہ ہوئی ناں بات دھرم کھنہ......! تم اس ارون شرما کو اچھی طرح ذلیل کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم اس کے ہاتھوں سے اپنی دولت نکلوا سکو تو پھر میں تمہیں مشورہ دوں گی کہ انڈیا میں تمہیں کیا کاروبار کرنا چاہیئے۔ کیا تم ان لمحات میں مجھے قبول کر لو گے......؟''

''آپ کیسی باتیں کرتی ہیں بھوج وتی جی......؟ آپ نے مجھے ان حالات میں جس طرح سہارا دیا ہے، کیا میں آپ کے اس احسان کو کبھی بھول سکوں گا......؟ آپ اطمینان رکھیں، اگر سے نے میرا ساتھ دیا تو پھر آپ میرا ساتھ دیجئے گا۔''

بھوج وتی مسکرانے لگی تھی۔ بہر حال جلد ہی ہمارا کیس عدالت میں پیش ہوگا۔ عدالت کے سامنے وکلاء نے اپنے اپنے کاغذات پیش کئے۔ بھوج وتی جی اور میں عدالت میں موجود تھے۔ جبکہ ارون شرما کا وکیل آیا تھا۔ البتہ پرکاش ورما نے اپنے طور پر کچھ اور بھی انتظامات کر دیئے تھے۔ پیشیاں ہونے لگیں، ہمارے بیانات قلم بند ہوتے رہے۔ بات وہیں سے چلی تھی کہ کرشنا میں چھ غنڈوں نے داخل ہو کر توڑ پھوڑ مچائی اور مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن اس کے بعد سے متعلق تفصیلات سامنے آتی رہیں۔ میں نے کھل کر عدالت میں یہ الزام لگایا کہ ارون شرما نے کس طرح مجھ سے کاغذات پر دستخط کرائے اور میری تمام دولت ہڑپ کر لی اور اس کا پس منظر کیا تھا۔

یہ ساری باتیں سامنے آتی رہیں۔ ان چھ غنڈوں کو بھی عدالت میں طلب کیا گیا تھا۔ جب میری نگاہیں ان سے ملیں تو انہوں نے صرف سچ بولا اور سب دنگ رہ گئے۔ پولیس کو انہوں نے ~~الگ~~ بیان دیا تھا کہ وہ

نشے میں تھے۔ لیکن ابرانوس کی مداخلت پر انہوں نے ہر بات سچ کہی۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ وہ ان سب کا لیڈر ہے اور اس کا تعلق درجنا گروپ سے ہے اور درجنا کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ارون شرما سے باقاعدہ تنخواہ پاتا ہے اور یہ تنخواہ اسے اس کام کے لئے ملتی ہے کہ وہ ارون شرما کے دُشمنوں کو ٹھکانے لگاتا رہے یا ارون شرما جس طرح کی مجرمانہ کارروائیاں کرنا چاہے، اس میں ان کی مدد کرے۔

اس بیان نے جہاں ارون شرما کے وکیل کو ششدر کر دیا تھا، وہیں پرکاش ورما اور عدالت عالیہ کی آنکھیں بھی کھل گئی تھیں اور اسی دن سے اس کیس کی صورتِ حال بدل گئی۔

ہم نمایاں طور پر کامیابیاں حاصل کرتے جا رہے تھے۔ پھر اس شام بھوج وتی کا وکیل خصوصی طور پر میرے پاس آیا اور اس نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

''ان لوگوں کے بیان نے اب تک لگائے گئے تمام الزامات کی تصدیق کر دی ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ارون شرما کے خلاف ایک درخواست دھرم کنہ کی طرف سے بھی دے دی جائے کہ ارون شرما سے ان کی دولت واپس دلائی جائے۔''

البتہ میں نے اس مرحلے پر ذرا اُلجھن محسوس کی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اگر میں خود کو دھرم کھنہ ظاہر کر کے ہی یہ ساری کارروائی کروں تو خود بھی مجرم بن جاؤں گا کیونکہ میں درحقیقت دھرم کھنہ نہیں تھا۔ دل یہ چاہ رہا تھا کہ میں اپنا کچا چٹھہ کھول کر سامنے رکھ دوں۔ اس طرح ساری پیچیدگیاں بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ مثلاً یہ کہ وکرم کھنہ کی دولت کا جائز حق دار نہ ہونے کی وجہ سے اس دولت میں سے مجھے کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ لیکن پچھلے دنوں کی تمام کوششوں کے بعد اور ابرانوس کی موجودگی سے جو اعتماد میرے اندر پیدا ہو رہا تھا، وہ بہت تھا۔

میں جانتا تھا کہ میرا حیرت انگیز دوست میری زندگی بنانے کے لئے وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو خود میں نہیں کر سکتا۔ چنانچہ یہ ضروری نہیں تھا کہ ارون شرما کی دولت ہی حاصل کی جائے۔ لیکن اس طرح بھوج وتی کو بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو منصوبے اس نے میری دولت کے لئے بنائے تھے، وہ سب ختم ہو جائیں گے۔ لیکن میں اب زندگی کے اس کھیل کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے، صرف بھوج وتی ہی اس دُنیا کی واحد خاتون نہیں ہے جو مجھے سہارا دے سکے۔ میرے پاس تو اب ابرانوس کی قوت تھی، جس پر رفتہ رفتہ مجھے مکمل اعتماد ہوتا جا رہا تھا۔

یہ معمولی بات نہیں تھی کہ عدالت میں درجنا کے آدمیوں نے وہ سچ سچ بیان دیا تھا۔ ارون شرما کے فرشتے بھی اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکے ہوں گے کہ ایسا کیوں ہوا ہے......؟ اچانک مجھے اپنے دوست کا خیال آیا۔ میرا بہترین دوست، بہترین ساتھی ابرانوس جو اب خود میرے اندر موجود تھا اور میرے وجود کو اس نے کچھ سے کچھ بنا دیا تھا۔ میں نے کہا۔

''ابرانوس......! کیا تم اس وقت بھی میرے اندر موجود ہو......؟''

جواب میں ابرانوس کی ہنسی سنائی دی۔

''ارے بھائی......! اب تو میرا گھر ہی تیرا بدن ہے۔ میں نے کہا تھا ناں تجھ سے کہ ایک جان دو قالب کا تو محاورہ سنا تھا، اب دو جانیں ایک قالب میں ہیں۔ ویسے میں تم سے ایک بات کہوں کہ تم مجھے محدود نہ کرو۔''

''میں سمجھا نہیں......!''

''یار......! دُنیا بہت وسیع ہے۔ تم ریاست سونا گڑھی کے ولی عہد بن کر کیا کرو گے......؟ ایسی لاتعداد ریاستیں تمہارے قدموں میں ہیں۔ میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔ بتاؤ، مجھے بتاؤ، میں سچ بتاؤں تمہیں، میں تو تمہارے وجود میں دُنیا کے نت نئے رنگ دیکھنا چاہتا ہوں اور تم دھرم کھنہ بن کر ایک جگہ محدود ہو جانا چاہتے ہو......؟''

''نہیں نہیں......! تمہارے مشورے کے بغیر میں کچھ بھی نہیں کر سکتا اور سچ بتاؤں تمہیں، میرے اندر یہ خود اعتمادی ہی تمہاری وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔''

''میں تم سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ مجھے اس دُنیا کی ہنگامہ خیزیوں میں لے چلو۔ ضروری نہیں ہے کہ دلی ہی میں تمہاری زندگی بسر ہو جائے۔ تم ایک انسان کی حیثیت سے جو رُخ بھی اختیار کرو گے، مجھے اس سے دلچسپی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ میرے لئے اجنبی ہے۔ میں آتش زادہ ہوں اور انسان زادوں کی نفسیات سے ناواقف۔''

''ویری گڈ......! گویا......''

''ہاں......! گویا اب چونکہ میں تمہارے اندر ہوں، اس لئے تمہارے احساسات بھی سمجھ سکتا ہوں۔''

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں......''

''ہاں......! تم یہ چاہ رہے تھے کہ تم اس بات کا اظہار کر دوں کہ تم دھرم کھنہ نہیں ہو اور تمہارے ساتھ یہ سازش کی گئی ہے۔''

''ہاں......! لیکن ایک بات بتاؤ......!''

''بولو......!''

''یہاں ہندوستان میں میری آمد غیر قانونی قرار دے دی جائے گی۔ اب جبکہ ساری تفصیلات تمہارے علم میں ہیں تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ......''

''مجھے ایک ایک بات معلوم ہے۔ رام تیواری کو بھی جانتا ہوں اور رکنی کو بھی۔ کیا سمجھے......؟ تمہیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مجھے گرفتار کر لیا جائے گا۔''

''ہندوستان کی سرزمین پر کوئی ایسی جیل نہیں بنی میرے دوست......! جو تمہیں قید رکھ سکے۔''

''چلو پھر ٹھیک ہے......!''

''کیا ٹھیک ہے......؟''

''میں تمہاری ہدایت کے مطابق ہی کام کروں گا، لیکن اس کے لئے تھوڑا سا وقت بے شک لگ جائے گا۔''

''ہاں......! کیوں نہیں......؟ میں جانتا ہوں، مگر کیا کرنا چاہتے ہو......؟''

''میں ارون شرما کو اچھی طرح مفلسی اور دولت مندی کا فرق بتا دینا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک......! میرا خیال ہے، اچھا منصوبہ ہے تمہارا۔''

''تو پھر تمہاری یہی رائے ہے کہ میں اپنے آپ کو ڈکلیئر کر دوں......؟''

''ہاں ہاں......!''

ابرانوس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔

عدالتی کارروائیاں ہوتی رہیں۔ ارون شرما کے بارے میں مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے کیا کر رہا ہے......؟ لیکن یہ جانتا تھا کہ خاصا با اثر آدمی ہے، بہت سے لوگ اس کے لئے کام کر رہے ہیں، میری اس بات کو جھٹلانے کے لئے مسلسل کوشش کر رہا تھا اور مجھے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ہندوستان محکمہ قانون کا ایک اہم ترین افسر یعنی پرکاش ورما اب مکمل طور پر اس کے لئے کام کر رہا ہے۔

ایک شام بھوج وتی کی رہائش گاہ پر مجھے ارون شرما کا ٹیلی فون موصول ہوا۔

☆......☆......☆

ایک لمحے کے لئے میں سوچنے لگا کہ اس سے کس طرح ڈیل کیا جائے، پھر میں سنبھل گیا، دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہیلو......!''

''دھرم بول رہے ہو......؟''

''جی شرما صاحب......!''

''میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔''

''فرمایئے فرمایئے......! تم جو کچھ کر رہے ہو، اس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے، سوائے اس کے کہ تم اپنی زندگی کو کھو بیٹھو۔''

''میں آپ کے یہ الفاظ ریکارڈ کر کے پولیس کو دے سکتا ہوں ارون شرما صاحب......! بہتر یہ ہے کہ آپ اس دولت سے دستبردار ہو جائیں۔''

''پاگل ہو تم......؟ تم جو کچھ کر رہے ہو، وہ بے مقصد ہے، تم میرے سامنے ٹکنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔''

''ویری گڈ......! گویا رسی جل گئی پر بل نہیں گیا۔''

''رسی جلی نہیں ہے بے وقوف لڑکے......!''

''میں آپ کو ایک بات بتاؤں شرما صاحب......! میرے پاس ایک داؤ ہے جو اگر میں نے لگا دیا تو آپ اکھاڑے میں چت نظر آئیں گے۔''

''پاگل......! پاگل ہو، اصل میں تمہیں عمر کا تجربہ نہیں ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کس سے ٹکرائے ہو......؟''

''ٹھیک......! تو پھر اجازت ہے مجھے......؟''

''ہاں......! اجازت ہے، کوشش کرو۔''

ارون شرما نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔ میرے لئے اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں اپنی حقیقت عدالت میں بیان کر دوں۔ چنانچہ اس پیشی پر میں نے خصوصی طور پر درخواست کی کہ آئندہ پیشی میں ارون شرما صاحب کو طلب کیا جائے، عدالت عالیہ سے میری اس درخواست کے جواب میں ارون شرما کے سمن جاری ہو گئے۔

اور چونکہ تاریخ بہت قریب رکھی تھی اس لئے چند ہی روز کے بعد ارون شرما کا اور میرا عدالت میں سامنا ہو گیا۔ ارون شرما کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں ہوگا کہ اب کیا ہونے والا ہے......؟ لیکن چونکہ ارون شرما آج عدالت میں پیش ہوا تھا اس لئے بہت سے متعلقہ لوگ کمرۂ عدالت میں موجود تھے۔

میں جانتا تھا کہ ارون شرما صرف سچ بولے گا، ابرانوس اسے سچ بولنے پر مجبور کر دے گا، لیکن اس سے پہلے میں بھی اس کے ساتھ کھیلنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے بیان کا آغاز کیا، میں نے عدالت کو مخاطب کر کے کہا۔

''جناب عالی......! اب تک اس سلسلے میں جو کارروائی ہوتی رہی ہے، آج میرا دل چاہتا ہے کہ اس سب کو بے کار کر دوں۔ میرے وکلاء کے دیانت داری سے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے وہی سب کچھ عدالت کے سامنے دُہرایا ہے جو میں نے انہیں بتایا تھا، لیکن صورتِ حال کا ایک ایسا گوشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے، جسے میں عدالت کے سامنے لاؤں تو ارون شرما کی تمام حیثیت واضح ہو جائے گی۔''

''وہ کیا ہے......؟''

جج صاحب نے مجھ سے سوال کیا۔

''سب سے پہلے میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرا تعلق نہ تو ہندوستان سے ہے اور نہ ہی میں وکرم کھنہ کا بیٹا دھرم کھنہ ہوں۔ میں ایک دوسرے ملک کا باشندہ ہوں اور اپنے وطن میں ایک معمولی زندگی گزار رہا تھا کہ رام تیواری نامی ایک شخص نے مجھے دیکھا اور میرے چہرے کی دھرم کھنہ کی مشابہت پر وہ مجھے یہاں لے آیا۔ دھرم کھنہ کی حیثیت سے وہ مجھے ارون شرما صاحب کے سامنے لا کر اسے شکست دینا چاہتا تھا۔''

یہ کہہ کر میں نے وہ پوری کہانی عدالت کو سنائی جو اب تک پیش آ چکی تھی اور جس کے سلسلے میں ارون شرما نے تفصیلات مجھے بذاتِ خود بتائی تھیں، میں نے کہا۔

''جناب عالی! مجھ سے اس کارروائی کے تحت جو جرم ہوا ہے، میں اس کی سزا کاٹنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اصلیت ارون شرما ہی بتا سکتے ہیں۔ وہی یہ بتائیں گے دھرم کھنہ کو انہوں نے کہاں غائب کر دیا اور اس کے ساتھ کیا کچھ کیا گیا......؟ میرا مسئلہ عدالت کے سامنے ایک نئی شکل میں آیا ہے۔ چنانچہ عدالت کے ہر فیصلے کو میں قبول کر لوں گا، جہاں تک ان کاغذات پر دھرم کھنہ کے دستخط کا تعلق ہے تو عدالت عالیہ کے علم میں یہ بات لاتے ہوئے مجھے کوئی جھجک نہیں ہے کہ وہ دستخط دراصل دھرم کھنہ کے نہیں ہیں، میرے ہیں۔ عدالت عالیہ ان کی

تصدیق کر سکتی ہے۔ باقی رہی ارون شرما صاحب کی بات تو مجھے ان سے کچھ سوالات کرنے کی اجازت دی جائے۔''

عدالت میں شدید سنسنی پھیل گئی تھی۔ وکلا جیوری کے ممبران تمام لوگ اس انکشاف پر انگشت بدنداں تھے۔ مجھ سے سوالات کئے جانے لگے اور مجھ سے پوچھا جانے لگا کہ میں نے یہ حیثیت کیوں اختیار کی......؟

''جناب والا......! جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ میں ایک انتہائی بے حیثیت انسان تھا، اپنے حالات کا شکار ایک ہوٹل میں ویٹر کے طور پر کام کر رہا تھا کہ رام تیواری اور ان کے ساتھ رکمنی دیوی نے مجھے دیکھا اور حیران رہ گئے۔ میں نے ان کو صاف صاف بتا دیا کہ میں دھرم کھنہ نہیں بلکہ میرا نام احتشام احمد ہے۔ انہوں نے مجھے بہت ساری پیش کشیں کیں۔

جناب عالی......! ایک انسان کی حیثیت سے ایک ایسا شخص جو ایک ہوٹل میں ویٹر کی نوکری کر رہا ہو، اسے ایک شاندار حیثیت حاصل ہونے جا رہی ہو، بھلا اس حیثیت کو حاصل کرنے کے لئے سب کچھ بننے کو کیوں نہ تیار ہو جائے گا......؟ چنانچہ میں بھی تیار ہو گیا اور اس کے بعد سے آج تک میں دھرم کھنہ کا کردار ادا کرتا رہا ہوں۔ لیکن عدالت عالیہ یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ میں نے کوئی مجرمانہ عمل نہیں کیا جبکہ ارون شرما صاحب قتل و غارت گری کرتے رہے ہیں۔ رام تیواری کو قتل کرا دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اور بھی بہت سے لوگوں کو نقصان پہنچایا گیا۔''

میں نے ارون شرما کے چہرے کو بغور دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''شرما جی......! جیسا کہ میری خواہش تھی کہ آپ مجھ سے سب کچھ لینے کے بعد مجھے صرف اپنے گھر میں اپنے خاندان کی مانند پڑا رہنے دیں، اگر آپ اسے تسلیم کر لیتے تو شاید آپ کسی بھی اُلجھن کا شکار نہیں ہوتے۔ قصور میرا نہیں ہے۔ آپ نے انتقامی جذبوں کے تحت یہ فیصلہ کیا کہ دھرم یعنی وکرم کھنہ کے بیٹے کو دہلی کی سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا جائے۔ ہوتا ہے، انسان بعض اوقات کسی کے لئے جو گڑھا کھودتا ہے، اسی میں جا گرتا ہے۔ بتائیے......! میں نے آپ پر جو الزام لگایا تھا، سچ ہے یا نہیں......؟''

ارون شرما کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے غضیلی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا، لیکن اچانک ہی اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ کھوئے کھوئے انداز میں مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے گردن ہلا کر کہا۔

''ہاں......! یہ سچ ہے۔''

ارون شرما کے وکیل کے ہاتھ سے کاغذات کی فائل گر گئی۔ لیکن اب ارون شرما پوری طرح ابرانوس کے ٹرانس میں آ گیا تھا اور صرف مجھے دیکھ رہا تھا۔

''آپ بتا سکتے ہیں شرما جی......! کہ اصل دھرم کھنہ کو آپ نے کہاں اور کن حالات میں غائب کیا

تھا......؟''

''میں نے دھرم کھنہ کو کچھ جرائم پیشہ افراد کے حوالے کر کے یہ ہدایت کی تھی کہ اسے قتل کر کے اس کی لاش اتنی دُور پھینک دیں کہ وہ کہیں سے بھی دستیاب نہ ہو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مجھے یہی اطلاع دی تھی کہ انہوں نے دھرم کھنہ کو دریا میں ڈبو کر ہلاک کر دیا ہے۔ لیکن اس کے بعد تم میرے سامنے آئے تو میں حیران رہ گیا۔ میں نے یہی سوچا کہ درجنا جسے میں نے اس کام پر آمادہ کیا تھا، کسی طرح تمہیں ہلاک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا، اور......''

ابھی ارون شرما نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے وکیل نے درمیان میں دخل دیا۔

''لیکن شرما صاحب......!''

''آرڈر آرڈر......! آپ خاموش رہیں وکیل صاحب......! بیان جاری رہنے دیا جائے۔''

عدالت کی درخواست پر وکیل دانت پیس کر خاموش ہو گیا۔

''جی......! رام تیواری مجھ سے پرخاش رکھتا تھا اور وہ وکرم کھنہ کی دولت میں بھی ایک حصہ چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے کارروائیاں شروع کر دیں۔ اس کا مقصد دھرم کھنہ کی تلاش ہی تھا۔ نہ جانے وہ کہاں کہاں پھرتا رہا اور جب وہ واپس آیا تو میں نے یہی سمجھا تھا کہ وہ کسی طرح دھرم کھنہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ چنانچہ اسے میں نے قتل کرا دیا۔ درجا کو بھی میں نے قتل کرایا تھا تا کہ اس پر شبہ کیا جائے اور اس کے بعد جب تمہاری ہنگامہ خیزیاں بڑھیں تو میں نے پرکاش ورما کو اپنے گھر بلایا اور انہیں ایک بھاری رقم دے کر اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

یہ سچ ہے کہ وہ چھ غنڈے میں نے بھوج وتی کو دہشت زدہ کرنے کے لئے بھیجے تھے تا کہ وہ تمہیں اپنے گھر سے نکال دیں اور میری سوگند پوری ہو جائے۔ وہ سوگند جو تمہیں دلی کی سڑکوں پر اور گلیوں میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھنے کے لئے میں نے کھائی تھی۔''

عدالت میں جتنے افراد تھے، حیرانی سے ارون شرما کو دیکھ رہے تھے اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ارون شرما کے وکیل نے کہا۔

''جناب عالی......! میں اپنے مؤکل کے لئے پریشان ہوں۔ شاید ان کا ذہنی توازن کسی وجہ سے اچانک خراب ہو گیا ہے۔ اس لئے آج ان کے کیس کی ساعت ملتوی کر دی جائے اور بعد کی کوئی تاریخ دے دی جائے تا کہ کسی بہتر ڈاکٹر سے ارون شرما صاحب کا معائنہ کرایا جائے۔''

لیکن اس سلسلے میں بھی ارون شرما نے فوراً ہی دخل دیا۔

''نہیں......! میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ بس آج میرا دل سچ بولنے کو چاہ رہا ہے۔''

سارے مسئلے ختم ہو گئے۔ عدالت کے فوری احکامات کے تحت ارون شرما صاحب کو چند افراد کے قتل

ئے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ یہی حکم میرے سلسلے میں بھی دیا گیا تھا کہ مجھے فی الحال حراست میں رکھا جائے کیونکہ میں ایک ایسا غیر ملکی ہوں جو باقاعدہ ہندوستان میں داخل نہیں ہوا۔ میرے سلسلے میں محکمہ داخلہ فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ مجھے بھی پولیس اسٹیشن کے لاک اَپ میں بند کر دیا گیا۔

میں نے پولیس کی حراست میں جاتے ہوئے بھوج وتی کی صورت دیکھی تھی۔ اس کا چہرہ دُھواں دُھواں ہو رہا تھا۔ بہرحال میں نہیں جانتا تھا کہ میرے آج کے اس قدم سے میرے دوستوں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے......؟ لاک اَپ میں بند کرنے کے بعد وہ لوگ مجھے بھول ہی گئے تھے۔ تاہم میں بہت غیر مطمئن نہیں تھا۔ اپنے ذہن کے گوشوں میں، میں نے اپنے دوست ابرانوس کو آواز دی تو اچانک ہی مجھ پر انکشاف ہوا کہ ابرانوس میرے وجود میں موجود نہیں ہے۔ البتہ جب یہ احساس ہوا تو بے شک بدحواس ہو گیا۔ ابرانوس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی یا پھر میرا اب تک کا خواب ٹوٹ گیا ہے۔ میرے پورے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا۔ میں کھسیائے ہوئے انداز میں بار بار ابرانوس کو پکار رہا تھا۔ لیکن اس کی آواز کہیں سے موصول نہیں ہو رہی تھی۔

''یہ کیا ہوا......؟ آہ......! یہ کیا ہوا......؟ میرا نادیدہ دوست مجھے چھوڑ کر کہاں غائب ہو گیا......؟ اس نے تو میرے وجود میں بسیرا کرلیا تھا......؟''

پھر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ ابرانوس میرا دوست بن گیا تھا اور اس سے مجھے بڑی ڈھارس ہو گئی تھی لیکن اپنی اس گندی تقدیر کو کیا کرتا جس نے میرے لئے کوئی بہتری چھوڑی ہی نہیں تھی......؟ صورتِ حال انتہائی خوفناک ہو گئی تھی اور اب میرے وجود میں خوف و دہشت کے بسیرے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ میں تو ہر طرح سے مشکل کا شکار ہو گیا تھا۔ اپنی اصل حیثیت کا انکشاف کر کے میں ایک غیر ملکی قرار پایا تھا۔ حکومت ہندوستان مجھے ایک جاسوس کا درجہ بھی دے سکتی تھی۔

دوسری جانب ارون شرما کو میں اپنا بدترین دشمن بنا چکا تھا۔ اس انکشاف سے یوں لگتا تھا جیسے بھوج وتی بھی مجھ سے بدظن ہو گئی ہو جبکہ اس نے ہر طرح سے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن مجھے لاک اَپ میں پڑے ہوئے اچھا خاصا وقت گزر گیا تھا اور بھوج وتی تک میری خیر خبر نہیں لی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا، اب ظاہر ہے، میں دھرم نہیں تھا، اس قید خانے میں، میں اپنی زندگی کا بدترین وقت گزار رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ عذاب بن کر گزر رہا تھا۔ ناشتے کے لئے مجھے ایک پیالی چائے اور سلائس دیئے گئے اور میں نے خدا کا شکر ادا کر کے انہیں زہر مار کر لیا۔

کئی بار میں مقامی سنتریوں سے اپنے بارے میں سوالات کر چکا تھا۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ سب چلتے پھرتے مجسمے ہوں۔ ایک نے بھی میری بات پر توجہ نہیں دی تھی۔

''آہ......! ابرانوس......! کیا تو بھی دھوکے باز ہو سکتا ہے......؟ چھوڑ کر بھاگ گیا مجھے......؟ پتا نہیں کیوں......؟ کیا بیتی تھی ابرانوس پر......؟ وہ تو جن زادہ تھا، اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا تھا......؟ پتا نہیں کیا ہوا......؟

یا پھر اس انکشاف سے وہ خود بھی بدظن ہو گیا تھا......؟ لیکن میں نے تو اس سے مشورہ کر کے ہی یہ انکشاف کیا تھا۔''

غرض یہ کہ وقت گزرتا رہا اور اس شام کے تقریباً سات بجے تھے جب سنتریوں نے لاک اَپ کا دروازہ کھولا۔ دو سادہ لباس آدمی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور ان میں سے ایک نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''چلو......! باہر نکلو......!''

''کہاں جناب......؟''

میں نے سوال کیا۔

''پرکاش ورما جی نے تمہیں طلب کیا ہے۔''

میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا اور ان کے ساتھ قدم آگے بڑھا دیئے۔ ظاہر ہے، لاک اَپ سے بلوانے والا کوئی اعلیٰ پولیس آفیسر ہی ہو سکتا تھا اور پرکاش ورما کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ اب تو وہ بھی میرے شدید مخالفوں بلکہ دشمنوں میں سے تھا۔

''آہ......!''

تقدیر نے ایک بار پھر ایک کھیل شروع کر دیا تھا۔ میری ضمانت تک کسی نے دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ غرض یہ کہ مجھے لاک اَپ سے نکال کر باہر لایا گیا اور مجھے ایک جیپ میں بٹھا دیا گیا۔ جیپ میں میرے علاوہ چار افراد اور موجود تھے جن میں دو وہی تھے جو مجھے لاک اَپ سے نکال کر لائے تھے۔ انہی چار میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اس کے بعد جیپ اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ پرکاش ورما نے مجھے کہاں بلایا تھا، اور کیوں بلایا تھا......؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لیکن ان لوگوں سے پوچھنا بھی بالکل بے معنی تھا۔

رات کی تاریکیاں چاروں طرف پھیل گئیں۔ روشنیاں پیچھے جا رہی تھیں۔ ایک خاصی طویل سڑک پر مجھے سفر کرایا جا رہا تھا جو تھوڑی دیر کے بعد شہر سے باہر کے سفر میں تبدیل ہو گیا اور مجھے درختوں کے جھنڈ نظر آنے لگے۔ پتا نہیں یہ لوگ مجھے کہاں لے جا رہے تھے......؟

دفعتاً ایک خدشے نے میرے ذہن میں سر اُبھارا۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک سے سوال کیا۔

''پرکاش ورما نے مجھے کہاں بلایا ہے......؟ اور آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں......؟''

''غازی آباد، پرکاش ورما کا ڈیری فارم ہے، جو جمنا جی کے کنارے واقع ہے۔''

''کیا یہ ملاقات غیر سرکاری ہے......؟''

''خاموش ہو کر بیٹھو......! فضول باتیں مت کرو۔ جو کچھ ہوگا، پتا چل جائے گا۔''

ایک شخص نے سخت لہجے میں کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے

میری زندگی خطرے سے دوچار ہوگئی ہے۔ کیا چاہتا تھا پرکاش ورما مجھ سے......؟ ساری حقیقت بتادی تھی میں نے، اب دیکھو کیا ہوتا ہے......؟

کچھ دیر کے بعد وہ مجھے ایک ایسے علاقے میں لے گئے جہاں چاروں طرف سناٹے کا راج تھا لیکن صاف لگ رہا تھا کہ دریائے جمنا زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ پانی کی نمی اور لہروں کے ہلکے شور کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ لیکن آس پاس درختوں کے سوا کچھ نہیں تھا اور دُور دُور تک کوئی ایسی رہائش گاہ نظر نہیں آ رہی تھی جس کے بارے میں یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ وہ پرکاش ورما کی کوئی خاص رہائش گاہ یا ڈیری فارم ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جیپ ایک میدان نما جگہ رُک گئی اور وہ سب نیچے اُتر آئے۔ اب میرے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔ میں نے ایک بار پھر ابرانوس کو پکارا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

''آہ......! میرا دوست ناقابل اعتبار نکلا۔ میں نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ جس نے آج تک میری اس طرح مدد کی ہے، وہ یوں میرا ساتھ چھوڑ جائے گا......؟ اور کم بخت ایسے نازک وقت میں بھاگا تھا کہ میری موت میرے قریب آگئی تھی۔ اب میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ میں نے دہشت زدہ نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے میرے اطراف میں گھیرا ڈال دیا تھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ سب مجرم قسم کے لوگ ہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے اپنے لمبے لباس میں ہاتھ ڈال کر ایک لمبے پھل والا چاقو نکال لیا۔ اس کے ہونٹوں پر خوف ناک مسکراہٹ تھی۔ میری حیثیت کتوں کے غول میں گھرے ہوئے کسی خرگوش کی سی ہوگئی۔ دل پسلیوں کا خول توڑ کر باہر آجانے کے لئے بے چین ہوگیا۔

میں خود پر لعنت بھیج رہا تھا کہ خواہ مخواہ ایک وہم کو اپنے اوپر مسلط کر کے دلیر بن گیا تھا ورنہ مجھے سوچ لینا چاہئے تھا کہ ایک جن زادے کو کیا پڑی ہے کہ ایک انسان زادے کی ہر وقت مدد کرے......؟ یہ دور توہمات کا تو نہیں ہے۔ بھلا وہ میرا کیا ساتھ دے سکتا تھا......؟

بہرطور اب ایک ایسا وقت آگیا تھا کہ مجھے زندگی ناممکن نظر آ رہی تھی اور اچانک ہی میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت اُبھرنے لگی۔ میں نے سوچا کہ مرنا تو ہے ہی، لیکن اس طرح بے بسی سے چوہے کی طرح نہیں مر جانا چاہئے۔

میں خود بھی تو انسان ہوں، میرے بدن میں زندگی ہے، جان ہے اور اس وقت کیونکہ موت میری آنکھوں کے سامنے ہے، اس لئے مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ خود کو سنبھالنے لگا۔ میں نے اس انداز میں اپنے جسم کو جنبش دی جیسے میں ان پر حملہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ چاروں پیچھے سرک گئے۔ ان کی اس حرکت نے دل میں ایک اعتماد بیدار کردیا اور مجھے یہ احساس دلا دیا کہ آخرکار وہ بھی انسان ہی ہیں۔ اگر میں ان سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤں تو اپنی جانب سے تھوڑا بہت خوف زدہ تو انہیں کر ہی سکتا ہوں۔ وہ بڑی ہوشیاری سے مجھ پر نگاہیں جمائے حملہ کرنے کے لئے تیار تھے۔

رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی اور میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ دیکھ رہا تھا کہ اگر میں ان کے نرغے سے نکل کر فرار ہونے کی کوشش کروں تو مجھے کون سا رُخ اختیار کرنا چاہئے......؟ وہ لوگ مجھے مسلسل دہشت زدہ کر رہے تھے اور اب انہوں نے میرے چاروں طرف چکرانا شروع کر دیا تھا۔ چاروں ہی نے اپنے اپنے چاقو نکال لئے تھے۔ گراری والے خوف ناک چاقو جنہیں مختلف انداز میں جنبش دے کر وہ لوگ چاروں طرف سے مجھ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے، دفعتہً میں نے زمین پر لوٹ لگائی اور ان لوگوں کو دھوکہ دے کر ان میں سے ایک کے اوپر چھلانگ لگادی۔ وہ میری اس کوشش کو سمجھ نہیں پائے تھے۔

چنانچہ میں ان کے درمیان سے نکل گیا اور اس کے بعد میں نے ان پ چھلانگ گانے کی بجائے اندھا دُھند ایک طرف دوڑ لگادی۔ میں نے بھرپور کوشش کی تھی، لیکن وہ بھی بے وقوف نہیں تھے۔ اس شخص نے جو شاید ان سب کا چیف معلوم ہوتا تھا اور جس نے سب سے پہلے چاقو کھولا تھا، لمبی چھلانگ لگائی اور مجھ تک پہنچ ہی گیا۔ میں اس کی لپیٹ میں آکر نیچے گرا تھا اور میرے حلق سے ایک زوردار چیخ نکل گئی تھی اور اس چیخ نے اس شخص کے اعصاب پر خاطر خواہ اثر کیا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ مجھے اور کچھ تو نہ سوجھا، میں نے ہاتھوں کی ہتھیلیاں پھیلا کر اس کے کانوں پر زوردار ضرب لگائی اور وہ ایک کراہ کے ساتھ مجھ پر سے اُلٹ گیا۔ پھر باقی تین افراد برق رفتاری سے میری جانب دوڑے اور انہوں نے بیک وقت میری جانب چھلانگیں لگا دیں۔ اس وقت بھی میں نے ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ میں خوف زدہ انداز میں ان کی زد سے نکل گیا۔

وہ تینوں زمین پر گرے اور گرتے ہوئے آخری آدمی کا چاقو ان میں سے ایک کی پسلیوں میں اُتر گیا۔ میں تو صرف اپنا بچاؤ ہی کر رہا تھا، ظاہر ہے، میرے پاس نہ تو ان سے جنگ کرنے کے لئے کوئی ہتھیار تھا اور نہ ہی کوئی اور ذریعہ۔ جو کچھ ہو رہا تھا، بس یہ سمجھ لیا جائے کہ اضطراری طور پر ہی ہو رہا تھا۔ وہ آپس میں اُلجھ گئے تو ایک بار پھر مجھے بھاگنے کا موقع مل گیا اور میں نے وہاں سے دوڑ لگادی۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کس سمت دوڑ رہا ہوں......؟ لیکن اپنے عقب میں دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ لوگ میرا پیچھا کر رہے تھے۔ دوڑتے دوڑتے دفعتہً میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں خلاء میں تیر رہا ہوں۔ صرف ایک لمحہ اور دوسرے لمحے یہ خلاء پانی سے بھر گیا۔ میں شاید پانی سے بھرے ہوئے کسی گڑھے میں گر گیا تھا۔

ٹھنڈا اور یخ بستہ پانی میرے وجود کے ریشے ریشے میں اُتر گیا اور میرا بدن سردی سے کپکپانے لگا۔ کچھ لمحوں کے لئے پانی میرے سر سے بھی اونچا ہوگیا تھا لیکن اس کے فوراً بعد میں سطح پر اُبھر آیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ گڑھا کیسا ہے......؟ بہرحال کچھ لمحوں کے لئے تو سانس ہی بند ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے بدن کی تمام قوتیں جمع کیں اور اس پانی سے نکلنے کی کوشش کی۔ میرے ہاتھوں نے ان پتھروں کو پکڑ لیا جو میری جان بچانے کے لئے موجود تھے اور میں ان پر اُنگلیاں جما سکتا تھا۔

سردی کی شدت رگ و پے میں اُتر رہی تھی۔ لیکن جان بچانے کا تصور اس شدت پر حاوی تھا۔ میں پتھروں کو پکڑ کر اوپر چڑھ گیا۔ ابھی تک اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ پانی کا یہ گڑھا کیسا ہے......؟ غرض یہ کہ میں پھر وہاں سے آگے بڑھنے لگا۔ اب میرے پیروں کے نیچے پتھر تھے، غالباً اینٹیں۔ بدن سے پانی کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ سامنے تاریکی میں یوں لگ رہا تھا جیسے بہت سی آوارہ روحیں کالی چادریں اوڑھ کر سر جھکائے بیٹھی ہوں۔ دل میں خوف کا شدید احساس جاگ رہا تھا۔ لیکن زندگی اس سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے۔

میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کوئی ایسی پناہ گاہ تلاش کرنے لگا جہاں میں اپنے ان دشمنوں سے محفوظ رہ سکوں۔ جب انسان بدترین کیفیت میں ہوتا ہے تو اس کی حسیات زیادہ جاگ جاتی ہیں۔ میں نے اس دروازے کو دیکھ لیا جو محراب نما تھا۔ حالانکہ اس کی دوسری جانب گھور اندھیرا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کا وجود نظر آ رہا تھا۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ دروازے کے دوسری طرف کیا ہے......؟ میں تیزی سے آگے بڑھنے لگا اور سوچے سمجھے بغیر دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

دروازے کے دوسری جانب ڈھلان سے تھے۔ میرے قدم تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ یہ ڈھلان خود بخود میری رفتار تیز کر رہے تھے اور پھر خاصی دُور جانے کے بعد زمین کا احساس ہوا کہ وہ ڈھلان نہیں ہے۔ البتہ بائیں طرف ایک مدھم سی پیلی روشنی اُبھر رہی تھی۔ مجھے یقین نہ آیا کہ یہاں اس ویران جگہ میں کوئی روشنی بھی ہو سکتی ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ جگہ ہی میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کیا ہے......؟ لیکن اب اس وقت سمجھنے سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ پیلی روشنی غالباً زندگی بھی بن سکتی تھی۔ چنانچہ میرا رُخ اس کی جانب ہو گیا۔

روشنی ایک اور دروازے کی دوسری جانب سے اُبھر رہی تھی۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر میں اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ تب میں نے ایک کشادہ اور وسیع چھت والا غار دیکھا جس کی دیوار میں ایک مشعل روشن نظر آ رہی تھی۔ گویا یہاں انسانی وجود بھی ممکن ہے۔

"لیکن کون......؟"

میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اطراف کا ماحول دیکھا۔ ہر طرف ایک سنسان سی کیفیت طاری تھی۔ ہال میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں سمجھ نہیں پایا تھا کہ یہ کیسی جگہ ہے......؟ بہرطور میں اس بڑے سے ہال میں چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ دفعتہً ہی مجھے خیال آیا کہ غار کی مشعل بجھا دی جائے کیونکہ یہ روشنی جس طرح میری رہنمائی کرنے کا باعث بنی تھی، اسی طرح میرے تعاقب میں آنے والوں کو بھی اس طرف متوجہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے سب سے پہلا کام یہی کیا۔

غار کے اس حصے میں پہنچ کر میں نے اس مشعل کو بجھا دیا۔ مشعل بجھی تو غار میں گھپ اندھیرا چھا گیا، اتنا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ اب میں اپنے لئے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں میں سانس لے سکوں۔

اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر کافی آگے بڑھ آیا۔ دفعتہً ہی میرا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا اور میں گرتے گرتے بچا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے سہارا تلاش کیا اور مجھے ایسا لگا جیسے وہاں کوئی صندوق سا موجود ہو۔ اب ذرا سا افسوس ہونے لگا کہ کاش میں اس مشعل کو نہ بجھاتا دیکھتا تو سہی کہ یہ صندوق کیسا ہے......؟ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا......؟ میں اس صندوق سے ٹک کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب زندگی کون سا رُخ اختیار کر رہی تھی......؟

"کیا ہونا ہے......؟ اب آگے کیا ہونا ہے......؟"

سوچوں کے اسی گرداب میں چکراتے ہوئے آنکھوں میں نیم غنودگی کی سی کیفیت اُتر آئی اور شاید نیند آ گئی۔ نیند جو ایک فطری تقاضہ ہے اور ہر حالت اور ہر کیفیت میں آ جاتی ہے۔ نہ جانے یہ کون سی جگہ تھی......؟ نہ جانے میں کہاں آ پہنچا تھا......؟ لیکن نیند نے ہر احساس کو دل سے دُور کر دیا۔

پھر نہ جانے کب آنکھ کھلی، دماغ چکرا رہا تھا۔ تھوڑی سی گھٹن بھی تھی چنانچہ اپنے ذہن کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر اچانک ہی مجھے کچھ انسانی آوازیں سنائی دیں اور میں ایک دم سے چونک پڑا۔ میرے دل کو شدید خوف کا احساس ہوا۔ غالباً وہ لوگ تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ ہی پہنچے۔ اچانک ہی میں نے کہیں پوشیدہ ہونے کے بارے میں سوچا لیکن کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ سب کچھ کیا ہے......؟ پھر مجھے وہ صندوق یاد آیا جو کافی بڑا تھا اور جس سے کمر لگائے میں بیٹھا ہوا تھا۔

بالکل بے اختیاری کیفیت میں، میں نے صندوق کا ڈھکنا کھولنے کی کوشش کی اور ڈھکنا کھل گیا۔ ایک لمحے کے اندر اندر میں صندوق کے اندر داخل ہو گیا اور میں نے آنکھیں بند کر کے دم روک لیا۔

"آہ......! کاش ان لوگوں سے بچت ہو جائے......؟"

پھر خاموشی ہو گئی۔ آوازیں جیسے صندوق کے آس پاس آ کر رُک گئی ہوں۔ مجھے ان کے مدھم مدھم سانس لینے کا احساس ہو رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ دیکھو اب کیا ہوتا ہے......؟ کہیں وہ لوگ تجسس کا شکار ہو کر صندوق کھولنے کی کوشش نہ کریں۔ اس کے بعد تو بچت کی کوئی اُمید ہی باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ کیونکہ وہ لوگ مجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ تھوڑا سا وقت گزرا، پھر اچانک ہی صندوق ہلنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ لوگ صندوق کو اُٹھا رہے ہوں۔ دماغ سن ہو رہا تھا۔ کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ کرتا بھی تو کیا......؟ جو کچھ بھی سامنے تھا، اب بالکل ہی سامنے آ گیا تھا۔

میں ایک مفرور مجرم تھا، کس سے کہتا پھروں گا کہ اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے......؟ اب صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ لوگ صندوق اُٹھا کر لے جا رہے ہیں اور جانے کہاں لے جا رہے ہیں......؟

"شاید مجھے باہر لے جا کر ماریں گے......؟"

پھر یوں لگا جیسے صندوق کو کسی گاڑی میں رکھا گیا ہو۔ کھٹ پٹ کی آوازیں ایسی ہی تھیں۔ اس کے بعد گاڑی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ کوئی تیس بتیس منٹ کا سفر تھا، اس کے بعد صندوق کو گاڑی سے اُتارا گیا۔ میری

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے......؟ صندوق کے کسی رخنے سے روشنی اندر آ رہی تھی اور اسی سے ہوا بھی محسوس ہو رہی تھی۔ آخر کار صندوق کو کسی اور چیز میں منتقل کر دیا گیا جس کے بارے میں مجھے تھوڑی ہی دیر میں اندازہ ہو گیا کہ یہ پانی کا شور ہے۔

''آہ......! نہ جانے کیا ہو رہا ہے......؟''

موٹر بوٹ کے انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر یہ بھی پتا چل گیا کہ مجھے صندوق سمیت موٹر بوٹ میں رکھا گیا ہے اور اب موٹر بوٹ اس طرح آگے بڑھ رہی تھی جیسے وہ پانی کے درمیان سفر کر رہی ہو۔ صندوق کو پانی کے راستے کہیں اور لے جایا جا رہا ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ انہیں میرے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ وہ بس اس صندوق کو لے جانا چاہتے تھے۔ بہر حال حالات کی کشیدہ کاریاں دیکھتا رہا، پھر اندازہ ہوا کہ اس موٹر بوٹ سے میرے اس نئے گھر کو کسی سمندری جہاز میں منتقل کیا جا رہا ہے اور اس کے بعد وہاں بھی جنبشیں ہوئیں اور آخر کار ماحول پر خاموشی طاری ہو گئی۔

میں نہیں جانتا تھا کہ میرا یہ نیا سفر کہاں سے شروع ہوا ہے......؟ اور کہاں پر ختم ہوا ہے......؟ مجھے یہاں لانے والے دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر گہرا سکوت اور سناٹا چھا گیا۔ ہاں......! کبھی کبھی قدموں کی چاپ سنائی دے جاتی تھی۔

بہت دیر تک انتظار کیا اور جب اس سکوت میں کوئی رخنہ اندازی نہیں ہوئی تو میں نے صندوق کے ڈھکنے کو ایک بار پھر اپنی جگہ سے کھسکانے کی کوشش کی جس میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ غالباً انہوں نے صندوق کی کنڈی بند کرنے کی کوشش نہیں کی تھی یا پھر کنڈی تھی ہی نہیں۔ ڈھکنا اُٹھا کر میں نے اطراف کے ماحول کا جائزہ لیا۔ کافی وسیع و عریض جگہ تھی جو لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ یہاں اور بھی کئی ساری چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک سمت ایک چوڑا سا خلاء نظر آیا جس میں اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ سیڑھیاں بھی لکڑی ہی کی تھیں۔

اوپر سے اُبھرنے والے قدموں کی آوازیں اس بات کا اظہار کر رہی تھیں کہ اوپر اچھے خاصے لوگ موجود ہیں۔ ہلکے ہلکے سے جہاز کی وِسل سنائی دی تو میرا یہ شبہ تصدیق تک پہنچ گیا کہ میں کسی بحری جہاز میں ہوں۔

''اوہ مائی گاڈ......!''

گویا ایک سمندری سفر......؟ میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں......! اب مجھے بھوک لگ رہی تھی اور ہونٹ پیاس سے خشک ہو رہے تھے۔ آکسیجن تو خیر یہاں تھی، اس کی کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ لوگ مجھے مخاطب کیوں نہیں کر رہے......؟

پھر اچانک ہی صندوق کا خیال آیا اور دیکھنا چاہا کہ یہ کیسا صندوق ہے......؟ اور میں صندوق کی جانب متوجہ ہو گیا۔ صندوق کافی بڑا تھا اور اس میں تین تہیں تھیں۔ پہلی تہہ مخمل کی بنی ہوئی تھی، لیکن اسے ڈھکن کی

طرح اُٹھایا جا سکتا تھا اور جب میں نے ڈھکن اُٹھایا تو مجھے بڑے زور کا چک آ گیا۔ نیچے جواہرات بھرے ہوئے تھے۔ سونے کے سکے، زیورات اور نہ جانے کیا کیا......؟

''اوہ میرے خدا......! اوہ میرے خدا......! یہ صندوق کسی خزانے کا صندوق ہے اور وہاں کھنڈرات میں چھپا دیا گیا تھا اور اب یہ لوگ صندوق کو لے کر چل پڑے ہیں۔ اوہ میرے خدا......! اب کیا ہو گا......؟''

واقعی یہ لوگ وہ نہیں ہیں جو میرا تعاقب کر رہے تھے۔ لیکن اگر انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ میں اس خزانے کا شناسا ہوں تو پتا نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے......؟ کافی دیر تک منہ پھاڑے اس خزانے کو دیکھتا رہا پھر اسے اسی طرح ڈھک کر صندوق کا ڈھکن بند کر دیا اور اس خلا کی جانب چل پڑا جہاں سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ پھر میں اس دروازے تک پہنچا جو لکڑی کے تختوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا اور کافی مضبوط نظر آ رہا تھا۔

دروازے کو کھول کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ باہر تالا لگا ہوا ہے یا نہیں......؟ لیکن تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ میں نے جھری کو تھوڑا سا کھولا اور گردن نکال کر باہر جھانکا، یہ بھی ایک چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا اور اس کیبن میں تین سیڑھیاں اوپر تک گئی تھیں، لیکن اس وقت باہر نکلنا خطرناک تھا۔

''ان لوگوں کو میری یہاں موجودگی کا احساس نہیں ہونا چاہئے ورنہ وہ لوگ ڈنڈے مار مار کر مجھے ہلاک کر دیں گے اور آرام سے سمندر میں پھینک دیں گے۔''

ایک بار پھر میں واپس آیا اور کمرے کی سیڑھیوں کا جائزہ لینے لگا۔ یہ کمرہ جہاز کی نچلی منزل پر تھا اور شاید مال خانے کے طور پر بنایا گیا تھا۔ دروازہ اندر سے بند کرنے کا بھی کوئی سسٹم نہیں تھا۔ بہر حال یہ سب کچھ جاری رہا اور میں سوچتا رہا کہ دیکھوں تقدیر اب کون سی نئی کہانی سنا رہی ہے۔ اپنے وطن سے ان لوگوں کے ساتھ ہندوستان آیا پھر یہاں ارون شرما اور دوسرے لوگوں کی سازشوں کا شکار رہا اور آخر کار اس جہاز تک پہنچ گیا۔ خیر......! اب جو بھی ہے، آگے دیکھنا ہے کہ کیا کیا جائے......؟

بھوک کی شدت پریشان کر رہی تھی لیکن کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مخمل والی جگہ جہاں میں لیٹ کر یہاں پہنچا تھا۔ بڑی پُرسکون تھی اور اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ ابھی میں یہیں آرام کروں۔ کھانے پینے کا تو کوئی چانس ہی نہیں تھا۔ نقاہت طاری ہو رہی تھی اور دماغ سویا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر غالباً اس وقت رات ہو چکی تھی کیونکہ اس کا احساس چاروں طرف سے ہو رہا تھا۔ یہ کمرہ بالکل تاریک ہو گیا تھا۔ بھوک پیاس اب ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اب جو کچھ بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔

''پہلے کھانے پینے کے لئے کچھ تلاش کروں۔''

چنانچہ میں صندوق کا ڈھکن کھول کر باہر نکل آیا اور اس کے بعد سیڑھیاں عبور کر کے کیبن میں پہنچا اور کیبن کی سیڑھیاں طے کیں۔ باہر چاروں طرف تاریک رات کی حکمرانی تھی۔ بے شک اس جگہ سے میں دُور دُور تک کے مناظر دیکھ سکتا تھا۔

مجھے اس وقت صرف خوراک کی تلاش تھی۔ جہاز کے عملے کے لوگ ابھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف نظر آرہے تھے کیونکہ رات بہت زیادہ نہیں گزری تھی۔ بہت سی جگہ تیز روشنیاں بھی جل رہی تھیں۔ ایک جگہ سے موسیقی کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ ہر شخص اپنے طور پر مگن تھا۔ میں نے جہاز کا جائزہ لیا۔ بہت ہی عظیم الشان جہاز تھا۔ کراچی کی بندرگاہ پر میں نے اس طرح کے جہاز دیکھے تھے۔ لیکن کبھی ان پر غور نہیں کیا تھا۔

آج میں خود ایک جہاز پر موجود تھا۔ بہرحال سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں...... ؟ کیا نہ کروں...... ؟ سب سے پہلے یہ سوچا کہ کچن تلاش کروں، ان کی نگاہوں سے بچنا بہت مشکل تھا۔ بہرحال تقدیر کے سہارے آگے بڑھتا رہا۔ پھر وہ ایک کھانے کی خوشبو ہی تھی جس نے مجھے اپنی جانب متوجہ کیا اور اس خوشبو کے سہارے سہارے کچن تک کا سفر بہت زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔

میں نے اپنے آپ کو پوشیدہ کر کے کچن میں جھانکا۔ وہاں دو تین افراد موجود تھے۔ میں جائزہ لیتا رہا اور پھر میری نگاہ ایک ایسی کھڑکی پر پڑی جو جہاز کے وسیع و عریض کچن کے کاؤنٹر کے بالکل نزدیک تھی اور اس کاؤنٹر پر کھانے پینے کی بے شمار اشیاء کا انبار پڑا ہوا تھا۔ اس کھڑکی کے راستے ہاتھ اندر داخل کر کے کم از کم اتنی چیزیں اُٹھائی جاسکتی تھیں کہ پیٹ بھر جائے، بشرطیکہ تقدیر ساتھ دے اور کسی کی نگاہ میرے ہاتھ پر نہ پڑے۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کے نزدیک پہنچ گیا اور وہاں سے اندر جھانکنے لگا۔

سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میرے ین سامنے ہنٹر بیف کے پیکٹ، ڈبل روٹیاں اور پنیر رکھا ہوا تھا۔ غالباً سینڈوچ بنائے جارہے تھے۔ منہ میں پانی آگیا۔ میں نے حسرت بھری نگاہوں سے ان چیزوں کو دیکھا اور پیٹ کی حالت پر غور کرنے لگا۔ دل نے کہا کہ اب جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔ کام تو شروع کروں۔ چنانچہ ہاتھ بڑھا کر میں نے ہنٹر بیف کا ایک پیکٹ اُٹھالیا۔ میرا ہاتھ باہر آیا اور اندر کسی قسم کی تحریک نہ ہوئی تو میری ہمت بڑھ گئی۔ چنانچہ میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔

''اس وقت کچھ زیادہ چیزیں ہاتھ لگ جائیں تو اچھا ہے۔ تھوڑا سا وقت نکل جائے گا۔ ورنہ بار بار یہاں آکر اتنی آسانی سے سب کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔''

چنانچہ مزید کوشش کر کے میں نے ڈبل روٹیاں اور بیف کے کئی پیکٹ اور اُٹھالئے۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے علاوہ کسی اور چیز کا ہاتھ لگنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ پانی کا مسئلہ ٹیڑھا تھا۔

''بہرحال یہاں سے تو آگے بڑھوں۔''

چنانچہ میں وہاں سے ہٹ آیا۔ اسی سرح چھپتے چھپاتے مجھے واپس تہہ خانے میں پہنچنا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وقت سے پہلے کسی کو اس بارے میں کچھ معلوم ہو۔ تقدیر نے ایک اور یاوری کی۔ وہ ایک پائپ لائن تھی جو مجھے نظر آئی۔ اس میں کئی نل لگے ہوئے تھے۔ ان کا مقصد کیا تھا...... ؟ میں نہیں سمجھ سکا۔ لیکن پانی اس وقت میری اہمت ضرورت تھی۔ میں نے نل کھول کر ٹھنڈا پانی پیا۔ پائپ لائن کی اس جگہ موجودگی کا بالکل پتا نہیں چل سکا تھا۔

لیکن بہرطور قدرت نے میری مدد کی تھی۔

پانی پینے کے بعد میں واپس چل پڑا اور چند لمحوں کے بعد تہہ خانے میں آگیا۔ اپنے ساتھ لائی ہوئی چیزوں کو سنبھالے رکھنا بڑا مشکل کام تھا۔ چنانچہ ان تمام باتوں کو نظرانداز کر کے میں ایک گوشے میں آبیٹھا اور اس کے بعد میں نے پیکٹ کھول کر بیف اور ڈبل روٹی کھانا شروع کر دی۔ اس کے بعد ان دونوں چیزوں کو ایک ریپر میں لپیٹنے کے بعد تہہ خانے میں نگاہیں دوڑائیں۔ مجھے ایسی کسی جگہ کی تلاش تھی جہاں ان دونوں چیزوں کو چھپایا جا سکے تاکہ یہ آئندہ بھی کام آسکیں۔

پانی کا مسئلہ تو بہرحال رہے گا، لیکن کم از کم ایک ایسی جگہ دریافت ہوچکی ہے جہاں سے تھوڑی سی کوشش کے بعد پانی پیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ میں اپنے کام میں مصروف رہا۔ کوئی ایسی جگہ بظاہر نظر نہیں آئی تھی جسے میں اپنی خوراک اسٹور کرنے کے لئے استعمال کرسکتا۔ لیکن پھر میں نے لکڑی کی ان سیڑھیوں کو دیکھا جن سے گزر کر اوپر جانے کا راستہ تھا۔ ان سیڑھیوں کے نیچے کچھ خلاء سا تھا۔ خلاء میں جھانک کر میں نے دیکھا، اندر تاریکی تھی، لیکن ہاتھ ڈالنے کے بعد کم از کم یہ اندازہ ہوگیا کہ جگہ صاف ستھری ہے۔ کھانے کی یہ چیزیں میں نے احتیاط سے لپیٹ دی تھیں۔ سیلوفین کی پیکنگ تھی اس لئے مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اس لئے میں نے وہ اشیاء وہاں چھپا دیں۔ پھر میں نے سوچا کہ اب آرام کرنا چاہئے۔

چنانچہ اس خزانے کے پاس پہنچ گیا جو بکس میں محفوظ تھا۔ میں نے بڑے اطمینان سے خزانے کا ڈھکنا کھولا اور اس کے اندر جھانکنے لگا۔ لیکن تھوڑی دیر تک اس خزانے پر نگاہ جمانے کے بعد میرے دل میں وسوسے جنم لینے لگے۔ اگر میں یہاں آرام کروں اور کوئی اسے دیکھنے کے لئے آجائے تو جو ہوسکتا تھا، مجھے اس کا اندازہ تھا۔ میں تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا اور اس کے بعد اسی صندوق سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ ذرا سی احتیاط کرنی تھی اور میں اس سلسلے میں سوچوں میں مصروف تھا۔

''کیا کروں...... ؟ اور کیا نہ کروں...... ؟ صندوق سے ٹک کر بیٹھے بیٹھے نیند بھی آسکتی ہے اور نیند آنے کے بعد جو کچھ ہوگا، اس کے بارے میں کوئی پیشن گوئی نہیں کی جاسکتی۔''

دفعتہً ہی مجھے احساس ہوا کہ میری سانسوں کے علاوہ یہاں کچھ اور سانسیں بھی شامل ہیں اور یہ احساس ہوتے ہی ایک لمحے کے اندر اندر میرے اندر وحشت سی اُبھر آئی۔

''کون ہوسکتا ہے...... ؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا راز فاش ہوجائے...... ؟''

میں چوکنے انداز میں بیٹھا رہا۔ پھر اچانک میری بائیں سمت رکھے ہوئے بوروں کے درمیان سے کوئی چیز لڑھک کے نیچے گر پڑی۔ خاصی آواز ہوئی تھی۔ میں اُچھل کر کھڑا ہوگیا اور میرے حلق سے بے اختیار آواز نکلی۔

''کون ہے...... ؟ کون ہو...... ؟ سامنے آؤ...... !''

چند لمحات خاموش رہی۔ پھر میں نے کہا۔

''سامنے آجاؤ ورنہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کروں گا میں۔''

اور چند لمحوں کے بعد ان بوروں کی آڑ سے کوئی انسانی جسم باہر نکل آیا۔ میرے سارے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ تاریکی میں کچھ نظر تو نہیں آرہا تھا لیکن ایک سایہ سا صاف محسوس ہو رہا تھا اور اس کے بعد تھوڑی سی سفیدی چمکی، وہ انسانی چہرہ ہی تھا۔ غالباً دودھ کی طرح سفید رنگ سیاہ لباس میں سے نمایاں ہوا تھا۔ نقوش کا تو احساس ہی نہیں ہوسکا لیکن رنگ کا اندازہ ہو رہا تھا، میں نے کہا۔

''کون ہو تم......؟ جواب دو......! ورنہ میں تم پر حملہ کرنے والا ہوں۔''

''اگر تم مجھ پر حملہ کرو گے تو میں تمہارے بدن کو گولیوں سے چھلنی کر دوں گی۔''

ایک نسوانی آواز سنائی دی اور میرے سارے بدن میں سرد سرد لہریں اُٹھنے لگیں۔ میرے اندر درحقیقت وحشت بیدار ہوگئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیا بلا نازل ہوگئی مجھ پر......؟ یہ کون ہے......؟ میں خاموش کھڑا رہا تھا۔ نسوانی آواز پھر سنائی دی۔

''تم جو کوئی بھی ہو، مجھے اس بات کا اندازہ ہوگیا ہے کہ تم بھی یہاں مجرمانہ طور پر چھپے ہو، کیا میں غلط کہہ رہی ہوں......؟''

''مگر تم کون ہو......؟''

''اگر چاہو تو دوستی کر سکتے ہو۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ ورنہ دوسری صورت میں آؤ پھر کھلے میدان میں مقابلہ کرلیں۔''

''کک......کھلا میدان یہاں کہاں ہے......؟''

''جتنی بھی جگہ ہے، میں بلیک بیلٹ تھرڈ ڈان ہوں اور تمہاری تمام ہڈیوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہوں۔''

''ارے باپ رے......! میں تو سفید بیلٹ بھی نہیں ہوں۔ چلو تم یہاں سامنے آجاؤ۔''

میں نے کہا اور وہ چند قدم آگے بڑھ آئی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کس قسم کی عورت یا لڑکی ہے......؟ میں نے کہا۔

''آؤ بیٹھ جاؤ اور مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو......؟''

''لیکن مجھے اندازہ ہے کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو......؟''

''بب......بھلا کیا کر رہا ہوں میں......؟''

''چھپے ہوئے ہو، کوئی چکر ہے اور ظاہر ہے میں کوئی نجومی تو نہیں ہوں جو چکر کے بارے میں بھی

تمہیں بتا دوں۔ لیکن ہے گھپلا ہی۔ کیوں......؟ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں......؟''

''خواتین کبھی غلط کہہ سکتی ہیں......؟ پر میڈم......! آپ ہیں کون......؟''

''یار......! تمہارے انداز سے کچھ دوستی سی ٹپک رہی ہے۔ ایک بات بتاؤ۔ میں اس وقت درحقیقت زندہ درگور ہوں اور تمہیں سچ بتاؤں، میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اگر تم جہاز کے کوئی آدمی نہیں ہو اور مجھے پھنسانے کے چکر میں نہیں ہو۔''

''ہوں......! چلو ٹھیک ہے......! بتاؤ مسئلہ کیا ہے......؟''

''میں بھوکی ہوں، اتنی بھوکی ہوں کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بس......! یہ سمجھ لو کہ اپنی وِل پاور سے کام لے رہی ہوں۔ ورنہ اُصولی طور پر مجھے کراہتے ہوئے مر جانا چاہئے۔''

''ہوں......! اچھا، چلو ٹھیک ہے......! شاید قدرت نے میرے حاصل کئے ہوئے رزق میں تمہارا حصہ رکھا تھا۔ آؤ بیٹھو......! یہاں بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ......!''

میں نے کہا اور اس کے بعد سیڑھی کے نیچے سے اپنے اسٹور سے بیف اور ڈبل روٹی نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔

''ارے باپ رے......! تم تو واقعی بڑے کام کے ثابت ہوئے۔ تم نے میری زندگی بچالی۔ معافی چاہتی ہوں۔ اب تھوڑی دیر تک گفتگو نہیں کرسکوں گی۔''

اس نے ڈبل روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے اور بیف کے ساتھ کھانے لگی۔ میں خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اتنے قریب سے دیکھنے سے اس کے نقوش کا کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔ اچھی خاصی قبول صورت اور نوجوان لڑکی تھی۔ لیکن اس کی قومیت کا مجھے کوئی اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ بہرحال اس نے چند سلائس اور بیف اُٹھائے اور اس کے بعد باقی چیزوں کو انتہائی احتیاط سے ریپ کر کے میری طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

''اس جگہ کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہے جسے ہم محفوظ سمجھ سکیں۔ چنانچہ یہ قیمتی اشیاء وہیں چھپا دو۔''

''ٹھیک ہے......!''

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اس کے نزدیک آبیٹھا۔

''لکڑی کے اس صندوق کے بارے میں جانتی ہو......؟''

میں نے صندوق کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

''یہ کیوں پوچھ رہے ہو......؟''

''بس......! یہ بارود کا ڈھیر ہے۔''

''نہیں......! بب......بارود......؟''

اچانک ہی اس نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا اور پھر سرگوشی کے انداز میں بولی۔

’’شاید کوئی آ رہا ہے......؟‘‘

میں نے بھی یہ آوازیں سن لی تھیں اور بدحواس ہو گیا تھا اور کچھ تو نہیں کر سکے، ہم اسی صندوق کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ اپنے آپ کو چھپانے کے لئے ہمیں صندوق کی آڑ میں لیٹنا پڑا تھا کیونکہ بیٹھے ہونے کی شکل میں ہمیں دیکھا جا سکتا تھا۔ اگر کوئی صندوق کے پیچھے نہ آئے تو ممکن ہے ہماری جان بچ جائے۔ وہ پوری طرح مجھ سے چمٹ کر لیٹ گئی تھی اور میں اپنے بدن میں عجیب سی سنسنی محسوس کر رہا تھا۔ ہم دونوں نے سانس روک لئے تھے۔ اس طرح ایک دوسرے میں گھسے ہوئے تھے ہم کہ جنبش کی گنجائش بھی نہ ہو۔ سانسوں کی دھمک کنپٹیوں میں محسوس ہو رہی تھی۔ بس یوں لگ رہا تھا کہ ابھی آنے والے قدم ہمیں تلاش کر لیں گے اور ہماری گردنیں پکڑ کر ہمیں کھڑا کر دیا جائے گا۔ لیکن آنے والوں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ کھٹ کھٹ کی آوازیں بلند ہوتی رہیں اور پھر یوں لگا جیسے کوئی صندوق کو کھول کر دیکھ رہا ہو۔

شاید وہ لوگ ٹارچ کی روشنی میں صندوق کے اندر کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس وقت ہمارے پھیپھڑے پھٹے جا رہے تھے۔ سانس روکنا اور وہ بھی گھٹن کی اس جگہ، بہت ہی خطرناک محسوس ہو رہا تھا۔ دونوں کی سانسوں کی گرمی ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھی لیکن مجبوری تھی۔ جان بچانے کے لئے ادھر آ تو گئے تھے، لیکن پسلیاں چیخ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد صندوق کا ڈھکن بند ہوا اور وہ لوگ جیسے واپس جاتے ہوئے محسوس ہوئے اور کچھ دیر کے بعد خاموشی چھا گئی۔ جب یہ احساس ہوا کہ اب تہہ خانے میں ہمارے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے تو ہم اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ بہر حال زندگی بچ گئی تھی۔ میں اور وہ دونوں گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔ تبھی اس کی آواز اُبھری۔

’’خدا غارت کرے، پتا نہیں کیوں آ کر مرے تھے یہ لوگ......؟‘‘

پھر اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولی۔

’’مگر تم نے ابھی تک اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا......؟‘‘

’’ارے چھوڑو......! اب یہاں تعارف کی کیا ضرورت ہے......؟ خواہ مخواہ کی باتیں ہوں گی۔‘‘

’’پھر بھی میں تمہیں کس نام سے مخاطب کروں......؟‘‘

’’جہنم کا داروغہ......!‘‘

’’اوہو......! اچھا اچھا......! اور میں جہنم کی سب سے حسین دوشیزہ ہوں۔‘‘

اس نے شوخ لہجے میں کہا پھر بولی۔

’’تم مجھے جہنمہ کہہ سکتے ہو۔‘‘

’’ٹھیک ہے......!‘‘

’’اب یہ بتاؤ کہ کیا کریں......؟‘‘

’’کیا تم یہی پوچھنے کے لئے یہاں آ کر چھپی تھیں......؟‘‘

’’نہیں......! یہ پوچھنے کے لئے تو نہیں چھپی تھی، کیا تم ایک کام کر سکتے ہو......؟‘‘

’’بولو......!‘‘

’’ہمیں اس تہہ خانے کے علاوہ کوئی اور اچھی جگہ تلاش کرنی چاہئے جہاں ہم اپنے چھپنے کا بندوبست کر سکیں......؟ بہت بڑا جہاز ہے، میرا خیال ہے ایسی جگہ ملنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔‘‘

’’میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہمیں ایسی جگہ کہاں مل سکتی ہے مس جہنمہ......؟‘‘

میں نے کہا اور وہ ہنس پڑی، پھر بولی۔

’’میرا خیال ہے جلدی کرو ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی۔‘‘

تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد میں اس کام پر آمادہ ہو گیا اور ہم دونوں اس چھوٹے سے تہہ خانہ کا جائزہ لینے لگے۔ اب انسان اگر کسی طرح کی کوشش کرے تو ایسا بھی نہیں ہے کہ کام نہ ہو سکے۔ سیڑھیوں کے نیچے کا وہ حصہ جہاں میں نے اپنی خوراک محفوظ کی تھی، محدود نہیں تھی۔ بلکہ اس کے پیچھے ایک اور ایسی جگہ بنی ہوئی تھی جس میں دو آدمی آرام سے لیٹ اور بیٹھ سکیں۔ لکڑی کی بنی ہوئی جگہ تھی، ہم آرام سے وہاں پہنچ گئے اور لڑکی نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

’’یہ تو بڑی اچھی جگہ ہے۔ ہمیں یہاں سے دُور بھی نہیں جانا ہوگا اور مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس خالی جگہ کو کسی کام کے لئے استعمال ہی نہ کیا جاتا رہا ہو۔‘‘

’’ہاں......! یہ تو ہے......!‘‘

میں نے جواب دیا اور ہم نے یہ چند فٹ کا چھوٹا سا کمرہ اپنی آرام گاہ بنا لیا۔ لڑکی اس آرام گاہ میں سیدھی سیدھی لیٹ گئی تھی اور میں اس تہہ خانے کی سیڑھی پر جا بیٹھا۔ ذہن بہت سارے خیالات کا شکار تھا۔

’’زندہ درگور ہونا اسے کہتے ہیں۔‘‘

’’اسی کو، لیکن بس ذرا گور کی شکل مختلف ہوتی ہے۔‘‘

میں نے بھی تمسخرانہ انداز میں جواب دیا۔

’’اور اگر کوئی یہاں آ جائے تو میرا خیال ہے، ہمیں صحیح معنوں میں زندہ درگور ہونا پڑے گا۔‘‘

میں نے کہا۔

’’تمہیں ایک بات بتاؤں......؟‘‘

’’ہاں ہاں......! ضرور ضرور......!‘‘

’’اس صندوق میں جو کچھ موجود ہے، اس کی مالیت کا اندازہ ہے۔‘‘

''میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میں بھلا ان زر و جواہر کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں......؟''

''اس کی مالیت اربوں ڈالر ہے، اربوں ڈالر۔ سمجھ رہے ہو ناں تم......؟''

''ہوسکتا ہے میں نے اس کا صحیح طریقے سے جائزہ نہیں لیا۔''

''دیکھو......! ایک بات تو میں جانتی ہوں کہ تم بھی بلاوجہ یہاں نہ آئے ہوگے بلکہ میرا اندازہ تو یہی ہے کہ تم بھی اس صندوق ہی کے چکر میں یاں آئے ہوگے۔ ویسے اس صندوق کا اصل مالک کون ہے......؟ اس کے بارے میں تمہیں کچھ پتا ہے......؟''

''بابا......! مجھے کچھ نہیں پتا۔ میں تو اس صندوق میں چھپا ہوا تھا اور یہ لوگ کم بخت مجھے یہاں اُٹھا لائے۔ نہ مجھے یہ پتا تھا کہ اس کی تہہ میں زر و جواہر بھرے ہوئے ہیں اور نہ مجھے یہ معلوم تھا کہ یہ صندوق ہے کیا بلا......؟ وہ تو اب یہاں آنے کے بعد میں نے دیکھا ہے۔''

''واقعی......!''

وہ چہکتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''جی......! اور کیا فرما سکتا ہوں اس سلسلے میں......؟''

میں نے جلے کٹے لہجے میں کہا اور وہ ہنس پڑی۔

''آدمی مزے دار معلوم ہوتے ہو۔ بات بات میں جلی کٹی باتیں کرنے لگتے ہو۔ اچھا......! تم اس بات سے انکار کرتے ہو کہ تمہیں صندوق کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا......؟''

''کتنی بار انکار کروں......؟''

''آخر بار کردو......!''

''ہاں......! مجھے نہیں معلوم تھا۔''

''تو کیا تمہیں اس صندوق کے مالک کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے......؟''

''کمال کرتی ہو، صندوق کے بارے میں پتا نہیں ہے، مالک کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں......؟''

''تو پھر میں تمہیں بتاؤں......؟''

''جی جی......! ارشاد فرمایئے......!''

میں نے کہا۔

''اس کے مالک کا نام ہے ڈاکٹر جین۔''

''گڈ......! ویری گڈ......!''

''اور میرا نام ہے گینس، سائرہ گینس......! اب دیکھو ناں، تعارف تو کرنا ہی ہے ایک دوسرے سے۔ حالات نے ہمیں ایک ہی کشتی کا مسافر بنا دیا ہے تو پھر ہم ایک دوسرے سے واقفیت کیوں نہ حاصل

کریں......؟''

''یہ کشتی نہیں جہاز ہے میڈم......!''

''ہاں ہاں......! جہاز......! جہاز تو پھر میں نے تو تمہیں اپنا نام بتا دیا۔ تم نے کچھ نہیں بتایا اپنے بارے میں۔''

''اصل نام بتاؤں، یا وہ نام جو بہت سے اب تک مل چکے ہیں......؟''

''اصل ہی بتا دو تو زیادہ اچھا ہے۔ ویسے تمہاری مرضی ہے۔''

''تو پھر میرا نام احتشام ہے اور مجھے شامی کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے۔''

''میں تو تمہیں اپنا نام بتا ہی چکی ہوں کہ گینس ہے، سائرہ گینس......! ویسے تمہارا تعلق کہاں سے ہے......؟''

''زمین و آسمان کے درمیان سے۔''

میں نے جواب دیا۔

''لگتے تو ایشیائی ہی ہو......؟''

''ایشیاء بھی زمین آسمان کے درمیان ہی ہے ناں......!''

''درمیان نہیں، بلکہ زمین پر ہے۔''

''ٹھیک......! ویسے انڈیا میں کیا کر رہے تھے......؟''

''جھک مار رہا تھا۔''

''اچھا مشغلہ ہے، ویسے میں انڈین نہیں ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ یہاں آ پھنسی ہوں۔ ایک اچھے خاصے کھاتے پیتے خاندان سے میرا تعلق ہے۔ یوں سمجھ لو کہ میرے خاندان کے لوگ ہی میری زندگی کے گاہک بن گئے ہیں۔ اگر میں کچھ اور وقت ان کے درمیان گزار لیتی تو ماری جاتی۔ چنانچہ میں نے پہلے انڈیا اور پھر یہاں سے فرار ہو کر ایران جانے کا فیصلہ کر لیا، اور اب ہم لوگ ایران ہی جا رہے ہیں۔ کیا تمہیں اس بات کا علم ہے......؟''

''نہیں......! یہ جہاز......؟''

میں نے بے اختیار سوال کیا۔

''ہاں......! یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ مختصراً یوں سمجھو کہ میں بالکل اتفاقیہ طور پر ڈاکٹر جین کے پروگرام سے آگاہ ہوگئی تھی اور عام لوگوں کی طرح خزانوں اور دفینوں کا شوقین، یہ عظیم الشان خزانہ اس نے ہندوستان کے ایک انتہائی قدیم مندر سے چرایا ہے۔ اس میں زر و جواہر کے ساتھ ساتھ اعلیٰ قسم کے تاریخی ورثے بھی محفوظ ہیں۔ الغرض اس خزانے کو نہ جانے کتنی کتنی قربانیاں دے کر حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہے اور اب وہ اسے یہاں

سے چرا کر لے جا رہا ہے۔ میں کون ہوں......؟ اور کیا ہوں......؟ یہ ابھی نہیں بتا سکتی۔ بس......! یوں سمجھ لو کہ میں ڈاکٹر جین کے منصوبے سے واقف تھی اور اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

میرے علم میں اس کا یہ پروگرام آ گیا۔ یہ جہاز یہاں سے ایران جائے گا۔ میں نے سوچا کہ ایران تک کا سفر کس طرح طے کیا جائے......؟ جہاز کے کپتان سے ڈاکٹر جین کے کافی تعلقات تھے اور اسی کی مدد سے وہ اس عظیم الشان خزانے کو پوشیدہ طور پر یہاں سے جا رہا تھا، جب یہ پروگرام میرے علم میں آیا تو میں نے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ میں خود بھی کسی طرح اس جہاز میں سفر کروں، اور آخر کار میں اس کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی۔ کیا سمجھے گئے......؟ مگر تم حیرت انگیز انسان ہو، تمہارا کیا قصہ ہے......؟ اور اس خزانے سے تمہارا کیا تعلق ہے......؟ یہ میں نہیں جانتی۔“

”ہائے......! جو کچھ میں تمہیں بتاؤں گا، تم خود بھی اس پر کبھی یقین نہیں کرو گی۔ بس......! یوں سمجھ لو تقدیر کا ستایا ہوا ہوں اور میرے دشمن بھی میری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ جانے کس کس طرح یہاں تک پہنچا ہوں۔ میرا نہ تو اس خزانے سے کوئی تعلق ہے اور نہ میں ڈاکٹر جین کو جانتا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ تقدیر نے مجھے اس صندوق تک پہنچایا جس کے بارے میں مجھے علم نہیں تھا۔ البتہ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ میری جیب میں پھوٹی کوڑی نہ ہو، لیکن میں سینہ تان کر یہ کہہ سکوں گا کہ میں نے ایک اتنے بڑے خزانے میں بیٹھ کر سفر کیا ہے۔“

لڑکی ہنس پڑی اور پھر بولی۔

”تمہاری شکل تو میں نے ابھی تک نہیں دیکھی، میرا مطلب ہے، ٹھیک سے نہیں دیکھی۔ لیکن دلچسپ آدمی لگ رہے ہو۔ کیا سمجھے......؟“

”پتا نہیں آدمی لگ بھی رہا ہوں یا نہیں......؟“

میں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ پھر ہنس پڑی، پھر بولی۔

”اچھا......! اب ایک بات بتاؤ۔“

”ہاں ہاں......! بولو......!“

”اصلیت میں تم کون ہو......؟“

اس کے اس سوال پر میرا دماغ بھک سے اُڑ گیا میں نے غور سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا، پھر بولا۔

”کیا کہنا چاہتی ہو......؟“

”پتا نہیں تم سچ بول رہے ہو یا جھوٹ......؟ لیکن ایک بات کا مجھے یقین ہے کہ تم میرے مخالفوں میں سے نہیں ہو سکتے۔“

”یوں تو میں تمہیں بھی جھوٹا سمجھ سکتا ہوں گینس......! یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تمہارا نام گینس ہے یا

نہیں......؟ ہو سکتا ہے تم بھی میرے دشمنوں میں سے ہو اور میرے پیچھے پیچھے یہاں تک پہنچ گئی ہو......؟“

”میں تمہیں ہر طرح اعتماد دلانے کے لئے تیار ہوں۔ کیا سمجھے......؟ میں تمہیں بالکل نہیں جانتی۔ میری خواہش ہے کہ تم میری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ رہو اور میں تمہارے ساتھ رہوں۔ اب تو میں اس بات کے لئے خوف زدہ ہو گئی ہوں کہ تم کسی پر میرا انکشاف نہ کر دو۔“

”اس کا ایک بہترین طریقہ ہے۔“

میں نے کہا۔

”کیا......؟“

”ہم دونوں جہاز کے اسی خفیہ تہہ خانے میں ساتھ ساتھ رہیں۔“

”ارے واہ......! زندہ باد......! چلو پھر ہاتھ ملاؤ۔ میں یہ عہد کرتی ہوں کہ کم از کم ایران تک تمہارے ساتھ رہوں گی۔“

اس نے اپنا نرم و نازک ہاتھ پھیلا دیا اور میں نے اس سے ہاتھ ملا لیا۔ وہ پھر بولی۔

”اب ہم ایک دوسرے کے لئے دل میں کوئی خدشہ نہیں رکھیں گے۔ کم از کم اس وقت تک جب تک یہ احساس نہ ہو جائے کہ ہم دونوں میں سے کوئی کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ویسے یار......! ایک بات بتاؤ۔ یہ کھانے پینے کی چیزیں تم نے کہاں سے حاصل کیں......؟“

”بس......! یوں سمجھ لو، پیٹ کی رہنمائی مجھے جہاز کے کچن تک لے گئی۔“

”چلو پھر آرام کرتے ہیں۔ ویسے یہ جگہ بڑی اچھی مل گئی، یوں لگتا ہے جیسے یہ ہمارا ہنی مون کیبن ہو۔“

”کیا......؟“

میں نے کہا۔

”نہیں نہیں......! میرا مطلب ہے، نام دینے میں کیا حرج ہے......؟“

اس نے کہا اور پاؤں پھیلا کر لیٹ گئی، میں بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر وہیں لیٹ گیا تھا۔ حالات پر غور کرتا تو ہنسی آنے لگتی تھی۔ زندگی کہاں سے کہاں لے جا رہی ہے......؟ ہندوستان میں خاصا وقت گزارا ہے اور اب مابدولت سلطنت ایران تشریف لے جا رہے ہیں اور ادھر میرے دشمن میری تلاش میں سرگرداں۔ غرض یہ کہ جگہ آرام دہ تھی اور جتنی تھکن اس دوران ہو گئی تھی، وہ بہر طور نیند سے روشناس تو کراتی ہی سہی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب آنکھ کھلی، ہچکولے لگ رہے تھے اور دماغ میں ہلکا ہلکا چکر آ رہا تھا، ایک لمحے تک تو اس کی معیت کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ لیکن پھر سب کچھ یاد آ گیا۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر اس کو اپنے مخصوص کیبن کی چھت کو چھوا اور اس کے ساتھ ہی مجھے وہ حسینہ عالم یاد آ گئی جس نے اپنا نام گینس بتایا تھا۔ میں نے

جلدی سے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ نیم تاریک ماحول میں مجھے صاف اندازہ ہوگیا کہ وہ آرام کر رہی ہے، میں ذرا سا ہلا تو میں نے کوئی چیز اپنی طرف بڑھتی ہوئی دیکھی۔ یہ پستول کی نال تھی جسے ٹٹول کر میں نے کہا۔

''یہ...... یہ...... یہ کیا......؟''

''پستول ہے، پستول......! اور ضروریات کے لئے ہے۔''

''کسی وقت فائر مت کر دینا۔''

میں نے کہا۔

''نہیں......! کم از کم تم پر نہیں کروں گی۔''

''اچھا......! ایک بات بتاؤ، اگر کوئی اتفاق سے آ ہی جائے تو کیا تم یہ پستول استعمال کرو گی......؟''

میرے اس سوال پر وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

''مناسب تو نہیں ہوگا واقعی خطرناک بات ہے ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔''

''بتاؤ بتاؤ......!''

''مجھے بھوک بہت لگتی ہے اور جب مجھے بھوک لگتی ہے تو پھر دُنیا بہت بری لگنے لگتی ہے۔ پلیز......! مجھے کھانے کے لئے دے دو۔''

''وہی دونوں چیزیں موجود ہیں، سیڑھی کے نیچے سے نکال لو۔''

''ٹھیک ہے......! شکریہ......!''

تھوڑا سا بیف اور ڈبل روٹی میں نے بھی کھائی۔ پانی کا مسئلہ بدستور تشویش ناک تھا۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ سارا دن تشویش کے عالم میں گزرا۔ گینس نے دن میں دو تین مرتبہ ڈبل روٹی اور بیف کھایا اور سارا کچھ چٹ کر گئی۔ اب ہمارے پاس خوراک موجود نہیں تھی۔ ہچکولے دن بھر لگتے رہے تھے، جہاز اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا، اس دوران کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ رفتہ رفتہ رات ہوگئی تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ جبکہ دن میں عرشے پر قدموں کی آوازیں اور مختلف قسم کی آہٹیں اُبھرتی رہی تھیں، لیکن اب مکمل طور پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ گینس نے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

''باہر نہیں چلو گے......؟''

''ہاں......!''

''ہاں......! میں پیاس سے مری جا رہی ہوں زبان پر کانٹے پڑ رہے ہیں۔ طبیعت بڑی خراب ہو رہی ہے۔ پانی پیئے بغیر زندگی ممکن نہیں ہے۔''

''چلو چلتے ہیں۔''

میں نے کہا اور ہم دونوں تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔ بہت فاصلے پر دو تین خلاصی باتیں کر رہے

تھے، ہم نے ان کو دیکھ کر دوسری سمت اختیار کی اور پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر کچن کے اس حصے میں پہنچ گئے جہاں وہ کھڑکی موجود تھی، اس وقت کھڑکی کا شیشہ گرا ہوا تھا۔ لیکن اس طرح کہ کھولا جا سکتا تھا، بلکہ کھڑکی سے اندر داخل ہونا بھی کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میں نے کھڑکی کے شیشے کو ہٹایا اور اندر کا جائزہ لینے لگا۔

کچن میں دُھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور دوسری طرف کا دروازہ بند تھا، گویا وہاں کوئی موجود نہیں ہے اور اندازہ بھی اسی کا تھا کہ اس وقت وہاں کسی کا وجود نہ ہو۔ چنانچہ میں نے گینس سے کہا کہ وہ محتاط رہے، میں اس کھڑکی کے ذریعے اندر جا رہا ہوں۔ گینس نے گردن ہلا دی تھی۔ میں کھڑکی سے اندر داخل ہوگیا۔ کچن میں کھانے پینے کی چیزوں کے انبار لگے ہوئے تھے، بڑے بڑے ڈیپ فریزر اور ریفریجریٹر رکھے ہوئے تھے۔ ریفریجریٹروں میں مرغی کی بھنی ہوئی رانیں، پنیر کے ڈبے، تازہ ڈبل روٹیاں اور ایسی ہی دوسری چیزیں موجود تھیں۔ چائے یا کافی کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔

سب سے پہلے میں نے پانی کی ایک بوتل ریفریجریٹر سے حاصل کی اور اسے کھڑکی سے باہر گینس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ گینس نے پانی کی بوتل کھول کر منہ سے لگا لی تھی اور کافی پانی پی گئی تھی۔ میں نے بوتل اس سے لے کر فریج میں واپس رکھ دی اور پھر دوسری چیزوں کے بنڈل بنانے لگا۔ پلاسٹک کے تھیلوں میں، میں نے اتنی خوراک محفوظ کر لی کہ تین چار دن آسانی سے گزر جائیں۔ چیزیں بھی اس طرح کی منتخب کی تھیں جو اس دوران خراب نہ ہوں۔ پانی کی کئی بوتلیں حاصل کیں اور ہم دونوں سامان سے لدے پھندے وہاں سے واپس چل پڑے۔

دل چاہ رہا تھا کہ عرشے پر کھڑے ہو کر ٹھنڈی ہوا اور سمندر کا لطف لیں، لیکن اگر خلاصی نے بھی دیکھ لیا تو جہاز پر ہنگامہ ہو جائے گا۔ چنانچہ تہہ خانے میں واپس آ گئی اور یہ تمام چیزیں احتیاط کے ساتھ اپنے اسی اسٹور میں پوشیدہ کر دیں گئیں۔ کچھ کھانے پینے کی چیزیں نکال لی گئی تھیں۔ گینس نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

''واقعی اگر مجھے تم نہ ملتے تو پتا نہیں میرا کیا ہوتا......؟''

''گویا تم میرا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہو......؟''

''نہیں......! بلکہ یہ سوچ رہی ہوں کہ کیوں نہ ہم لوگ دوست بن جائیں......؟ خیر......! اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ یہاں تک تو آسانی حاصل ہوگئی ہے۔ کاش یہ جگہ کسی کام کے لئے نہ ہو اور ہماری محفوظ پناہ گاہ ثابت ہو سکے۔''

''اندازہ اسی بات کا ہے، ویسے کیا خیال ہے......؟ اگر ہمت کر کے باہر نکلا جائے تو......؟''

''کیا مطلب......؟''

''میرا مطلب ہے، کھانے پینے کے بعد تھوڑی سی چہل قدمی تو ضروری ہوتی ہے۔ ایک بات بتاؤں، کیا تم نے اسے محسوس نہیں کیا......؟''

”کیا......؟“

”یہاں ایک عجیب سی بو بکھری ہوئی ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن ایک بات میں بھی کہوں، زندگی بڑی سخت چیز ہوتی ہے، سب سے پہلے اس کا حصول اوراس کے بعد باقی سب کچھ۔“

”تو پھر اب کیا کیا جائے......؟“

”آؤ......! چہل قدمی کرتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے......!“

اوراس کے بعد ہم اس تہہ خانے میں ٹہلنے لگے۔ گینس نے اس کے بعد اپنے بارے میں اور کچھ نہیں بتایا تھا اور نہ ہی مجھ سے میرے بارے میں پوچھا تھا۔ لیکن اب میرے ذہن میں اس کے لئے تجسس جاگ رہا تھا۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح اس تجسس کو رفع کیا جائے۔ پھر اس چہل قدمی کو ترک کر کے ہم اپنے بیڈروم میں آگئے۔ ہاں......! اسے بیڈروم نہیں کہا جا سکتا تھا۔ گینس نے ”خدا حافظ“ کہا اوراس کے بعد کروٹ تبدیل کر لی۔ عجیب وغریب سفر تھا۔

ایران تک جاتے ہوئے نہ جانے کتنا وقت لگ جائے، شدید بوریت سوار تھی۔ لیکن بہرطور بچ کر انڈیا سے نکل آیا تھا، یہ بھی خوشی تھی۔ ایران بہرحال دوست ملک تھا۔ اگر وہاں کوئی مسئلہ بھی ہوا تو پاکستان کے حوالے سے ٹل سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی کروٹ بدلی اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ ابھی لیٹے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ یہ ٹھنڈک پتا نہیں ذہن کے کون سے گوشے ٹٹول رہی تھی۔ پھر ایک دم دماغ جھنجنا سا اُٹھا۔ پورے بدن پر بوجھ سا آپڑا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میرا وزن بڑھ گیا ہو اور یہ احساس مجھے اس وقت ہوا تھا جب ابرانوس نے پہلی بار میرے وجود میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔

میرے ذہن میں بے اختیار اس کا نام گونجا اور دوسرے لمحے میں حیرت سے اُچھل پڑا کیونکہ ذہن میں ابرانوس کی آواز سنائی دی تھی۔

”ہاں......! میں آگیا ہوں میرے دوست......!“

میں چونک کر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن ایک دم سنبھل گیا۔ اسی وقت ابرانوس کی آواز سنائی دی۔

”اس قدر بے سکون یا مضطرب ہونے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس دوران تم میری غیر موجودگی سے کس طرح پریشان ہوئے ہوگے......؟“

”کیا میں پھر دھوکہ کھا رہا ہوں......؟ یا پھر تم واقعی مجھ پر مسلط ہوگئے ہو ابرانوس......؟“

”نہیں......! میں واپس آگیا ہوں اور اب تمہارے وجود میں ہوں۔“

”کیا تم میری جان بخشی نہیں کر سکتے......؟ اب تو میں نے تمہارا وطن بھی چھوڑ دیا ہے، میرا مطلب ہے، ہندوستان۔“

”کیا بکواس کر رہے ہو یار......؟ اتنی قدیم رفاقت کو اس طرح ٹھکرا رہے ہو......؟ تمہارے لہجے میں ناگواری کی کیفیت ہے۔ ایک دوست کے لئے یہ ناگواریت مناسب تو نہیں ہوتی۔“

”لعنت ہے ایسی دوستی پر جو مصیبت میں پھنسا دے۔ تم مجھے پریشانی کے عالم میں چھوڑ بھاگے تھے۔“

”میں کہاں نکل بھاگا تھا یار......! بس یوں سمجھ لو کہ کچھ مصیبتوں کا شکار ہو گیا تھا۔“

”کیا آتش زادے بھی مصیبتوں کا شکار ہوتے ہیں۔“

”یہ سوال نہ کرو تو اچھا ہے، کیونکہ تم بس آدم زاد ہو۔ تمہارے مسائل مختلف ہیں اور میرے مختلف، بس یوں سمجھ لو کہ ہم جنوں کی آبادیوں میں بھی کافی پابندیاں ہوتی ہیں اور ہم پر پتا نہیں کیا کیا مشکلات طاری ہو جاتی ہیں......؟ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ فضول قسم کے عالم میں چلتے وظیفے کر کے ہمارے چکر میں پڑے رہتے ہیں اور بہرطور ہمیں اپنی جان بچانے کی کوشش کرنی ہی ہوتی ہے۔“

میں خاموشی سے اپنے ذہن میں گونجنے والی ابرانوس کی آواز سن رہا تھا۔ یہ جن زادہ ایک بار پھر میرے قریب آگیا تھا۔ اندر سے کچھ عجیب وغریب احساسات بھی اُبھر رہے تھے۔ بہرحال اب جو بھی ہو رہا ہے، اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے......؟ تھوڑی دیر تک میں خاموش رہا تو وہ بولا۔

”تم دُنیا کے کسی بھی گوشے میں ہو مجھ سے دُور نہیں رہ سکتے اب کیونکہ میں تمہارا دوست بن چکا ہوں۔ حالانکہ تمہیں تلاش کر کے یہاں تک آنے میں مجھے کافی دِقت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔“

”مگر معاف کرنا میرے دوست......! تم نے مجھے جس طرح دھوکے سے مروا دیا تھا، اسے میں نہیں بھول سکتا۔“

”کیوں......؟ کیا ہوا تمہارے ساتھ......؟ ویسے میں تمہیں بتاؤں کہ ہم جنوں کے لئے بھی سمندر کا سفر اتنا مشکل ہوتا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ ایک عالم نے مجھے اس دیوار میں چنوا دیا تھا انارکلی سمجھ کر۔ تم نہ نکالتے تو میری زندگی وہیں گزر جاتی۔ تمہارا احسان تو ہے میرے اوپر، لیکن اب ان عالموں کا کیا کیا جائے......؟ میرا بس چلے تو......تو......“

اس نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔

”میں جن مصیبتوں سے یہاں تک پہنچا ہوں، تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔“

”جا کہاں رہے ہو......؟“

”ایران جا رہے ہیں۔“

''ارے واہ......! ویسے ایک بات کہوں۔ تمہاری قربت میرے لئے جنت سے کم نہیں ہے۔ میرے دل میں بڑی خواہش تھی کہ زندہ آنکھوں سے اس کائنات کے دوسرے خطوں کو بھی دیکھوں۔ میں نے تم سے پہلے ہی اس کی خواہش کی تھی۔ لیکن میرے دوست......! تم کتنی آسانی سے مجھے چھوڑ کر بھاگے جا رہے تھے۔''

''کمال کی بات کر رہے ہو۔ مجھ پر جو بیتی ہے، اگر تمہیں معلوم نہیں ہے تو میں تمہیں کیا بتاؤں......؟''

''خیر......! فکر نہ کرو، تم زندہ سلامت ہو، یہی کافی ہے۔ امکانات اس بات کے ہیں کہ اب تمہیں مزید کسی پریشانی کا شکار نہ ہونا پڑے۔ بس میں نے تمہیں بتایا ناں کہ ہم پر بھی کچھ پابندیاں ہوتی ہیں۔ اصل میں مجھے اس عالم کی گرفت سے نکلنے کے بعد اپنے لوگوں کے درمیان جانا چاہئے تھا۔ لیکن تمہاری محبت میں، میں نے ان کی طرف رُخ نہیں کیا۔ سزا تو مجھے ملنی ہی تھی۔ لیکن چلو چھوڑو، اب تمہارے پاس آ گیا ہوں۔''

''ہاں دیکھو، اب کیا ہوتا ہے......؟''

''تم مجھے بتاؤ کہ وہاں انڈیا میں تمہارے اوپر کیا گزری......؟''

''بس......! تم یوں سمجھ لوگ کہ میرے دُشمن مجھ پر حاوی ہو گئے تھے۔ مجھے پولیس کی تحویل میں جانا پڑا اور میرے دُشمن یقیناً مجھے قتل کرنے کے لئے جیل سے نکال کر ایک سنسان جگہ لے آئے تھے۔ بمشکل تمام میں نے بھاگ کر جان بچائی۔''

''اوہ......! مجھے افسوس ہے، میں شرمندہ ہوں۔ بس......! ہم پر کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ میں نے تمہاری محبت میں جو کچھ کیا، اس کی مجھے براہِ راست اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ میں تمہارے قبضے میں نہیں تھا، بلکہ تمہارا دوست تھا۔ ہمیں زندہ انسانوں کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہوتی اور نہ ہی ہم ان کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔ جبکہ میں نے تمہارے لئے کچھ لوگوں سے جنگ بھی کی تھی۔ ویسے میں تمہیں ایک بات سے ہوشیار کر دوں کہ میں تمہارے لئے کسی سے جنگ نہیں کر سکتا۔ ہاں......! تمہیں ہوشیار کر سکتا ہوں کیونکہ اب مجھ سے اس کے اختیارات چھین لئے گئے ہیں۔ میں تمہیں پہلے سے وہ خطرات بتا سکتا ہوں جو تمہارے ساتھ پیش آنے والے ہوں گے۔ لیکن تمہیں اپنی حفاظت خود ہی کرنا پڑے گی۔''

''میرے عزیز دوست......! میں ایک سیدھا سادہ آدمی ہوں۔ لڑائی بھڑائی کی بجائے میں اپنے لئے ایک بہتر زندگی کا خواہش مند ہوں۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ دُنیا کے کسی پُرسکون گوشے میں بیٹھ کر بس کھانے پینے کو ملتا رہے اور سکون سے زندگی گزار سکوں۔ اس سے زیادہ کی مجھے طلب نہیں ہے۔''

''یہ تو خودغرضی کی بات ہے احتشام شامی......! میں تمہاری آنکھوں سے یہ دُنیا دیکھنے کا خواہش مند ہوں اور تم دُنیا کے کسی گوشے میں دفن ہونے کا ارادہ رکھتے ہو......؟ ویسے میں تمہیں ایک بات بتا دوں۔ اس بار تو تھوڑا سا فاصلہ طے ہو گیا تھا اور ایک بات میں تمہیں بتا چکا ہوں، لیکن یاد رکھنا، اگر تم نے جان بوجھ کر مجھ سے فرا

ہونے کی کوشش کی اور کسی عالم وغیرہ کا سہارا لیا تو تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔''

''کیا فضول بات کر رہے ہو یار......؟ میں اپنی جان سے جاتے جاتے بچا ہوں اور تم سہاروں کی بات کر رہے ہو......؟ کوئی بھی نہیں ہے اس دُنیا میں میرا۔ کیا سمجھے......؟ بھلا میری کیا اوقات ہے کہ میں تم سے دُور بھاگنے کی کوشش کروں......؟ لیکن بس کیا کیا جائے......؟ اور کیا کہا جائے......؟ سب کچھ تو بتا چکا ہوں تمہیں کہ مجھے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس نے بدستور میرا ساتھ دیا ہو۔''

''چلو ٹھیک ہے......! وقت گزرنے دو، پتا چل جائے گا۔''

اس نے کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

''اچھی بات ہے یہ بھی، زبردستی کی دوستی اس طرح پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ دُشمنی کے بارے میں تو سنتے چلے آئے تھے، دوستی کا یہ انداز واقعی دُنیا کے لئے ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔''

''اب تم کچھ بھی کہو، ابرانوس تمہارے ساتھ ہے۔''

اس نے کہا، پھر بولا۔

''چلو......! آرام کرو۔''

اس کی آواز بند ہو گئی۔ لیکن میں دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا، غور کرتا رہا۔ پھر ذہن میں خیال آیا۔

''تمام دُنیا میں تنہا ہوں، واقعی کوئی ایسا ساتھی نہیں ہے جو میرے بارے میں جانتا ہو اور جس سے میں واقف ہوں۔ اگر یہ جن زادہ میرا ساتھ دینے کو تیار ہے تو کیا حرج ہے......؟ جو کچھ بھی ہاتھ آ جائے، ہے تو کام کی شخصیت۔ باقی جہاں تک اور معاملات ہیں، اپنے آپ پر مکمل بھروسہ کرنا ہوگا، اور جب یہ کھیل ختم ہو جائے تو بعد کی زندگی میں اپنے لئے راستہ تلاش کروں۔''

چنانچہ خاموش ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد اس کی آواز اُبھری۔

''بالکل ٹھیک سوچا ہے تم نے......! مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اب تم میری سوچوں پر بھی مسلط ہو......؟ اور میرے ذہن میں بھی کوئی بات خفیہ نہیں رہ سکتی......؟''

''اس کی ضرورت بھی نہیں ہے تمہیں یار......! میرے بارے میں بس یہ مت سوچنا کہ تم مجھ سے منحرف ہو جاؤ۔ باقی اپنی سوچوں میں آزاد ہو۔ ہاں......! تمہارے ذہن میں کوئی غلط خیال آیا تو میں تمہیں اس سے آگاہ کر دوں گا۔''

''ٹھیک ہے بابا......! ٹھیک ہے۔''

''تو پھر ہم ایران چل رہے ہیں۔''

اس نے کہا۔

''ہاں......! میرے ساتھ ایک اور شخصیت بھی ہے۔''

میں نے انکشاف کیا لیکن اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے اس سے کہا۔

''تم نے پوچھا نہیں کہ وہ کون ہے......؟''

''میں تمہارے ذہن میں اسے تلاش کر رہا ہوں۔''

ابرانوس نے کہا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ میں گینس کے بارے میں سوچتا رہا۔ گینس کافی دلچسپ لڑکی تھی۔ خیر......! رات کے کسی حصے میں نیند آ گئی۔ لیکن ذرا اطمینان سا تھا۔ صبح گینس نے خود ہی میرا شانہ ہلا کر مجھے جگایا تھا۔ میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُٹھ گیا۔

''صبح بخیر......!''

گینس نے کہا۔

''یار......! غضب کی چیز ہے، تم انسانوں کے تو عیش ہی عیش ہیں۔''

ابرانوس کی آواز اُبھری۔

''ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں، میرے علم میں ایک ایسی لڑکی ہے جو اس کی ہم شکل ہے، اس کا نام زبونا تھا۔''

''زبونا کون......؟''

میں نے چونک کر سوال کیا اور گینس مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

''مجھ سے کہا تم نے......؟''

''نن نہیں......! کچھ نہیں......!''

میں نے سنبھل کر جواب دیا۔

''مجھے یوں لگا جیسے تم نے ابھی کچھ کہا ہے۔''

''نہیں نہیں......! کچھ نہیں کہا، بس سوچ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے......؟''

گینس شاید میرے جواب سے مطمئن ہو گئی۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولی۔

''میں تو سوچ رہی ہوں کہ یہاں سے باہر نکل جاؤں اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے درمیان ظاہر کر دوں۔ اس کے بعد جو بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔ کم از کم آزادی تو ہو گی۔ کھانے پینے کو تو دیں گے۔ یہاں رہ کر تو بڑی جھنجلاہٹ سوار ہو رہی ہے۔ اعصاب بالکل شل ہو کر رہ گئے ہیں۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں گینس......؟ تم جو بھی کرنا چاہو گی، میں تمہیں روکنے کا کیا حق رکھتا ہوں......؟''

''تم بھی باہر چلو ناں......!''

''جی نہیں......! آپ ایک حسین نوجوان خاتون ہیں، آپ کو تو ہر شکل میں قبول کر لیا جائے گا۔ لیکن مجھے وہ لوگ بڑے آرام سے اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے۔''

گینس ہنسنے لگی، پھر بولی۔

''نہیں......! میں کوشش کروں گی کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ رات کو بہت دیر تک اس بارے میں سوچتی رہی ہوں اور آخر میں، میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ میں باہر چلی جاؤں۔''

''میں نے کہا ناں تمہاری مرضی ہے۔ لیکن وہ لوگ یہ ضرور پوچھیں گے تم سے کہ تم جہاز میں کیسے آ گئیں......؟''

''بس......! کچھ نہ کچھ کہہ دوں گی۔''

''یعنی تم آخری فیصلہ کر چکی ہو......؟''

''ہاں......!''

''ٹھیک ہے......! تمہاری مرضی......!''

''تم نہیں چلو گے......؟''

''بابا......! میں......''

''میں تمہارے بارے میں ان لوگوں کو بتا دوں گی۔''

اس نے کہا اور میں اسے گھورنے لگا۔ پھر میں بولا۔

''تو بہتر ہے کہ تمہاری ٹانگیں توڑ کر تمہیں اسی جگہ دفن کر دوں۔''

میں نے خون خوار لہجے میں کہا۔

''مجھے دھمکانے کی کوشش مت کرو۔ تم جانتے ہو میرے پاس پستول ہے۔''

گینس بولی اور پھر جھنجلا کر کہنے لگی۔

''میں کہہ رہی ہوں کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ تم فضول باتوں میں اُلجھے ہوئے ہو۔''

''جو کچھ موجود ہے، اسے اُٹھاؤ اور کھا لو۔''

میں نے بگڑے ہوئے موڈ کے ساتھ کہا اور ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ گینس مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی جہاں کھانے پینے کا سامان محفوظ تھا۔ ابرانوس نے آہستہ سے کہا۔

''واقعی وہ زبونا ہے، کمال ہے یار......! یہ زبونا یہاں کیسے آ گئی......؟ اب تو مجھے اس کی ذات پر شک ہونے لگا ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس ایک عجیب سی جھنجلاہٹ ذہن پر سوار ہو رہی تھی اور میں سوچ رہا

تھا۔

''یہ سب کچھ واقعی بہت زیادہ ہے۔ میں کیا کروں......؟ اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دوں یا پھر اپنے بچاؤ کا کوئی بندوبست کروں......؟''

ابرانوس مسلسل میری جانب متوجہ تھا، کہنے لگا۔

''یار......! تم نے یہ نہیں پوچھا کہ زبونا آخر ہے کون......؟''

''چلو بتا دو......!''

''وہ میری ایک خاص خادمہ تھی اور تم یقین کرو، بالکل اس لڑکی گینس کی ہم شکل۔''

''تو پھر جاؤ، اس اس کے وجود میں سما جاؤ۔''

''نہیں......! وہ میری خادمہ تھی جو بے شک مجھ سے محبت کرتی تھی۔ لیکن میرے ذہن میں اس کے لئے ایک خادمہ ہی کا تصور تھا، ایک کنیز کا تصور، جسے ضرورت سے زیادہ کبھی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ لیکن ایک بات بتاؤ۔ یہ ہے کون......؟ اور تمہارے ساتھ کیسے سفر کر رہی ہے......؟''

''میری ہی طرح کی ایک مفرور ہے جو حالات سے گھبرا کر بھاگی ہے اور ایران جا رہی ہے۔''

''تم نے اس سے اس کے بارے میں سوالات نہیں کئے......؟''

''مجھے اس کے بارے میں جاننے کی اتنی دلچسپی نہیں ہے۔ بس......! اتفاق سے میرا اور اس کا ساتھ ہو گیا اور میں اس کے بارے میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔''

''نہیں یار......! ہمیں اس کے بارے میں معلومات تو کرنی چاہئے کہ وہ کون ہے......؟''

''تو تم کرلو، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے......؟''

''ٹھیک ہے......! اب وہ تمہارے سامنے صرف سچ بولے گی، صرف سچ۔''

اس بار ابرانوس کے لہجے میں ایک عجیب سی پختگی تھی اور میں سوچنے لگا کہ اس کی بات کا مطلب کیا ہے......؟

☆......☆......☆

ابرانوس بہت ہی دلچسپ شخصیت کا مالک تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے ساتھ پیش آنے والے عجیب وغریب واقعات مجھے بری طرح اُلجھائے ہوئے تھے، پے در پے کوئی نہ کوئی نیا حادثہ ہو جاتا تھا، اگر یہ نہ ہوتا تو اس جن زادے سے میں بڑا لطف لے سکتا تھا۔ اسی وقت ابرانوس کی آواز اُبھری۔

''اس سے اس کے بارے میں پوچھو، میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ جو کچھ یہ بولے گی، اب سچ بولے گی۔''

میں گینس کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر میں نے ناشتہ اُٹھا کر سامنے رکھ لیا اور کہا۔

''گینس......! ہم لوگوں کو اتنی قربت کا مظاہرہ بھی نہیں کرنا چاہئے جبکہ ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔ تم نے بے شک یہ کہا تھا کہ تم حالات کا شکار ہو اور کچھ دُشمن تمہاری تاک میں ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا تم نے کہ وہ کون ہیں......؟ اور تمہاری کہانی کیا ہے......؟''

اس نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

''کیا کرو گے میری کہانی سن کر......؟''

''میری خواہش ہے کہ تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔''

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور دفعتہً گینس کی نگاہیں مجھ پر ٹھہر گئیں۔ وہ مدہم لہجے میں بولی۔

''میں نے تمہیں اپنا نام غلط نہیں بتایا۔ میرا نام گینس ہی ہے۔ میں نے ایک ایسی عمارت میں ہوش سنبھالا تھا جو میرے لئے قید خانے کی طرح سے تھی۔ اسے قید خانہ میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ وہاں بے پناہ پابندیاں تھیں۔ وقت پر باہر نکلو اور نکلو بھی تو محافظوں کے ساتھ۔ دو آدمی ہمیشہ مجھ پر مسلط رہتے تھے۔ کہیں بھی جاتی تھی تو وہ دونوں موجود ہوتے تھے۔ کسی دوست کے پاس بھی اکیلی نہیں جا سکتی تھی۔ مجھے تنہا نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ میرے اتالیق نے مجھے صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ میرے باپ نہیں ہیں، بلکہ چچا ہیں۔

میرے والدین کے بارے میں مجھ سے کہا گیا تھا کہ وہ ایک حادثے میں ہلاک ہو چکے ہیں اور چچا

میری پرورش کر رہے ہیں۔ وہ شخص جو میرے سامنے چچا کی حیثیت سے آیا تھا اور جس کا نام حاذق ریازی تھا، ہمیشہ میرے لئے شبہے کا باعث رہا۔ وہ میری جائیداد کا متولی تھا، لیکن اس کا انداز جس طرح میرے لئے خادمانہ تھا، وہ بات ذرا تعجب خیز تھی۔ وہ ہمیشہ میرے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا تھا۔ اپنے اختیارات کو اس نے ہمیشہ ہی میرے خلاف استعمال کیا۔ یعنی جو کام میں نے کرنا چاہا اور اسے پسند نہ ہوا تو اس نے نہایت نرمی سے، سادگی سے کہہ دیا کہ یہ کسی قیمت پر نہیں ہوگا اور مجھے اس کام سے روک دیا جاتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی اپنا لہجہ تلخ نہیں کیا۔ سوچو ذرا سوچو......! اس طرح کوئی زندگی گزرتی ہے......؟

میں بڑے عجیب و غریب حالات کا شکار تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میرا مستقبل کیا ہے......؟ اس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ گھر میں صرف حاذق ریازی تھا، کچھ ملازم تھے یا پھر میری گورنس تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ اس بوڑھی عورت نے کب سے میری نگرانی سنبھالی تھی......؟ لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے اسے ہی اپنے قریب دیکھا تھا اور وہ میری ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھی۔ میں بھی اس کا احترام کرتی تھی، لیکن جب بھی میں اس سے کوئی اپنائیت کی بات کرتی، وہ ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑی ہو جاتی اور کہتی تھی کہ وہ صرف خادمہ ہے، اسے خادمہ ہی رہنے دیا جائے۔

تم خود بتاؤ شامی......! یہ حالات عجیب و غریب تھے کہ نہیں......؟ میرے ذہن میں بغاوت کیوں نہ بیدار ہوتی......؟ بہرحال حاذق ریازی سے اس بارے میں سوال کیا لیکن وہ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا کہ وہ صرف میرا متولی ہے اور اپنا فرض پورا کر رہا ہے۔ پھر ایک رات میں نے حاذق ریازی کو کچھ پُراسرار لوگوں سے ملاقات کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ تین افراد میرے لئے بالکل اجنبی شکل و صورت کے حامل تھے اور میں نے اس سے قبل انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

حاذق ریازی کی شخصیت بہت پُراسرار تھی۔ لیکن ان تینوں کے سامنے میں نے اسے بہت مؤدب محسوس کیا۔ وہ جس طرح کی گفتگو کر رہے تھے، اس نے میرے تجسس کو بری طرح بھڑکا دیا۔ موضوع میں ہی تھی۔ وہ تینوں میرے بارے میں حاذق ریازی سے معلومات حاصل کر رہے تھے اور حاذق ریازی عاجزی سے ان سے کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنا فرض پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور میں اس کے پاس پُرسکون ہوں۔ ان میں سے ایک نے حاذق ریازی سے کہا کہ اگر مجھے کسی قسم کی اُلجھن یا دقت پیش آئی تو اسے اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا، جس پر حاذق ریازی گڑگڑانے لگا تھا۔

یہ ساری گفتگو میرے لئے اس قدر تعجب خیز تھی کہ میں ساکت ہوگئی اور اس وقت تک میرے قدم وہاں جمے رہے جب تک وہ لوگ گفتگو کرتے رہے۔ میں کچھ بھی نہیں سمجھ پائی تھی، لیکن وہ رات میری زندگی کی بدترین رات تھی۔ اس رات میرے ذہن میں ایک انوکھا تصور جاگا اور میں نے سوچا کہ درحقیقت میں ان میں سے نہیں ہوں بلکہ یہ لوگ میرے پرورش کنندگان ہیں اور کسی خاص مقصد کے لئے میری پرورش کر رہے ہیں۔ یہ کچھ

کیا ہے......؟ میں نہیں سمجھ پائی۔

دوسرے دن میں نے پھر حاذق ریازی سے سوال کیا تو اس نے پریشان لہجے میں کہا کہ میں کوئی تردّد نہ کروں، وہ خود پریشان ہے۔ اب میری قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی۔ میں خود سے اجنبی ہوگئی تھی۔ اب تو میں نے مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی کہ میں کیا ہوں......؟ کون ہوں......؟ میرے والدین کون ہیں......؟

عجیب و غریب انکشافات ہوتے تھے مجھ پر، کوئی میرے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں نے گورنس سے بھی سوال کیا اور وہ بوڑھی عورت لرز کر خاموش ہوگئی۔ پھر جب میرا ذہنی ہیجان انتہا کو پہنچ گیا تو ایک دن میں نے گورنس کی گردن پر خنجر رکھ دیا۔ حاذق ریازی اس وقت موجود نہیں تھا۔ میں نے خوف ناک لہجے میں کہا کہ میں اسے قتل کر دوں گی ورنہ مجھے میرے بارے میں بتائے اور میں اسے خوف زدہ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں قسمیں کھا کر بتایا کہ وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی، سوائے اس کے کہ میرا تعلق ایران کی ایک بڑی شخصیت سے ہے اور میں خالص ہندوستانی نہیں ہوں۔ حاذق ریازی صرف میرا ایک ملازم ہے اور اسی نے گورنس کو میری نگرانی کے لئے مامور کیا تھا۔

یہ الفاظ میرے لئے انتہائی حیرت ناک تھے۔ پھر میں نے گورنس سے سوال کیا کہ ایران کی وہ کون سی شخصیت ہو سکتی ہے جس سے میرا تعلق ہے......؟ اور میرے ہندوستان میں پرورش کی وجہ کیا ہے......؟ بے چاری نے یہی جواب دیا کہ وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ صرف ایک نام اتفاقیہ طور پر اس کے علم میں آیا ہے، جس سے کسی بھی شکل میں میرا تعلق ہو سکتا ہے اور وہ نام تھا باطش چنگیزی۔ اس نے بتایا کہ اس شخصیت کے نام پر اکثر حاذق ریازی سے ملاقاتیں کی جاتی ہیں اور ان کا تعلق میری ذات سے ہے۔ بوڑھی عورت کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ وہ واقعی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔

چنانچہ میں نے اسے چھوڑ دیا لیکن مجھے سکون نہیں تھا۔ میں اپنی ذات سے واقف ہونا چاہتی تھی اور مجھے اس بات پر یقین تھا کہ حاذق ریازی مجھے کچھ نہیں کرنے دے گا۔ جو کچھ کرنا ہے، مجھے خود ہی کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اس بات کا بھی علم تھا کہ میری گورنس میری اس بات کی اطلاع فوراً حاذق ریازی کو دے گی کیونکہ بہرطور وہ اس کی ملازمہ تھی اس لئے میں نے اپنی رہائش گاہ چھوڑ دی اور اس کے بعد نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتی رہی......؟

میرے ذہن میں صرف ایک ہی خبط ہے کہ کسی بھی طرح میں اپنی ذات کی شناخت کر لوں۔ باقی سب کچھ میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ یہ بھی کہ بالکل اتفاقیہ طور پر میں ڈاکٹر جین اور اس کے خزانے سے واقف ہوگئی۔ اس کا منصوبہ میرے علم میں آ گیا اور میں نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی طرح میں اس جہاز تک پہنچ جاؤں جو ایران جا رہا ہے۔ چنانچہ میں شدید کاوشوں کے بعد جہاز میں داخل ہوگئی اور بعد میں تمہیں معلوم ہے کہ کیا ہوا ہے......؟"

لڑکی جس انداز میں بول رہی تھی، اس پر اب مجھے حیرت نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ ابرانوس کی قوتوں کے زیر اثر وہ بالکل سچ بول رہی ہے لیکن بہت سی باتیں اب بھی میرے ذہن میں اُلجھی ہوئی تھیں۔ گینس ایرانی نام تو نہیں تھا، جبکہ وہ اپنے آپ کو ایران سے متعلق کہتی تھی اور باطش چنگیزی بھی جو کوئی بھی تھا، اس کے بارے میں صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل تھا۔ بہرحال مجھے ان گتھیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو اپنے لئے ہی پریشان تھا۔ اسی وقت ابرانوس کی آواز میرے ذہن میں اُبھری۔

''یار......! یہی تو زندگی ہے۔ کتنی دلچسپ کہانی ہے۔ اب یہ لڑکی ایران جائے گی اور اس شخص کو تلاش کرے گی جس کا نام باطش چنگیزی ہے۔ ہم بھی دیکھیں گے کہ اس کی شخصیت کیا ہے......؟''

''میری جان......! کیوں تم جنوں کا مذاق اُڑوا رہے ہو......؟ جنوں کے بارے میں تو یہ مشہور ہے کہ شہزادی گلنار کو اس کی قبر سے نکال لاتے ہیں اور بڑے بڑے محل اُڑا کر لے آتے ہیں۔ تم کیسے جن ہو کہ اس لڑکی کے بارے میں بھی معلومات نہیں حاصل کر سکتے......؟''

''تم نے ان بے وقوفوں کی کہانیاں پڑھ کر اپنے ذہن کو خراب کر لیا ہے۔ بھائی......! جن بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں۔ بے شک آتش زادے ہونے کی وجہ سے ہمارے اندر کچھ صفات مختلف ہیں، لیکن یہ تو نہیں کہ سب کچھ ہی ہمارے سامنے عیاں ہو۔''

''اونہہ......! جہنم میں جائے، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

گینس کی طرف نگاہ اُٹھی تو وہ شدید حیرانی کا شکار نظر آ رہی تھی۔ اس کی چمکدار آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت تھی۔ پھر اچانک وہ اپنی جگہ سے اُٹھی، میرے نزدیک پہنچی اور اس نے میرا گریبان پکڑ لیا۔ اس کی پتھرائی ہوئی آواز اُبھری۔

''تم کون ہو......؟ جواب دو......! ورنہ حقیقتاً میں تمہارا خون کر دوں گی۔''

''ارے ارے......! اب کیا مصیبت نازل ہوئی ہے تم پر......؟''

''تم ان باتوں سے بھی واقف ہو گئے ہو جو میں نے اپنے وجود سے بھی چھپا کر رکھی ہیں۔ میری زبان تمہارے سامنے کیوں کھل گئی......؟ میں نے تمہیں یہ سب کچھ کیوں بتا دیا......؟''

''اوہو......! اس میں میرا قصور ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ شاید تمہارے دل میں میرے لئے کچھ سچے جذبے جاگ اُٹھے ہیں۔''

''بکواس......! میں اس حد تک کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی تھی، لیکن مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تم نے مجھے ہپناٹائز کر دیا اور مجھ سے میرے بارے میں سب کچھ پوچھ لیا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ڈیئر گینس......! کسی دیوانگی کا شکار نہ ہو۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں خود بھی مسائل کا شکار ایک پریشان آدمی ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں بھی اس بے بسی کا سفر کیوں کرتا......؟ تم اطمینان

رکھو، میرے لئے تمہاری کہانی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

وہ بے یقینی کے انداز میں مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

''لیکن مجھے کیا ہو گیا تھا......؟ میں نے تو تہیہ کر لیا تھا کہ اپنی زندگی کی کہانی دُنیا میں کسی کو نہیں سناؤں گی۔ پھر میری زبان کیوں کھل گئی......؟ آہ......! یہ سب میرے حق میں بہتر نہیں ہوا۔''

''دوسری بار تم سے کہہ رہا ہوں گینس......! کہ میری ذات سے تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا اور بس......!''

اس بار میرا لہجہ سخت اور کھردرا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ایک دم نڈھال ہو گئی ہے اور بہت گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ بہرحال ابرانوس کی خواہش کچھ بھی ہو، میں بلاوجہ واقعی اس لڑکی کے معاملات میں خود کو نہیں اُلجھانا چاہتا تھا۔ میں تو خود ڈانواں ڈول شخصیت کا مالک تھا۔ بہرحال وہ میری طرف سے خوف کا شکار ہو گئی تھی۔

وقت تھوڑا سا اور آگے بڑھا اور کھانے پینے کی اشیاء کے لئے ہمیں راتوں کو باہر جانا پڑتا۔ البتہ ابرانوس اب میرے ساتھ ہوتا تھا۔ کئی بار اس نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ میں تہہ خانے کی زندگی چھوڑ کر جہاز پر چلوں، کوئی میرا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ لیکن یہاں میں نے اس سے کوئی تعاون نہیں کیا تھا۔ اس گفتگو کے بعد گینس نے بھی تہہ خانے سے باہر جانے کے لئے بات نہیں کی تھی۔ لیکن اب وہ بہت اُداس اور اُلجھی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس کے ذہن پر شاید یہ خیال سوار رہتا تھا کہ میں اس کی ذات کے لئے کوئی عذاب نہ بن جاؤں۔ پھر ایک چمکتی دوپہر جہاز کی رفتار سست ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اور آہستہ آہستہ وہ رُکتا چلا گیا۔ اب اس تہہ خانے کے بارے میں ہم اچھی طرح جانتے تھے، میں نے گینس سے کہا۔

''گینس......! شاید ہم ایران پہنچ گئے ہیں۔''

''اب کیا کریں......؟''

''اس صندوق میں ہم دونوں نہیں آ سکتے۔ تم بھی کسی سامان میں داخل ہونے کی کوشش کرو۔ میں اس صندوق میں ہی چھپ جاؤں گا۔''

''تم چھپ جاؤ، میں اپنے لئے کوئی جگہ تلاش کرتی ہوں۔''

اس نے جواب دیا اور میں نے مجبوری کی حالت میں اپنے لئے صندوق میں وہی جگہ بنا لی۔ سامان اُٹھانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد یہ صندوق بھی اُٹھا لیا گیا۔ صندوق کو شاید اوپر لایا گیا اور پھر یوں لگا جیسے اسے بلندی سے نیچے پھینک دیا گیا ہو۔ اس کے نیچے گرنے کی رفتار اتنی ہی تیز تھی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ رُک گیا۔ مجھے کوئی جھٹکا نہیں لگا تھا۔ صندوق کسی جگہ رکھ دیا گیا۔

میں صورتِ حال سے بالکل ناواقف تھا۔ ایک چھوٹے سے سوراخ سے چمکتا ہوا آسمان نظر آ رہا تھا،

کبھی کبھی کوئی انسان بھی قریب سے گزرتا نظر آتا تھا۔ جس جگہ مجھے رکھا گیا تھا، اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن کچھ ہی لمحے کے بعد میں نے کسی اسٹیمر کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ مجھے اسٹیمر میں رکھا گیا تھا۔

اسٹیمر کسی نامعلوم منزل کی جانب چل پڑا تھا۔ مجھے گینس کا خیال ضرور آ رہا تھا لیکن کسی بہت بڑی ہمدردی کے ساتھ نہیں، میں تو اپنی ہی مشکل کا شکار تھا۔ کسی اور کے بارے میں کیا سوچتا......؟ یہ سمندری سفر میری توقع سے کہیں زیادہ طویل تھا۔ خدا خدا کر کے یہ جان لیوا سفر ختم ہوا اور اسٹیمر کا انجن بند ہو گیا۔ آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر پانی کو شڑاپ شڑاپ، غالباً اسٹیمر کو اب ساحل کی جانب چپوؤں کی مدد سے لے جایا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک جھٹکا لگا اور میرا سر صندوق سے ٹکرا گیا۔ آنکھوں میں تارے ناچ گئے، ان بے چاروں کو کچھ نہیں معلوم تھا کہ اس عظیم الشان خزانے کے ساتھ ساتھ ایک انسانی خزانہ بھی اس صندوق میں موجود ہے۔ پتا نہیں بے چاری گینس کا کیا حشر ہوا......؟ غرض یہ کہ صندوق کو اسٹیمر سے اُٹھا لیا گیا اور پھر شاید کہیں کسی بلندی پر لے جانا پڑا۔ کیونکہ اب صورتِ حال یہ تھی کہ میری ٹانگیں اوپر اور سر نیچے اور صندوق ہوا کے دوش پر اُڑا جا رہا تھا۔ لیکن یہ ہوا کا دوش نہیں تھا بلکہ چار آدمی زندگی میں ہی مجھے کاندھا دے کر اوپر لے جا رہے تھے۔ یہ سفر بھی ختم ہوا اور اس کے بعد مجھے کسی گاڑی میں رکھ دیا گیا۔

نئے سفر کا آغاز ہو گیا۔ لیکن وہ کم بخت ڈرائیور، خدا اسے غارت کرے۔ بالکل اناڑی معلوم ہوتا تھا۔ اتنے جھٹکے لگ رہے تھے کہ میرا اپنا ہی جھٹکا ہوا جا رہا تھا۔ یہ سفر بھی کوئی دو اڑھائی گھنٹے سے کم کا نہیں تھا۔ اس کے بعد گاڑی کے پیچھے سے صندوق باہر نکال لیا گیا۔ بہر حال یہ سفر جاری رہا اور پھر اسے کسی عمارت میں لے آیا گیا۔ پھر اسے ایک ایسی جگہ سے گزارا گیا جہاں خاصی ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی۔

پھر کسی تہہ خانے کی سیڑھیاں طے کی جانے لگیں اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ماحول ملا جیسا کہ جہاز کے سفر میں تھا۔ خاموشی، سناٹا، لیکن یہ جگہ شاید ایئر کنڈیشنڈ تھی کیونکہ ہلکی ہلکی خنکی محسوس ہو رہی تھی اور یہ خنکی اسی سوراخ سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی حالات اسے نہیں تھے کہ اپنے اس ٹھکانے کے بارے میں جاننے کی کوشش کی جاتی لیکن میرے کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے اور میں اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ مجھے لانے والے یہاں سے چلے جائیں۔ کافی دیر گزر گئی اس کوئی آہٹ نہیں آ رہی تھی۔ میں نے صندوق کے ڈھکن کو تھوڑا سا اُٹھایا۔

مجھے پہلے ہی ہلکی ہلکی روشنی کا احساس ہو رہا تھا، جب میں نے صندوق کا ڈھکن اُٹھایا تو ایک عجیب و غریب منظر نظر آیا۔ انسانی زندگی پر ایک بہترین عجائب خانہ، پتھروں سے بنی ہوئی تصویریں، مجسمے، بہت بڑا ہال نما کمرہ تھا۔ ایک جانب الماریاں نظر آ رہی تھیں جن کے اندر لاتعداد موٹی موٹی کتابیں سجی ہوئی تھیں، ان کتابوں کے قریب ایک میز موجود تھی جس کے پیچھے ایک ریوالونگ چیئر، سامنے کرسیاں، دبیز قالین ایک انتہائی خوب صورت

جگہ تھی۔ ابھی میں اس جگہ کا جائزہ نہیں لے پایا تھا کہ اچانک ہی ایک طرف روشنی نمودار ہوئی اور میں نے صندوق کا ڈھکن بند کر لیا۔ قدموں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ شاید دو افراد تھے، یہ آوازیں میرے قریب آ کر رُک گئیں۔

میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ہر لمحے مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ ابھی صندوق کا ڈھکن کھل جائے گا اور ساتھ ہی میرا راز بھی گینس کا کوئی نام و نشان نہیں تھا، وہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئی تھی، پھر مجھے ایک آواز سنائی دی۔

''بے شک یہ بہت قیمتی خزانہ ہے، لیکن تم جانتے ہو میری منزل خزانے نہیں ہیں، میں تو علم کے وہ خزانے حاصل کرنا چاہتا ہوں جو بے مثال ہیں اور میری یہی تحقیق میری منزل ہے۔ بے شک خزانے بڑی اہمیتوں کے حامل ہوتے ہیں، لیکن صرف اس حد تک کہ تحقیقی ضرورت میں کام آ سکے۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈاکٹر جبین......! آپ کی شخصیت ایسی ہی ہے۔''

''بس میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ میرے ساتھ رہو اور میرے عمل میں میرے معاون۔''

''نہ صرف میں ڈاکٹر جبین، بلکہ ہم سب دل و جان سے اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔''

تھوڑی دیر تک وہ لوگ باتیں کرتے رہے۔ غالباً صندوق کے پاس سے ہٹ گئے تھے۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ مجھے تو یہ خوف تھا کہ کہیں صندوق کھول نہ لیا جائے۔ ایک بار پھر سناٹا چھا گیا اور میں باہر کی آہٹوں کا انتظار کرنے لگا۔ جب کوئی آہٹ نہ سنائی دی تو میں نے صندوق کا ڈھکن کھولا اور باہر کی سن گن لینے لگا۔ اب آس پاس کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

یقیناً یہ ڈاکٹر جبین کی رہائش گاہ تھی۔ لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے......؟ وہ سمت جس جانب داخلی دروازہ تھا، یں نے دیکھی تھی۔ ایک لمحے تک میں سوچتا رہا اور اس کے بعد صندوق سے باہر نکل آیا اور پھر باہر دیکھ کر دل پر ایک اُداسی چھا گئی۔ یہاں اس صندوق کے علاوہ اور کچھ موجود نہیں تھا۔

''پتا نہیں گینس کہاں ہے......؟''

لیکن میں جانتا تھا کہ وہ اتنی چالاک ہے کہ یہاں سے نکل بھاگے گی، اگر وہ یہاں تک پہنچی ہے تو۔

اچانک میرے ذہن میں ابرانوس کا خیال آیا اور میرے جبڑے بھینچ گئے۔ یہ ناقابل بھروسہ جن میرے لئے عذاب بنا ہوا تھا۔ بلاوجہ اس پر بھروسہ کر لیا کرتا تھا۔ میں نے دانت پیس کر اسے آواز دی۔ لیکن ابرانوس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ دل ہی دل میں، میں نے اسے بہت برا بھلا کہا اور یہ بھی کہا۔

''ابرانوس......! اب تم پر اعتماد کرنا میری سب سے بڑی بے وقوفی ہو گی۔ جب کسی مشکل میں گرفتار ہوتا ہوں تو، تو میرا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔''

بہر حال ابرانوس کے بارے میں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت دُور دُور تک اس کا کوئی پتا نہیں۔ میں دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اندر سے ایک چوکور سی سل نظر آ رہی تھی جو دروازے کی شکل کی تھی۔ ویسے

بھی پتھر ہی کی معلوم ہو رہی تھی۔ یہ دروازہ یقیناً کسی میکنیزم سے ہی کھولا جاتا ہوگا کیونکہ اندر کوئی ہینڈل وغیرہ بھی نہیں لگا ہوا تھا۔

ابھی میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ باہر سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں نے برق رفتاری سے صندوق کی جانب دوڑ لگا دی۔ ڈھکنا کھلا ہوا تھا، میں نے جلدی سے اس میں لیٹ کر ڈھکنا بند کر لیا۔ اصل میں اب بھی مجھے کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی تھی کہ میں صندوق کی مکانیت چھوڑ کر وہاں اپنا ٹھکانہ بنا سکوں۔ میں نے جلدی سے صندوق کا ڈھکنا بند کر دیا۔ قدموں کی چاپ اندر آ گئی تھی اور کوئی اندر داخل ہو گیا تھا لیکن اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ دل ہی دل میں، میں نے سوچا کہ اب کرنا کیا ہوگا......؟

آنے والی شخصیت اگر ایک ہے تو میں اس کی مرمت کر دوں گا اور یہاں سے نکل بھاگوں گا۔ لیکن یہ بھی ممکن نہیں تھا کیونکہ دروازے کو دیکھ چکا تھا، اسے کھولنے کا طریقہ مجھے نہیں معلوم تھا۔

آخر کار قدموں کی چاپ صندوق کے پاس آ کر رک گئی اور دو ہاتھ صندوق کو ٹٹولنے لگے۔ میں نے خوف زدہ انداز میں آنکھیں بند کر لی تھیں۔ صندوق کھل گیا تھا، میں نہیں جانتا تھا کہ آنے والا کون ہے......؟ دوسری طرف مکمل خاموشی طاری تھی۔ لیکن پھر کچھ اُنگلیاں میرے چہرے سے ٹکرائیں۔ وہ مخروطی اُنگلیاں تھیں اور اس کا اندازہ ایک نازک سے لمس سے ہو گیا تھا جو میرے چہرے پر تھا۔ پھر مجھے ایک اور آواز سنائی دی۔

''آہ......! تم آ گئے میرے محبوب......! تم آ گئے، ڈیڈی کہتے ہیں کہ اس صندوق میں خزانہ ہے۔ ہاں......! اس صندوق میں خزانہ ہے۔ لیکن میرے دل کا خزانہ، ڈیڈی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ سنو......! آنکھیں کھولو۔ میری جان......! میری زندگی......! ذرا آنکھیں تو کھولو۔ اگر تم زندہ ہو تو آنکھیں کھولو۔ مجھ سے بات کرو۔ دیکھو میں ایلن ہوں، ایلن جین، اپنی ایلن جین کو پہچانو۔ میرے دوست......! اپنی ایلن جین کو پہچانو۔ میں نے صرف تمہیں خوابوں میں دیکھا ہے اور دیکھو، کس طرح میں نے تمہیں پہچان لیا۔ لیکن میرے خواب بھی تو سچے ہوتے ہیں، سچے ہوتے ہیں میرے خواب۔ اُٹھ جاؤ ناں......! مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ مگر تم مجھے کیا پہچانتے ہوگے......؟ خوابوں میں یک طرفہ شناسائی ہوتی ہے۔ بتاؤ......! تم زندہ ہو یا پھر ڈیڈی ٹھیک ہی کہتے ہیں......؟''

میں نے دل ہی دل میں یہ نام دُہرایا۔

''ایلن جین......! یعنی ڈاکٹر جین کی بیٹی......؟ کیا یہ لڑکی اتنی معصوم ہے یا پاگل ہے......؟ یا پھر مجھے احمق بنا رہی ہے......؟ آہ......! کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈاکٹر جین کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہو......؟''

میں دم سادھے پڑا رہا۔ لڑکی چند لمحے مجھے دیکھتی رہی، پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

''نہیں......! میں کبھی نہیں مانوں گی، کبھی نہیں مانوں گی کہ تم اس دُنیا میں نہیں ہو۔ تم زندہ ہو، تم زندہ ہو، اور سنو......! تم اگر زندہ بھی نہیں ہو تو میں تمہیں زندہ کر سکتی ہوں۔ میں ایسے علوم جانتی ہوں کہ میں تمہیں زندہ کر لوں گی۔ اب مجھے سوچنا پڑے گا کہ تمہیں زندہ کرنے کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا......؟''

دفعتہً لڑکی کی آواز بند ہو گئی۔ میں نے ایک دم تیز روشنی محسوس کی تھی۔ غالباً وہ دروازہ پھر کھلا تھا اور کوئی اندر آ رہا تھا۔ بہت سے قدموں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے بعد مجھے دوبارہ ڈاکٹر جین کی آواز سنائی دی۔

''ارے ایلن جین......! میں تمہیں کہاں کہاں تلاش کر رہا تھا......؟ یہاں کیوں آئی ہو......؟''

''کیوں......؟ کیا مجھ پر پابندیاں لگا دی گئی ہیں......؟ کیا یہ عمارت صرف آپ کی ملکیت ہے ڈیڈی......؟ اور کیا میں غیر تعلیم یافتہ لڑکی ہوں......؟''

''ارے نہیں نہیں......! ایلن بیٹا......! کس نے کہا تم سے یہ......؟ تمہیں شاید یہ اندازہ نہیں کہ یہ وقت ہماری چائے کا ہے اور تمہیں یہ بھی اندازہ نہیں کہ میں تمہارے بغیر چائے نہیں پیتا۔''

''جھوٹ نہ بولئے ڈیڈی......! اتنے عرصے سے کون میرے ساتھ چائے پی رہا تھا......؟ ناشتہ کر رہا تھا، کھانا کھا رہا تھا، کیا میں تنہا نہیں تھی......؟''

''بے بی......! کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں کس قدر اہم مشن پر گیا تھا......؟''

''ڈیڈی......! اس مشن کی واپسی پر آپ نہ جانے کس بیچارے کو پکڑ کر اس صندوق میں بند کر لائے ہیں......؟ کیا یہ واقعی مردہ ہے......؟''

''ایں......؟''

ڈاکٹر جین کی آواز چونکی ہوئی تھی پھر اس نے کہا۔

''اوہ بے بی......! اس میں کوئی زندہ یا مردہ انسان نہیں ہے۔ آؤ تم میرے ساتھ چلو۔ چلو آؤ میرے ساتھ......! تم نہیں جانتیں کہ میں تمہارے لئے کس قدر پریشان تھا۔ آؤ......!''

''لیکن یہ......مردہ انسان......میں اسے زندہ کئے بغیر نہیں رہوں گی ڈیڈی......!''

''ہاں ہاں......! ٹھیک ہے......! چلو آ جاؤ......!''

ڈاکٹر جین نے کہا اور شاید لڑکی کا بازو پکڑ کر اسے گھسیٹا۔ لڑکی کی آواز اُبھری۔

''سنو......! تم زندہ ہو، زندہ رہو گے۔ اگر نہیں ہو تو میں تمہیں زندہ کر لوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''ہاں......! ٹھیک ہے بے بی......! آؤ۔ ہم اس سلسلے میں کسی مناسب وقت بات کریں گے۔ باہر ہال میں چائے پیئوں گا۔''

ڈاکٹر جین کے انداز میں بے حد پیار تھا۔

''لیکن لڑکی سے وہ جس انداز میں بات کر رہا تھا، اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ لڑکی تھوڑی سی کھسکی ہوئی ہے۔ کیا یہ میرے لئے فائدہ مند ہو سکتی ہے......؟''

میں نے دل میں سوچا۔ وہ لوگ چلے گئے۔ لیکن میرے پاس سوچنے کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے

تھے۔

''لڑکی مجھے زندہ کرنا چاہتی ہے، اپنے کسی محبوب کی بات کر رہی ہے، تو پھر جلدی کرے، میری مدد کرے تا کہ مجھے یہاں سے نکلنے کا موقع مل جائے۔''

اس نے مجھے اپنا محبوب کہا تھا، کوئی بہت بڑی غلط فہمی تھی یا پھر...... یا پھر لڑکی ذہنی طور پر بہت ہی غیر متوازن تھی۔ ایک بار پھر دل میں گینس کا خیال آیا۔

''پتا نہیں اس پر کیا گزری......؟''

ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ میں سوچتا اور ایک بار پھر میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''ابرانوس...... ! جواب تو دے دے بد بخت...... ! کہاں مر گیا......؟ لعنت ہے تجھ پر۔''

نہ جانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا۔ وہ لوگ اب چائے پی رہے ہوں گے اور چائے کے ساتھ ممکن ہے دوسرے لوازمات بھی ہوں۔ میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ یہاں کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ کم از کم جہاز میں کھانے کی آسائشیں تو میسر تھیں اور ہم خوراک حاصل کرتے رہے تھے۔

''لیکن اب کیا ہو سکتا ہے......؟''

یہاں تو کتابوں کے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں۔

''آہ...... ! کچھ نہ کچھ کھانے کو ملنا چاہئے، ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے۔''

سوچتا رہا پھر اس وقت رات ہی کا غالباً کوئی پہر تھا جب دروازہ ایک بار پھر کھلا اور دوسری طرف سے آنے والی روشنی سے احساس ہوا کہ کوئی اندر آیا ہے لیکن روشنی اتنی تیز نہیں تھی۔ قدموں کی چاپ پھر میرے قریب آ کر رک گئی اور تھوڑی دیر کے بعد اس ہال نما کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ یقیناً یہاں تیز روشنیاں جلا دی گئی تھیں۔ کچھ جھریوں سے روشنیاں اندر آ رہی تھیں۔ قدموں کے چاپ آہستہ آہستہ بالکل میرے قریب آ کر رک گئی۔ میں نے ایک لمحے کے اندر کچھ فیصلے کئے۔

ایک بار پھر صندوق کا ڈھکن کھلا اور ایک بہت ہی حسین خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ یہ خوشبو میں نے اس وقت بھی محسوس کی تھی جب پہلی بار لڑکی جس کا نام ایلن تھا، میرے پاس آئی تھی۔

''اوہو...... ! تو وہ اس وقت یہاں آئی ہے۔ گویا میری مراد پوری ہوئی ہے۔''

اور اب مجھے بڑی فراست سے کام لینا تھا۔ صندوق کا ڈھکن کھلا اور لڑکی ایک بار پھر میرے چہرے کو ٹٹولنے لگی، پھر درد بھرے لہجے میں بولی۔

''دیکھو...... ! تم جاگ جاؤ، میرے دل کے تار تمہارے دل کے تاروں سے بندھے ہوئے ہیں۔ کیا میں یہ کہوں کہ اگر میری محبت سچی ہے اور میرے خواب سچے ہیں تو تم مجھے زندہ ملو گی...... ! لیکن تم...... تم سو رہے ہو۔ سنو...... ! جاگ جاؤ۔ میری بات مان لو۔ میری اتنی سی بات مان لو۔ تم ایک زندہ انسان ہو، لوگ مجھے پاگل

کہتے ہیں جبکہ میں پاگل نہیں ہوں۔ میں حقیقتوں کی متلاشی ہوں۔ اُٹھ جاؤ، آنکھیں کھول دو، مجھ سے باتیں کرو۔ مجھے اپنی کہانی سناؤ۔ دیکھو...... ! میں ایلن ہوں، میں ایلن ہوں، اگر میرا پیار، میری محبت سچی ہے تو جاگ جاؤ۔ خدا کے لئے جاگ جاؤ۔''

اور اس وقت مجھے اپنے لئے جاگنا تھا، چنانچہ میں نے آنکھیں آہستہ آہستہ پٹپٹائیں۔ لڑکی کی نگاہیں غالباً اس میرے چہرے پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر اس کا چہرہ دیکھا۔

''آہ...... ! کیا بات تھی......؟ انتہائی حسین نقوش کی مالک ایک ایسی لڑکی تھی جسے دیکھ کر بار بار دیکھنے کو دل چاہے۔ اس کے سیاہ بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے اور بیضوی چہرہ انتہائی دلکش نقوش کا حامل تھا۔ اس کے چہرے پر بے اختیار بے پناہ خوشیاں رقصاں تھیں۔ اس کی آنکھیں چراغوں کی طرح روشن ہو گئی تھیں۔ پھر اس کے خوبصورت دانت آب دار موتیوں کی طرح نمایاں ہو گئے۔

''دیکھا ناں، میں ہی سچ کہتی تھی ناں...... ! میری محبت سچی تھی۔ تم...... تم نے میری بات مان لی۔ بہت بہت شکریہ...... ! بہت شکریہ میرے محبوب...... ! اور اب میں ثابت کر سکتی ہوں کہ میں بے حد ذہین ہوں اور ڈیڈی......؟ ڈیڈی اپنے فن میں بالکل نکارہ۔ تم خود سوچو، وہ جو زندہ ہوتے ہیں، وہ مردہ کیسے ہو سکتے ہیں......؟ ڈیڈی آرکیالوجسٹ ہیں۔ مگر میں نے ان کی باتیں کبھی نہیں مانیں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ دُنیا کے ساتھ فراڈ کر رہے ہیں۔ زندہ لوگوں کو ممی بنا کر پکڑ لاتے ہیں اور اپنی تحقیقات پر کتابیں لکھتے ہیں۔ اُٹھو...... ! صندوق میں نہ جانے کب سے لیٹے ہو......؟ تمہاری کمر دُکھ گئی ہوگی۔ اُٹھو میرے محبوب...... ! اُٹھ جاؤ۔''

میں نے خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر میری نگاہیں اس دروازے کی جانب اُٹھ گئیں جہاں سے داخل ہوا جا سکتا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں ڈاکٹر جین یا کوئی اور یہاں نہ آ جائے......؟ وہ غالباً میرا مقصد سمجھ گئی تھی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

PAKISTANIPOINT

''نہیں...... ! ڈیڈی گہری نیند سو رہے ہیں۔ میں ان کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر آئی ہوں۔ اگر وہ اُٹھنے کی کوشش بھی کریں گے تو کم از کم وہ دروازہ کھول کر باہر نہیں آ سکیں گے۔ کیونکہ سارے ملازم اپنے کوارٹروں میں سو رہے ہیں۔ کوئی ان کی آواز نہیں سن سکے گا۔''

''تم کون ہو......؟''

میں نے پہلی بار سوال کیا۔ اپنا لہجہ ذرا مشینی سا بنا لیا تھا تا کہ اسے کسی عجیب سی کیفیت کا احساس ہو۔ وہ پرمسرت لہجے میں بولی۔

''ایلن...... ! ایلن...... ! ڈاکٹر جین کی بیٹی ایلن...... ! اچھا، ایک بات بتاؤ۔ کیا میں تمہیں شکل سے پاگل لگتی ہوں......؟''

''نہیں...... !''

میں نے اسی انداز میں جواب دیا۔

''ویری گڈ......! چلو اُٹھ کر بیٹھ جاؤ۔ کیا لیٹے لیٹے تمہاری کمر نہیں دُکھ گئی......؟ میں تو اگر صبح دیر سے اُٹھوں تو میری کمر میں درد ہو جاتا ہے۔ تم نہ جانے کب سے اس صندوق میں لیٹے ہوئے ہو......؟''

میں نے کہنیوں کا سہارا لیا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''باہر نکل آؤ، میں تمہیں سہارا دوں۔ افوہ......! تمہارا لباس کتنا گندہ ہو رہا ہے۔ خیر......! کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہیں لباس مہیا کر دوں گی۔ اب تم دیکھنا ذرا، میں دُنیا کے سامنے اپنی ہی تحقیق پیش کروں گی۔ ڈیڈی حیران رہ جائیں گے۔ یہ دیکھ کر کہ میں نے تمہیں زندہ کر دیا ہے۔ ہے ناں......! میں نے تمہیں زندہ کر دیا ہے، اور جانتے ہو کہ یہ زندگی تمہیں کیسے ملی ہے......؟ اس لئے کہ میں تم سے پیار کرتی ہوں۔''

اس نے کہا۔

مجھے اب اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ لڑکی کسی قدر خبطی اور پاگل لگتی ہے۔ اس نے خود بھی اظہار کیا تھا کہ لوگ اسے پاگل سمجھتے ہیں۔ لیکن اتنی خوب صورت اور اتنی پیاری تھی وہ کہ مجھے اس کے پاگل پن پر دُکھ ہونے لگا اور اس کے بعد اپنے پاگل پن پر کہ میں ابھی تک یہاں موجود ہوں بلکہ مجھے فوراً یہاں سے نکلنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے کراہتی ہوئی آواز میں اس سے کہا۔

''ایلین......! اب جبکہ تم نے مجھے زندہ کر دیا ہے، تو کیا تم یہ جانتی ہو کہ زندہ انسانوں کو زندگی کی دوسری ضروریات بھی درکار ہوتی ہیں......؟''

''دوسری ضروریات......؟ ارے ہاں......! میں سمجھ گئی، سمجھ گئی، بھوکے ہو ناں......؟''

''تم واقعی بے حد ذہین ہو۔ تمہیں کون پاگل سمجھتا ہے......؟''

''بس......! وہ ڈیڈی صاحب ہی ہیں ناں ذرا ہمارے، زیادہ ہی ناز برداریاں برداشت کرتے ہیں میری۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں ذہنی طور پر کچھ کمزور ہو گئی ہوں۔ کیا میں تمہیں کمزور نظر آتی ہوں......؟ یہ دیکھو، میں نے کیسے پہچان لیا کہ تم بھوکے ہو......؟''

''واقعی......! کمال ہے۔ حالانکہ یہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''سنو......! تم میرا شاہکار ہو۔ میں ڈیڈی کے پُراسرار علوم سے تنگ آ گئی ہوں۔ وہ آرکیالوجسٹ ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ نہ جانے کیا کیا کچھ ہیں......؟ تم نہیں جانتے۔ ان کے بارے میں تم کچھ تفصیلات نہیں جانتے۔''

''ہاں......! یہ سچ ہے، لیکن پہلے مجھے کچھ کھلاؤ، ورنہ شاید میں دوبارہ مر جاؤں۔''

''ارے نہیں نہیں......! آؤ، آؤ میرے ساتھ......! کچن میں بہت کچھ موجود۔ آؤ باہر چلو......!''

''لیکن اگر تمہارے ڈیڈی کے دوسرے ملازموں نے مجھے دیکھ لیا تو......؟''

''بتا تو چکی ہوں ناں کہ اس وقت اندرونی حصہ خالی ہے۔ ملازم بیرونی حصے میں ہیں۔ رات کے وقت کوئی ملازم اندر نہیں ہوتا اور ڈیڈی اپنے کمرے میں سو رہے ہوتے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھو کہ بند ہیں۔ اگر وہ زور زور سے دروازہ بھی پیٹیں گے تو میں دروازہ ہی نہیں کھولوں گی۔ کمرے سے باہر نکلنے کا اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ آجاؤ، اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولی اور میں اس کے ساتھ دروازے سے باہر نکل آیا۔ باہر نکل کر میں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ گیا۔ دروازہ کھولنے کا میکنیزم اب مجھے معلوم ہو چکا تھا۔ یہ ایک نامعلوم سا چوکور خانہ تھا جو دُور سے نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن اسے دبانے سے دروازہ سلائیڈنگ ڈور کی طرح ایک طرف ہٹ جاتا تھا۔ وہ غالباً پتھر ہی کا بنا ہوا دروازہ تھا۔

دوسری طرف پہنچ کر مجھے حیرت ہوئی۔ کیونکہ دروازہ بند ہونے کے بعد دیوار میں دروازے کا پتا نہیں چلتا تھا۔ اسے انتہائی نفاست سے بنایا گیا تھا۔ جس جگہ میں پہنچا، وہ اعلیٰ فرنیچر سے آراستہ تھی۔ اس کمرے کو بھی نشست گاہ کہا جاسکتا تھا۔ چاروں طرف خوب صورت آبنوسی فرنیچر سجا ہوا تھا، لیکن لڑکی اس کمرے میں نہیں رُکی اور آگے بڑھتی رہی۔ پھر وہ ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔

''بیٹھو......! یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ڈیڈی کا کمرہ یہاں سے بہت دُور ہے۔ میں تمہارے لئے کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔''

''اور لباس کا بھی......؟''

میں نے کہا۔

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ ڈیڈی کا لباس تمہارے بدن پر یقیناً ٹھیک ہوگا۔ بس......! وہ تم سے قد میں ذرا بڑے ہیں۔ لیکن کوئی بات نہیں......! چل جائے گا۔''

وہ بولی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی میں نشست سے کھڑا ہو کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ اگر کسی طرح ڈاکٹر جین اپنے کمرے سے نکل آئے تو بھاگنے کے لئے مجھے کون سا راستہ مل سکتا ہے......؟ بدن میں واقعی شدید کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ بھوک اور پیاس سے جان نکلی جا رہی تھی۔

بہرحال تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک خوب صورت ٹرالی میں کھانے پینے کی اشیاء اور کافی کا سامان سجائے اندر داخل ہوئی۔ اس وقت یہ لڑکی میرے لئے فرشتہ ہی تھی۔ میں ٹرالی پر ٹوٹ پڑا۔ ایلن مجھے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی۔ میں نے اخلاقاً اس سے کھانے کے بارے میں پوچھا بھی نہیں تھا۔ لیکن وہ اپنے اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ رہی تھی۔ اس نے اپنے اور میرے لئے کافی بنائی اور خود میرے سامنے بیٹھ گئی۔ پھر وہ خاموشی سے کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی رہی اور کچھ دیر کے بعد بولی۔

''اور کوئی چیز لاؤں......؟ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم واقعی بہت بھوکے تھے......؟''

’’نہیں......! میں تو اب یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہارے احسان کا بدلہ میں کس طرح ادا کروں گا......؟‘‘

’’کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ تم بھی تو میری خوشی کے لئے جاگ اُٹھے ہو۔ کب سے سو رہے تھے اس صندوق میں......؟‘‘

’’شاید صدیوں سے......!‘‘

میں نے ایک کراہ کے ساتھ جواب دیا۔

’’اوہ......! مگر تمہارا لباس تو اتنا پرانا نہیں ہے کہ تم صدیوں پرانے آدمی معلوم ہو، اور پھر تم تو میرے خوابوں میں آیا کرتے تھے۔ اگر تم اتنے پرانے تھے تو میرے خواب میں پھر کیسے آگئے......؟ میرے خواب تو نئے ہیں ناں......؟‘‘

’’ہاں......! واقعی، مگر تم نے مجھے زندہ کر دیا۔‘‘

’’اچھا......! اب میں چلتی ہوں۔ تمہارے لئے لباس لے آؤں۔ دیکھو وہ سامنے غسل خانہ ہے، تم اس میں چلے جاؤ۔ میں ابھی تمہارے لئے لباس لے آتی ہوں۔‘‘

’’ہاں......! لے آؤ۔‘‘

اس نے کہا اور دروازے کی جانب مُڑ گئی۔ پھر دروازے پر رُک کر بولی۔

’’میں کپڑے تمہیں دروازے پر دے دوں گی۔ جاؤ نہا لو پلیز......! پتا نہیں کب سے نہیں نہائے ہو گے......؟ شاید صدیاں ہو گئی ہوں گی۔‘‘

وہ ایک بار پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں اللہ کا نام لے کر غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ گرم پانی نے جسم کے تمام مسامات کھول دیئے تھے۔ اب تک میں جس عذاب میں مبتلا تھا، اچانک ہی سر سے اُتر گیا تھا۔

’’لڑکی مجھے لباس لا دے تو کسی نہ کسی طرح اسے بہلا پھسلا کر یہاں سے نکل جاؤں۔‘‘

اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی۔

کچھ لمحوں کے بعد غسل خانے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میں نے دروازہ کھول کر اس کے ہاتھ سے لباس لے لیا۔ یہ قیمتی سوٹ تھا۔ قمیص کے ساتھ ٹائی بھی تھی۔ میں نے پتلون پہنی تو پائنچے ایڑھیوں سے نیچے جاتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ڈاکٹر جین کے قد و قامت کا میں نے صحیح انداز نہیں لگایا تھا، لیکن بہر حال اس کے پائنچوں کی لمبائی دو تین انچ نیچے تھی۔ تاہم میں نے پائنچے نیچے سے موڑ لئے اور قمیص پہن کر باہر نکل آیا۔ اس نے ٹائی میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

’’ٹائی بھی ہے، اور یہ خوش قسمتی ہے کہ ڈیڈی نے یہ سوٹ دوسرے کمرے میں لٹکا دیا تھا۔ اگر وہ اسے اپنے ہی کمرے میں لٹکا دیتے تو اس کا حصول میرے لئے ممکن نہیں تھا کیونکہ ڈیڈی کی الماری ان کے کمرے میں ہی ہے اور کمرے کا دروازہ میں نے باہر سے بند کر رکھا ہے اور اسے کھولنے کا خطرہ نہیں مول لیا جا سکتا۔‘‘

وہ ہنس پڑی، پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولی۔

’’جوتے بھی ہیں، جوتے بھی پہنو، سوٹ پہنو، ٹائی باندھو، میں دیکھوں گی کہ ایک مردہ آدمی جدید دور میں زندہ ہو کر کیسا لگتا ہے......؟‘‘

میں نے ٹائی باندھ کر کوٹ پہن لیا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

’’ڈیڈی کی تمام تھیوری بیکار ہو کر رہ گئی۔ اب دیکھو ناں، وہ تو قدیم دور پر ریسرچ کر رہے ہیں، لیکن میری ریسرچ میرے سامنے ہے۔ انسان ہر دور میں ایک جیسا ہوتا ہے۔ صرف لباس اور خیالات کا فرق ہوتا ہے، کیا سمجھے......؟‘‘

’’بالکل ٹھیک......!‘‘

میں نے جلدی سے جواب دیا۔

’’اب مزہ آئے گا۔ ڈیڈی نہ جانے اپنے اس ریسرچ سینٹر کو کہاں کہاں تلاش کرتے پھریں گے......؟ ان کی ریسرچ میرے پاس موجود ہے۔‘‘

’’ہاں......! بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ ممی کہاں ہیں تمہاری......؟‘‘

’’ممی......؟ وہ تو کبھی تھیں ہی نہیں، بس ڈیڈی ہی تھے۔‘‘

اس نے کسی قدر افسردہ ہو کر کہا اور پھر اس کے چہرے پر غم کے گہرے سائے نظر آنے لگے، وہ بولی۔

’’میں سوچتی ہوں کہ اگر میری ماں ہوتی تو پھر کیسا لگتا مجھے......؟ ایک بات بتاؤ......!‘‘

’’ہاں ہاں......! پوچھو......!‘‘

’’تمہاری مما تھیں......؟‘‘

اس نے سوالیہ انداز میں کہا اور میں بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر جلدی سے بولا۔

’’ہاں......! تھیں، کبھی تھیں لیکن اب نہیں ہیں۔‘‘

’’اب تو خیر کوئی بھی نہیں ہو گا تمہارا، صدیوں پرانی بات ہے، ڈیڈی نے واقعی تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ تم اس چھوٹے صندوق میں مطمئن اور خوش تھے......؟‘‘

’’نہیں......! بالکل نہیں......!‘‘

’’کیا اس میں کوئی خزانہ بھی موجود ہے......؟‘‘

’’مم...... مجھے نہیں معلوم......!‘‘

میں نے جواب دیا۔

’’خیر کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں......! یہ بتاؤ کہ اب تم کرو گے کیا......؟‘‘

''میں صبح کو ڈیڈی کے ساتھ ناشتہ کرتی ہوں، لیکن میں تمہیں ناشتہ پہنچا دوں گی۔ تم اس کی فکر مت کرنا۔ آؤ......! میں تمہیں تمہارے آرام کے لئے بھی جگہ بتا دوں۔ تم آرام سے سو جانا۔''

''بہت بہت شکریہ......!''

میں نے اس سے کہا، اس کے بعد وہ مجھے اس کمرے سے نکال لائی۔ پھر اس نے ایک دوسرے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''یہاں کوئی نہیں رہتا، اس لئے یہ تمہارے لئے بہت اچھی جگہ ہے۔ تم چاہو تو میں یہ دروازہ باہر سے بند کر دوں تاکہ کسی کو شک ہی نہ ہو سکے۔''

''نن......نہیں......! بالکل نہیں۔ دروازہ کھلا ہی رہنے دینا۔ میں خود ہی احتیاط کروں گا۔''

میں نے گھبرا کر کہا۔

''اوکے......! پھر آرام سے سو جاؤ۔ ناشتہ ذرا دیر سے ملے گا۔ لیکن ڈیڈی دس ساڑھے دس بجے چلے جائیں گے۔ انہوں نے مجھے اپنا پروگرام بتایا تھا۔''

''اوکے ڈیئر ایلن......! خدا حافظ......!''

میں نے اس سے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ معصوم لڑکی اپنی معصومیت میں میرے کام آ گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر جین کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اس نے ایک ایسی شخصیت کو آزاد کر کے بھگا دیا ہے تو پتا نہیں اس کی کیا کیفیت ہوگی......؟ لیکن مجھے اس وقت کسی کی کیفیت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ بس تھوڑا سا وقت گزر جائے تو میں یہاں سے نکل بھاگوں۔

میرے لئے یہ جگہ بالکل اجنبی تھی اور میں یہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا کہ میں کون سے شہر میں ہوں......؟ اور اس کی نوعیت کیا ہے......؟ ویسے ڈاکٹر جین نے ایران کا نام لیا تھا تو ظاہر ہے ایران میں ہی ہوں گا۔

ایران کے بارے میں میری معلومات کچھ بھی نہیں تھیں۔ چنانچہ اب جو کچھ بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک میں انتظار کرتا رہا۔ پھر میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ رات کی تاریکی میں سناٹے کی حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ یہ بات مجھے پتا چل چکی تھی کہ ملازم اپنے اپنے کوارٹروں میں سو رہے ہیں۔ چنانچہ میں راہ داری میں نکل آیا اور راہ داری عبور کر کے اندازے کی بناء پر عمارت کی بیرونی سمت کی جانب بڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں صدر دروازے سے باہر تھا۔ باہر ایک خوب صورت سا لان تھا۔ ایک سائیڈ میں تین چار کوارٹر بنے ہوئے تھے۔ یقیناً یہی ملازموں کے کوارٹر تھے۔

''اس کا مطلب ہے کہ ڈاکٹر جین یہاں کے دولت مند لوگوں میں سے ہے۔''

مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ کمپاؤنڈ میں کار کھڑی ہوئی تھی، لیکن اب اس کار سے مجھے کوئی

دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا چنانچہ سامنے سے نکلنے کی بجائے میں نے کمپاؤنڈ کی دیوار پھلانگی اور یہاں سے باہر نکلنے کا کام کر ڈالا۔

باہر رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور اس تاریکی میں، میں کسی سمت کا تعین کئے بغیر چل پڑا۔ میں جس سمت سفر کر رہا تھا یہاں گھاس کا ایک چھوٹا سا میدان پھیلا ہوا تھا۔ اِکا دُکا مکانات میں روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں تن بہ تقدیر تھوڑی دیر چلتا رہا اور پھر ایک پکی سڑک پر پہنچ گیا جو سیدھی چلی جاتی تھی۔ سڑک پر پہنچ کر میں نے کنارے کنارے چلنا شروع کر دیا۔ سڑک پر لاتعداد روشنیاں لگی ہوئی تھیں اور وہ پوری طرح روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ لیکن میرے پاس خود کو چھپانے کے لئے کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ بس یہ سوچ رہا تھا کہ کسی مناسب جگہ پہنچ جاؤں تاکہ ڈاکٹر جین مجھے تلاش نہ کر سکے۔ البتہ اب اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ وہ فوری طور پر میرے پاس پہنچ جائے۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد بائیں سمت ایک چوراہا نظر آیا اور میں اس طرف چل پڑا۔ چوراہے سے ایک سمت اختیار کر کے آخرکار ایک شبینہ ریستوران نظر آیا جس پر فارسی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

میرے دل میں ایک دم سے خیال پیدا ہوا کہ میں وہاں جاؤں لیکن مجھے اس بات کا بھی خیال آیا کہ میرے پاس تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ میں نے بے بسی کے عالم میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جیب میں پرس موجود ہے۔ بے اختیار ہو کر پرس کھولا اور یہ دیکھ کر سکون کی سانس لی کہ پرس میں مقامی کرنسی کے کافی نوٹ موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ کاغذات اور دوسری چیزیں بھی تھیں۔ باہر لگے کھمبے کی روشنی میں کھڑے ہو کر میں نے دوسری جیبوں کی تلاشی لی۔ مجھے کئی ایسی چیزیں ملیں جن کا تعلق ڈاکٹر جین سے تھا۔ تب ایک دم مجھے خیال آیا کہ یہ وہی لباس ہے جو ڈاکٹر جین کی بیٹی نے مجھے دیا تھا اور اس لباس میں ہی ڈاکٹر جین کا پرس وغیرہ بھی پڑا ہوا تھا۔

''اوہ میرے خدا......! یہ تو میری بڑی مدد ہوئی ہے۔''

اس وقت میرے قدم ریستوران کی جانب اُٹھ گئے۔ اب مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔ لوگ مختلف قسم کی تفریحات میں مشغول تھے۔ شبینہ ریستوران میں رات کے اس پہر گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ میں ایک خالی میز کی طرف بڑھ گیا۔ اس میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ کر میں نے اس کی پشت پر گردن ٹکا لی۔ ایک ویٹر میرے قریب آیا تو میں نے انگریزی میں اس سے چائے طلب کی اور وہ گردن خم کر کے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد چائے کے خوب صورت برتن میرے سامنے لگا دیئے گئے۔

چائے پینے کا قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کیونکہ کافی کی کئی پیالیاں پی چکا تھا۔ لیکن یہاں بیٹھنے کے لئے کچھ نہ کچھ ضروری تھا۔ چائے آ گئی اور میں نے مستقبل کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ چائے کی پیالی سے بھاپ کی لکیر سی اُٹھ رہی تھی۔ لیکن دفعتہً ہی لکیر مجھ سے دُور ہونا شروع ہوگئی اور چائے کی پیالی کھسک کر میز کے

دوسرے کنارے تک پہنچ گئی۔ میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکی تھی، لیکن دوسرے لمحے مجھے اپنے کانوں میں ابرانوس کی آواز سنائی دی۔

''تمہاری چائے میں پی رہا ہوں ورنہ میرے لئے دوسری چائے منگواؤ۔''

ایک دم غصے سے میری تیوریاں چڑھ گئیں اور میرے حلق سے غرائی ہوئی آواز نکلی۔

''تم...... تم پھر آگئے......؟''

''کیوں بگڑ رہے ہو......؟''

''دیکھو ابرانوس......! تم میرا پیچھا چھوڑ دو، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ یقین کرو کہ بس...... بس......''

میں بے بسی سے خاموش ہوگیا۔ ظاہر ہے، میں اسے کیا دھمکی دے سکتا تھا......؟ ابرانوس کی ہلکی سی آواز میرے کانوں میں اُبھری۔

''تم پریشان کیوں ہو......؟''

''تم مجھے اس تہہ خانے میں کیوں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے......؟ تم ہو کیا چیز آخر......؟''

''یاد رکھو، مجھ پر پابندی عائد نہ کرو۔ میں تمہارے ذریعے اس دُنیا میں جینا چاہتا ہوں۔ لیکن......''

''لعنت ہے تم پر اور لعنت ہے مجھ پر۔ تم ہر جگہ اپنی مرضی سے آجا رہے ہو۔ میرا ذریعہ کیوں پکڑ رکھا ہے تم نے......؟''

''تو پھر کیا کروں......؟ کوئی نہ کوئی تو ساتھی ہو جس سے میں بات کرسکوں۔ ہم جن بے شک تمہارے ساتھ رہتے ہیں لیکن ہر جگہ سے تو واقف نہیں ہوتے۔''

''لعنت ہے مجھ پر اور لعنت ہے تم پر بھی......!''

''آخر اتنا غصہ کیوں کررہے ہو......؟ وجہ تو بتاؤ......!''

''تم یہاں کیسے پہنچے......؟ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں موجود ہوں......؟''

''فضاؤں میں تمہاری بو سونگھی اور یہاں آگیا۔ مجھے پتا چل گیا تھا کہ تم تہہ خانے سے نکل بھاگے ہو۔''

''مگر میں تو کسی تہہ خانے میں داخل ہی نہیں ہوا تھا۔''

''میرے سامنے جھوٹ بول رہے ہو......؟''

''یقین کرو میرے دوست......! میں کسی تہہ خانے میں نہیں داخل ہوا تھا۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ مجھے کسی تہہ خانے میں قید کیا گیا ہے......؟''

''بس......! جو کچھ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، مجھے بہت زیادہ دقت نہیں ہوتی۔''

''مگر تم مر کہاں گئے تھے......؟''

''جو ایک بات میں تمہیں بتا چکا ہوں، میں زبونا کے پیچھے گیا تھا۔''

''زبونا......؟''

میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ارے یار......! وہی لڑکی جس کا نام گینس ہے۔ کیا سمجھے......؟''

''اوہ......! تم بتا چکے ہو مجھے۔ لیکن یار......! جن اس طرح فرار تو نہیں ہوتے۔''

''فراڈی تو میں بھی نہیں ہوں۔ بس یوں سمجھو کہ اس دُنیا کو میں نے بڑی عجیب شکل میں دیکھا ہے۔ بس میرا ہی تھوڑا سا مسئلہ ہے زبونا کے ساتھ۔''

''اب میں تم سے کیا کہوں......؟''

''کچھ نہ کہو۔ میں تو تمہارے وجود کا ایک حصہ ہی ہوں۔''

''میں اب ایسی باتیں نہیں سننا چاہتا۔ جب تمہارا دل چاہتا ہے، مجھے مصیبت میں چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہو۔''

''یار......! میں تمہیں کیا بتاؤں......؟ اب مجھے شرم بھی تو آتی ہے۔ زبونا سے میری بڑی دوستی تھی۔ بے شک وہ میری خادمہ تھی، لیکن مجھے اتنا چاہتی تھی کہ...... کہ میں تمہیں کیا بتاؤں......؟''

''مگر وہ چلی کہاں گئی......؟''

''پتا نہیں کہاں گئی......؟ میرا خیال ہے، کسی نے وظیفہ پڑھ کر اسے بھی قبضے میں کرلیا ہے۔''

''کیا مطلب......؟ کیا ایسا ہوسکتا ہے......؟''

''سب کچھ ہوسکتا ہے، ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ وہ جو ڈاکٹر جین ہے نان، بہت خطرناک انسان ہے۔ وہ تنہا وہاں نہیں گیا تھا، بلکہ اس کے ساتھ پورا گروہ بھی تھا اور یہ خزانہ اس نے بڑی چالاکی سے حاصل کیا ہے اور آپس میں تقسیم کرلیا ہے۔ تم یوں سمجھ لو کہ صندوق میں جو کچھ ہے، وہ ڈاکٹر جین کا حصہ ہے۔ اربوں کی مالیت کا ہے وہ خزانہ۔

اور میرا تو یہ اندازہ ہے کہ ڈاکٹر جین جنوں کو قبضے میں کرنے کا کوئی منتر جانتا ہے اور اس منتر کے ذریعے اس نے زبونا کو بھی اپنی قید میں کیا ہوا ہے۔ بہرحال زبونا کے بارے میں تمہیں کچھ معلوم ہے......؟''

''کیا......؟''

''وہ لڑکی جو گینس کے نام سے تھی، جسے ایک شخص اپنے ساتھ لے گیا تھا، بس یوں سمجھ لو کہ اس نے لوگوں پر دہشت بٹھا دی، پانچ آدمیوں کا گروہ تھا جو اس سے معلومات حاصل کرنے کے لئے اس کے گرد جمع تھا۔ اس نے پستول نکال کر فائرنگ شروع کردی اور اس کے بعد جو تماشہ ہوا، وہ قابل دید تھا۔ ان لوگوں کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ وہ ایسے بھاگے کہ پلٹ کر نہ دیکھا اور وہ وہاں سے نکل گئی۔''

''اوہو......! وہ وہاں سے کہاں گئی......؟''

''اس وقت وہ ہوٹل میں مقیم ہے۔''

''کون سے ہوٹل میں......؟''

''تم اگر چاہو تو میں تمہیں اس عمدہ ہوٹل میں قیام کے لئے جگہ دلوا سکتا ہوں۔''

''ہرگز نہیں......! اور خاص طور سے وہاں نہیں جہاں تم چاہو گے۔''

میں نے غصیلے لہجے میں کہا اور ابرانوس ہنسنے لگا۔

''یار......! بڑے مزے کے دوست ہو۔ غصہ کرتے ہو تو دل خوش ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم اسی ہوٹل میں قیام کریں گے جس میں زبونا مقیم ہے۔ وہاں پر ایک کمرہ حاصل کر لو، زبونا کے بالکل قریب، تاکہ تمہاری اس سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ میں تو خیر جن ہوں، لیکن تم تو ہو، میری محبت تمہارے اندر شامل ہو کر زبونا کی قربت اختیار کر سکتی ہے۔ کیا سمجھے......؟ اب میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میرے دل میں اس کے لئے کیا ہے......؟ میرے دوست......! میری یہ بات مان لو۔''

ابرانوس کی آواز دردناک ہو گئی۔

''بس......! میں کیا کہوں تم سے......؟ میں تو خود بے بس آدمی ہوں۔ میرے ساتھ کتنی پریشانیاں چل رہی ہیں، تم کیا جانو......؟ تم جانتے ہو ناں، یہاں کن حالات میں داخل ہوا ہوں......؟ ملکوں کے قوانین ہوتے ہیں، ہر آدمی ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے لئے پاسپورٹ اور ویزے وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر کاغذات کا آدمی ایک مجرم ہوتا ہے اور میں اسی طرح کا ایک مجرم ہوں۔ اگر پولیس کا ہاتھ مجھ تک پہنچ گیا تو بچنا مشکل ہو جائے گا، اور پھر سنا ہے کہ ایرانی پولیس بہت سخت ہے۔''

''تو میں جو موجود ہوں۔ فکر کیوں کرتے ہو......؟ میں فضاؤں میں تمہاری بو سونگھ کر پہنچ سکتا ہوں۔ اگر میں کبھی موجود نہ ہوں اور تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی نہ کسی کو تلاش کرتا ہوا تم تک پہنچ ہی جاؤں گا۔ بس یہ الگ بات ہے کہ میں خود کسی چکر میں نہ پھنس جاؤں۔ اب دیکھو ناں، مجھے ان عاملوں سے بہت ڈر لگتا ہے جو جنوں کو قبضے میں کرنے کے لئے نہ جانے کیا کیا حرکتیں کرتے پھرتے ہیں......؟ تم فکر نہ کرو۔ ہم چلتے ہیں یہاں سے، میں تمہیں بتاؤں گا کہ کون سا کمرہ لینا ہے۔''

آخر کار مجھے وہی کرنا تھا جو ابرانوس کہے اور ویسے بھی ابرانوس بعض جگہ میرے لئے بڑا مددگار ثابت ہوا تھا۔ اسے اس طرح نظر انداز کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔ بہرحال ہم ایک انتہائی شاندار ہوٹل میں پہنچ گئے جس کا نام فانوس تھا۔ فانوس واقعی بہت ہی اعلیٰ درجے کا ہوٹل تھا۔ اس کے ریسیپشن پر سناٹا طاری تھا اور چند لمحوں کے بعد میں اس ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ابرانوس میرے ساتھ ساتھ ہی تھا، مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرے بالکل قریب ہی ہے، کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے کہا۔

''تمہارے پاس ضرورت کا سارا سامان پہنچ جائے گا، آرام کرو، میں تمہارے پاس ہی ہوں، کسی قسم کی فکر مت کرنا۔''

میں نے جوتے وغیرہ اُتارے اور بستر پر لیٹ گیا۔ اس وقت میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی لباس نہیں تھا۔ کئی بار ابرانوس کے بارے میں سوچا، لیکن مجھے اس کی دوستی ناپائیدار ہی محسوس ہوئی تھی۔ اس کے اپنے بھی کچھ مسائل تھے، بہرحال مجھے اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ کوئی ایسا عمل کروں جس سے میری اپنی بھی کوئی حیثیت بن جائے، کافی دیر تک سوچتا رہا تھا اس کے بعد نیند آ گئی۔

دوسری صبح جاگا تو سورج چڑھ چکا تھا۔ دُھوپ کی کرنیں جگہ جگہ سے اندر آ رہی تھیں۔ کیونکہ میں نے پردے ٹھیک نہیں کئے تھے، اس لئے دُھوپ اندر آ رہی تھی۔ میں نے ایک طویل انگڑائی لی اور ابرانوس کو پکارا تو اس کی آواز میرے ذہن میں سنائی دی۔

''ہاں میری جان...... ! میں تمہارے پاس ہی ہوں۔''

اس کی آواز سنتے ہی میں نے اس کی شان میں قصیدہ گوئی کی اور بستر سے اُٹھ کر غسل خانے کی طرف چل پڑا۔ غسل خانے میں داخل ہو کر لباس اُتارا اور شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ نہاتے ہوئے میری نگاہ ایک سمت پڑی تو وہاں میں نے ایک انتہائی نفیس اور خوب صورت لباس رکھا ہوا دیکھا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لیکن دوسرے لمحے پتا چلا کہ ابرانوس میرے ساتھ ہے۔ چنانچہ یہ لباس اسی نے مہیا کیا ہے، لباس میرے جسم پر بالکل درست تھا۔ لباس پہن کر باہر نکل آیا اور ایک بار پھر میں نے اسے آواز دی۔

''ہاں......! موجود ہوں۔''

''یار......! کیا غسل خانے میں بھی تم میرے ساتھ ہوتے ہو......؟''

میں نے کہا اور ہنس پڑا۔

''ہاں...... ! میں تو تمہارے وجود میں ہی ہوں۔ میں دُنیا سے لطف اندوز ہو رہا ہوں ورنہ ایک جن کو کبھی کسی سے لطف نہیں حاصل ہو سکتا۔''

''پیٹ خالی ہے اس وقت کچھ نہیں بوجھ سمجھوں گا۔''

''تو پھر ادھر آ جاؤ۔ میں نے ناشتہ منگوا لیا ہے۔''

ابرانوس نے کہا اور میں نے سینٹر ٹیبل کی طرف دیکھا۔ اس پر ناشتہ لگا ہوا تھا۔

''تمہارے نام پر میں نے ویٹر سے منگوا لیا۔''

''بڑی عنایت ہے تمہاری......!''

''میں تمہاری تمام محرومیاں دُور کر دوں گا۔ تم فکر مند کیوں ہوتے ہو......؟''

ابرانوس نے کہا اور میں ناشتے میں مصروف ہو گیا۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں صوفے پر

بیٹھا تھا۔ ابرانوس میرے پاس موجود تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا۔

''تم مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے......؟''

''ہاں......! اپنے بارے میں تمہیں بتا رہا تھا۔''

اس نے کہا۔

''مثلاً......؟''

میں نے سوال کیا۔

''مثلاً یار......! یہ کہ تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں جنوں کی دُنیا میں برا جن قرار پایا ہوں۔ بہت سی پابندیاں میرے اوپر لگا دی گئی ہیں۔ عامل وظیفہ پڑھ کر مجھے قابو میں کرنے کے چکر میں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ میں تمہیں اس ٹوٹی حویلی میں دستیاب ہوا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس دُنیا کی تفریحات میں تم مجھے شریک رکھو، اور سنو......! تم کسی جگہ قیام مت کرو۔ زیادہ سے زیادہ متحرک رہو تا کہ میری خوشیاں پوری ہوتی رہیں۔''

''زبونا کے بارے میں کیا آئیڈیا ہے......؟''

''میں تمہیں بتا چکا ہوں، وہ میری پسندیدہ کنیز تھی۔ اب جبکہ وہ نئی شکل میں میرے قریب آئی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اس کا تھوڑا سا قرب ضرور رہے اور ہمیں اس نئی شکل میں اس کی بھی مدد کرنی چاہئے۔ جو کہانی اس نے سنائی ہے، تم یہ بتاؤ، کیا وہ دلچسپ نہیں ہے......؟ آخر اپنے نئے روپ میں کون ہے......؟ کیا ہے......؟ میں یہ مان لیتا ہوں کہ جس طرح تم پریشان حال ہو، اسی طرح وہ بھی پریشان ہے۔ خیر......! ہم اس کے لئے کچھ کر دیں تو کیا یہ اچھی بات نہیں ہے......؟''

''کیا تم اپنی قوتوں سے کام لے کر اس کا مسئلہ حل نہیں کر سکتے......؟''

''نہیں......! اس لئے کہ یہ میرے بس سے باہر ہے۔ تم اس کی مدد کرو۔ تھوڑی سی تفریح سہی، آخر حرج ہی کیا ہے......؟''

''اور اگر مجھے کوئی نقصان پہنچ گیا تو......؟''

''اس کی ذمے داری میں لیتا ہوں۔ اگر تم کسی چکر میں پھنس گئے تو بے فکر ہو جاؤ۔''

''ٹھیک ہے......! مجھے کیا فرق پڑتا ہے......؟ میرے لباس وغیرہ اور بھی ہیں یا بس یہ ہی......؟''

''الماری بھری پڑی ہے، لو کھول کر دیکھ لو۔ میں نے سب سے پہلا کام یہی کیا ہے۔ تمہیں ہر چیز ملتی رہے گی۔ جس جگہ دولت کا حصول چاہو گے، وہاں دولت تمہارے قدموں میں ڈھیر ہو جائے گی۔''

''بڑی بڑی باتیں کرتے ہو اور موقع پر بھاگ نکلتے ہو۔''

''تم بے فکر رہو۔ ہو سکے گا تو تم سے زیادہ دُور نہیں رہوں گا۔''

''چلو چھوڑو......! اب یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں......؟''

''زبونا سے ملاقات......!''

''وہ اپنے کمرے میں موجود ہے۔''

''ہاں......!''

''تو پھر مجھے اس کے سامنے ذرا مختلف انداز میں آنا پڑے گا۔ دیکھتا ہوں وہ مجھے پہچانتی ہے یا نہیں......؟''

''باقی سب کام تمہارا ہے۔ کیا سمجھے......؟ تم اپنا کام شروع کرو، میں تو صرف ایک دیکھنے والی نگاہ رکھتا ہوں۔''

اس نے جواب دیا۔

بڑا دلچسپ مشغلہ تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کا جس طرح بھی تیا پانچہ ہوا تھا، وہ بہت خراب تھا۔ لیکن ساری صورتِ حال تھی دلچسپ۔ میں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ جس کمرے کے بارے میں ابرانوس نے مجھے بتایا تھا، اس کا دروازہ بند تھا۔ اس بند دروازے کے پیچھے گینس موجود تھی۔ میں ابھی اس دروازے سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکل آئی۔ بیش قیمت اور حسین لباس میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ میں انتظار کرنے لگا کہ وہ آگے بڑھ کر لفٹ میں داخل ہو جائے تو میں بھی اس کے ساتھ ہی لفٹ میں پہنچوں، دیکھوں کہ وہ کس قسم کے تاثرات کا مظاہرہ کرتی ہے۔

پھر یہی ہوا۔ جوں ہی وہ لفٹ میں داخل ہوئی، میں بھی دروازہ کھول کر اندر پہنچ گیا۔ اس نے سرسری نگاہ مجھ پر ڈالی اور پھر بری طرح چونک پڑی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ دوسرے لمحے اس نے اپنا رُخ تبدیل کر لیا۔ میں نے بھی اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ نیچے اُتری اور اس کے بعد ہوٹل کے دروازے سے باہر نکل گئی۔ میں اس سے کچھ فاصلے پر اس کا تعاقب کر رہا تھا، میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے پہچاننے کے باوجود مجھ سے اجتناب برت رہی ہے، مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر چل پڑی۔

میرے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں بھی اس کا تعاقب کروں۔ چنانچہ دوسری ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے ڈرائیور کو اس کی ٹیکسی کا پیچھا کرنے کے لئے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد دونوں ٹیکسیاں اس خوب صورت علاقے میں داخل ہو گئیں جہاں پُر رونق بازار تھے۔

گینس نے ٹیکسی کا بل ادا کیا اور آگے بڑھ گئی۔ میں نے بھی وہی عمل دُہرایا اور اب ہم ایک فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔ اس نے دو تین بار پلٹ کر مجھے دیکھا تھا اور اس کے چہرے پر اُلجھن سی پھیل گئی تھی۔ وہ دیر تک بازار میں چہل قدمی کرتی رہی، کسی دُکان میں داخل نہیں ہوئی۔ خاصے فاصلے پر پہنچنے کے بعد اچانک وہ رُک گئی۔ اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات اُبھر آئے تھے۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا اور آخر کار اس کے قریب

پہنچ گیا۔

''آپ میرا پیچھا کر رہے ہیں جناب......؟''

اس نے انگریزی میں کہا۔

''جی......؟''

''کیا یہ بدتمیزی نہیں ہے......؟''

''ہوسکتا ہے، لیکن آپ نے جس طرح مجھ سے ناواقفیت کا اظہار کیا ہے، میرے خیال میں یہ خود ایک بڑی بدتمیزی ہے۔''

''کیا فضول آدمی ہیں آپ......! میں بھلا آپ کو کب جانتی ہوں......''

''یہ بھی ایک بدتمیزی ہے۔''

میں نے کہا۔

''دیکھئے......! آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں آپ کو بالکل نہیں جانتی اور اس کے بعد میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ میرا پیچھا نہ کریں، ورنہ میں پولیس سے رابطہ قائم کراؤں گی۔''

''کیوں بھائی......! اب کیا کہتے ہو......؟''

میں نے ابرانوس سے دل ہی دل میں کہا اور اس کی آواز میرے ذہن میں گونجی۔

''بولنے دو، بولنے دو، سچ بھی بولے گی۔ کیا حرج ہے......؟ تھوڑی دیر جھوٹ بولنے دو اسے۔''

ابھی میرا رابطہ ابرانوس سے ہی تھا کہ اس نے ایک اور ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹیکسی ہوا ہوگئی تھی۔ آس پاس کوئی دوسری ٹیکسی بھی نہیں تھی، اس لئے وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

''اب بولو کیا کہتے ہو......؟''

''کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے، جائے گی کہاں......؟ تمہیں اس کی رہائش گاہ معلوم ہے۔''

''ہوں......! مگر ایک بات بتاؤ ابرانوس......! اب ہمیں اس سے کیا لینا دینا ہوگا......؟''

''یار......! تفریح، اس کے علاوہ ہمیں اور کیا چاہئے......؟ پتا نہیں تمہارے ذہن میں جھلاہٹ کیوں ہے......؟ پتا نہیں لوگ کس کس طرح کوشش کر کے سیاحت کرتے ہیں......؟ اور تم ہو کہ کسی کی زندگی سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ سیر و سیاحت کرو، اپنے آپ کو صرف ایک سیاح سمجھو۔''

میں سوچنے لگا، ابرانوس اس وقت جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔ پتا نہیں میں نے اپنی زندگی کے بارے میں کیا کیا سوچا تھا......؟ دلفریب خوابوں کی سنہری چابیاں حاصل کر کے زندگی کا لطف اُٹھانا چاہتا تھا، لیکن وہ سب کچھ نہیں کر پایا تھا۔ یہ خیالات دل میں آئے تو کچھ سکون سا ہوا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں......! بالکل ٹھیک سوچ رہے ہو۔ میں بھی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔ کیا سمجھے......؟ زندگی ہنگاموں کا نام ہے میری جان......! پوری پوری دلچسپی لو ان ہنگاموں میں اور کسی پریشانی سے متاثر نہ ہو۔''

''ٹھیک ہے بھائی......! ٹھیک ہے، تمہاری نصیحتیں تو اب میری زندگی بن چکی ہیں۔''

''میں تمہیں ایک بات بتاؤں، ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں، اور تم مجھے ایک ہی نہ تصور کرو، بلکہ بیس سمجھو۔ چنانچہ بیس اور ایک اکیس۔''

''تم تو اکتیس اور اکتالیس بھی ہو سکتے ہو۔ تمہارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے......؟ بات تو میری اپنی ہے۔''

ابرانوس کی ہنسی میرے کانوں میں اُبھری۔ پھر وہ بولا۔

''ایران کی گلیاں، سڑکیں اور بازار تمہارے لئے کھلے ہوئے ہیں، عیش کرو۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا بس یوں ہی منہ اُٹھا کر چل پڑا۔ میدانِ سپاہ کو پار کر کے میں خیابانِ فردوسی میں پہنچ گیا جس کے آخری سرے پر شاعر فردوسی کا مجسمہ شاہنامے کی جلد تھامے ایک ایسے شہر پر نگاہ ڈال رہا تھا جس کا تصور ہی کتنا مختلف تھا۔ قدیم اور جدید کے درمیان صدیوں کے فاصلے تھے۔ منی اسکرٹ اور سلیپ فراک میں دل گدگدانے والی حسین لڑکیاں، پیئر گارڈن کے جدید سوٹوں میں اترانے والے نوجوان ہر کونے میں آب جو، سینما، نائٹ کلب، کیبرے، جدھر دیکھو روشنیوں اور زندگی کا ایک طوفان، خیابان سڑک گردی اور اس کے بعد جب بھوک لگی تو ایک چھوٹے سے ریستوران میں جا بیٹھا۔

بہرحال کافی وقت سڑکوں پر گزارا تھا۔ جب یہاں سے گھومنے پھرنے سے دل بھر گیا تو ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر فانوس چل پڑا۔ فانوس میں داخل ہوتے وقت سڑکوں پر ہلکی ہلکی دُھند چھا گئی تھی۔ اس دُھند میں لاتعداد روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ کمرے کی کھڑکی کھول کر میں کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا۔ ابرانوس کے مہیا کئے ہوئے لباسوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن وہ قلبی سکون کہاں سے لاتا......؟

آخر بیٹھے بیٹھے دل اُکتا گیا۔ سوچا کہ فانوس کے ریفریشنگ ہال کی دلچسپیاں دیکھوں، چنانچہ ایک اچھا لباس زیب تن کر کے نوک پلک سنوار کر نیچے اُتر آیا۔ ریفریشنگ ہال کے بارے میں جس قدر تصور کیا تھا، اس سے بھی زیادہ حسین مناظر یہاں بکھرے ہوئے تھے۔ میزیں تقریباً بھری ہوئی تھیں۔ خوشبو کے سمندر سے نکل کر کیف و سرور میں ڈوبی حسن کی جولانیاں، مترنم ہنسی کی دلربائیاں، نوجوانوں کے دہکتے سلگتے وجود سے پُرخواب ناک ماحول میں آرکسٹرا، مدہم موسیقی بکھیر رہا تھا اور ایک ایرانی حسینہ فارسی زبان میں عمر خیام کے اشعار حسین انداز میں پیش کر رہی تھی۔

ایرانی حسینہ کے نقوش اور اس کے ہونٹوں کی جنبش قابلِ دید تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی لباس کے استعمال میں شاید عمر خیام کی حسن پرستی کو بھی مدنگاہ رکھا گیا تھا۔ خیام کی باعی، اعضاء کی شاعری، حسن کی بے باکی، نوجوانوں کی سرگوشیاں، شراب کی بدمستیاں، بوڑھوں کی سسکیاں اور دولت کی فراوانی کے اس حسین سنگم کو دیکھ کر

میرا ہاتھ بے اختیار اس خیال سے سر پر پہنچ گیا کہ شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن ویٹر کی آمد سے میں دوسرے ہی لمحے خیال سے ہوش میں آ گیا۔

ویٹر نے ایک میز تک میری رہنمائی کی اور میں میز کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر ہال میں بکھرے ہوئے مناظر کو دیکھنے لگا۔ تبھی میری نگاہ کچھ فاصلے پر بیٹھی گینس پر پڑی اور میرا چہرہ بگڑ گیا۔ میں نے سوچا کہ مجھ پر ایک کیا مصیبت طاری ہوئی ہے کہ میں اس میں داخل ہونے کی کوشش کروں۔ جو حماقت ہو چکی تھی، وہ ہو چکی تھی۔ اس نے نفرت سے مجھے ٹھکرا دیا تھا۔ میں نے اس پر سے نگاہیں ہٹا لیں اور ویٹر کو ایک مشروب کا آرڈر دے دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مشروب میرے سامنے سرو کر دیا گیا۔ گلاس اُٹھا کر ہونٹوں سے لگایا تو بے خیالی کے انداز میں نگاہیں سامنے اُٹھ گئیں۔ گینس مجھے بغور دیکھ رہی تھی۔

میں نے نگاہیں پھیر لیں اور گلاس سے سپ لینے لگا۔ کچھ دیر تک میں نے اس کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی، لیکن چند ہی لمحات کے بعد میرے سامنے والی کرسی کھسکی اور کوئی اس پر بیٹھ گیا۔ میں نے چونک کر دیکھا تو وہ گینس ہی تھی جو سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے سپاٹ آنکھوں سے اسے دیکھا تو وہ بولی۔

''ناراض ہو......؟''

''میں آپ کو نہیں جانتا۔''

میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''لیکن میں آپ کو جانتی ہوں۔''

''میں اجنبی لوگوں سے بے تکلفی پسند نہیں کرتا۔''

''وہ تو میں بھی نہیں کرتی، لیکن ہم اجنبی کہاں ہیں......؟''

''میڈم......! آپ نے ایک غیر اخلاقی حرکت کی ہے، مجھے ڈسٹرب نہ کیجئے۔''

''اور میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ ناراضگی ختم کر دیجئے۔''

اس نے جوابی انداز میں کہا اور میں اسے گھورنے لگا۔

''مگر مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، تمہارے مسائل تمہارے اپنے ہیں۔ اتفاق تھا کہ ہمارے درمیان چند روز کی رفاقت ہو گئی اور وہ بھی ایسے حالات میں کہ میں نے خود تم تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ایک دلچسپ حادثہ تھا۔ اس سے زیادہ میرے دل میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے مس گینس......!''

''یار......! ناراضگی ختم کر دو۔ میں جن حالات کا شکار ہوں، اب وہ تم جان ہی چکے ہو۔ کیا میں قابل معافی نہیں ہوں......؟ بس ذہنی اُلجھنوں میں اس قدر ڈوبی ہوئی ہوں کہ ہر چیز سے جھنجھلاہٹ ہوتی ہے۔ پلیز......! معاف کر دو۔''

گینس نے کہا اور میں کسی قدر نرم ہو گیا۔ پھر میں نے کہا۔

''کیا پیو گی......؟''

''جو بھی پلا دو......!''

اس نے منہ بنا کر کہا اور پھر آہستہ سے ہنس پڑی۔ میں نے اس کے لئے بھی وہی مشروب منگوا لیا تھا جس سے میں شغل کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''کچھ بات چیت نہیں کرو گے مجھ سے......؟''

''کرو......!''

میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''تو پھر تم بتاؤ......! تم پر کیا بیتی......؟''

''کوئی خاص نہیں، ڈاکٹر جین مجھے اپنی رہائش گاہ میں موجود تہہ خانے میں لے گیا اور اس کے بعد میں کوشش کر کے وہاں سے نکل بھاگا۔''

''اپنے مالی وسائل تم نے کیسے پورے کئے......؟''

وہ بولی۔

''کسی نہ کسی طرح کر ہی لئے، لیکن تم پر کیا گزری......؟''

میں نے سوال کیا اور گینس نے مجھے وہی کہانی سنائی جو ابرانوس مجھے بتا چکا تھا۔

''یہ سوال پوچھا رہ گیا کہ تمہارے مالی وسائل کیسے پورے ہوئے......؟''

''لڑکیوں کو مالی وسائل پورے کرنے میں زیادہ اُلجھن نہیں ہوتی۔''

وہ بولی اور میرے ہونٹ سکڑ گئے۔

''گڈ......!''

میں نے کہا۔

''نہیں......! بے وقوفی کی بات مت سوچنا، ورنہ یہ گلاس اُٹھا کر تمہارے منہ پر دے ماروں گی۔ میں بدکردار لڑکی نہیں ہوں۔ کیا سمجھے......؟''

اس نے کہا اور اس طرح مجھے دیکھنے لگی جیسے اس نے سوچا ہو کہ ان الفاظ کا برا مان جاؤں گا، لیکن خیر......! یہ برا ماننے والی بات نہیں تھی پھر وہ خود ہی بولی۔

''بس......! ایک شخص کو مرغا بنانا پڑا تھا، لیکن اس انداز میں کہ مرغا بعد میں اپنی جیبیں ہی ٹٹولتا رہ گیا تھا، تفصیل نہیں بتاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے......! مجھے تفصیل سے دلچسپی بھی نہیں ہے۔''

''وہی ناراضگی......!''

''نہیں......! اب ناراض نہیں ہوں۔''

''اچھا......! پکی بات ہے۔''

''ہاں......! کہا ناں، لیکن مجھے بتاؤ، تمہاری اُلجھنیں اسی حد میں ہیں یا پھر کچھ آگے بڑھیں......؟''

''ابھی تک کچھ بھی نہیں۔ اب میں کیا بتاؤں تمہیں......؟ باطش چنگیزی کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم ہو سکا کیونکہ میرے وسائل بہت محدود ہیں۔ ایران سے میری واقفیت تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے، ان حالات میں بڑی اُلجھنوں کا شکار ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ باطش چنگیزی کی تلاش کے لئے کیا کروں......؟''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے گینس......!''

میں نے کہا۔

''دیکھو......! صرف ہمدردی ہی کہو گے یا میرا ساتھ دو گے شامی......! یہی نام بتایا تھا ناں تم نے......؟ میں بہت پریشان ہوں۔ میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے، لیکن اتفاقات ہم دونوں کو بار بار سامنے لا رہے ہیں۔ اگر کچھ دن میرا ساتھ دے دو تو کیا حرج ہے......؟ بشرطیکہ تمہارا اپنا کوئی نقصان نہ ہو۔''

''کیا چاہتی ہو مجھ سے......؟''

''میں چاہتی ہوں کہ ایران کے مشہور شہروں میں گھوم کر کسی نہ کسی طرح باطش چنگیزی کو تلاش کروں۔ اس طرح ہم ایران کی سیاحت بھی کر لیں گے۔ تم یقین کرو، میں نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے، وہ میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ میں نے اپنے طور پر اپنے لئے زندگی کا ایک تعین کیا ہوا تھا لیکن اپنی شناخت میں ناکام رہ کر دل اس قدر رُکتا گیا تھا کہ اس کے بعد میں ہندوستان سے نکل بھاگی۔ بہت سے خیالات دل میں ہیں۔ میں کیا کروں......؟

سب سے پہلا خیال کہ میں کون ہوں......؟ کیا ہوں......؟ اس بارے میں اگر مجھے معلوم ہو جائے تو یقین کرو، مجھ سے زیادہ ہنس مکھ لڑکی تمہیں اور کوئی نہیں ملے گی۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگ یہاں پر سیاحت کریں اور جہاں تک ممکن ہو سکے، مختلف مقامات پر باطش چنگیزی کو تلاش کریں۔''

میں نے کچھ دیر سوچا۔ گینس کی یہ پیش کش میرے لئے غیر دلچسپ نہیں تھی۔ ظاہر ہے، میری زندگی کا بھی کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ بلکہ آج میں نے اپنے بارے میں یہی سوچا تھا کہ جب تک یہاں کا آب و دانہ ہے، سیاحت کروں گا اور اس کے بعد یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ پھر ابرانوس بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ میری آنکھوں سے دُنیا دیکھے۔

''پتا نہیں کہاں ہے کم بخت......؟ ہو سکتا ہے میرے وجود کے کسی گوشے میں بیٹھا ہوا خاموشی سے یہ تماشہ دیکھ رہا ہو۔ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔''

وہ کہاں ہے......؟ کیا کر رہا ہے......؟ اس کے بارے میں مجھے نہ کبھی معلوم ہو سکا تھا اور نہ کبھی معلوم

ہوگا۔ لیکن تھا بہت چالاک، کمال کی بات ہے۔ خیر......! مجھے احساس ہوا کہ گینس کا پروگرام خراب نہیں ہے۔ میں نے اس کے پروگرام سے آمادگی کا اظہار کر دیا اور وہ خوش ہوگئی۔

''یقین کرو، اس طرح مجھے ایک نئی زندگی مل جائے گی۔ کیونکہ میرے اور تمہارے درمیان کافی انڈر اسٹینڈنگ ہو چکی ہے۔''

اس کے بعد گینس میرے ساتھ رہی۔ رات کا کھانا بھی اس نے میرے ساتھ ہی کھایا۔ ہمارے کمرے بھی نزدیک نزدیک تھے۔ اس لئے ہال سے اُٹھنے کے بعد تقریباً ایک ڈیڑھ بجے تک ہم لوگ ساتھ رہے۔ اس کے بعد وہ مجھ سے اجازت لے کر چلی گئی اور میں اپنے کمرے کے بستر پر لیٹ گیا۔ ابرانوس کو آواز دی تو اس بدبخت کا کہیں پتا نہیں تھا۔

پتا نہیں کیوں اب ابرانوس سے میری جان جلنے لگی تھی......؟ مطلب کا ساتھی تھا۔ جب دل چاہا میرے پاس آ گیا۔ کہتا تھا میں تمہارے وجود کا ایک حصہ ہوں، تمہاری ذات میں پوشیدہ ہو گیا ہوں اور نہ جانے کیا کیا......؟ لیکن میں نے جب بھی اپنی ذات کو ٹٹولا، جب بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی، اسے غائب ہی پایا۔ بھروسہ نہیں کرنا چاہئے اس کا۔ ہاں......! اگر موقع پر ساتھ دے جائے تو غنیمت ہے۔ بہرحال میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو، لیکن مجھے اپنے حالات سے خود ہی نمٹنا ہوگا اور تھوڑی سی ہمت سے کام لینا ہوگا۔ خوف زدہ رہ کر اور دُنیا سے ڈر کر کبھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

دوسری صبح گینس نے ناشتہ میرے ساتھ ہی کیا اور اس کے بعد فیصلہ کیا کہ ہم عام سیاحوں کی طرح یہاں کی سیر کریں گے۔ چنانچہ ہم باہر نکل آئے۔ ایک بک اسٹال سے کتابچے خریدے گئے جن میں ایران کی سیاحت کے بارے میں تفصیلات درج تھیں۔ پھر ہم نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے سمران چلتے ہیں۔

سمران کوہ دامن کے پہلو میں واقع ہے اور باقی شہر سے دو ہزار فٹ بلند ہے۔ سخت گرمیوں میں جب خیابان فردوسی تپنے لگتا ہے تو سمران میں بہار کا موسم ہوتا ہے۔ پُررونق بازار اور بلند و بالا عمارتیں آہستہ آہستہ پیچھے رہ گئیں۔ ہماری ٹیکسی برق رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ فضاء میں موٹروں کے ہارن اور شہر کے شور و غل کی بجائے اب سڑک کے پہلو میں گنگناتی ہوئی ندی کا شور اور پرندوں کی چہچہاہٹ شامل تھی۔ پہاڑی چشموں کی مدھر آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ خنکی بتدریج بڑھ رہی تھی۔

سڑک کے دونوں طرف پھولوں کے تختے اور گھنے سرسبز چناروں کی قطاریں تھیں۔ ہم اس پُرپیچ سڑک پر کوئی موڑ مڑتے تو یوں لگتا جیسے گھنے چنار ہمارا راستہ روکیں گے جن کی شاخیں ٹیکسی کی چھت پر آ کر یوں گتھی ہوتی تھیں کہ سبزے اور خنکی کی ایک سرنگ سی بن گئی تھی۔ خشک ہوا کے تھپیڑے چل رہے تھے اور چنار کے سرخی مائل پتے ہماری ٹیکسی پر بارش کے قطروں کی طرح برس رہے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی دربند کی بلیوارڈ میں جا کر رُک گئی اور ہم ایک پتھریلی چٹان میں تراشی ہوئی

سیڑھیاں طے کر کے ایک اوپن ایئر ریسٹورینٹ میں آ گئے۔ یہاں ایک میز پر بیٹھ کر ہم نے اطراف کا ماحول دیکھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک پہاڑی چشمہ اُبل رہا تھا۔ بہت حسین سجاوٹ تھی۔ یہاں میزوں پر رنگ برنگے گل دانوں کی بجائے ننھے ننھے پرندوں کے پنجرے رکھے ہوئے تھے۔ انتہائی حسین اور رومانی ماحول تھا۔ میں نے گینس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت دیکھی۔ اس پر نگاہ پڑی تو وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اپنی جانب متوجہ پا کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیا کھایا جائے......؟''

میں نے ایک دم کہا۔

''کوئی بھی ایسی چیز جو ہم نے پہلے نہ کھائی ہو۔''

میں نے ایک ویٹر کو بلا کر اس سے انگریزی میں یہاں کے کھانوں کی تفصیلات پوچھیں اور پھر اسی کا مشورہ لیا تو اس نے ہنس کر کہا۔

''آب جو خنک اور جگر مرغ۔''

''لے آؤ......!''

میں نے کہا اور اس کے بعد ویٹر نے ہمارے سامنے خوب صورت برتن لگانے شروع کر دیئے اور تھوڑی دیر کے بعد ہماری مطلوبہ اشیاء لے آیا۔ گینس نے جگر مرغ بڑی دلچسپی سے کھایا تھا۔ آب جو کے گھونٹ لے کر اس کی آنکھوں میں ایک سرور کی سی کیفیت نمودار ہو گئی تھی۔ میں نے آرڈر تو دے دیا تھا لیکن چند لمحات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ ذہن میں سرور کی ایک ترنگ سی اُٹھ رہی ہے۔ مجھے اپنے آپ کو سنبھالنے میں کافی مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ گینس نے کہا۔

''تم یقین کرو شامی......! ایک نوجوان کی حیثیت سے تم بہت دلکش انسان ہو۔ تمہارے ساتھ رہ کر ذہن بھٹکنے لگتا ہے۔''

''ہوں......! شاید۔''

میں نے کہا۔

''لیکن تم مجھ سے متاثر نہیں معلوم ہوتے۔''

''اگر نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ یہاں کیوں بیٹھا ہوتا......؟''

آب جو کا سرور جب تک ہمارے ذہن پر طاری رہا، ہماری گفتگو میں رومانیت رہی اور اس کے بعد ہم وہاں سے اُٹھ گئے۔ خراج کے قصبے سے گزرنے کے بعد ہماری ٹیکسی دریائے خراج کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ دریا سڑک اور پتھریلی چٹانوں کے درمیان سر پٹختا ہوا زور و شور سے بہہ رہا تھا۔ اس کے کنارے درختوں کی گھنی چھاؤں میں پتھروں پر بچھے ہوئے دیدہ زیب قالینوں پر بیٹھے ہوئے لوگ پکنک منا رہے تھے۔ ساری فضاء

اس رنگین وادی میں رومان پرور کیفیت پیدا کر رہی تھی۔

ایک موڑ پر دریا ایک گھنے درختوں کے درمیان گم ہو گیا۔ یہاں ہم نے ٹیکسی رُکوائی اور وادی میں اُترتی ہوئی کچی سیڑھیاں طے کر کے دریا کے کنارے واقع ایک ریستوران میں آ گئے۔ بلند درختوں پر خوش گوار پھول، بہتے ہوئے دریا کا شور اور ہوا کی سرسراہٹ جس میں زندگی کی لہر تھی، جس میں ڈوب جانے کو دل چاہتا تھا۔

اوپن ایئر ریستوران کے ایک کچے تالاب میں خراج سے پکڑی ہوئی مچھلیاں اُچھل رہی تھیں۔ یہاں کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اپنی پسند کی مچھلی پکڑیں اور ویٹر کو دے دیں۔ ویٹر آپ کو میز کے پاس چھوٹا سا کچن بنا کر آپ کو وہیں مچھلی بھون دے گا۔

گینس بچوں کے سے انداز میں یہ سب دیکھ رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اس کا یہ انداز اسے ایک معصوم انسان ظاہر کرتا ہے۔ پتا نہیں کن حالات کا شکار رہی ہے......؟ بہرحال میں اس کا ساتھ دینے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔

☆......☆......☆

وہ پانی میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گئی۔ ہم نے بار بار مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کی لیکن مچھلیاں ہاتھوں میں گدگدیاں کرتی ہوئی پھسل جاتی تھیں۔ چنانچہ اس کوشش میں ہمارے لباس پانی میں تر بتر ہوگئے اور ایک بھی مچھلی ہمارے ہاتھ نہیں آسکی اور پھر یہ طے ہوگیا کہ یہ کام ایک ویٹر کے سپرد کر دیا جائے۔

چنانچہ اس نے ہماری پسند کی مچھلیاں پکڑ کر ہمارے سامنے تلنا شروع کر دیں۔ اطراف کی تمام میزیں بھری ہوئی تھیں اور اکثر لوگ جو یہاں کی اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے، شراب نوشی میں مصروف تھے۔ ہمارے برابر والی میز پر مشاعرہ ہو رہا تھا۔ خیام کے ملک میں شعروشاعری کی محفل نہ ہوتی تو تعجب کی بات تھی۔

دوپہر ڈھل رہی تھی اور دُھوپ کی ملاحت میں خنکی کا اثر نمایاں تھا۔ ہم لوگ ریستوران سے نکل کر دریا کے قریب ایک پتھر پر جا بیٹھے، پانی میں ہاتھ ڈالا تو انتہائی سرد تھا۔ خراج کے بہتے ہوئے پانی کا شور اور ہوا کی سرسراہٹ سے کانوں میں ایک عجیب سے ساز کی آواز پہنچ رہی تھی، آب جو کا اثر ابھی تک ذہن پر سوار تھا یا پھر گینس ہی کے انداز میں لچک پیدا ہوگئی تھی۔

خود میری اپنی کیفیت زیادہ پریشان کن نہیں تھی لیکن اس کا قرب مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ گینس کافی دیر تک یہاں بیٹھی رہی پھر اس نے ایک کتابچہ نکال کر اس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سرخی چھائی ہوئی تھی۔ پتا نہیں وہ ایرانی نژاد تھی یا ہندوستانی ہی تھی......؟ لیکن اس کے نقوش کی دلآویزی اب مجھ پر واضح ہو رہی تھی۔ دفعتہً اس نے اپنی گہری سیاہ آنکھیں اُٹھائیں اور بولی۔

''کیپین کے بارے میں کیا خیال ہے......؟''

''اگر تمہاری خواہش ہے تو چلو، چلتے ہیں۔''

میں نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو میں نے پورے دن کے لئے مخصوص کر لیا تھا اور وہ ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ چنانچہ ہم نے اسے کیپین چلنے کے لئے کہا۔ ڈرائیور نے گردن گھما کر ہم دونوں کو دیکھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ گینس نے آہستہ سے میرے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ڈرائیور مسکرایا کیوں تھا......؟''

''مسکراہٹ پر پابندی تو نہیں لگائی جا سکتی۔''

میں نے بے خیالی میں جواب دیا لیکن تھوڑی دُور چلنے کے بعد اندازہ ہوگیا کہ اس کی مسکراہٹ کیا معنی رکھتی تھی......؟ کیپین کا راستہ نہایت دُشوار اور پُرخطر تھا۔ گہری کھائیاں اور خوفناک موڑ جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی سب سے خوفناک رویہ ڈرائیور کا تھا جو انتہائی برق رفتاری سے ٹیکسی دوڑا رہا تھا۔

''واپسی کا سفر خوفناک ہوگا۔ ڈرائیور کو شاید ٹیکسی کی رفتار پر کنٹرول نہیں ہے۔ کہیں بھی اس کا ہاتھ بہک سکتا ہے۔''

گینس نے گہری سانس لے کر کہا۔ میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا، پھر میں نے کہا۔

''تو پھر رات کی واپسی کی ضرورت نہیں ہے، ہم کسی نہ کسی جگہ رات کو قیام کر لیں گے۔''

گینس کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے۔ کچھ دیر تک وہ عجیب سے انداز میں مجھے گھورتی رہی، پھر بولی۔

''کیا یہ ڈرائیور رات کو رُکنے کے لئے تیار ہو جائے گا......؟''

''اسے رات کا معاوضہ بھی ادا کر دیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اسے کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔''

میں نے انگریزی میں ڈرائیور سے کیپین میں رات کے قیام کے بارے میں پوچھا اور ڈرائیور نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھے بتایا کہ وہاں ہوٹل دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ بات سن کر کسی قدر اطمینان ہوگیا تھا۔ جب سیاحت ہی ٹھہری تھی تو پھر ایڈوانچر سے کیوں گریز کیا جائے......؟

چنانچہ ہم کیپین کے ساحل پر پہنچ گئے اور شب کے اس سحر خیز ماحول میں لہروں کا شور اس بات کا اعلان کر رہا تھا کہ سمندر قریب ہے۔ ٹیکسی سمندر کے کنارے کچھ دُور تک گئی پھر دائیں سمت ایک ہوٹل کے نیون سائن نظر آنے لگے اور ٹیکسی کا رُخ اس کی جانب ہوگیا۔ دلچسپی بھی محسوس ہوئی اور ہلکا سا خوف بھی ذہن میں جاگزیں تھا۔

''ممکن ہے گینس کے سوچنے کا انداز مجھ سے مختلف ہو۔''

ہوٹل کے کاؤنٹر پر ایک عمر رسیدہ عورت اور اسی کی عمر کا ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں نے ہمیں مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا اور ہمارے لئے استقبالیہ الفاظ ادا کئے۔ شب بسری کے لئے ہمیں آسانی سے ایک کمرہ مل گیا لیکن کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے ہمارے ذہن میں معمر جوڑے کی چبھتی ہوئی نگاہیں گردش کر رہی تھیں۔ یہاں غالباً شب بسری کے لئے آنے والے مشکوک ہی ہوتے ہوں گے۔ کمرہ کافی خوب صورت تھا۔ اس کی عقبی کھڑکی سے کیپین دیکھا جا سکتا تھا۔ ہم نے کمرے کا جائزہ لیا۔ گینس عجیب سی کیفیت میں تھی۔ میں نے مسکراتے

ہوئے اسے دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے بڑھی اور کھڑکی کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ اس نے کھڑکی کھول لی تھی۔ سمندر کے رُخ سے سرد ہوائیں اندر داخل ہونے لگیں۔ لیکن اس وقت وہ انتہائی خوش گوار لگ رہی تھیں۔ میں نے کہا۔

''تم پریشان ہو گینس......؟''

''نہیں تو، کیوں......؟''

''میں تمہارے چہرے پر ایسے ہی آثار دیکھ رہا ہوں۔''

''کوئی خاص بات نہیں......! اور یوں بھی تو ہم ایک طویل وقت ساتھ گزار چکے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس وقت ہم جہاز کے تہہ خانے میں تھے۔''

''ہاں......! کیوں نہیں گینس......! میں تمہیں اپنی طرف سے ایک شریفانہ روّیے کا اطمینان دلاتا ہوں۔''

''منہ دھو رکھو، میں خود بھی اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔''

''تم یہ الفاظ کہہ کر اس اعتماد کو مجروح کر رہی ہو جو ہمارے درمیان موجود ہے۔''

''اعتماد......؟''

گینس کے لہجے میں ایک عجیب سی لغزش تھی، اس نے گردن جھٹکی اور ایک دم ہنس پڑی۔

''ہاں......! کیوں ہمارے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم نہیں ہے......؟ ویسے کیپٹن کو سمندر نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اسے ایک بہت بڑی جھیل کا نام دیا جا سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے......! لیکن یہ جھیل کسی طور سمندر سے کم نہیں۔''

رات کی تاریکی میں لہروں کے جھاگ صرف لکیروں کی شکل میں نظر آ رہے تھے۔ ہم دونوں دیر تک وہاں کھڑے رہے۔ پھر پلٹے تو گینس بے اختیارانہ انداز میں میرے جسم سے ٹکرا گئی۔ میں نے اس کے شانے پر تھپکی دی اور اس سے کھانا کھانے کے بارے میں پوچھا۔

''کچھ بھی منگوا لو، کھائے بغیر تو نیند نہیں آئے گی۔''

''جہاز پر بھی یہی ہوتا تھا۔''

میں نے کہا اور ہنس پڑا۔ ویٹر کو بلا کر رات کے کھانے کا آرڈر نوٹ کرایا جو ہمیں آدھے گھنٹے کے بعد سرو کیا گیا۔ لیکن اس آدھے گھنٹے کے انتظار کا صلہ اچھا ملا تھا۔ بہت ہی نفیس کھانا تھا، کئی چیزیں اجنبی تھیں جنہیں کھانے میں لطف آیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ایک بار پھر ہم دونوں ایک کھڑکی کے نزدیک جا بیٹھے۔ اس وقت ہوٹل میں نیچے جانے کی کوئی تک نہیں تھی، کیونکہ وہاں بہت زیادہ رش نظر نہیں آ رہا تھا۔ کافی دیر تک ہم کھڑکی کے پاس بیٹھے رات کی تاریکی میں سمندر کے اُڑتے ہوئے ان جھاگوں کو دیکھتے رہے، پھر گینس نے کہا۔

''سونے میں ذرا دقت ہوگی، ان کم بختوں نے صرف ایک ہی بستر بچھایا ہے۔''

''کم بختوں کا قصور نہیں ہے، غالباً یہاں وہی لوگ آتے ہیں جنہیں ایک......''

''شرارت نہیں......! میرا خیال ہے تم آرام سے سو جاؤ۔ مجھے نیچے سونے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔''

''ایسے موقعوں پر جواں مرد اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا میں بھی اس کی تقلید کروں گا۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ گینس بمشکل تمام بستر پر سونے کے لئے تیار ہوئی۔ میں نے نیچے ہی ایک جگہ منتخب کر لی اور پھر کھڑکی بند کر دی تاکہ سمندر کی طرف سے آنے والی خنک ہوائیں رات کو جاگنے کا سبب نہ بن جائیں۔ گینس پتا نہیں سوئی تھی یا جاگ رہی تھی......؟ اس وقت میرے ذہن میں عجیب عجیب خیالات جنم لے رہے تھے۔ حالانکہ ہم نے تنہا طویل سفر طے کیا تھا، لیکن اس وقت میری ذہنی کیفیت وہ نہیں تھی، یا تو یہ موسم کا اثر تھا یا پھر یہ ہوٹل اور یہاں کا ماحول، میں ذہن سے خیالات کو جھٹکنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ابرانوس آ گیا۔

''میرے ناقابل اعتماد دوست......! کیا اب بھی تم مجھ سے دُور ہو......؟''

میں نے سوال کیا لیکن ابرانوس کی کوئی آواز نہ اُبھری۔

''ٹھیک ہے......! اب میں نے تمہارا تصور تک چھوڑ دیا ہے۔''

میں نے کہا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نیند آنے میں کافی دیر لگی، لیکن جب نیند آئی تو ایسی آئی کہ صبح کو ہی آنکھ کھلی۔ اس وقت گینس صبح کا اخبار دیکھ رہی تھی جو فارسی زبان میں تھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تو اس نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور مسکرا کر بولی۔

''اب اُٹھ جاؤ، مجھے افسوس ہے کہ تمہیں ایک بے سکون رات گزارنی پڑی۔''

میں انگڑائی لے کر اُٹھ گیا۔ گینس دُھلی دُھلی سی نظر آ رہی تھی۔ غالباً وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی۔ کیونکہ اس کے بالوں میں نمی محسوس ہو رہی تھی۔ میں خاموشی سے غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔ گرم پانی موجود تھا۔ اس سے غسل کرنے میں کافی لطف آیا اور رات کی کسلمندی دُور ہو گئی۔ اس کے بعد باہر نکلا تو گینس نے ناشتہ منگوا لیا تھا۔ سامنے ہی ناشتے کے برتن لگے ہوئے تھے۔

''خوب......! عورت ہونے کا پورا پورا ثبوت دے رہی ہو۔''

''مزہ آ گیا شامی......! یقین کرو مزہ آ گیا۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں ناشتے کے فوراً بعد چلنا چاہئے۔''

''ڈرائیور سے ملاقات تو نہیں ہوئی......؟''

''ابھی آیا تھا، میں نے اس سے کہا کہ ہم ناشتے کے فوراً بعد روانہ ہو جائیں گے۔''

''ٹھیک......!''

میں نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ کیسپین کے کنارے تھوڑی دیر تک چہل قدمی کی، کوئی خاص بات نہیں تھی۔ سمندر صرف سمندر ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس چل پڑے کیونکہ اس علاقے میں زیادہ تر سفر رات کی تاریکی میں کیا گیا تھا، اس لئے بہت سے مناظر ہمیں دن کی روشنی میں اجنبی اجنبی سے لگے۔ ڈرائیور نے حسب معمول اپنی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا اور اگر ہم سہمے ہوئے نہیں ہوتے تو یقیناً واپسی کے سفر سے بھی پوری طرح لطف اندوز ہوتے۔

ڈرائیور نے ہمیں ہماری خواہش کے مطابق فانوس کے سامنے اُتارا۔ ٹیکسی کا پورا کرایہ ادا کر کے ہم اُترے اور فانوس میں داخل ہو گئے۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر میں اندر پہنچا تو گینس بھی میرے پیچھے پیچھے اندر آ گئی۔ چند لمحے بیٹھنے کے بعد بولی۔

''اچھا......! اب میں چلتی ہوں۔ دوپہر کا کھانا ساتھ ہی کھائیں گے۔''

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ میرے لئے اب اور کوئی مشغلہ نہیں رہ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے بقیہ وقت کمرے میں ہی گزارا۔ دوپہر کو گینس تیار ہو کر میرے کمرے میں پہنچ گئی۔

''آؤ......! ہم کھانا نیچے ہی کھائیں گے۔''

اس نے کہا اور ہم دونوں نیچے چل دیئے۔ فانوس کا ڈائننگ ہال اس وقت بھی خاصا آباد تھا۔ ویسے بھی یہاں اچھی خاصی رونق رہتی تھی۔ ملکی اور غیر ملکی افراد کی کافی بڑی تعداد نظر آتی تھی۔ اس وقت بھی ڈائننگ ہال میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ ہم ایک میز کی جانب بڑھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کھانے کے دوران گینس نے کہا۔

''میں سوچ رہی تھی شامی......! کہ اخبار میں ایک اشتہار دے دوں۔''

''کس سلسلے میں......؟''

میں نے سوال کیا۔

''باطش چنگیزی کے لئے، میں اس اشتہار میں ایک چھوٹا سا مضمون لکھوں گی کہ باطش چنگیزی جہاں بھی ہوں، فانوس کے اس کمرے میں اپنے شناسا سے ملاقات کریں۔ ممکن ہے اس طرح سے کوئی کام بن سکے۔ ویسے تو عظیم الشان ایران میں باطش چنگیزی کو تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔''

''سوچ لو، اگر یہ مناسب ہے تو ضرور کرو۔''

''میں یہ اشتہار کوشش کر کے آج ہی اخبارات کو دے دیتی ہوں۔ میرا خیال ہے ہوٹل کا منیجر اس سلسلے میں میری مدد کرے گا۔ تم تصور نہیں کر سکتے شامی......! کہ میرے دل میں کیا کیا خواہشیں ہیں......؟ میں اپنی شناخت چاہتی ہوں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ مجھے میرے بارے میں علم ہو جائے۔ پتا نہیں وہاں سے آجانے کے بعد ان لوگوں پر کیا گزری......؟''

''ہاں......! یقیناً کوئی نہ کوئی احساس تو ہوگا، خاص طور سے حاذق ریاضی پر۔''

''بالکل ٹھیک......!''

اس نے جواب دیا۔

''ممکن ہے حاذق ریاضی نے باطش چنگیزی سے رابطہ قائم کیا ہو کیونکہ تم کہتی ہو کہ اس نے باطش چنگیزی ہی کے ایماء پر تمہاری پرورش کی ہے۔ اب یہ اشتہار اگر باطش چنگیزی کی نظر سے گزر جائے تو شاید اس کے دل میں یہ خیال آجائے کہ یہ تم ہی ہو سکتی ہو جو اس کی تلاش میں یہاں آئی ہے۔''

''بالکل بالکل......! میں نے بھی اسی انداز میں سوچا ہے۔ کھانے کے بعد ہم یہاں سے اُٹھ جائیں گے۔ تم چاہو تو تم چلے جانا، میں یہ کام خود کر لوں گی۔''

اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ مجھے اس سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ چنانچہ کھانے کے بعد ہم ڈائننگ ہال سے باہر نکل آئے۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ ابرانوس کو ایک بار پھر پکارا اور اس کی طرف سے جواب نہ آنے پر اس پر ہزار بار لعنت بھیجی اور پھر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ کھانے سے طبیعت ذرا بوجھل سی ہو گئی تھی۔ آنکھیں بند کیں تو نیند آ گئی۔

شام کو تقریباً ساڑھے چار بجے میری آنکھ کھلی تھی۔ منہ ہاتھ وغیرہ دھو کر لباس تبدیل کیا اور ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ گینس کا کمرہ بند تھا۔ وہ ابھی واپس نہیں آئی تھی۔ یوں ہی آوارہ گردی کرنے کے لئے میں سڑکوں پر نکل آیا۔ سڑکوں پر وہی روایتی رونق نظر آ رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا کافی دُور نکل گیا۔ پھر ایک چھوٹے سے پبلک پارک میں داخل ہو گیا۔ یہاں زندگی کی رونقیں شباب پر تھیں۔ نوجوان جوڑے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گشت کر رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے خوب صورت بچے ادھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ خوانچے والے اور بہت سے لوگ موجود تھے جو زندگی کی ضروریات فروخت کر رہے تھے۔

میں پارک میں ٹہلتا رہا، پھر میں ایک گوشے سے نکل رہا تھا کہ اچانک میں نے دو آدمیوں کو اپنی طرف نگراں دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔ وہ دراز قامت اور اچھے لباس میں ملبوس تھے۔ ان میں سے ایک کے منہ میں پائپ دبا ہوا تھا اور وہ اس کے گہرے کش لے رہا تھا۔ میں نے ان کی جانب دیکھا تو وہ دونوں اس طرح بے نیاز ہو گئے جیسے انہوں نے میری طرف توجہ ہی نہ دی ہو۔ پتا نہیں ہو کیوں ٹھٹکے تھے......؟

لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ مجھے دیکھ کر چونکے ضرور تھے۔ کہیں یہ حقیقت تھی کہ وہ مجھے دیکھ چونکے ضرور تھے......؟ کہیں کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے......؟

میں نے سوچا اور پارک سے باہر نکل آیا۔ اس کے بعد میں دیر تک پیچھے مُڑ مُڑ کر ان دونوں کو تلاش کرتا رہا، لیکن ان دونوں میں سے مجھے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ چنانچہ میں واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا۔

شام کے تقریباً ساڑھے سات بجے گینس میرے پاس پہنچی تھی اور مجھ سے اپنی کارروائی کی تفصیلات

بیان کرتی رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس نے تمام اخبارات میں اشتہارات دے دیئے ہیں۔ ڈنر کے بعد ہم دیر تک ہوٹل کی تفریحات میں مشغول رہے اور پھر اپنے کمرے کی جانب چل پڑے۔ اس وقت تقریباً پونے گیارہ بجے تھے۔ گینس نے مسکراتے ہوئے مجھے الوداع کہا۔

میں دروازہ کھول کر اندر پہنچا، لباس تبدیل کیا اور پھر بستر پر لیٹنے ہی جا رہا تھا کہ دفعتہً ہی ایک عجیب سا احساس ہوا۔ غالباً یہ میری چھٹی حس تھی جس نے مجھے کہا تھا کہ اس کمرے میں میرے علاوہ بھی کوئی دوسرا موجود ہے۔ پھر میری نگاہ وارڈ روب کی طرف اُٹھ گئی کیونکہ اس کا فاصلہ دیوار سے اتنا تھا کہ کوئی الماری کے پیچھے چھپ نہیں سکتا تھا۔ اسی وقت الماری کے پیچھے سے دو افراد باہر نکل آئے اور مجھے انہیں پہچاننے میں کوئی دِقت نہیں ہوئی۔

یہ وہی دونوں تھے جنہیں میں نے پارک میں دیکھا تھا۔ میں بوکھلائے ہوئے انداز میں مسہری سے نیچے اُتر آیا۔ لیکن دونوں کے ہاتھوں میں دبے ہوئے پستولوں کا رُخ میری ہی جانب تھا۔ ان میں سے ایک نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو وہ تمہاری آخری آواز ہوگی۔''

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ ان میں سے ایک میرے قریب پہنچ گیا۔ اس نے میرے لباس کی تلاشی لے ڈالی، لیکن لباس میں اسے کیا ملتا......؟ اس کے بعد اس نے مجھے گریبان سے پکڑ کر ایک سمت دھکا دیا اور اسی وقت دوسرے آدمی نے میری گردن میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز میری ناک سے لگائی۔ یہ تو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ بدبودار شئے کیا ہے......؟ لیکن ایک لمحے میں میرے ہوش و حواس رُخصت ہو گئے اور اس کے بعد تاریکی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

یہ تاریکی نہ جانے کب تک میرے ذہن پر مسلط رہی......؟ اور جب حواس جاگے تب بھی یہ تاریکی میری آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی تھی۔ میں اپنے آپ کو محسوس کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ میں کہاں ہوں......؟ بدن کے نیچے بے شک بستر تھا، لیکن گزرے ہوئے واقعات بھی ذہن کے پردوں سے ٹکرا رہے تھے۔ میں نے خوف زدہ انداز میں مسہری ٹٹولی اور چند ہی لمحوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ کم از کم یہ میرے ہوٹل کے کمرے کی مسہری نہیں ہے۔ میں بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا۔ پاؤں نیچے رکھے تو کسی نرم و دبیز قالین کا احساس ہوا جبکہ ہوٹل کے کمرے میں قالین بے شک تھا، لیکن اتنا نرم اور شاندار نہیں۔ گویا یہ کوئی اور جگہ ہے اور وہ لوگ اور وہ بدبو جس نے میرے حواس سُلا دیئے تھے، کسی نشہ آور شئے کی تھی۔ لیکن وہ لوگ کون تھے......؟

میرے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا۔ دل ہی دل میں، میں نے ایک بار پھر ابرانوس کو پکارا۔ لیکن اس کی آواز معدوم تھی۔ مجھے ایک دم خود پر غصہ آنے لگا۔

''نہ جانے کیوں میں اسے بار بار پکارتا ہوں......؟''

اس بدبخت نے میری خود اعتمادی چھین لی تھی۔ میں نے اپنے طور پر ایک آخری فیصلہ کیا کہ اب جو کچھ بھی کروں گا، اپنی ذات ہی کے سہارے کروں گا۔ پتا نہیں وہ کون لوگ تھے......؟ انہوں نے مجھے کیوں اغواء کر لیا تھا......؟ تاریکی اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دیتا تھا۔

''ہوسکتا ہے یہ رات ہی کا وقت ہو۔''

میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور فرش پر چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ناک کی سیدھ میں چلتا ہوا آخر کار ایک دیوار کے پاس پہنچ ہی گیا اور پھر دیوار کو پکڑ پکڑ کر آگے بڑھنے لگا۔ الیکٹرک سوئچ جتنی بلندی پر لگائے جاتے ہیں، اتنی بلندی پر ہاتھ سے ٹٹولتا ہوا دیوار کے سہارے سہارے آگے بڑھتا رہا۔ پھر کسی چیز سے ٹکرایا اور اس کے گرنے کی آواز بلند ہوگئی۔ غالباً وہ دھات کی کوئی چیز تھی۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتہً ہی چٹ کی آواز ہوئی اور روشنی پھیل گئی۔ اندھیرے سے اچانک روشنی میں آتے ہی میری آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ لیکن اب کسی کی سانسوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ میں نے خود کو سنبھال کر اس طرف دیکھا۔

پھر ایک دراز قد آدمی کو کھڑے ہوئے پایا۔ اس کا سر گنجا تھا۔ ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ سامنے ہی ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یقیناً وہ اسی دروازے سے اندر آیا تھا۔ جو چیز نیچے گری تھی، وہ ایک پیالہ نما گلدان تھا جو ایک خوب صورت سے اسٹینڈ پر رکھا ہوا تھا۔ وہ شخص مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے کہا۔

''کون سی جگہ ہے یہ اور کون ہو تم......؟''

اس نے میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا اور بولا۔

''تم وقت سے پہلے ہوش میں آ گئے ہو۔ بہتر یہ ہے کہ پھر سے بے ہوش ہو جاؤ۔ تمہیں کم از کم دن کے دس بجے ہوش میں آنا ہے۔''

''فضول بکواس مت کرو......!''

میں نے غصیلے انداز میں اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تو اس نے پستول والا ہاتھ میری طرف کر دیا اور بولا۔

''مجھے اجازت ہے کہ میں تمہارے پیروں کو زخمی کر دوں۔''

''ارے واہ......! بلاوجہ زخمی کر دو......؟ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا......؟''

''یہ دس بجے ہی معلوم ہوگا اور اس سے پہلے تمہیں صرف بے ہوش رہنا ہے۔''

''نہیں پیارے بھائی......! میں دس بجے تک انتظار کر لوں گا۔ مجھے بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ کام کی بات ہوئی ناں......!''

اس کے ہونٹوں پر بھیانک مسکراہٹ پھیل گئی۔ کافی خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ قد و قامت میں

بھی بہت زیادہ تھا۔ اگر میں اس سے بڑھنے کی کوشش کرتا تو مجھے ہی نقصان پہنچتا۔ چنانچہ میں نے صبر کیا اور واپس مسہری پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ چند لمحے مجھے گھورتا رہا اور پھر اس نے گلدان اُٹھا کر اپنی جگہ پر رکھا۔ پھول اس میں جمائے اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ دروازہ باہر سے بند ہونے کی آواز صاف سنائی دی تھی۔ لیکن اس نے لائٹ بند نہیں کی تھی۔ میں مسہری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

پھر میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ ایک وسیع کمرہ تھا جس میں قالین کی مناسبت سے بہترین چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ خواب گاہ ہی معلوم ہوتی تھی۔ مسہری بھی بہت قیمتی تھی، جس پر میں لیٹا رہا تھا۔ لیکن یہ کون سی جگہ ہے......؟ اور مجھے کیوں اغواء کیا گیا ہے......؟ جس شخص کو دیکھا تھا، وہ تو شکل ہی سے غنڈہ نظر آتا تھا۔ کم بخت بے پناہ تن و توش کا مالک تھا۔

بہرحال میں اس سے یہاں کشتی نہیں لڑنا چاہتا تھا۔ پھر وقت گزرتا رہا۔ صبح کی روشنی آہستہ آہستہ پھوٹنے لگی، جس کا احساس دروازوں اور کھڑکیوں سے ہو رہا تھا۔ پھر پورا اُجالا پھیل گیا۔ ابرانوس کا نام میں اب بھول کر بھی اپنے ذہن میں نہیں لینا چاہتا تھا۔ سب سے زیادہ غصہ مجھے اسی پر آ رہا تھا۔ اس کی وجہ سے میں ہمیشہ مشکلوں کا شکار ہو جاتا تھا۔

پھر اس وقت گھڑی میں سات بجے تھے جب دو افراد اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک وہی تھا جس سے میری ملاقات ہو چکی تھی، دوسرا باورچی قسم کا آدمی تھا۔ وہ ٹرالی دھکیلتا ہوا لا رہا تھا۔ اس ٹرالی پر ناشتے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے ناشتہ کرنے کے لئے کہا اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر باہر نکل گیا۔ میں نے ایک نگاہ ناشتے پر ڈالی، پھر باتھ روم میں منہ ہاتھ دھویا۔ دانت وغیرہ صاف کئے اور باہر نکل کر ناشتے میں جت گیا۔

''اب جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔''

خدا خدا کر کے دن کے دس بجے اور میں نے یہ محسوس کی کہ یہ لوگ زبان کے پابند ہیں۔ دس بجے دو آدمی اندر آئے تھے۔ اس بار بھی وہ گنجا ہی ساتھ آیا تھا اور اس کے ساتھ دوسرا آدمی جو تھا، وہ بھی جسامت میں گنجے سے کم نہیں تھا۔ لیکن وہ شخص قدرے مہذب نظر آتا تھا۔ اس کے بال سفید تھے جبکہ چہرہ انتہائی جاندار تھا۔ اسی نے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور دروازے کی طرف مُڑ گیا۔

میں نے کچھ لمحے سوچا پھر ان دونوں کے پیچھے پیچھے نکل آیا۔ دروازے کے دوسرے طرف ایک پتلی سی راہ داری تھی۔ ان میں سے ایک شخص میرے پیچھے اور دوسرا آگے ہو گیا۔ گویا وہ لوگ مجھ پر نگاہ رکھ رہے تھے۔ اس طرح ہم ایک اور کمرے میں داخل ہو گئے جہاں ایک تیسری شخصیت ایک کالے رنگ کی میز کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی، اس کے قد و قامت کا تو اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن اس کے چہرے، شانوں اور پُر وقار چہرے سے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ ان میں نمایاں شخصیت کا حامل ہے۔ اس نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر

خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تشریف لائیے جناب......! لیکن آپ کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ ہم لوگ ہر معاہدے کی پابندی چاہتے ہیں۔ بے شک آپ کا سابقہ ریکارڈ بہت خطرناک ہے، لیکن آپ کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ آپ کا واسطہ کن لوگوں سے ہے......؟''

''سبحان اللہ......! کیا سمجھ رہے ہیں آپ لوگ مجھے......؟''

اس نے کہا۔

''کیا خیال ہے تمہارا......؟ تم کیا سمجھ رہے ہو......؟''

اس نے کہا۔

''میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں، کہیں میرے بارے میں آپ کو کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی......؟''

وہ شخص چونک کر مجھے دیکھنے لگا، پھر اس نے کہا۔

''ارے......! تم نے اُردو کہاں سے سیکھ لی......؟''

''یہ میری اپنی زبان ہے......؟''

''جھوٹ بول رہے ہو مائی ڈیئر منوچہر......!''

''کک......کیا......کیا......؟ یہ منوچہر کون ہے......؟''

میں نے سوال کیا اور اس شخص کے چہرے پر تھوڑی سی تلخ کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نیا ڈرامہ کرنے کی کوشش مت کرو مائی ڈیئر منوچہر......!''

''دیکھئے......! آپ بالکل غلط بات کر رہے ہیں۔''

''سنو منوچہر......! تم انتہائی غلط انسان نکلے۔ ہم نے تو یہ سنا تھا کہ تم معاوضہ لینے کے بعد انتہائی ایمان داری سے اپنا کام کرتے ہو، برے آدمیوں میں آپ کو ایک اچھا آدمی تسلیم کیا جاتا تھا، لیکن یہ سب کچھ غلط ثابت ہو رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، وہ ایران کے بہترین مفاد میں ہے۔ آپ کو ایران کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے ہی اس کام کے لئے تیار ہونا چاہئے تھا۔ لیکن آپ نے انتہائی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے اور اپنے معاوضے کے آدمی رقم وصول کرنے کے باوجود آپ نے راہِ فرار اختیار کی ہے۔ ہمیں یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں آپ ہمارے دُشمنوں کے آلۂ کار نہ بن گئے ہوں۔''

''میری جان......! میرے پیارے بھائی......! ایک بار پھر اپنی ان چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے غور کر لو۔ میرا نام منوچہر نہیں، بلکہ مجھ بدنصیب کا نام احتشام احمد عرف شامی ہے اور میرا تعلق پاکستان سے ہے۔''

"ٹھیک ٹھیک......! آپ تشریف رکھئے، ہم اب بھی آپ سے دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

"ایک بات بتائیے......! کیا میرا منوچہر بننا ضروری ہے......؟"

"میں نے کہا ناں......! فضول باتوں سے گریز کرو۔"

"خیر......! اب تمہیں ایک بات اور بتا دوں۔ جب بھی تمہیں اصل منوچہر ملے گا، تم اس تشویش کا شکار ہو جاؤ گے کہ میں تمہارے راز سے واقف ہو چکا ہوں اور بلاوجہ میرے لئے مصیبت کھڑی کر دو گے۔ میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میں منوچہر نہیں ہوں۔ بعد میں میرا قصور نہیں ہوگا۔"

"کچھ کہنا ہی بے کار ہے مسٹر منوچہر......! چلیں، پہلے آپ کو یقین دلا دیں کہ آپ منوچہر ہی ہیں، پھر باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

اس شخص کے لہجے میں غراہٹ سی پیدا ہوگئی تھی۔

"چیف......! اگر مجھے اجازت دیں تو میں اسے یاد دلا دوں کہ یہ کون ہے......؟"

گنجے نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"نہیں......! ہمیں ابھی ان کے ساتھ اتنا برا سلوک نہیں کرنا چاہتے۔ انہیں موقع دیا جائے۔ جاؤ، انہیں ان کی رہائش گاہ میں چھوڑ آؤ اور پھر دوبارہ جب ان کو یہاں بلایا جائے گا تو یہ اپنے آپ کو منوچہر تسلیم کر لیں گے۔ ویسے آپ کو ایک موقع دیا جاتا ہے کہ آپ ہمیں اپنے بارے میں بتائیں کہ اگر آپ منوچہر نہیں ہیں تو پھر کون ہیں......؟ آپ کو پتا ہے کہ ہمارے منصوبے کی ابتداء میں صرف چالیس ہی گھنٹے رہ گئے ہیں۔"

"جناب عالی......! میرا نام احتشام عرف شامی ہے اور میں کیا ہوں......؟ اس بارے میں بتانا بالکل بے کار ہوگا۔"

"آپ کا قیام کہاں ہے......؟"

"ہوٹل فانوس میں۔"

میں نے جواب دیا اور کمرہ نمبر بھی دُہرایا۔

"ٹھیک ہے......! میرا خیال ہے، آپ کے بارے میں خاصی تصدیق کی جائے گی۔ ویسے ہم آپ کو زندہ رکھنے کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ اپنا کام ہم دوسرے طریقے سے بھی لے سکتے ہیں۔ چلو لے جاؤ اسے، بند کر دو۔"

آخر میں اس نے اپنی شرافت اُتار کر اپنے کندھے پر ڈال لی اور دو آدمی مجھے دھکیلتے ہوئے دوبارہ میری رہائش گاہ میں لے آئے۔

"آہ......! اب کیا کروں......؟ اس نئی مصیبت سے چھٹکارہ کیسے حاصل ہو......؟"

اسی وقت میرے کانوں میں ابرانوس کی آواز اُبھری۔

"لو......! یہ کون سا مشکل کام ہے میری جان......؟ منوچہر بن جاؤ۔"

میرے پورے وجود میں آگ سلگ اُٹھی تھی۔ غصے کی شدت سے میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ ابرانوس کا ہلکا سا قہقہہ میرے کانوں میں اُبھرا تھا، پھر اس نے کہا۔

"دیکھو دوست......! مجھے یقین ہے کہ تم عادت کے مطابق مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دو گے، لیکن ایک بات میں تمہیں بتا دوں۔ اگر ان میں کوئی بھی شخص تمہیں اُنگلی بھی لگاتا تو اس کے ہاتھ کی کوئی اُنگلی باقی نہ رہتی۔"

"چلے جاؤ، میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔ یار......! تم جن زادے ہو، میں نے تو کبھی کسی جن زادے کے بارے میں ایسی بات نہیں سنی۔"

"چلو ٹھیک ہے......! ایک منٹ میری جان......! میری بات سن لو۔"

"ابرانوس......! میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ براہِ کرم میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"میرے دوست......! تمہیں پتا ہے کہ بڑے بڑے عامل، عالم ہم جنوں کو قبضے میں کرنے کے لئے پتا نہیں کتنی زندگی برباد کر دیتے ہیں......؟ مجھے بتاؤ، میں نے تمہیں کب تکلیف پہنچائی ہے......؟ کون سی جگہ تم مصیبت کا شکار ہوئے ہو......؟ آرام کر رہے ہو اچھی طرح سے، اس خوب صورت ملک کی سیاحت بھی کر رہے ہو اور خاص طور سے اس حسین لڑکی کا قرب بھی تمہیں حاصل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم فطرتاً احمق ہو۔ تم جانتے ہو کہ میں تم سے اتنی دُور رہتا ہوں، اس کی وجہ کیا ہے......؟

میں تمہیں بداعتمادی کا شکار نہیں ہونے دینا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم جب بھی محسوس کرو گے تو تمہارے اندر ایک جھجک پیدا ہو جائے گی اور تم اپنی خواہشات کو وہ شکل نہیں دے سکو گے جو دینا چاہتے ہو۔ لیکن کسی مصیبت میں، میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔"

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے ابرانوس......!"

"ٹھیک ہے......! کوئی حرج نہیں ہے۔ میں تمہاری خواہش کے بغیر تمہاری مدد نہیں کروں گا۔ لیکن تم مجھے بتاؤ کہ تمہیں کہاں نقصانات اُٹھانے پڑے ہیں......؟ جب سے میرا اور تمہارا ساتھ ہوا ہے اور میں نے تم سے دوستی کا اظہار کیا ہے، تم نے ہمیشہ مجھ سے بے زاری کا اظہار کیا ہے۔ میری اتنی سی خواہش کا بھی احترام نہیں کرتے۔

چلو ٹھیک ہے......! تمہاری مرضی ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ زندگی تو بڑی مختصر سی چیز ہے۔ تم اس سے لطف لو۔ مجھے بھی تمہاری دُنیا بہت اچھی لگ رہی ہے۔ ویسے میں تمہیں آخری مشورہ یہی دے رہا ہوں کہ تم منوچہر بن جاؤ۔ دیکھو تو سہی، یہ لوگ چاہتے کیا ہیں......؟"

''تمہیں معلوم ہے کہ وہ لوگ کیا چاہتے ہیں......؟''

''یقین کرو، نہیں......! اب میں جن زادہ ہوں، کو عالم کامل نہیں۔ یہ دُنیا تو بہت وسیع ہے۔ ہم جنوں پر بھی پابندیاں ہوتی ہیں۔ ہم ہر ایک کے ذہن میں نہیں جھانک سکتے۔''

''وہ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں جو صرف ان کے مفاد میں ہے۔ مجھے بھلا کیا ضرورت پڑی ہے......؟''

''یار......! ہر چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ زندگی کا کوئی مقصد بنے تو اس پر کام کرو، ورنہ تفریح لو۔''

''ٹھیک ہے......! لیکن مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''

''تمہاری مرضی ہے......! میں تم سے الگ ہو جاتا ہوں اور اب تم جب تک مجھے آواز نہیں دو گے، میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔ جاؤ، نکل جاؤ یہاں سے، جہاں دل چاہے چلے جاؤ۔ میں نے اپنی محبوبہ کو بھی تمہارے لئے چھوڑ دیا ہے۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ جب تم اس سے محبت کی باتیں کر رہے تھے، میں تم سے زیادہ دُور نہیں تھا، کیا سمجھے......؟''

''تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے ابرانوس......! میں تم پر جب اعتماد کرتا ہوں، تم غائب ہو جاتے ہو۔''

''نہیں......! اب میں تمہارا راستہ نہیں کاٹوں گا، میرا وعدہ......!''

''تم کیا کرتے پھر رہے ہو اس دوران......؟''

لیکن میرے اس سوال کا ابرانوس نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے اسے پھر پکارا، لیکن مجھے تھوڑی دیر کے بعد یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ اب یہاں موجود نہیں ہے۔ آخر کار میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے خود کو منوچہر تسلیم کر لینا چاہئے۔ دیکھوں تو سہی یہ لوگ آخر مجھ سے کیا چاہتے ہیں......؟

وقت گزرتا رہا، شام کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے میں نے غسل وغیرہ کیا، گینس کتنی ہی بار یاد آئی تھی۔

''پتا نہیں اس پر کیا بیت رہی ہو گی......؟ اس نے باطش چنگیزی کی تلاش کے لئے اشتہار دیا تھا، ہو سکتا ہے اسے اس اشتہار سے فائدہ ہو۔ وہ اپنا سراغ پا لے گی تو اپنی راہ لے گی۔ مجھے اس سے کیا مل سکتا ہے......؟''

البتہ اس کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات دل میں گدگدی پیدا کر رہے تھے۔ کئی لڑکیاں میرے نزدیک آئی تھیں اور میں نے دل ہی دل میں ان کے بارے میں سوچا تھا۔ لیکن آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ ان لڑکیوں نے میری کافی پذیرائی کی تھی جن میں رکنی، نتاشہ ورما اور نرمل شرما وغیرہ تھیں۔ لیکن بہرحال میں آگے بڑھ سکا تھا۔ اس کے علاوہ اب گینس میری زندگی میں آئی تھی۔ لیکن میں کر بھی کیا سکتا تھا......؟ خود اپنے حالات پر تو قادر نہیں تھا۔ بہرحال میں نے سوچ لیا تھا کہ اب میں اپنے آپ کو منوچہر تسلیم

کر لوں۔ چالیس گھنٹے کے اندر اندر مجھے کوئی کام سرانجام دینا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا کام ہے......؟

بہرحال ساڑھے آٹھ بجے تک کوئی میرے پاس نہیں آیا۔ مجھے تعجب ہوا تھا، آٹھ بج کر پینتیس منٹ ہوئے تھے۔ جب دروازہ کھلا اور اب بار جو لوگ سامنے آئے، وہ بالکل نئے لوگ تھے۔ لباس اور چہرے سے مہذب نظر آتے تھے۔ انہوں نے میرے قریب پہنچ کر مجھے حیرانی سے دیکھا، پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''آیئے......!''

میں ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ کچھ پوچھنا بالکل ہی بے مقصد تھا۔ آخر کار وہ مجھے اس کمرے میں لے آئے جہاں میں پہلے آ چکا تھا۔ درمیان میں ایک بھاری بھرکم آدمی بھی موجود تھا۔ اس نے اپنے سامنے رکھے ہوئے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکالی اور پیکٹ میری طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

''سگریٹ پلیز......!''

''نہیں شکریہ......!''

میں نے جواب دیا۔

''تو پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا اپنے بارے میں......؟''

''ٹھیک ہے......! میں منوچہر ہوں۔''

میں نے جواب دیا۔

''لیکن آپ کا یہ انداز تو اس قسم کا اظہار کرتا ہے جیسے آپ اپنے آپ کو منوچہر نہ سمجھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو منوچہر کہنا چاہتے ہوں......؟''

''میں اس موضوع پر بات نہیں کروں گا۔''

''آپ کے بارے میں فانوس سے بھی معلومات حاصل کر لی ہیں۔''

''بس......! میں اب اور کچھ نہیں کہوں گا اس سلسلے میں۔''

''خیر......! آپ کو علم ہے کہ آپ کو کیا کرنا ہے......؟''

''میری یادداشت اچانک کچھ خراب ہو گئی ہے۔ براہِ کرم آپ لوگ مجھے دوبارہ بتا دیجئے۔''

''اگر ہم آپ کو اس کام کے بارے میں بتا دیتے ہیں تو کیا آپ ہمارے لئے وہ کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے......؟''

''ہاں......! میرا وعدہ ہے۔''

''آپ کو آدھا معاوضہ ادا کیا جا چکا ہے، باقی آدھے معاوضے کے بارے میں بھی آپ کیا کہتے ہیں......؟''

''وہ بھی مجھے دے دیں تو اچھا ہے۔ لیکن ابھی نہیں، جب آپ کا کام ہو جائے، اس کے بعد۔

بس......! میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے اس کمرے میں قید نہ رکھا جائے، آزادی دی جائے۔''

''ٹھیک ہے......! لیکن آپ سچائی سے ہمارا کام کرنے پر رضامند ہو جائیں، تب......!''

''اس کا اظہار میں کیسے کر سکتا ہوں......؟''

''ہاں......! بتایا جاتا ہے آپ کو۔''

اس نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ کہیں دُور گھنٹی بجنے کی آواز اُبھری تھی اور اس کے بعد وہ لوگ ایک تابوت لے کر اندر آئے۔ میں نے حیرت سے اس تابوت کو دیکھا تھا۔ پھر انہوں نے تابوت کا ڈھکن دیکھا اور میرے پورے بدن میں سرگرم لہریں دوڑ گئیں۔ تابوت میں لیٹا ہوا شخص میرا ہم شکل تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں خود بھی اپنے کسی ہم شکل کو دیکھ رہا تھا۔ میرے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ میں نے حیرانی سے کہا۔

''کیا یہ مر چکا ہے......؟''

''ہاں......! افسوس، اسے ہلاک کر دیا گیا ہے۔''

اس شخص نے کہا اور گنجے نے تابوت میں لیٹے ہوئے شخص کے سینے سے کپڑا ہٹا دیا۔ اس کے سینے میں گولی کا نشان صاف دیکھا جا سکتا تھا۔

''مگر یہ ہے کون......؟''

میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''منوچہر......!''

بھاری بھرکم شخص نے کہا اور میرے سر میں کھجلی ہونے لگی۔ وہ شخص چند لمحات پُرخیال انداز میں ایک دیوار کو دیکھتا رہا، پھر بولا۔

''یہ حقیقت ہے مائی ڈیئر احتشام عرف شامی......! کہ یہ شخص منوچہر ہی ہے اور اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔''

''گویا اب میں منوچہر نہیں ہوں......؟''

میں نے سوال کیا۔

''نہیں......! لیکن آپ اس سے کتنے ملتے جلتے ہیں، اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے۔ اسے قتل ہوئے چوبیس گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ اس کے بدن کو قدیم مصری طریقے سے حنوط کر دیا گیا ہے۔''

''جی......!''

میں نے آہستہ سے کہا۔ تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا گیا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا گورکھ دھندہ ہے۔ بہر حال میں نے کہا۔

''اگر منوچہر مر چکا ہے تو آپ لوگوں کو یقین آ گیا ہو گا کہ میں نے آپ سے سچ بولا تھا۔''

''لیکن آپ کی صورت حیرت انگیز طور پر منوچہر سے ملتی جلتی ہے۔''

''اب اس میں میرا کیا قصور ہے......؟''

''ہم ایک بار پھر آپ کو تکلیف دینا چاہتے ہیں۔ آپ کے چہرے پر میک اَپ تلاش کیا جائے گا۔''

''تلاش کریں، تلاش کریں۔''

میں نے کہا اور اس کے بعد وہ لوگ نہ جانے کیا کیا کرتے رہے......؟ آخر میں میک اَپ ایکسپرٹ نے کہا۔

''نہیں جناب......! یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

''آپ ایسا کریں، کھال اُتار کر اور دیکھ لیں، ممکن ہے کھال کے نیچے سے کوئی اور چہرہ برآمد ہو جائے۔''

میں نے طنزیہ کہا۔

''آپ کے ساتھ اب تک جو واقعات پیش آئے ہیں مسٹر شامی......! ہم ان کے لئے معافی چاہتے ہیں۔ تاہم آپ نے خود دیکھ لیا کہ ہماری غلط فہمی بجا تھی۔''

''بڑی دلچسپ بات ہے کہ جب میں نے اپنے آپ کو منوچہر تسلیم کر لیا، تب آپ یہ بتا رہے ہیں کہ میں منوچہر نہیں ہوں۔''

''ہاں......! ہم اپنی غلطی کو تسلیم کر چکے ہیں۔''

بھاری بھرکم شخص نے جواب دیا۔

''گڈ......! تو پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے......؟''

میں نے کہا اور بھاری بھرکم شخص اپنا داہنا گال کھجانے لگا، پھر بولا۔

''منوچہر ہمارے لئے ایک انتہائی اہم شخصیت تھی۔ ہم ایک ایسا کام کرنا چاہتے تھے جو ایران حکومت کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ منوچہر بھی ہماری حکومت کا آدمی نہیں تھا، بلکہ وہ ایک ایسا شخص تھا جو معاوضہ لے کر ہر قسم کے کام کر دیا کرتا تھا۔ البتہ وہ ایرانی نژاد تھا، اس لئے ہمارا کام کرنے کے لئے دل سے آمادہ ہو گیا تھا اور اس نے ہمارا پیش کردہ معاوضہ بھی قبول کر لیا تھا۔

مسٹر احتشام......! آپ کی مالی حیثیت کیا ہے......؟ یہ ہم نہیں جانتے، لیکن اگر آپ ہماری تھوڑی سی مدد کر دیں تو ہم آپ کو انتہائی گراں قدر معاوضہ دیں گے اور جس کی آدھی رقم حسبِ روایت آپ کو اسی وقت ادا کی جا سکتی ہے۔''

اس نے اپنی میز کی دراز میں ہاتھ ڈالا اور ایرانی کرنسی کی بہت سی گڈیاں نکال کر میرے سامنے رکھ دیں۔

''یہ اتنی رقم ہے کہ آپ اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ مالی آسودگی میں بسر کر سکتے ہیں۔''

''خوب......!''

میں نے گڈیوں پر ہاتھ رکھ دیا، مجھے خوشی بھی ہوئی تھی، وہ سب خوش ہو گئے۔

''آپ کا بے حد شکریہ مسٹر شامی......! ہر عقل مند آدمی یہی فیصلہ کرتا، اور اب آپ ہمارے بہترین دوستوں میں سے ہیں۔ ہمارے ہی نہیں، بلکہ حکومت ایران کے دوستوں میں۔ اس منظوری کے بعد آپ کی حیثیت تبدیل ہو گئی ہے اور اب آپ ایک معزز مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

بہر حال میں نے تمام گڈیاں اپنی جیبوں میں ٹھونس لیں۔ بھاری بھرکم شخص نے کہا۔

''آپ آرام کیجئے، آپ سے دوسری ملاقات بہت جلد کی جائے گی۔''

عمارت وہی تھی، لیکن کمرہ دوسرا تھا جو پہلے کمرے سے کہیں زیادہ کشادہ اور خوب صورت تھا۔ میں نے نوٹوں کی گڈیاں دیکھیں اور گہری سانس لے کر رہ گیا۔ بہت بڑی رقم تھی۔ پتا نہیں آگے کیا ہونے والا ہے......؟ بہر حال تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ شخص اندر آیا اور مسکرا کر مجھ سے بولا۔

''میرا نام عدیلی ہے، آپ مجھے عدیل کہہ سکتے ہیں۔ آپ سے کچھ معلومات کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی بتائیے......!''

''آپ کا تعلق کہاں سے ہے......؟''

''میں آپ کو بتا چکا ہوں اس بارے میں۔''

''بہر حال آپ ایران کب تشریف لائے......؟''

''چند دن قبل......!''

''آمد کی وجہ......؟''

''آپ یقین نہیں کریں گے۔''

''نہیں......! ایسی بات نہیں ہے۔ بتائیے پلیز......!''

میں نے پوری تفصیل سے اسے یہاں تک آنے کی کہانی سنا دی۔ وہ حیران نگاہوں سے میری صورت دیکھتا رہا، پھر بولا۔

''گویا آپ کا کوئی پیشہ، کوئی مصروفیت نہیں ہے......؟''

''جی نہیں......!''

''میں آپ سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔ البتہ یقین کئے لیتا ہوں۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اب ایران میں آپ ایک غیر معمولی مہمان کی حیثیت سے تسلیم کر لئے جائیں گے اور کوئی آپ سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ آپ غیر قانونی طور پر یہاں داخل ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ آپ کا اگر مالی مفاد یہاں سے وابستہ ہے اور ایرانی

حکومت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، تب بھی ہم آپ سے بھرپور تعاون کریں گے۔ میں پوری نیک نیتی سے آپ سے یہ الفاظ کہہ رہا ہوں۔ آپ وہ سب کچھ نہ کریں اور یہاں سے چلے جائیں، لیکن ہم آپ کی ہر طرح مدد کریں گے۔''

''ٹھیک ہے......! میں نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے، وہ بالکل درست ہے۔''

''چلئے......! بات ختم ہو گئی۔ اب میں آپ کو آپ کے کام کی تفصیل بتا دوں۔ لیکن یہ ایرانی حکومت کا گہرا راز ہے۔ آپ کا کام صرف اتنا ہو گا مسٹر شامی......! کہ آپ کو حکومت ایران کے خلا ایک اہم راز حاصل کرنا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ایک خاتون ہیں، جن کا نام حریمہ ازلہ ہے۔ حریمہ ازلہ بے شک ایرانی شہریت رکھتی ہیں، لیکن یہ بات حکومت کے ریکارڈ میں آ چکی ہے کہ وہ کچھ غیر ملکی قوتوں کے لئے کام کر رہی ہیں۔ حکومت ایران کا ایک راز وزارتِ داخلہ سے چوری ہو گیا ہے جس میں حریمہ ازلہ کا ہاتھ بتایا جاتا ہے، اور اب یہ بات پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی ہے کہ خاتون حریمہ ازلہ ایک شخص کی منتظر ہیں جسے اس راز کو ٹھکانے لگانے کا کام انجام دینا ہے اور اس شخص کا نام یوسف عارض ہے۔

یوسف عارض جو نسلاً ایرانی ہی ہے، لیکن نو عمری ہی کے زمانے میں ملک سے باہر چلا گیا تھا۔ اب یہی شخص اس راز کو دشمن ملک کے ہاتھوں فروخت کا ذریعہ بنے گا۔ خاتون حریمہ ازلہ اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ ہم ان پر بظاہر تو ہاتھ نہیں ڈال سکے کیونکہ خود ان کی شخصیت بھی مستحکم ہے اور ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لیکن یوسف عارض کو ہم نے یوگوسلاویہ سے گرفتار کر لیا ہے اور اب وہ ہمارا قیدی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یوسف عارض، منوچہر کا ہم شکل تھا اور آپ ان دنوں کے ہم شکل۔ گویا جو کام ہم منوچہر سے لینا چاہتے تھے، اب آپ کو وہ کام انجام دینا ہو گا۔ آپ کو اس سلسلے میں تھوڑی سی ریہرسل کرا دی جائے گی اور اس کے بعد آپ کو ایک شاندار پارٹی میں شریک ہونا پڑے گا، جس میں آپ کی ملاقات خاتون حریمہ ازلہ سے ہو گی۔ تمام تفصیلات آپ کو بتا دی جائیں گی، اور اب آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ آپ جلد از جلد اپنے آپ کو اس کام کے لئے تیار کر لیں۔''

''میں تیار ہوں۔''

''شکریہ......! تھوڑی دیر کے بعد کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچ جائیں گے جو آپ کو مکمل بریف کر دیں گے۔ مجھے اجازت دیجئے۔''

''میرے پاس یہ رقم محفوظ ہے، میں اسے بینک میں رکھوانا چاہتا ہوں۔''

''مجھے دے دیجئے، میں فوراً اس کا بندوبست کر دوں گا۔''

بہر حال مجھے اس پر بھروسہ کرنا ہی تھا۔ میں ان دلچسپ واقعات پر غور کرتا رہا۔ مزید کچھ دیر کے بعد ایک دراز قامت عورت جس کی عمر چالیس سے اوپر تھی، لیکن جو اپنے بدن کی بناوٹ اور حسین نقوش کی بناء پر اس عمر

میں بھی دلکش لگتی تھی، میرے پاس آگئی اور مؤدب لہجے میں بولی۔

"آیئے......! میں آپ کو بریفنگ روم میں لے چلوں۔"

میں عورت کے ساتھ چل پڑا اور عمارت کے اوپری حصے میں پہنچ گیا، جہاں ایک بہت بڑا ہال بنا ہوا تھا۔ ہال میں تین افراد موجود تھے۔ ایک طرف ایک بڑا اسکرین لگا ہوا تھا اور اس کے سامنے پروجیکٹر رکھا ہوا تھا۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ تیسرے آدمی نے پروجیکٹر آن کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد اسکرین پر ایک چہرہ نظر آیا۔

"یہ خاتون حریمہ ازلہ ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے حریمہ ازلہ کے بارے میں مختصر تفصیل بھی بتائی کہ وہ ایران کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے زبردست تعلقات ہیں۔ پھر مجھے یوسف عارض کی شکل دکھائی گئی اور میں واقعی بہت حیران ہوا کہ وہ شخص ہر طرح سے میرا ہم شکل تھا۔ اس کے بعد اس کے بارے میں ایک فلم چلنے لگی جس میں اسے کھاتے ہوئے، بولتے ہوئے، سوتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ مجھے کئی بار یہ فلم دکھائی گئی اور مجھ سے کہا گیا کہ میں اسے اپنے ذہن میں اُتار لوں۔

"ٹھیک ہے......!"

مجھے اس کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ میری اور اس کی آواز میں فرق ضرور تھا لیکن اتنا نہیں۔ اگر میں تھوڑی سی محنت کر کے بولنے کی کوشش کرتا تو ناکام نہ رہتا۔ بہرطور مختلف طریقوں سے مجھے اس سلسلے میں بتایا گیا، پھر اس شخص نے کہا۔

"جی......! اب آپ کیا کہتے ہیں مسٹر یوسف عارض......؟"

میں مسکرا دیا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

میں نے آواز بدلنے کی کوشش کی۔ بہر حال ابرانوس کا بھی یہی کہنا تھا کہ زندگی کو انجوائے کیا جائے اور میں اس کے لئے بالکل تیار ہو گیا۔ آخر کار وہ وقت آ گیا جب مجھے اس پارٹی میں شریک ہونا تھا۔ میں نے اس دوران مکمل طور پر اپنے آپ کو اس کام کے لئے تیار کر لیا تھا۔ جو ریہرسل مجھے کرائی گئی تھی، اسے میں نے مکمل طور پر ذہن نشین کر لیا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کام سے تھوڑی دیر پہلے مجھے گینس کا خیال آ گیا۔

"پتا نہیں اس پر کیا بیتی......؟ اشتہار دینے کے بعد اس کا رابطہ باطش چنگیزی سے ہوا یا نہیں......؟"

خیر......! میرا تو کھیل ہی بدل گیا تھا۔ آخر کار وہی دراز قامت عورت جس سے اس عمارت میں ملاقات ہوئی تھی، میرے پاس آئی اور مجھے چلنے کے لئے کہا۔

"آپ کی شخصیت بے حد خوب صورت ہے مسٹر یوسف عارض......! لیکن آپ کے لئے ایک بہت ہی اچھے لباس کا انتظام کیا گیا ہے۔"

میں نے لباس پہنا اور وہ عورت میرے پاس آگئی۔ پھر اس نے ایک مخصوص قسم کا پرفیوم میرے لباس پر لگایا اور بولی۔

"یہ یوسف عارض کا پسندیدہ پرفیوم ہے اور خاتون ازلہ یہ بات جانتی ہیں۔"

"ان کے درمیان کیا تعلقات تھے......؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔"

"حالانکہ یہ بات جاننا ضروری تھی۔"

"آپ کو خود بھی اندازہ ہو جائے گا۔ ویسے اس وقت ان کی عمر تقریباً باون سال ہے۔"

"ارے واہ......! تب ٹھیک ہے۔"

میں نے کہا اور وہ ہنس پڑی۔ پھر اس نے اپنے لباس سے چند انگوٹھیاں نکال کر میرے ہاتھوں میں ڈال دیں۔

"یہ یوسف عارض کی ہیں۔"

بہر حال میں تیار ہو گیا اور وہ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ کر بولی۔

"آپ تشریف لے آیئے۔ آپ کے کام کا آغاز ہو چکا ہے۔"

باہر ایک بہت ہی خوب صورت کار کھڑی ہوئی تھی جس میں ڈرائیور موجود تھا۔ کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی اور جب گیٹ پر پہنچی تو کسی سمت سے وہ بھاری بھرکم آدمی آ گیا جو اب تک میرا بہترین ساتھی رہا تھا۔ اس نے مجھے خدا حافظ کہا اور ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔

ایران سے میں بہت اچھی طرح واقف نہیں تھا لیکن کچھ راستے میرے جانے پہچانے تھے، جس راستے پر میری کار مُڑی، اس طرف میں پہلے نہیں آیا تھا۔ بہت سفر طے ہوتا رہا اور پھر وہ ایک ایسے خوب صورت علاقے میں پہنچ گئی جسے انتہائی شاندار لوگوں کی رہائش گاہ کہا جا سکتا تھا۔ اعلیٰ طرز کی کوٹھیاں اطراف میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے آگے دربان اور کتے گشت کر رہے تھے۔ آخر کار گاڑی اسی علاقے کی ایک کوٹھی میں پہنچ گئی جہاں کافی رونق نظر آ رہی تھی۔

گیٹ پر دربان کھڑے ہوئے تھے۔ اندر ایک وسیع و عریض لان بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ بے شمار کاریں پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی تھیں اور بہت بڑے سوئمنگ پول کے کنارے بکھری ہوئی گھاس پر میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ ڈرائیور نے کار روکی اور نیچے اُتر کر دروازہ کھول دیا۔ میں نیچے اُتر آیا۔

فوراً ہی سیاہ سوٹ میں ملبوس ایک آدمی نے میرا استقبال کیا اور میں نے جیب سے وہ کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا جو چلتے وقت میرے حوالے کیا گیا تھا۔ اس نے مؤدبانہ انداز میں گردن خم کی اور مجھے اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ پھر اس نے وہاں کھڑے ہوئے لوگوں سے کہا۔

"جناب یوسف عارض......!"

میں نے مسکرا کر گردن خم کی اور لوگوں کے ہجوم کی جانب بڑھ گیا۔ تاحد نگاہ حُسنِ ایران بکھرا ہوا تھا۔ سوئمنگ پول میں خاص طور سے رنگین پانی ڈالا گیا تھا۔ اس کی تہہ میں برقی قمقمے جگمگا رہے تھے۔ ہر طرف نوجوان جوڑے مصروفِ گفتگو تھے۔ مجھے اس بات کا خدشہ بھی تھا کہ کہیں یوسف عارض کے دوسرے شناسا بھی یہاں موجود نہ ہوں۔ مجھے اس کی شخصیت کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہوسکا تھا، لیکن جس حد تک معلومات ہوسکی تھیں، وہ یہ تھیں کہ وہ کہیں باہر سے آیا ہے اور خاتون حریمہ ازلہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ ایک ویٹر نے شراب کا جام میرے ہاتھ میں تھما دیا اور میں نے ایک گوشہ اپنا لیا۔

مجھے اب کسی شناسا کی تلاش تھی جو مجھے میرے نزدیک پہنچ کر مخاطب کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میری نگاہیں حریمہ ازلہ کو تلاش کر رہی تھیں۔ فلم کے ذریعے میں نے انہیں اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ خواتین کے غول کے غول ایک دوسرے سے جڑے بیٹھے تھے۔ لیکن ان میں ابھی تک خاتون حریمہ نظر نہیں آئی تھیں۔

"ہوسکتا ہے وہ ابھی یہاں آئی ہی نہ ہوں۔"

میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا جام ایک گملے میں خالی کر دیا اور اس کے بعد معزز مہمانوں کے درمیان چکرا تا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے خاتون حریمہ ازلہ نظر آ گئیں۔ وہ بہت ہی نفیس قسم کے لباس میں تھیں، چہرے پر گہرا میک اَپ تھا، آنکھیں بہت حسین اور بے حد کشادہ تھیں۔ وہ کچھ خواتین سے گفتگو کر رہی تھیں۔ میں ان کی شناخت کے بعد اپنے لئے جگہ متعین کرنے لگا جہاں میں ان سے ملاقات کر سکتا تھا، اور یہ اتفاق ہی تھا کہ انہوں نے بھی مجھے دیکھ ہی لیا اور تیر کی طرح میری طرف بڑھیں۔ گویا وہ مجھ سے آزادانہ طور پر ملاقات کر سکتی تھیں۔ پھر وہ میرے قریب آ گئیں، میں نے مسکرا کر انہیں سلام کیا تو انہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"کتنی دیر سے میری نگاہیں تمہیں تلاش کر رہی تھیں یوسف......! کہاں چھپے ہوئے تھے......؟"

"میں بھی آپ کی تلاش میں سرگرداں تھا۔"

"بہت اسمارٹ ہوگئے ہو، پہلے سے کہیں زیادہ۔"

"اور آپ اپنے بارے میں کیا کہتی ہیں......؟"

"جیسی پہلے تھی، ویسی ہی ہوں۔"

"لیکن مجھے جب بھی نظر آتی ہیں، پہلے سے زیادہ حسین اور جوان نظر آتی ہیں۔"

"اوہو......! شرارتیں بھی سیکھ گئے ہو۔ تمہاری بے باکی مجھے پسند آئی۔ آؤ بیٹھیں، بہت دیر سے یہ لوگ مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔"

"جو حکم......!"

میں نے گردن خم کرتے ہوئے کہا اور ہم ایک میز کی طرف بڑھ گئے۔ میز کے قریب پہنچ کر میں نے

ایک کرسی کو گھسیٹا اور وہ بڑے ناز سے بیٹھ گئیں۔ میں ان کے سامنے ہی دوسری کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"سب خیریت تو ہے ناں......؟ کم از کم مجھے اپنے پہنچنے کی اطلاع تو دے دیتے۔ میں انتظار کرتی رہی۔"

"اس کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔"

"کوئی دِقت پیش آ گئی تھی کیا......؟"

حریمہ ازلہ نے تشویش کے انداز میں پوچھا۔

"نہیں......! اس کے باوجود احتیاط ہماری زندگی ہے۔"

"ہاں......! اور تم جیسا انسان اپنے اطراف سے ہمیشہ چوکنا رہتا ہے۔ بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر۔"

"مجھے بھی......!"

"میں مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی اور اب مجھے جلد ہی تمہیں وہ راز دینا ہے۔"

"بلاشبہ......!"

"تیاریاں مکمل ہیں......؟ میرا مطلب ہے، متعلقہ افراد سے بات چیت ہوگئی ہے کیا......؟"

"ظاہر ہے، اس کے بغیر میں آپ کے پاس کیسے آ سکتا تھا......؟"

"تو پھر کسی جگہ کا تعین کرو، اور ہاں......! قیام کہاں ہے......؟"

"ایک پرائیویٹ رہائش گاہ میں۔ ہوٹل میرے لئے ناموزوں ہوتے ہیں۔"

"مجھ سے کب ملاقات کرو گے......؟"

"جب آپ حکم دیں۔"

"ٹھیک ہے......! کل صبح گیارہ بجے میں اپنی رہائش گاہ پر تمہارا انتظار کروں گی۔"

"میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

اسی وقت ایک کوتاہ گردن کا آدمی خاتون حریمہ کے پاس پہنچ گیا اور وہ مجھ سے معذرت کر کے اُٹھ گئیں۔ ہمارے درمیان پروگرام طے ہو گیا تھا۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ مجھے ان کی رہائش گاہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا، لیکن اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ کافی دیر تک میں وہاں رُکا اور اس کے بعد موقع پاتے ہی وہاں سے باہر نکل آیا۔

وہ کار پارکنگ لاٹ سے باہر نکل گئی تھی۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ دفعتہً لائٹ چلی گئی اور گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک موٹا کمبل میرے اوپر آ پڑا اور بہت سے ہاتھوں نے مجھے دبوچ لیا۔ میرے حواس ایک لمحے کے لئے گم ہو گئے تھے۔ مجھ پر کمبل ڈال کر دبوچنے والے

کئی افراد تھے۔ میری ہر جدوجہد بے کار رہی۔ انہوں نے مجھے کمبل سمیت اُٹھایا اور وہاں سے چل پڑے۔ میرا دم گھٹا جا رہا تھا۔ مہمانوں میں شور و غل کی آوازیں بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھیں۔

پھر مجھے کسی گاڑی میں ٹھونس دیا گیا اور گاڑی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ وہ لوگ اب بھی مجھے دبوچے ہوئے تھے۔ گھٹن اس قدر شدید تھی کہ آنکھوں کے آگے شدید اندھیرا چھانے لگا اور رفتہ رفتہ میرے ہوش و حواس رُخصت ہو گئے۔

نہ جانے کتنی دیر کے بعد ہوش آیا، اور ہوش آیا تو روشنی نظر آئی۔ اس روشنی میں، میں نے چھت پر لگی ہوئی اس دائرے نما ٹیوب لائٹ کو دیکھا جس سے ٹھنڈی روشنی خارج ہو رہی تھی۔ حالات آہستہ آہستہ ذہن میں جاگے تو یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ گاڑی میں ہوں یا باہر نکل آیا ہوں۔ لیکن صحیح اندازہ نہیں ہو پایا۔ البتہ یہ ضرور احساس ہوا کہ یہ ٹیوب لائٹ گاڑی کی تو ہو نہیں سکتی، نہ ہی بدن کو ہچکولے لگ رہے تھے، بلکہ اب میں ایک آرام دہ مسہری پر پڑا ہوا تھا۔

واقعات مزید یاد آئے تو میں بے اختیار اُچھل کر بیٹھ گیا۔ تبھی میری نگاہ ان تین افراد پر پڑی جو قطار کی شکل میں بت بنے بیٹھے تھے۔ یہ غالباً مقامی ہی آدمی تھے۔ بھاری بھرکم جسموں کے مالک لیکن ان کے چہروں سے کوئی خاص اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ میں انہیں دیکھتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہوا ہے......؟ شدید جھنجلاہٹ ذہن پر سوار ہونے لگی تو میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ان تینوں افراد کی نظریں مشینی انداز میں میرے چہرے کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھیں۔

’’کیا یہ پاگل خانہ ہے......؟‘‘

میں نے سوال کیا، لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ تب میں آگے بڑھ کر ان کے قریب پہنچا اور وہ تینوں بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑے ہو گئے۔ پھر سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکے اور پھر سیدھے ہو گئے۔

’’میں نے پوچھا تھا کہ کیا یہ پاگل خانہ ہے......؟‘‘

’’نہیں......!‘‘

ان میں سے ایک نے خوف زدہ سے لہجے میں کہا۔

’’تو تم تینوں پاگل ہو گیا......؟‘‘

’’نہیں......! بالکل نہیں......! ہم تینوں بھی صحیح الدماغ ہیں۔‘‘

’’یہ کون سی جگہ ہے......؟ اور مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے......؟‘‘

’’یہ سب سے مناسب جگہ ہے، اور ہم سب تمہارا احترام کرتے ہیں۔‘‘

’’فضول بکواس مت کرو اور یہ بتاؤ کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے......؟ اگر تم نے جواب نہیں دیا تو اس کا جواب جو کچھ بھی ہوگا، اس کی ذمے داری تم پر ہوگی۔‘‘

’’اس کا جواب میں دوں گا تمہیں۔‘‘

دروازے سے آواز آئی اور ایک شخص اندر داخل ہو گیا۔ میں نے اسے دیکھا اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ ڈاکٹر جین تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ اس کے پیچھے بھی دو افراد تھے جو دروازے پر رُک گئے تھے۔

’’تم کون ہو......؟‘‘

میں نے ایک دم اپنے لئے لائحہ عمل مرتب کر لیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا ڈاکٹر جین اس طرح کی حرکات کر سکتا ہے......؟ آخر یہ چاہتا کیا ہے......؟ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں اس سے اجنبیت کا اظہار کرتا ہوں۔ ڈاکٹر جین نے ان تینوں افراد کو پیچھے ہٹا دیا جو میرے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ پھر بولا۔

’’ہاں......! آرام سے بیٹھ جاؤ اور مجھ سے بات کرو۔‘‘

’’میں پوچھتا ہوں کہ تم نے ایک مہذب اور شریف انسان کو اغواء کرنے کی جرأت کیسے کی......؟‘‘

’’تمہاری تہذیب اور شرافت کا مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے، لیکن میں تم سے ایک بات ضرور کہوں گا کہ جو کچھ تم ہو، اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے۔ ہاں......! اگر تم مجھ سے تھوڑا سا تعاون کرو تو بات بن سکتی ہے۔‘‘

’’فضول باتوں سے گریز کرو اور مجھے جانے دو۔‘‘

’’نہیں......! میرے عظیم رہنما......! مجھے تیری رہنمائی کی ضرورت ہے۔ تو جانتا ہے کہ میں نے ساری زندگی تحقیق میں گزاری ہے اور تیرے بارے میں میری تحقیق بڑی عجیب و غریب ہے۔‘‘

اس نے کہا اور میں حیران رہ گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بدبخت مجھ سے کیا چاہتا ہے......؟ میں نے کہا۔

’’کیا تم سب پاگل ہو......؟‘‘

’’ہاں......! تو نہیں جانتا کہ تاریخ کی کتاب میں تیرا تذکرہ کس انداز میں کیا گیا ہے......؟ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی تجھ تک پہنچ سکتا ہوں۔‘‘

’’سمجھ میں نہیں آتا کہ تجھے ہوا کیا ہے......؟ اچھا خیر چھوڑو......! کیا چاہتے ہو مجھ سے......؟ یہ بتاؤ......!‘‘

’’بس......! تیرے بارے میں میری جو معلومات ہیں، وہ بڑی عجیب و غریب ہیں۔ تیرا ظہور تیرہ سو پچھتر قبل مسیح میں ہوا تھا اور تیرہ سو پچیاسی قبل مسیح کے عقیدۂ توحید میں تو پیدا ہوا تھا۔ کیا سمجھا......؟‘‘

’’میں تو کچھ نہیں سمجھا، لیکن میں تجھے ضرور سمجھا دوں گا۔‘‘

میں نے کہا اور اس طرح کھڑا ہو گیا کہ ڈاکٹر جین کو احساس بھی نہ ہو سکا۔ ہاں......! جب میری لات اس کے پیٹ پر پڑی تو اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ میری لات سے وہ دُور جا گرا اور میں نے

دروازے سے باہر چھلانگ لگادی اور باہر نکل آیا۔ خوش قسمتی تھی کہ کسی نے راستے میں مزاحمت کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور میں بھاگتا رہا، راستے بند نہیں تھے۔ میں عمارت سے باہر نکل آیا۔ سینہ دھونکنی بنا ہوا تھا۔ دوڑنے سے میرا سارا لباس بے ترتیب ہوگیا تھا۔ ایک جگہ رُک کر میں نے وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور دل میں سوچا۔

''کہاں جاؤں......؟ کیا کروں......؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے......؟''

میرے ذہن میں ابرانوس کی آواز اُبھری اور میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''یہ سوال میں نے تم سے نہیں کیا......؟''

''تمہاری جیبیں مقامی کرنسی سے بھری ہوئی ہیں، پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے......؟ تمہارا دوست جو تمہارے ساتھ ہے۔''

''لعنت بھیجتا ہوں تمہاری دوستی پر......! تم میرے بدترین دُشمن ہو۔''

''کمال کے انسان ہو یار......! میں نے کیا قصور کیا ہے......؟''

''اگر تم انسانی شکل میں میرے سامنے آجاتے تو شاید میرے ہاتھوں سب سے پہلا قتل تمہارا ہی ہوتا۔''

''چلو ٹھیک ہے......! میں انسانی شکل میں نہیں ہوں، مگر تمہاری نفرت کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''تم نے میری زندگی تلخ کرکے رکھ دی ہے۔''

''میرا خیال تھا کہ میں نے تمہاری زندگی میں دلچسپیاں پیدا کردی ہیں۔''

''میں نے کہا ناں، میں تم پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

''اچھا......! اب میں اور کیا کہہ سکتا ہوں تم سے......؟''

''کہو گے کیا......؟ تم نے میری ذات کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ تم میری شخصیت پر حاوی ہوگئے ہو۔ ایک قدم بھی میں تمہاری مرضی کے بغیر نہیں اُٹھا سکتا۔ اب میں کیا کہوں تم سے......؟ اور کیا نہ کہوں......؟''

''ٹھیک ہے......! اب تم بتاؤ......! کیا چاہتے ہو......؟''

''سب سے پہلے تم سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''تمہاری مرضی ہے، تمہیں پتا ہے کہ لوگ کسی جن کو قابو میں کرنے کے لئے کیا کیا کچھ کرنا چاہتے ہیں......؟ لیکن ٹھیک ہے......! اب میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا، وعدہ کرتا ہوں۔''

اس کی آواز معدوم ہوگئی۔ میں تھوڑی دیر تک اپنی جگہ کھڑا رہا۔ میری زندگی میں اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا، اس نے مجھے یہ قوت ضرور بخش دی تھی کہ میں حالات سے سمجھوتہ کرلیتا تھا۔ بہرحال میں گردن جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد یہ تصور ذہن میں بے دار ہوگیا کہ اب کیا کروں......؟ میرے لئے ایران میں سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بلاوجہ کے دُشمن بن گئے تھے جو میری تاک میں تھے۔ آخرکار جب کسی خیال کے تحت میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ نوٹوں کی گڈیوں سے ٹکرایا اور میں نے اسے مٹھی میں بھینچ لیا۔ اس سے قبل یہ میری جیب میں نہیں تھی اور مجھے ابرانس یاد آگیا۔ ظاہر ہے، یہ اسی کا کارنامہ تھا۔

دل چاہا کہ گڈی نکال کر باہر پھینک دوں، لیکن پھر عقل نے ساتھ دیا۔ میں نے دوسری جیبیں ٹٹولیں، اچھی خاصی کرنسی موجود تھی۔ یہ کرنسی کم از کم مجھے یہاں قدم جمانے کا موقع دے گی۔ چنانچہ میں نے اسے محفوظ کرلیا۔ خدشات تو بے پناہ تھے، لیکن کیا کرتا......؟ میرے شناساؤں کی تعداد کافی بڑھ چکی تھی اور کوئی بھی مجھے مل سکتا تھا۔ خطرہ مول لئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔

ایک بازار سے میں نے کچھ چیزیں خریدیں۔ لباس، شیونگ بکس، سوٹ کیس وغیرہ وغیرہ اور اس کے بعد ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑا۔ نہ جانے کیوں ذہن میں فانوس ہی کا خیال آیا تھا۔ جانا پہچانا ہوٹل تھا، لیکن فانوس کے خیال کے ساتھ ہی گینس کی یاد آئی۔ پھر ایک مصیبت گلے پڑ جائے گی۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی فانوس کے کمپاؤنڈ میں پہنچ کر رُک گئی۔ میں اندر داخل ہوگیا اور پھر ایک اور کمرہ حاصل کرلیا۔ لیکن یہ کمرہ اس منزل پر نہیں تھا جس پر گینس ٹھہری ہوئی تھی۔ اپنے کمرے میں گھس کر میں نے دروازہ بند کرلیا اور فیصلہ کرلیا کہ جو کچھ بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔ زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزاروں گا۔ تھکے ہوئے جسم، تھکے ہوئے ذہن اور تھکے ہوئے اعصاب کو سکون دینے کے لئے میں نے فیصلہ کیا کہ مکمل آرام کروں، لیکن چند ہی لمحات کے بعد کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور اجازت پا کر ہوٹل کا ایک ملازم کمرے میں داخل ہوگیا۔

اس نے میرا سامان وغیرہ الماری میں سجایا اور ٹپ وصول کرکے چلا گیا۔ ٹپ دیتے ہوئے میں نے پھر کرنسی نوٹوں کی گڈیوں کا اندازہ کیا جو میرے پاس موجود تھیں۔ کافی بڑی رقم تھی اور میں بڑے آرام سے فانوس جیسے ہوٹل میں قیام کرسکتا تھا۔

دو اڑھائی گھنٹے آرام کرنے سے ذہن کو کافی سکون ملا۔ پھر میں نے روم سروس کو فون کرکے اپنے لئے کافی اور دوسری چیزیں طلب کیں اور تھوڑی دیر کے بعد کافی آگئی۔ میں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ بہتر ہے کہ یہاں سے نکل کر کسی اور جگہ کا رُخ کیا جائے۔ سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ میرے پاس پاسپورٹ وغیرہ نہیں تھے۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے کم از کم ایران سے باہر نکل جانا چاہئے کیونکہ یہاں جس قسم کے شناسا پیدا ہوگئے

تھے، وہ مجھے سکون نہیں لینے دیں گے۔ آخر کار رات ہوگئی اور کمرے میں گھسے گھسے طبیعت اُکتانے لگی تو میں نے باہر جانے کا فیصلہ کیا۔

''باہر تو نکلنا ہی ہوگا، ہاں......! یہ دوسری بات ہے کہ اب میں کسی کی برتری قبول نہیں کروں گا۔ دیکھا جائے گا جو کچھ ہوگا، دیکھ لوں گا۔''

میں ریفریشنگ ہال میں نکل آیا۔ ڈائننگ ہال کی ایک میز پر بیٹھ کر میں نے اپنے لئے ڈنر طلب کر لیا۔

''پتا نہیں گینس کا کیا ہوا......؟ اسے پاطش چنگیزی ملا یا نہیں......؟''

ایک لمحے کے لئے مجھے پھر خیال آیا کہ گینس میرے لئے خطرناک نہیں ہوگی۔ میں کیوں نہ اس سے ملوں......؟ انسان کو ہمیشہ ہی کسی شناسا کی ضرورت ہوتی ہے۔ شناسا کے تصور سے ایک نام پھر ذہن میں اُبھر آیا، اور میں ابرانوس کے بارے میں سوچنے لگا۔ گینس ڈائننگ ہال میں نظر نہیں آرہی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ اس کے کمرے تک پہنچنے کی کوشش کروں اور اس خیال نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی جگہ سے اُٹھ گیا اور پھر میں گینس کے کمرے کے سامنے پہنچ کر رُکا۔

کمرہ تاریک تھا اور یقیناً دروازہ لاک ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس وقت موجود نہیں ہوگی۔ پھر میں وہاں سے پلٹا اور اپنے کمرے کا رُخ کیا۔ لیکن جب میں کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو میری بدنصیبی میرا انتظار کر رہی تھی۔ وہ دو افراد تھے جو دروازے کے نزدیک ہی کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ان میں سے ایک نے ایک عجیب سا پائپ نکال کر اس کا رُخ میری طرف کیا اور ایک بٹن دبا دیا۔ اس میں سے زرد رنگ کی ایک پھوار نکلی اور سیدھی میرے چہرے پر پڑی۔

میں فوراً ہی پیچھے ہٹا لیکن ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں مجھے یہ احساس ہوگیا تھا کہ یہ پھوار خواب آور ہے۔ میں اپنے توازن کو نہیں سنبھال سکا اور سیدھا زمین پر آرہا۔ اس کے بعد کوئی احساس ہی نہ رہا۔ لیکن زندہ تھا اور ایک مسہری پر تھا اور سفید چھت پر ایک پنکھا گردش کرتا نظر آرہا تھا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ میرے ساتھ تو یہ نہ جانے کتنی بار ہو چکا تھا۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس واحد دروازے کے پاس پہنچ گیا جو لازمی طور پر باہر سے بند تھا۔ میں نے دروازہ بجایا اور دوسری طرف سے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر کسی نے کہا۔

''کیا بات ہے......؟ کیوں شور مچا رہے ہو......؟''

''دروازہ کھول کر اندر آؤ......!''

میں نے کہا۔ دوسری طرف خاموشی طاری رہی، لیکن کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔ ہاتھوں میں درد شروع ہوگیا تھا۔ چنانچہ میں نے کسی ایسی چیز کی تلاش کی جس سے دروازہ بجانے میں آسانی ہو، اس مسہری کے

علاوہ کمرے میں اور کوئی ایسی چیز نہیں تھی، چنانچہ دو چار لاتیں دروازے پر رسید کر کے واپس مسہری پر آ بیٹھا، کوئی دس منٹ گزرے ہوں گے کہ آہٹیں سنائی دیں اور میں اُچھل کر کھڑا ہوگیا۔ آنے والے وہی دونوں افراد تھے جو مجھے اغواء کر کے یہاں لائے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تمہیں یہاں لانے کا مسئلہ دوسرا تھا، اس وقت اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو ہم فائر کر دیں گے۔''

''کیا چاہتے ہو تم لوگ......؟''

''آدمی بنو تو بتایا بھی جائے۔''

''بکواس کیوں کر رہے ہو......؟ میں تمہیں آدمی نظر نہیں آرہا......؟''

''تم اس وقت کاٹ کھانے والے کتے نظر آرہے ہو۔''

ان میں سے ایک نے کہا اور اچانک ہی میری ذہنی رو بہک گئی۔ میں نے غراتے ہوئے دانت نکالے اور آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اس کم بخت نے فوراً ہی فائر کر دیا۔ گولی میرے پیروں کے قریب فرش پر لگی اور پھر اُچٹ کر نہ جانے کہاں چلی گئی......؟ میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں دیکھا اور مجھے اندازہ ہوگیا کہ یہ جارحیت پر آمادہ ہیں۔

''شرافت کے دائرے میں آجاؤ۔ تمہارا مسئلہ ابھی حل ہو جائے گا۔''

''بولو وہ دائرہ کہاں ہے......؟''

میرے لباس کی تلاشی وہ لوگ لے چکے تھے، اس لئے میری طرف سے مطمئن تھے۔ میں نے جیبیں ٹٹولیں تو میری جیب میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''تم نے میری رقم بھی نکال لی......؟''

''وہ تمہاری امانت ہے، واپس مل جائے گی۔ چلو چلو آگے بڑھو......!''

ان میں سے ایک نے میری قمیص کا کالر پکڑ کر مجھے دھکا دیا اور پستول کی نال میری کمر کے ساتھ لگا دی۔ میں تن بہ تقدیر ہو کر چل پڑا۔

یہ بھی نئی عمارت نہیں تھی اور میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے......؟ بہرحال میں نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا اور چلتا رہا۔ پھر میں ایک کمرے میں پہنچا۔ اس کی آرائش قابل تحسین تھی۔ جن لوگوں سے میری ملاقات ہوئی، وہ اجنبی تھے۔ ایک دراز قامت آدمی جس کا سر درمیان سے گنجا تھا اور وہ بہت لمبا تڑنگا تھا، لباس بھی انتہائی نفیس پہنے ہوئے تھا۔ دوسرا شخص بھی جو اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا، یقینی طور پر ایرانی ہی تھا۔ یہ صورت میں میرے لئے اجنبی تھا۔ پھر اس شخص نے کہا۔

''بیٹھو......!''

”نہیں بیٹھوں تو......؟“

”ٹھیک ہے......! شریفانہ انداز میں گفتگو کرنے کے قابل نہیں ہو شاید......؟“

”ہرگز نہیں......!“

”تو اس کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔“

دوسرے آدمی نے کہا۔ جس میز کے سامنے وہ بیٹھا ہوا تھا، اس کی نچلی سطح پر گھنٹی کا بٹن لگا ہوا تھا جو اس نے دبایا اور دُور سے ایک آواز سنائی دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد عقبی دروازے سے ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ وہ دھاری دار بنیان اور سرخ پتلون میں تھا، بازوؤں کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں، آنکھوں میں وحشت نظر آ رہی تھی۔ اندر داخل ہو کر اس نے گردن خم کی اور پھر سیدھا ہو کر بولا۔

”حکم میرے آقا......!“

”یہ کہتا ہے کہ شرافت سے گفتگو نہیں کرسکتا، تم اسے مجبور کرسکتے ہو......؟“

”ایک منٹ میں باس......!“

اس نے کہا۔

”ہوش و حواس میں رہ، ورنہ......ورنہ......“

لیکن میں ”ورنہ، ورنہ“ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر برق رفتاری سے میرا گریبان پکڑا اور اس کے بعد کم بخت نے مجھے زمین سے تقریباً ایک فٹ اونچا اُٹھالیا۔

”ہاں......! اب کہو، کیا کہنا چاہتے ہو......؟“

وہ مسکرا کر بولا۔

”فی الحال صرف اتنا کہ مجھے نیچے اُتار دو۔“

میں نے کہا اور اس شخص نے ہنستے ہوئے مجھے وہیں چھوڑ دیا۔ میں نیچے گرنے کے علاوہ اور کیا کرسکتا تھا......؟ پھر وہ آگے بڑھا اور اس نے اپنا ایک پاؤں میری پنڈلی پر رکھ دیا۔

”اے کتے......! پیچھے ہٹ......!“

میں نے کہا۔ پنڈلی درد سے ٹوٹی جا رہی تھی اور جب یہ درد ناقابل برداشت ہوگیا تو میں نے زمین پر لیٹے لیٹے دوسرے پاؤں کی ٹھوکر پوری قوت سے اس کی پنڈلی پر ماری۔ پتا نہیں میرے اندر اتنی طاقت تھی یا اس وقت میں غصے سے دیوانہ ہوگیا تھا کہ وہ شخص ایک خوف ناک دہاڑ کے ساتھ نیچے جا گرا اور اس کے بعد اپنی پنڈلی پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اس سے سیدھا کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ شاید اس کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شدید تکلیف میں مبتلا ہے۔ میں اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اپنا لباس درست کرنے لگا۔ میز کے نیچے سطح پر لگی گھنٹی دوبارہ بج گئی تھی۔ تین چار آدمی اندر داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے حیرت

سے چیختے چلاتے ہوئے خوف ناک آدمی کو دیکھا اور پھر میری طرف بڑھنے لگے۔

”اس کا دماغ درست کرو۔“

دراز قامت آدمی نے کہا اور میں نے محسوس کیا کہ اب مجھے اپنے آپ کو بچانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ جب وہ چاروں میری طرف بڑھے تو میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

”ٹھیک ہے......! میں تم سے بات کرنے کو تیار ہوں۔“

مجبور تھا، لاچار تھا، کیا کرسکتا تھا......؟ چنانچہ اس شخص نے ان چاروں کو پیچھے ہٹنے کے لئے کہا اور میں واپس کرسی پر بیٹھ گیا، جس کی طرف مجھے اشارہ کیا گیا تھا۔

”سنو......! میرا نام باطش چنگیزی ہے۔ اگر تم ایران میں زیادہ عرصے سے مقیم ہو تو تمہیں میرے بارے میں ضرور علم ہوگا۔“

میرا منہ حیرت سے کھل گیا اور میں بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

”کک......کیا......کیا نام بتایا تم نے......؟“

”باطش چنگیزی......!“

”اوہ میرے خدا......!“

”مجھ سے واقف ہوناں......؟“

”اچھی طرح......! اب تم ایک کام کرو، اس لوگوں کو یہاں سے دفع کردو۔“

میں نے کہا۔

”دیکھو......! اسے کیا ہوگیا......؟“

لمبے آدمی نے چاروں آدمیوں کو مخاطب کرکے کہا جو ابھی اندر آئے تھے۔ اشارہ اس قوی ہیکل شخص کی طرف تھا جسے میرا دماغ درست کرنے کے لئے کہا گیا تھا، اور اب میں نے اس کی ٹانگ توڑ دی تھی۔ وہ چاروں اسے سہارا دے کر باہر لے گئے۔ تب لمبے قد کے آدمی نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھ سے واقفیت کا اظہار کرکے یہ ثابت کیا ہے تم نے کہ اس لڑکی سے پوری طرح متعلق ہو......؟“

”نہیں مسٹر چنگیزی......! میری اور اس کی ملاقات عجیب و غریب حالات میں ہوئی۔ پہلے آپ یہ بتایئے کہ وہ ہے کہاں......؟ کیا آپ کی اس سے ملاقات ہوگئی ہے......؟ میرا مطلب ہے، اس اشتہار کے جواب میں آپ اس سے مل چکے ہیں......؟“

باطش چنگیزی مجھے گھورنے لگا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔ اس کے بعد اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”دیکھو نوجوان......! میں تمہیں ایک بات بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ زندگی کے کسی بھی مرحلے پر

میں نے اپنے ہاتھ سے کئے ہوئے کسی بھی نقصان کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ میں تمہارے بدن کو گولیوں سے چھلنی کر دوں گا یا پھر اتنے ٹکڑے کروں گا تمہارے بدن کے کہ انہیں گنا بھی نہ جا سکے اور اس پر ذرا بھی افسوس نہیں کروں گا۔ میں چال بازی برداشت نہیں کر سکتا۔ شاید تم نے غلطی سے میرے نام سے واقفیت کا اظہار کر دیا تھا اور اب فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔"

جواب میں، میں نے بھی اسے اسی کے انداز میں گھورتے ہوئے کہا۔

"میکسیکو کے بچے معلوم ہوتے ہو تم......! گولیاں چلا کر بدن چھلنی کرنا میکسیکو کے کاؤ بوائز کی فطرت کا اظہار کرتا ہے اور بدن کے ٹکڑے کرنے والی بات بتاتی ہے کہ تم نسلاً قصائی ہو۔"

میرے ان الفاظ پر مصری شخص مضطربانہ انداز میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مسٹر......! یہ کیا بدتمیزی ہے......؟ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم باطش چنگیزی کے سامنے ہو......؟"

"ہاں......! مجھے اندازہ ہے، ان سے کہو کہ پہلے یہ میرے بدن میں اتنے سوراخ کر دیں کہ میرا بدن چھلنی ہو جائے اور اس کے بعد میرے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے دھوپ میں سکھا دیں۔ یار......! کمال کرتے ہو تم لوگ......! دھمکیوں پر دھمکیاں دیئے جا رہے ہو، جیسے میں انسان ہی نہیں ہوں......؟"

میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ باطش چنگیزی نے ہاتھ اُٹھا کر مصری شخص سے بیٹھنے کے لئے کہا اور بولا۔

"تم اطمینان رکھو حاذق ریاضی......! یہ شخص ابھی میرے سامنے اس طرح زبان کھولے گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔"

اس دوسرے نام نے بھی مجھے چونکا دیا تھا۔ گینس نے بتایا تھا کہ حاذق ریاضی اس کا سرپرست تھا اور وہ اسی کو دھوکہ دے کر فرار ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ دوسرا نام بھی میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے گہری نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا اور پھر باطش چنگیزی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں......! اب تم مجھے یہ بتاؤ مائی ڈیئر باطش چنگیزی......! کہ تم نے مجھے اغواء کر کے یہاں کیوں بلوایا ہے......؟"

"لڑکی کہاں ہے......؟"

باطش چنگیزی نے سوال کیا۔

"گینس کی بات کر رہے ہو کیا......؟"

"ہاں ہاں......! وہی۔"

"تب پھر تم انتہائی بے وقوف معلوم ہوتے ہو۔"

میں نے کہا اور حاذق ریاضی ایک بار پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ باطش چنگیزی نے اس کی طرف دیکھا اور غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"بیٹھے رہو، بیٹھے رہو......! بار بار کیوں کھڑے ہو جاتے ہو......؟"

"مسٹر......! براہ کرم......"

حاذق ریاضی نے ایک بار پھر میری طرف دیکھ کر خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں......! میں احمق کیوں ہوں......؟ بتاؤ گے تم......؟"

باطش چنگیزی بولا۔

"کیونکہ ہوٹل کے جس کمرے سے تم نے مجھے اغواء کرایا ہے، اس سے تھوڑے فاصلے پر گینس کا کمرہ بھی موجود تھا۔ اگر تمہیں اس کی ضرورت تھی تو پھر مجھے اغواء کرنا بے وقوفی نہیں ہے تو پھر کیا ہے......؟"

"وہ فانوس میں نہیں ہے۔"

باطش چنگیزی غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"نہیں ہے......؟"

میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں......! وہ وہاں سے فرار ہو گئی ہے۔"

"فرار......؟"

میں نے اسی طرح حیرت سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے باطش چنگیزی......! کیونکہ وہ تو تمہاری تلاش میں کافی دنوں سے ماری ماری پھر رہی ہے۔"

"پھر رہی تھی کہو......! اب اسے کچھ اور لوگ مل گئے ہیں جو اسے میرے خلاف بھڑکا چکے ہیں۔ لیکن گینس کا حصول میرے لئے بے حد ضروری ہے۔ تم اس کے ساتھ مسلسل دیکھے گئے ہو اور اس کی گمشدگی میں تمہارا ہی ہاتھ ہے۔ دیکھو لڑکے......! میں بہت خطرناک آدمی ہوں۔ تم سے کہہ چکا ہوں، اگر تمہارے ذریعے مجھے معلومات حاصل نہ ہوئیں تو میں تمہیں ہلاک کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں کروں گا۔ چنانچہ بہتر ہے کہ اپنی زندگی بچاؤ۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ گینس کو تم نے کس کے ایماء پر اغواء کیا ہے......؟"

"سبحان اللہ......! باطش چنگیزی......! میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہاری کسی بھی حیثیت کو تسلیم کرتا ہوں، جس کے تحت یہ شخص یعنی حاذق ریاضی بار بار اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں اپنی دُنیا کا بادشاہ ہوں۔ اگر تم کوئی بہت بڑی شخصیت ہو گے، تو اپنے لئے ہو گے۔ میں تم سے نہ کوئی مدد مانگوں گا اور نہ ہی تمہارا احترام کروں گا۔ ہاں......! انسان ہونے کی حیثیت سے کسی کا احترام کرنا بری بات نہیں ہے۔ لیکن اس کی کیا

گنجائش رہ جاتی ہے کہ تم نے اپنے دو آدمیوں کے ذریعے مجھے بے ہوش کر کے یہاں بلوا لیا ہے......؟''

''تم یہ جاننا چاہو گے کہ باطش چنگیزی کیا چیز ہے......؟''

''ذرّہ برابر بھی نہیں......! مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ گینس اور میرے بارے میں تھوڑی سی معلومات حاصل کر لیتے تو میری طرف رُخ بھی نہ کرتے۔ سمجھے تم......؟ مجھے کیا ضرورت پڑی تھی کہ میں اسے اغواء کر کے یہاں لاتا......؟ میرے بارے میں بس اتنا جان لو کہ میں ایک بے وطن ہوں اور حالات کے ہاتھوں شکار ہو کر ہندوستان پہنچ گیا تھا، جہاں سے فرار ہونے کے لئے مجھے نہ جانے کیا کیا ذرائع استعمال کرنے پڑے......؟

پھر ایک جہاز میں چھپ کر میں یہاں تک پہنچا اور اسی جہاز میں میری ملاقات گینس سے ہوئی تھی۔ وہ بھی چھپ کر سفر کر رہی تھی۔ جہاز کے بارے میں پوری تفصیلات نوٹ کر لو۔ دل چاہے تو معلومات حاصل کر لینا۔ یہاں آ کر وہ ایک بار پھر مجھ سے بچھڑ گئی اور جب میں نے ہوٹل فانوس میں قیام کیا تو یہاں اس سے دوبارہ ملاقات ہو گئی۔ وہ تمہاری تلاش میں تھی۔

یہ مشورہ میں نے ہی اسے دیا تھا کہ اگر باطش چنگیزی کا کوئی پتہ نہیں چلتا تو وہ اخبار میں اشتہار دے دے، اور اس کے بعد سے اب تک میری اس سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ میں تو ہوٹل فانوس کے جس کمرے میں مقیم تھا، دوبارہ اس کمرے میں بھی نہیں گیا اور وہیں دوسرا کمرہ حاصل کر کے مقیم ہو گیا۔

یقین کرو، نہ تو میرا اس سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی مجھے معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے......؟ سب اس لمحاتی ملاقات میں اس نے مجھے مختصراً اپنے بارے میں بتایا تھا، جس کی میں نے تصدیق کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔ اس نے حاذق ریاضی کا حوالہ بھی دیا تھا جو اس کے سرپرست کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس طرح میں حاذق ریاضی کا نام بھی جانتا ہوں۔

بس......! اس سے زیادہ مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم، اور نہ ہی میں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ کیا سمجھے......؟''

میں نے کہا اور مجھے یوں لگا جیسے باطش چنگیزی کے خدوخال میں کسی قدر نرمی پیدا ہو گئی ہو۔

☆......☆......☆

کچھ دیر وہ متفکر نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

''مجھے اپنے بارے میں بتاؤ......!''

''ہاں......! بتانا تو ہو گا۔ ظاہر ہے، قیدی ہوں۔ برے حالات کا شکار ہوں۔''

میں نے مختصر الفاظ میں اسے اپنی داستان سنا دی۔ ڈاکٹر جین کا تذکرہ بھی کر دیا تھا۔ باطش چنگیزی پُرخیال نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

''مجھے اطلاع ملی تھی کہ اس نوجوان کو اس کے ساتھ دیکھا گیا ہے جس کے بعد تمہاری نشان دہی بھی کر دی گئی تھی۔ لیکن جو داستان تم نے سنائی ہے، اگر وہ حقیقت ہے تو میں تم سے شرمندہ ہوں لیکن میرے دوست......! میرا مسئلہ بھی بہت اُلجھا ہوا ہے۔ اس لڑکی کی تلاش میرے لئے بے حد ضروری ہے۔ میرے دُشمن اسے میرے خلاف بھڑکا چکے ہیں اور وہ روپوش ہو گئی ہے۔ حالانکہ تمہاری داستان بتاتی ہے کہ وہ میری ہی تلاش میں یہاں آئی تھی۔''

''ہاں......! وہ آپ ہی کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، اس نے اخبار میں اشتہار دے دیا تھا۔''

''مجھے علم ہے، لیکن مجھ سے پہلے میرے دُشمن اس سے جا ملے اور انہوں نے اسے میرے خلاف بُری طرح بھڑکا دیا۔ یوں سمجھ لو کہ میں اس کی ہر مشکل کا محافظ اور ذمے دار ہوں کیونکہ اس کا باپ میرے گھر والوں میں شمار ہوتا تھا۔ میں نے اس کی خفیہ پرورش کے لئے اسے ہندوستان بھیجا تھا۔ ویسے بھی حاذق ریاضی میرا دوست ہے۔ میں نے اسے اس وقت سے نکال لیا جب اس کے لئے خطرات ہو سکتے تھے لیکن بے وقوف لڑکی نے میرے تمام کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ اگر وہ مزید کچھ وقت گزار لیتی تو اس کے بعد اسے وہ سب کچھ حاصل ہو جاتا جس کے لئے میں نے ایک طویل جدوجہد کی ہے، لیکن وہ کسی کے بہکاوے میں آ گئی میرے خلاف۔''

''لیکن جناب......! اگر وہ آپ کے دوست کی بیٹی تھی تو آپ اتنے متردّد کیوں ہیں......؟ وہ دوست کون تھا......؟ مجھے بھی تو بتایئے......!''

میں نے سوال کیا تو وہ سوچ میں ڈوب گیا، پھر بولا۔

''بس مائی ڈیئر احتشام......! کیا بتاؤں......؟ کیا بتاؤں تمہیں......؟''

''ٹھیک ہے......! بھلا میں آپ کو کیوں مجبور کروں گا......؟''

''تم سے ایک تعاون چاہتا ہوں، کیا میرا ساتھ دے سکو گے......؟ اس کے عوض میں تمہیں یہ پیش کش کرتا ہوں کہ یہاں ایران میں تمہیں جو بھی مشکل درپیش ہوگی، اس کا حل میرے پاس ہوگا۔''

''جی......!''

میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

''اور اگر تمہارے ذریعے گینس مجھے حاصل ہوگئی تو میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔''

''اس منہ مانگے انعام کے ساتھ کیا آپ مجھے ایران سے باہر بھجوا سکتے ہیں......؟ میرے پاس کاغذات وغیرہ موجود نہیں ہیں۔ اگر میں آپ کو گینس سے ملا دوں تو کیا آپ اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے ہیں......؟''

''چٹکیوں کا کام ہے میرے لئے، کیا سمجھے......؟ کوئی مشکل ہی نہیں ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔''

اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے......! میں تیار ہوں۔''

اس نے مجھے آرام کرنے کے لئے کہا اور اپنی آرام گاہ میں آ کر مجھے اپنے آپ پر خوب ہنسی آئی۔

''زندگی کیا دلچسپ کھیل کھیل رہی ہے میرے ساتھ، نت نئے ہنگامے، نت نئی کہانیاں، لوٹ کا مال بن کر رہ گیا تھا میں لوگوں کے لئے۔''

''لیکن مال واقعی عمدہ تھا۔''

مجھے گینس کا خیال آ گیا۔

''کیا وہ کچھ اور لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے......؟ تو کیا آسانی سے مجھے مل سکے گی......؟''

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی مجھے ابرانوس کا خیال آیا۔

''وہ جن زادہ کیا اس سلسلے میں میری مدد کرے گا......؟ پتا نہیں اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں......؟''

بہرحال رات کے کھانے پر مجھے باطش چنگیزی ملا۔ وہ اکیلا میرے ساتھ تھا، کہنے لگا۔

''ہر ممکن کوشش کر لی ہے میں نے اس کی تلاش کے لئے، لیکن پتا ہی نہیں چل رہا۔ اب آخری سہارے کے طور پر تم رہ گئے ہو۔ وہ تمہیں دوست سمجھتی ہے، تم جس طرح بھی ممکن ہو سکے بازاروں، سڑکوں اور

ہوٹلوں کے چکر لگا کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔''

''ٹھیک ہے جناب......!''

میں نے اقرار کر لیا۔ بہرحال میں یہ جانتا تھا کہ نہ جانے شکاری میرے لئے جال لگائے ہوئے ہوں گے۔ گینس سے میری ملاقات اتنی آسان تو نہیں ہوگی۔ لیکن بہرصورت یہ کرنا تھا۔ پھر مجھے استعمال کے لئے ایک کار معہ ڈرائیور دے دی گئی۔

''کیا یہ کار پہچانی نہیں جا سکتی مسٹر چنگیزی......؟''

میں نے ذہانت کا مظاہرہ کیا۔

''نہیں......! میں احمق نہیں ہوں۔''

''ٹھیک......! بہت اچھا ہے، کیونکہ مجھے سڑکوں اور گلیوں سے واقفیت بھی نہیں ہے۔''

''میں تمہارا انتظار کروں گا، کسی بھی طرح کی ہدایت تم ڈرائیور کو دے سکتے ہو، جو صرف ڈرائیور ہی نہیں، تمہارا باڈی گارڈ بھی ہے اور ہاں......! ایک بات ذہن میں رکھنا مائی ڈیئر احتشام......! بہت سی آنکھیں تمہارا تعاقب کریں گی۔ اگر تم کسی خطرے میں گھرے تو یہ لوگ تمہاری مدد بھی کریں گے اور اگر تم نے چال بازی کرتے ہوئے میرے دشمنوں کی مدد کرنے کی کوشش کی تو پھر یہی لوگ تمہاری زندگی کا چراغ کسی بھی طور پر گل کر دیں گے۔''

''بس بس......! دھمکیاں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ویسے ہی بہت خوف زدہ اور پریشان آدمی ہوں، اب میں چلتا ہوں۔''

میں نے کہا اور باطش چنگیزی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن پھر بھی مجھے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا پڑا اور اس کے بعد میں نے اس حسین کار کو دیکھا جو میرے لئے مہیا کی گئی تھی۔ ڈرائیور بھی موجود تھا، چنانچہ کار سڑک پر باہر نکل آئی۔ خوب صورت شہر کی خوب صورت سڑکیں نگاہوں کے سامنے تھیں۔ میں تقریباً دو گھنٹے تک ان سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا اور اس کے بعد میں نے ڈرائیور کو ہوٹل فانوس چلنے کے لئے کہا۔ ڈرائیور نے کار کا رخ تبدیل کر دیا تھا۔

فانوس ہوٹل پر کار سے اُتر کر میں نے اس سے کہا کہ اگر کوئی خاص ضرورت ہوئی تو میں کہیں جاؤں گا، ورنہ میں اپنے کمرے میں موجود ہوں۔ تم مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔ ڈرائیور نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں فانوس میں داخل ہو کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اندر پہنچ کر میں نے دروازہ بند کیا اور پھر تھکے ہوئے سے انداز میں مسہری پر گر پڑا۔ ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا اور اب میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے......؟

بس......! بال بال بچ گیا تھا، ورنہ خود باطش چنگیزی بھی خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ گینس کے

بارے میں سوچنے لگا۔

''کون سا ایسا واقعہ تھا یا کیا حالات تھے جس کی بناء پر وہ باطش چنگیزی سے ناراض ہوگئی تھی......؟ جبکہ وہ خود اس کی تلاش کے لئے یہاں آئی تھی۔''

مجھے ان تمام گہرائیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''باطش چنگیزی کون ہے......؟ اس کا دوست ہے یا دشمن ہے......؟''

یہ اس کا ذاتی معاملہ تھا۔ مجھے بس اس بات سے دلچسپی تھی کہ میں گینس کو اس تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں تو وہ میرے ایران سے نکلنے کا بندوبست کردے گا۔

تھوڑی دیر تک میں اپنے کمرے میں لیٹا رہا اور اس کے بعد اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ گینس کے کمرے کے چکر لگائے، کمرہ بند تھا۔ پھر میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ گینس نے وہ کمرہ چھوڑ دیا ہے یا ابھی نہیں......؟ اور میں یہ سن کر مایوس ہوگیا کہ گینس وہ کمرہ چھوڑ چکی تھی۔

بہرحال وقت گزرتا رہا۔ رات میں نے سکون سے گزاری تھی۔ دوسری صبح ڈرائیور کا خیال آیا۔ ظاہر ہے، آس پاس کہیں ہوگا۔ لیکن جہنم میں جائے۔ آج میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ ایسی جگہوں کو ذہن میں لانے کی کوشش کروں گا جو میرے کام کے لئے معاون ہوسکتی تھیں۔

میں ناشتہ وغیرہ کر کے باہر نکل آیا۔ میری کار فٹ پاتھ کے دوسری طرف کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ڈرائیور موجود نہیں تھا۔ میں کار کے قریب پہنچا تو ایک اور شخص کسی جگہ سے نکل کر میرے سامنے آگیا۔

''میرا نام حامدی ہے، عاطر حامدی......!''

''جی فرمایئے......! کون ہیں آپ......؟''

''آپ کا ڈرائیور ہوں، ڈیوٹی بدل گئی ہے میری۔''

''ٹھیک ہے......!''

میں نے کہا اور کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

''کہاں چلو جناب......؟''

''کہیں نہیں......! بس سڑک گردی کرنی ہے۔''

''جی بہتر......! ویسے چنگیزی صاحب بھی اس سلسلے میں بھرپور کوشش کر رہے ہیں، لیکن ابھی تک سراغ نہیں مل سکا۔''

حامدی نے کہا اور میں خاموش ہوگیا۔ میری نگاہیں اطراف میں بھٹک رہی تھیں۔ حالانکہ یہ ایک حماقت کی بات تھی کہ گینس کو اس طرح تلاش کیا جائے۔ پورا دن اس طرح گزر گیا اور اس وقت شام کے تقریباً

ساڑھے پانچ بجے تھے جب فردوسی کے مجسمے کے پاس ایک خوب صورت سے اوپن ائیر ریستوران کی صورت نظر آئی۔ میں نے گاڑی رُکوا دی اور شام کی چائے پینے کے لئے یہیں اُتر گیا۔ بہت خوب صورت ریستوران تھا۔ اندر داخل ہوا تو رنگ برنگی میزوں کے درمیان لاتعداد کھنکتے ہوئے قہقہے سنائی دیئے۔ میں اس محفل رنگینی میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے خوب صورت حوض بنے ہوئے تھے جو شیشے سے ڈھکے ہوئے تھے اور ان کے نیچے رنگ برنگی مچھلیاں سکون سے رنگ رلیاں منا رہی تھیں۔ ان حوضوں کے درمیان بھی میزیں لگائی گئی تھیں۔

میں ایک میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور چائے طلب کرلی۔ بہترین برتنوں میں چائے کے لوازمات میری میز تک پہنچ گئے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی اور میں نے چائے کے چند ہی گھونٹ لئے تھے کہ عقب سے اُٹھتی ہوئی خوشبو محسوس ہوئی اور کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں چونک کر پلٹا اور چائے میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ چہرہ اُٹھا کر دیکھا تو ایک شناسا شکل نگاہوں کے سامنے تھی۔ یہ خاتون حریمہ ازلہ تھیں۔

میرے پورے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑ گئیں۔ دماغ سوچنے کی قوتوں سے عاری ہوگیا۔ پھر دوسرے لمحے میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کرسی کھسکا کر کھڑا ہوگیا۔ احترام سے جھکا اور حریمہ ازلہ کو اپنے سامنے بیٹھنے کی پیش کش کردی۔ حریمہ ازلہ نے عقب میں کسی کو دیکھا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ ان کے چہرے پر پہلی ملاقات کی نسبت انتہائی سنجیدگی نظر آرہی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر خاموش نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگیں۔ میں نے کہا۔

''کیسے مزاج ہیں آپ کے......؟''

''کہاں روپوش ہوگئے تھے تم......؟''

''آپ کو علم ہے خاتون کہ اس وقت وہاں کیا ہوا تھا......؟''

''بس......! روشنی گل ہوئی تھی اور اس کے بعد تم غائب ہوگئے۔''

''کیسے نظر آتا......؟ مجھے اغواء کرلیا گیا تھا۔''

میں نے کہا اور حریمہ ازلہ کے جبڑے مضبوطی سے ایک دوسرے پر جم گئے۔ اس وقت ان کے چہرے پر ایک عجیب سی سفاکی نظر آرہی تھی۔

''کون تھے وہ لوگ......؟''

انہوں نے سوال کیا۔

''کیا منگواؤں میں آپ کے لئے......؟''

''وقت گزاری کے لئے چائے منگوالو۔ ویسے میں چائے پی چکی ہوں۔''

میں نے ویٹر کو بلا کر چائے کا آرڈر دیا۔ چائے کے آنے تک حریمہ ازلہ خاموش بیٹھی ہوئی میری شکل کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر انہوں نے کہا۔

"میں تمہیں کچھ بدلا بدلا سا محسوس کر رہی ہوں۔"

"آپ تصور نہیں کر سکتیں کہ میں کن حالات کا شکار ہوں......؟ اگر آپ ان کے بارے میں تفصیل جان لیں تو آپ کو میری تبدیلی عجیب نہ لگے۔"

"اپنی گمشدگی کے بارے میں بتاؤ......؟"

انہوں نے چائے کی پیالی اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اغواء کرنے والوں نے شاید کسی دھوکے میں مجھے اغواء کیا تھا۔"

"کس کے دھوکے میں پکڑا گیا تھا تمہیں......؟"

"کیا ساری تفصیل اسی جگہ بتا دی جائے......؟"

"نہیں......! چائے پیؤ، کہیں اور تو نہیں جانا......؟"

"ہاں......! میں آپ سے کچھ اور بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"بولو......!"

حریمہ ازلہ نے ایک چھوٹے سے رومال سے اپنے ہونٹ خشک کرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت بھی بہت سے لوگ میری نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ جو سرخ کار آپ کو نظر آ رہی ہے، اس طرف نہ دیکھئے گا۔ اس میں ایک ڈرائیور موجود ہے اور یہ میرا نگراں ہے۔ اس کے علاوہ میں نہیں جانتا کہ یہاں کتنے افراد میرے اردگرد پھیلے ہوئے ہیں اور میری کسی بھی غلط حرکت پر وہ میرے بدن کو گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔"

"ہوں......!"

حریمہ ازلہ نے کہا، پھر سخت لہجے میں بولیں۔

"ٹھیک ہے......! اس کا بندوبست بھی کر لیا جائے گا۔ لیکن اب تمہیں یہاں سے کہیں اور جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ مجھ سے کوئی بہانہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

"میں تو آپ سے درخواست کر رہا ہوں کہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیے، لیکن براہِ کرم میرے تحفظ کے ساتھ۔"

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ کس کی مجال ہے کہ میرے ساتھ ہوتے ہوئے تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکے......؟"

حریمہ ازلہ نے کہا اور خاموشی سے چائے پینے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ایک ہاتھ بلند کیا اور ریستوران کے کسی گوشے سے ایک شخص ان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ ادب سے حریمہ ازلہ کے سامنے جھکا تھا۔

"ابھی ہم یہاں بیٹھے ہیں، بیس منٹ کے اندر اندر میرے گارڈز کو یہاں ہونا چاہئے۔ میں ان

صاحب کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ ان کے کچھ دشمن ان کی تاک میں ہیں۔ اگر کوئی انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اسے بے دریغ بھون دیا جائے۔"

"مادام کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

اس شخص نے سیدھے ہو کر مؤدبانہ انداز میں کہا اور ایک سمت بڑھ گیا۔ حریمہ ازلہ کرسی کی پشت سے پُراطمینان انداز میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ میں خاموش نگاہوں سے چاروں طرف کا جائزہ لیتا رہا۔ بظاہر یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ باطش چنگیزی کے کہنے کے مطابق کون لوگ میری نگرانی کر رہے ہیں......؟ لیکن چنگیزی نے جس طرح یہ بات کہی تھی، اس پر مجھے یقین تھا کہ بہت سے خطرناک افراد میرے اردگرد بکھرے ہوئے ہیں اور پھر وہ ڈرائیور بھی کم نہیں تھا۔ میں خاموشی سے بیٹھا رہا۔ دفعتہً حریمہ ازلہ نے چونک کر کہا۔

"تم شاید اب تک خوف زدہ ہو، اور تم جانتے ہو تمہارا یہ خوف میری توہین ہے......؟"

"نہیں مادام......! میں آپ کی توہین کا مرتکب کیسے ہو سکتا ہوں......؟"

"تو پھر کھل کر بیٹھو اور اطمینان سے بات کرو۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اب میں بالکل پریشان نہیں ہوں۔"

میں نے خواہ مخواہ دانت نکال دیئے۔

حریمہ ازلہ تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھی رہیں، اس کے بعد بولیں۔

"چلیں......؟"

"وہ......آپ کے گارڈز......؟"

میں نے کہا اور انہوں نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میں جلدی سے بولا۔

"مم......میرا مطلب ہے، آپ کے آدمی نے آ کر آپ کو جواب نہیں دیا......؟"

"مجھے جواب کی ضرورت نہیں پیش آتی، سمجھ رہے ہو......؟"

"جج......جی......جی......!"

میں نے کہا اور خاموشی سے حریمہ ازلہ کے ساتھ اُٹھ گیا۔ ظاہر ہے، اب باطش چنگیزی کی دی ہوئی کار کا استعمال کسی طور ممکن نہیں تھا۔ حریمہ ازلہ کی شاندار کار ایک جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ باوردی ڈرائیور نے جلدی سے نیچے اُتر کر دروازہ کھولا اور حریمہ ازلہ نے مجھے بھی اپنے ساتھ ہی بیٹھنے کی پیش کش کر دی۔ میں اب بھی چور نگاہوں سے آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد کار آگے بڑھ گئی۔ حریمہ ازلہ آنکھیں بند کر کے کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ میں نے موقع غنیمت دیکھا تو پچھلے شیشے سے پیچھے جھانکا لیکن تعاقب کا کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ باطش چنگیزی نے حریمہ کی وجہ سے میرا تعاقب نہیں کرایا۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ باطش چنگیزی کو چوٹ ہوئی ہے۔

اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ میں اتنی بڑی خاتون کا شناسا نکل آؤں گا۔ اچانک ہی حریمہ ازلہ نے کہا۔

''جس قدر جلد ممکن ہو سکے، تم میرے ساتھ اپنے کام کی تکمیل کر لو۔ اس کے بعد یہاں وقت گزارو۔ ہم لوگ بہت لیٹ ہو چکے ہیں۔''

''ج ج...... جی...... جی ہاں......!''

میں نے بے تکے انداز میں کہا۔

''تمہارے یہ دُشمن کون ہو سکتے ہیں......؟ میں مسلسل غور کر رہی ہوں۔''

''تفصیل تو میں بھی نہیں جانتا۔''

''ٹھیک ہے......! اب یہ سب کچھ تمہاری ذمے داری نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو افسوس ہے کہ اس پارٹی میں، میں نے تمہارے تحفظ کا بندوبست کیوں نہیں کیا......؟ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے اور تمہارے درمیان کچھ اور لوگ بھی آ سکتے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں میڈم......!''

میں نے گردن ہلا کر کہا۔ حریمہ ازلہ کسی خیال میں گم ہو گئی تھیں۔ یہ شاندار کار جس عمارت میں داخل ہوئی تھی، اسے دُور ہی سے دیکھ کر اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس کار کی جگہ یہی عمارت ہو سکتی ہے۔ وسیع وعریض لان جس کے دونوں طرف سوئمنگ پول پھیلا ہوا تھا اور جس روش سے گزر کر پول تک پہنچنا ہوتا تھا، وہ شیشے کی بنی ہوئی تھی اور اس کے نیچے سے پانی نظر آ رہا تھا جو سوئمنگ پول کا ہی تھا۔ گویا یہ گزرگاہ ایک ستون کی حیثیت رکھتی تھی۔

سوئمنگ پول کے اطراف میں نفاست سے تراشی ہوئی گھاس نظر آ رہی تھی جو بہت زیادہ سخت تھی۔

کناروں پر پھولوں اور پھلوں کے درخت جھول رہے تھے، جو عمارت کے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور ان کے درمیان یہ انتہائی نفیس ڈیزائن کی عمارت یوں لگتی تھی جیسے کسی نے سبز گھاس پر ایک کھلونا رکھ دیا ہو۔ بیرونی برآمدے کی سیڑھیوں ہی سے قالین بچھا ہوا تھا جو ایرانی صناعی کا شاہکار تھا۔ یہ قالین ایک چوڑی راہ داری سے گزر کر بڑے ہال میں جاتا تھا جہاں یہ پورے ہال میں پھیلا ہوا تھا۔

ہال میں تقریباً دس کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ راہ داری وہاں سے آگے بڑھ گئی تھی۔ گویا یہ اس عمارت کا پہلا حصہ تھا، لیکن حریمہ نے مجھے یہاں نہیں روکا بلکہ دوسری راہ داری سے گزار کر ایک اور کمرے میں لے گئی جسے ڈرائنگ روم کہا جا سکتا تھا۔ ڈرائنگ روم کے دونوں اطراف سیڑھیاں اوپر کی سمت جاتی تھیں اور حریمہ ازلہ کی رہائش گاہ اُوپر تھی۔ چنانچہ ہم سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر پہنچ گئے اور حریمہ نے اپنے عقب میں آنے والے باوردی آدمیوں سے میرے بارے میں کچھ کہا جس کے جواب میں ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

''آپ ادھر تشریف لے آیئے جناب......! آپ کی رہائش گاہ اس سمت ہے۔''

حریمہ مجھ سے کوئی الوداعی لفظ کہے بغیر دوسری طرف مُڑ گئی اور میں اس شخص کے ساتھ اس حصے میں آ گیا جو اس کے کہنے کے مطابق میرے لئے تھا۔ جس خواب گاہ میں مجھے پہنچایا گیا تھا، وہ یقینی طور پر خواب گاہ نہیں، بلکہ خوابوں کی جنت تھی۔ اتنا حسین ماحول اور اتنے اعلیٰ درجے کی ڈیکوریشن میں نے اس سے پہلے کبھی کسی عمارت میں نہیں دیکھی تھی۔ میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ خدا کے کام بھی عجیب ہیں۔ کسی کو دیا ہے تو اتنا کہ وہ زندگی کی کسی پریشانی سے قریب ہو کر نہ گزرے اور کسی کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

میں جوتے اُتار کر مسہری پر بیٹھ گیا اور پریشان نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بہت سے کردار میرے بھی اردگرد بکھر گئے تھے۔ ڈاکٹر جبین اس کی بیٹی ایلن جین اور ہاطش چنگیزی وغیرہ، گینس اور سب سے بڑی شخصیت پتا نہیں میرا دوست یا دُشمن ابرانوس، میں نے اپنے ذہن سے اس آخری نام کو جھٹک دیا۔

''وہ مجھے نہیں ملتا تھا تو میں زیادہ مطمئن رہتا تھا۔ اپنے آپ کو دوسروں کے حوالے کر دینا کوئی عقل مندی کی بات نہیں تھی اور پھر وہ تو بلاوجہ ہی مجھ پر مسلط ہو گیا تھا۔ نہ میں نے کوئی چلہ کر کے جن اپنے قبضے میں کیا تھا نہ میں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ کوئی جن میرے قبضے میں آ جائے۔ بس ٹوٹی حویلی کا تحفہ مل گیا تھا مجھے۔''

میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''ابرانوس......! اگر تو میرے آس پاس کہیں موجود ہے، تو براہ کرم......! میرے پاس سے دفع ہو جانا۔ میں تیری موجودگی ایک لمحے کے لئے بھی پسند نہیں کرتا۔''

اس بات کا میرے ذہن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ ابرانوس میرے پاس موجود نہیں ہے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک شخص اندر آیا، اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کچھ لباس میرے سامنے رکھ دیئے اور کہنے لگا۔

''یہ خاتون ازلہ نے آپ کے لئے بھجوائے ہیں۔''

''شکریہ......! کیا یہ میرے سائز کے ہوں گے......؟''

''سو فیصدی......! آپ ان میں سے کوئی سا لباس پہن کر دیکھ لیجئے۔''

''نہیں......! الماری میں لگا دو۔''

''وہ غسل خانہ ہے، جس چیز کی بھی ضرورت ہو، وہ دیوار میں لگی گھنٹی بجا کر ہمیں بلا لیجئے گا۔''

''ٹھیک ہے......! شکریہ......!''

میں نے کہا اور وہ شخص چلا گیا۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ دوبارہ آیا اور میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''خاتون اس وقت آرام فرما رہی ہیں۔''

''ٹھیک ہے......! پھر......؟''

''نہیں بس......! اطلاع دینے آیا تھا۔''

یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا، لیکن اس کی دوبارہ آمد نے مجھے چونکا دیا تھا۔ عجیب سا مسئلہ تھا۔ دروازے کے قریب آ کر وہ رُکا، دروازہ کھول کر وہ اس طرح باہر نکلا جیسے باہر جا رہا ہے، لیکن فوراً ہی اندر آ کر اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا اور میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ میں نے حیرانی سے اسے دیکھا تو وہ جلدی سے میرے قریب آ گیا۔

''میرا نام زاہدی ہے۔''

''ہوں...... بولو......!''

''شاید تم فرہاد باری کے بارے میں نہ جانتے ہو۔ لیکن فرہاد باری وہ ہے جو لمحہ لمحہ تمہارے قریب رہا ہے۔ اس کی شخصیت پردۂ راز میں ہے، لیکن تم یہاں دوسری حیثیت سے آئے ہو۔''

''میرا نام یوسف عارض ہے۔''

میں نے کہا۔

''نہیں......! اصل نام تو تمہارا احتشام ہے، احتشام عرف شامی......!''

اس نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

''تو یہ فرہاد باری صاحب مجھ سے کیا چاہتے ہیں......؟''

''جب تم پر اس کا انکشاف ہوگا تو تم دنگ رہ جاؤ گے۔ یہ سمجھ لو کہ وہ روزِ اوّل سے تمہارے ساتھ ہے۔ وہ کون ہے......؟ کیا ہے......؟ اس کی تفصیل تو تمہیں ابھی نہیں بتائی جا سکتی۔ لیکن تم یہ سمجھ لو کہ وہ تمہارا سب سے بڑا محسن ہے۔''

''خوب......! خوب......! یار......! میرے اردگرد تو اب محسنوں کا جمعہ بازار موجود ہے۔ خیر......! تم جمعہ بازار کیا سمجھو گے، یہ میرے دیس کی باتیں ہیں۔''

''فرہاد باری نے پوچھا ہے کہ آپ اس پارٹی سے کہاں غائب ہو گئے تھے......؟ اور آپ کو اغواء کر کے لے جانے والے کون تھے......؟ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اس وقت اس پارٹی میں روشنی اسی لئے گُل کی گئی تھی کہ آپ کو اغواء کر لیا جائے۔ بدقسمتی سے ہم صحیح بات کا اندازہ نہیں لگا سکے۔ بہرحال آپ کی سلامتی کی اطلاع فرہاد باری صاحب کو دے دی جائے گی۔ اب یہ بتائیے کہ ان کے لئے کوئی پیغام تو نہیں ہے آپ کے پاس......؟''

''بابا......! پیغام یہی ہے کہ اپنا تعارف تو کرا دے۔''

''اور کچھ......؟''

''نہیں بس......! اتنا ہی کافی ہے۔''

میں نے کہا اور وہ گردن خم کر کے باہر نکل گیا۔ لیکن میری حالت ایک بار پھر خراب ہو گئی تھی۔

یار......! یہ سب کچھ ہو کیا رہا ہے آخر......؟ مجھ پر تو کتنی ہی مصیبتیں ایک ساتھ ٹوٹ پڑی تھیں، جس طرف جاتا، ایک نہ ایک ضرورت مند موجود تھا جو میری جان کا گاہک بن جاتا تھا۔ رات کو حریمہ ازلہ سے بات ہوئی۔ ہم لان میں چہل قدمی کرنے نکل آئے تو انہوں نے کہا۔

''تمہارے مشاغل اس دوران کیا رہے ہیں......؟ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے ہو یا نہیں......؟''

''میں کامیاب ہو چکا ہوں۔''

''میں تمہارے لئے بہت بے چین تھی۔ میں نے تمہیں اغواء کرنے والوں کے بارے میں چھان بین کی ہے۔''

حریمہ ازلہ کے ان الفاظ پر مجھے ہنسی آنے لگی۔ اب تو کئی نام ہو گئے تھے۔ یہ فرہاد باری، باطش چنگیزی اور نہ جانے کون کون......؟ اس کے بعد ہم لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ حریمہ ازلہ نے کہا۔

''میں اب مزید انتظار نہیں کر سکتی۔ کچھ تھکی تھکی سی ہو رہی ہوں۔ آؤ چلو اُٹھو، یہاں سے بھی، میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے اُٹھیں اور واپس اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ میں بھی اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔ جب میں اپنے کمرے میں پہنچا تو زاہدی کو وہاں دیکھا۔ اسے دیکھ کر میری رگیں کھنچ گئی تھیں۔

''فرہاد باری صاحب آپ سے بے حد خوش ہیں اور انہوں نے مجھے کچھ اطلاع دی ہے۔ خاتون ازلہ نے کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کیا ہے اور وہ صبح کو یہاں پہنچنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرہاد باری کا فیصلہ ہے کہ خاتون ازلہ کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔''

''کک...... کیا......؟''

میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''اگر آپ چاہیں تو فرہاد باری سے گفتگو کر لیں۔''

''مم...... مگر...... خ...... خاتون ازلہ کو راستے سے کیسے ہٹایا جائے گا......؟''

''یہ کام آپ کو سرانجام دینا ہوگا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ آپ کی پہلی ذمے داری ہے اور آپ ہر طرح اس کے پابند ہیں۔''

''یار......! مگر میں نے تو آج تک کسی کو قتل نہیں کیا۔''

''میں آپ کا مددگار ہوں۔''

''یہ زیادہ موزوں ہوگا، قتل کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہو سکتا ہے......؟''

''وہ ایک خاتون ہیں۔ آپ ان کی خواب گاہ میں پہنچ جائیں تو بآسانی انہیں گردن دبا کر مار سکتے ہیں اور اس کے بعد آپ کا اس عمارت میں رہنا ضروری نہیں ہوگا۔ میں آپ کو یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔''

میرے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ کسی کو قتل کرنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ایک دم سے سوچا کہ کیوں نہ حریمہ ازلہ کی زندگی بچانے کی جدوجہد کی جائے......؟ میں نے کچھ دیر کے بعد زاہدی سے کہا۔

''تم کہاں رہتے ہو......؟''

''اسی عمارت کے ایک بیرونی گوشے میں۔''

''مجھے اپنی قیام گاہ دکھا دو تاکہ میں اپنے کام کی تکمیل کے بعد تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔''

''میں آپ کو پتہ بتا دوں گا۔ آپ یہ کام کرنے کے بعد کب تک پہنچ جائیں گے......؟''

''بارہ اور ایک کے درمیان......!''

''وہی وقت سب سے مناسب ہے کیونکہ اس وقت وہاں اور کوئی نہیں ہوتا۔''

''میں ان کے پاس بارہ بجے پہنچوں گا، ان سے تھوڑی دیر باتیں کروں گا، اس کے بعد اپنا کام سرانجام دے لوں گا۔''

''اس وقت میں آپ سے زیادہ دور نہیں ہوں گا۔ آپ باہر مجھے تلاش کر سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے......!''

میں نے کہا لیکن دل ہی دل میں، میں نے ایک پروگرام بنا لیا تھا۔ زاہدی چلا گیا تو میں تقریباً آدھے گھنٹے تک باقاعدہ تھر تھر کانپتا رہا۔ دل کو لاکھ تسلی دینے کی کوشش کرتا رہا، لیکن کم بخت دل قابو میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا۔

پھر اس وقت رات کے بارہ بجنے میں تقریباً دس منٹ باقی تھے، جب میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ دروازے کے باہر ہی مجھے زاہدی نظر آ گیا۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور ہاتھ ہلا کر وہاں سے چلا گیا۔ میں لرزتے قدموں سے حریمہ ازلہ کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ میں نے دستک دی تو دروازہ کھل گیا۔ شب خوابی کے شفاف لباس میں ملبوس حریمہ ازلہ نے حیران نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

''کیا بات ہے......؟ کچھ پریشان نظر آ رہے ہو......؟''

''ہاں شاید......!''

میں نے کہا اور پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔

''خاتون......! میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، لیکن ایسی جگہ جہاں ہماری باتیں کوئی اور نہ سن سکے۔''

''ہماری باتیں یہاں کون سن سکتا ہے......؟''

''نہیں......! براہ کرم انتظام کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے......!''

حریمہ ازلہ نے کہا اور ایک دیوار کی جانب بڑھ گئی۔ دیوار پر ایک لمبا سوئچ اوپر کی جانب کیا اور دروازے پر جست کی پلیٹیں آ پڑیں۔ گویا کمرہ مکمل طور پر ساؤنڈ پروف ہو گیا تھا۔ یہی کیفیت یہاں موجود دو بڑی بڑی کھڑکیوں کی تھی۔ ان پر بھی جست کی چادروں نے پردہ ڈال دیا تھا۔ اس طرح کمرہ مکمل طور پر ساؤنڈ پروف ہو گیا تھا۔

''آؤ بیٹھو......! وہ کون سی اہم بات ہے جس کا تمہیں اس کوٹھی میں سن لئے جانے کا خدشہ ہے......؟''

''اگر میں آپ سے یہ کہوں خاتون......! کہ درحقیقت میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھ رہی ہیں، تو آپ کو حیرت نہیں ہوگی......؟''

حریمہ ازلہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی، پھر بولی۔

''آگے بولو......!''

''آگے بولنے سے پہلے میں آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں یوسف عارض نہیں ہوں۔''

''تو پھر کون ہو......؟''

حریمہ ازلہ نے سوال کیا۔

''میرا اصل نام احتشام عرف شامی ہے۔''

''کیا تمہارے چہرے پر میک اَپ ہے......؟''

''افسوس نہیں......!''

''اگر یہ کوئی سنجیدہ مذاق ہے تو میں تمہیں یہ بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ مجھے مذاق پسند نہیں ہے۔''

''میں آپ سے مذاق کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

''پھر تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے......؟''

حریمہ ازلہ کے لہجے میں سکون تھا۔

''فرہاد ہاری نامی ایک شخص نے۔''

میں نے کہا اور حریمہ ازلہ چونک پڑی۔ وہ کچھ دیر تک مجھے دیکھتی رہی، پھر بولی۔

''فرہاد ہاری......؟ ٹھیک......! لیکن تم نے مجھے یہ بات کیوں بتائی......؟''

''میں تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔''

''تم جو کوئی بھی ہو، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتی ہوں کہ اب میرے دل میں تمہارے لئے وہ جگہ نہیں ہے، جو یوسف عارض کے لئے تھی، اور بہتر ہے کہ اب تم اپنی شخصیت پر سے ہر نقاب ہٹا دو۔''

میرا تو دل پکا ہی ہوا تھا، لیکن کچھ چیزیں ایسی تھیں جو میں نہیں بتا سکتا تھا۔ بہرحال میں نے انہیں

اپنی کہانی سنادی تو حریمہ ازلہ نے خون خوار لہجے میں کہا۔

''تو یوسف عارض کہاں ہے......؟''

''میں نہیں جانتا۔''

میں نے دیکھا کہ حریمہ ازلہ جو ایک پُروقار شخصیت نظر آتی تھی، اس وقت انتہائی خون خوار ہوگئی۔ اس کے چہرے پر دہشت برسنے لگی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ پُرسکون ہوتی گئی۔ پھر اس نے کہا۔

''تمہارا یہ انکشاف کسی حد تک میرے حق میں جاتا ہے، بلکہ میں یہ کہوں گی کہ تم نے مجھ پر احسان بھی کیا ہے، ورنہ میں کوئی تمیز نہیں کر سکتی تھی اور کل کا دن میرے لئے زندگی کا پچھتاوا بن جاتا۔ مگر ایک بات کا جواب دو۔ تم نے یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا دیا......؟ ظاہر ہے، فرہاد باری نے تم پر بھروسہ کر کے تمہیں یہاں بھیجا تھا۔''

''تو سنئے ازلہ خاتون......! باطش چنگیزی کے آدمیوں سے جان بچانے کے لئے میں نے آپ کی پناہ لی تھی ورنہ شاید دوبارہ آپ تک یوسف عارض کی حیثیت سے نہ آتا۔ میں وہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتا ہوں جس کے لئے مجھے مجبور کیا جا رہا ہے، اور پھر میں آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ بڑی خطرناک صورتِ حال ہے، خود آپ کی کوٹھی میں فرہاد باری کا ایک آدمی موجود ہے۔''

''کک......کیا......؟''

خاتون حریمہ ایک بار پھر اُچھل پڑی۔

''جی......! اس کا نام زاہدی ہے اور جب میں یہاں پہنچا تو اس نے فوراً ہی فرہاد کو اطلاع دے دی کہ میں یہاں آگیا ہوں۔ فرہاد نے اس کے ذریعے ایک نیا پیغام بھجوا دیا۔''

''وہ کیا......؟''

خاتون ازلہ نے پوچھا۔

''مجھے ذمے داری دی گئی ہے کہ آپ کو قتل کر دیا جائے۔''

''اوہ......!''

ازلہ کچھ دیر خاموشی سے سوچتی رہی، پھر بولی۔

''بے وقوف ہے وہ، بے وقوف ہے۔ خیر......! تو وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے......؟''

''جی......! اور مجھے اس کے لئے ایک زبردست معاوضے کی پیش کش کی گئی ہے۔''

''مجھے ایک اور سوال کا جواب دو۔ اگر ایسی بات ہے تو تم نے مجھے قتل کیوں نہیں کیا......؟''

''اس لئے خاتون......! کہ میں صرف زمانے کا ستایا ہوا ہوں۔ پیشہ ور قاتل نہیں ہوں۔ زندگی میں کبھی ایک کتا بھی نہیں مارا۔ ایک انسان کی جان کیسے لے سکتا ہوں......؟ آپ کے احسانات کا صلہ اس شکل میں

دے سکتا تھا کہ آپ کو اپنے اور فرہاد باری کے بارے میں بتا کر آپ کی زندگی بچاؤں۔''

حریمہ ازلہ چند لمحات خاموشی سے سوچتی رہی، پھر کرسی سے اُٹھ کر ایک صوفے پر جا بیٹھی۔

''ہاں......! میں اس بات کی معترف ہوں۔ مگر تشویش یہ ہے کہ یوسف عارض کہاں گیا......؟''

''خدا جانے......!''

میں نے کہا۔

''لیکن ٹھہرو......! تم کہہ رہے تھے کہ زاہدی ان کا آدمی ہے......؟''

''جی......! میں آپ کو اس کا ثبوت دے سکتا ہوں۔''

''ہاں......! میں ثبوت ہی چاہتی ہوں۔''

''تو پھر آپ مسہری پر لیٹ جائیے اور اس طرح بے سدھ ہو جائیے جیسے میں نے آپ کو قتل کر دیا ہو۔ طریقۂ قتل آپ کا گلا گھونٹ کر مارنا تھا، میں آپ کے چہرے پر تکیہ رکھے دیتا ہوں، آپ بالکل سانس بند کر لیجئے گا۔ میں زاہدی کو بلا کر آپ کی لاش دکھائے دیتا ہوں۔''

''ارے واہ......! اچھا آئیڈیا ہے۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔''

بہرحال میں نے وہ سب کچھ کیا جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔ حریمہ ازلہ کو مسہری پر لٹا دیا۔ اس طرح کہ بالکل ہی بے سدھ معلوم ہو، اور اس کے بعد میں دروازے پر جا پہنچا۔ جست کی پلیٹیں میں نے سوئچ نیچے کر کے ہٹا دیں اور دروازہ کھول دیا۔ پھر میں وحشت زدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اسی وقت زاہدی ستون کی آڑ سے نکل کر میرے سامنے آگیا۔

''کیا خبر ہے......؟''

''اندر آجاؤ......!''

میں نے کہا اور دروازے کی طرف مُڑ گیا۔ زاہدی میرے پیچھے پیچھے اندر آگیا تھا۔ اس نے حریمہ ازلہ کے چہرے پر نظر ڈالی اور اس کے حلق سے پُرمسرت آواز نکلی۔

''تم نے اپنا کام مکمل کر لیا دوست......! وری گڈ......!''

''ہاں......! لیکن اب میرے تحفظ کا بندوبست بھی کیا جائے۔''

''اوہ......! تم فرہاد باری کو نہیں جانتے۔ وہ دوستوں کا بہترین دوست اور دشمنوں کا بدترین دشمن ہے۔ تم نہیں جانتے کہ حریمہ ازلہ کی موت سے تہران میں ایک طوفان برپا ہو جائے گا اور اسی وقت اس کے قاتل کی تلاش کے لئے پولیس ہر وہ کارروائی کرے گی جو ہو سکتی ہے۔ مگر تم مطمئن رہو۔ فرہاد تمہارا ہر طرح تحفظ کرے گا۔''

حریمہ ازلہ بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ زاہدی نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور پھر واپسی کے لئے پلٹا،

لیکن ابھی ہم دروازے تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ پیچھے سے حریمہ ازلہ کی آواز سنائی دی۔

''بس......! رُک جاؤ......!''

اس آواز نے مجھ پر تو کوئی اثر نہیں کیا تھا، لیکن زاہدی اس طرح پلٹا جیسے عقب سے گولی لگی ہو۔ اس نے پلٹ کر حریمہ ازلہ کو دیکھا جو ایک عجیب ساخت کا پستول ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ اس کی نال تقریباً دو انچ چوڑی تھی اور پچھلا حصہ بہت چوڑا تھا۔ حریمہ ازلہ نے پستول کے اشارے سے مجھے ایک طرف ہٹنے کے لئے کہا اور جوں ہی میں زاہدی کے نزدیک سے ہٹا، انہوں نے فائر کر دیا۔ پستول سے گولی کے بجائے ایک عجیب سا غبار نکلا تھا جس نے برق رفتاری سے بڑھ کر زاہدی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پھر جب اس کے گرد سے غبار ہٹا تو میں نے زاہدی کو سلوموشن میں نیچے گرتے ہوئے دیکھا۔

ازلہ کے چہرے پر پتھروں کا سا سکون نظر آ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور پھر پاؤں کی ٹھوکر سے زاہدی کو سیدھا کر دیا۔ پھر میری طرف رُخ کر کے بولی۔

''تمہارا شکریہ احتشام......! میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ اس وقت تم نے میری زندگی بچائی ہے۔ لیکن فرہاد باری، اس نے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ساتھیوں کی زندگی کا چراغ گل کر دیا ہے۔ اب اسے کون میرے ہاتھوں سے بچا سکتا ہے......؟''

''محترم خاتون......! اگر میں نے یہ خدمت انجام دے کر آپ کے لئے کچھ کیا ہے تو اس کے بدلے آپ مجھے ایران سے نکالنے کا بندوبست کر دیجئے۔''

''اطمینان سے بیٹھو۔ اس کمرے کو ایک بار پھر ساؤنڈ پروف کر دو۔''

''اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دوں......؟''

میں نے زاہدی کی طرف دیکھ کر کہا اور وہ زہریلے انداز میں مسکرا دی۔

''ضرورت نہیں ہے، یہ کم از کم ایک ہفتے تک اپنے بدن کو جنبش نہیں دے سکے گا۔ پڑا رہنے دو بدبخت کو اسی طرح۔''

انہوں نے کرخت لہجے میں کہا۔ میں ان کے اشارے پر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم نے میرے بدترین دشمن سے مجھے بچا لیا اور اس حقیقت کا اظہار بھی کر دیا جو بہت دنوں سے میرے دل میں مچل رہی تھی۔''

''براہ کرم......! مجھے اپنا کوئی راز نہ بتایئے۔ میں ایک بے تعلق انسان ہوں۔''

''میں تمہیں کچھ بتانے نہیں جا رہی احتشام......! بس تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا مجھے، ابھی تم نے کچھ الفاظ کہے تھے اور کہا تھا کہ تم ایران سے باہر جانا چاہتے ہو۔''

''جی ہاں......! یہاں میں ایسے حالات میں گرفتار ہوں کہ میرے لئے بڑی مشکلات پیش آ گئی

ہیں۔ آپ کسی طرح مجھے ایران سے باہر نکال دیجئے۔''

''صرف چوبیس گھنٹے صبر کر لو۔ چوبیس گھنٹے کے بعد میں تمہارے سفر کا بندوبست کر دوں گی۔ بے فکر رہو، تمہیں یہاں سے نکلنے میں کوئی دُشواری نہیں ہوگی۔''

''لیکن یہ چوبیس گھنٹے میرے لئے موت نہ لے آئیں۔''

''میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ کسی کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ میں تمہاری حفاظت کا بندوبست کئے دیتی ہوں۔ چوبیس گھنٹے کے بعد تمہیں تمہارے احسان کا صلہ دے دیا جائے گا۔''

''بہت بہت شکریہ خاتون......!''

''آؤ......!''

انہوں نے کہا اور میں اُٹھ کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ وہ مجھے اپنی خواب گاہ کے ایک ایسے حصے میں لے گئیں جہاں دیوار کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ لیکن دیوار پر آویزاں ایک تصویر پر اُنگلی رکھ کر انہوں نے اس دیوار میں ایک شگاف پیدا کیا اور یہ شگاف ایک تہہ خانے کا راستہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے ایک انتہائی آرام دہ ائیر کنڈیشنڈ خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا جہاں دُنیا کی ہر آسائش موجود تھی۔ انہوں نے کہا۔

''تمہاری ہر طرح نگہداشت کی جائے گی۔ چوبیس گھنٹے آرام سے گزارو، اس کے بعد تمہیں ایران سے نکال دیا جائے گا، چلتی ہوں۔''

وہ واپس مُڑیں اور تہہ خانے کا دروازہ بند ہو گیا۔ میں بستر پر لیٹا تو میرے ذہن پر خیالات کی یلغار ہو گئی۔ بہرطور ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز ہو کر آرام کرنے کا فیصلہ کیا اور جب جاگا تو دن کے گیارہ بج چکے تھے، بھوک لگ رہی تھی، چوبیس گھنٹوں میں سے گیارہ گھنٹے گزر چکے تھے۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ کچھ کیا جائے۔ تہہ خانے میں صرف غسل خانہ تھا یا پھر آرام کرنے کی جگہ، ایک الماری میں کچھ کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ میں یہ کتابیں ٹٹولنے لگا۔ ساڑھے بارہ بجے ذہن پر شدید جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی۔ ڈھائی بجے کے قریب ایک بار پھر غسل خانے میں داخل ہوا اور پانی پی کر پیاس بجھائی۔ نہ جانے کیوں ایک عجیب سی بے چینی کا سا احساس ہونے لگا تھا۔

''خاتون ازلہ کہاں گئی......؟''

میں انتظار کرتا رہا اور میری حالت خراب ہوتی چلی گئی۔ ان چوبیس گھنٹوں میں ایک کیل بھی میرے منہ میں نہیں گئی تھی اور اب میں خاتون حریمہ ازلہ کو کوسنے کا سلسلہ بھی ترک کر چکا تھا۔ لیکن ایک اور خوف میرے ذہن پر یلغار کر رہا تھا۔ وہ یہ تھا کہ میں ایک ایسے تہہ خانے میں قید ہوں جس کے بارے میں صرف حریمہ ازلہ ہی جانتی ہے۔

''اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو کیا مجھے اسی تہہ خانے میں بھوک سے دم توڑ دینا پڑے گا......؟''

میں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوتا تھا۔

''کیا ہوا......؟ آخر کیا ہوگیا......؟''

بہرطور ساری رات گزر گئی اور صبح کے سات بج گئے۔ اب میرے ذہن نے ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا اور میں اب زمین پر لڑھکنیاں لگا رہا تھا۔ بھوک جب ناقابل برداشت ہوگئی تو پانی پی کر غسل خانے کے فرش پر ہی لیٹ گیا۔ مزید دہشت بڑھی تو شاور کھول لیا۔ پھر وہ دن بھی رفتہ رفتہ گزر گیا۔

رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے تھے جب میں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ لیکن اب میرے حلق سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا......؟ ہاتھ کسی شئے پر ہی پڑا تھا، ایک عجیب سی بو نتھنوں سے ٹکرائی، آنکھیں شاید خودبخود کھل گئیں۔ ورنہ انہیں کھولنے میں میری قوتِ ارادی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ پھر میں نے جو کچھ دیکھا، اسے ایک خواب ہی سمجھا جاسکتا تھا۔

میرے نزدیک ایک تھال رکھا ہوا تھا جس میں بھنا ہوا مرغ، کچھ سلائس اور چائے کے برتن نظر آرہے تھے۔ میں نے پُرمسرت نگاہوں سے اسے دیکھا اور میرا منہ چلنے لگا۔ نہ جانے کیا ہو رہا تھا......؟ یہ سب کچھ ایک تصور تھا یا حقیقت......؟ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون کرم فرما تھا جس نے میرے لئے خوانِ نعمت بھیجا تھا......؟ لیکن سب کچھ سچ تھا۔ میرے سامنے بڑی سے ٹرے میں رکھی کیتلی سے بھاپ اُٹھ رہی تھی اور مرغ مسلم کا بہت بڑا حصہ ابھی پلیٹ میں ہی موجود تھا۔

میں تو اس مرغ کو دیکھ کر ہی مسرت سے پاگل ہوگیا تھا اور پھر پورا مرغ رکھے ہوئے سلائس میرے معدے میں اُتر گئے۔ چائے کی پیالی میں کیتلی انڈیلی۔

''واہ......! کیا چیز تھی۔''

بہرحال میں نے سوچا کہ اگر حریمہ ازلہ نے یہ سب کچھ بھجوایا ہے تو مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا......؟ خیر......! کھانے پینے کے بعد تو انسان کو آرام ہی کی سوجھتی ہے۔ میں لیٹ گیا، نہ جانے کب تک لیٹا رہا......؟ جب بدن کی سنسنی ختم ہوئی تو اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کیتلی میں کچھ چائے بچی ہوئی تھی، جسے میں نے احتیاطاً معدے میں اُتار لیا۔

بہت دیر کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھا اور دروازے کی جانب چل پڑا۔ وقت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے اسے آزمانے کی کوشش کی۔ پھر ایک جگہ دروازے پر مجھے کچھ اُبھرا ہوا سا نظر آیا۔ میں نے اُنگلیاں پھنسا کر دروازے کھولنے کی کوشش کی اور اس وقت میری مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا جب دروازہ آسانی سے کھل گیا۔ پتا نہیں کیا ہو رہا تھا......؟ اس تہہ خانے سے مجھے نجات مل رہی تھی، جسے میں اپنی قبر سمجھا تھا۔ ایک خوب صورت جنت جو بعد میں میرے لئے جہنم بن گئی تھی۔

میں باہر نکلا تو گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پتا نہیں کیا وقت تھا......؟ کتنا ٹائم ہو چکا تھا......؟ میں اب

پورے ہوش و حواس کے عالم میں تاریک عمارت کے مختلف کمروں میں جھانکتا پھر رہا تھا۔ لیکن کہیں زندگی کی کوئی رمق نظر نہیں آرہی تھی۔

پھر جب میں نے بیرونی دروازے سے گردن نکال کر باہر دیکھا تو مجھے روشنی نظر آئی۔ یہ روشنی اس سوئمنگ پول کے حصے میں تھی جو گیٹ سے قریب تھا۔ لیکن اس روشنی میں مجھے کچھ اور بھی نظر آیا تھا۔ یہ ایرانی پولیس کے جوان تھے جو کرسیوں پر بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ ان کے درمیان ایک بیٹری لائٹ جل رہی تھی۔ ان جوانوں کے باتیں کرنے کی آوازیں یہاں تک پہنچ رہی تھیں۔

''پولیس......؟''

میں نے دل ہی دل میں سوچا اور خوف سے ایک ستون کی آڑ میں سمٹ گیا۔ عمارت میں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ گیٹ کے پاس پولیس موجود تھی۔

''آخر کیوں......؟''

نہ جانے کیسے کیسے خیالات میرے ذہن سے ٹکرانے لگے اور سب سے پہلے میں نے اس عمارت سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں سے بھاگنے کے لئے مجھے کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا تھا جو پولیس والوں کی نظروں سے بچا کر مجھے باہر تک پہنچا دے اور اس کے لئے میں نے عقبی حصہ منتخب کیا جس کی تقریباً آٹھ فٹ اونچی دیوار کو عبور کرنا میرے لئے کافی مشکل ثابت ہوا تھا، لیکن میں احاطے کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ میرے نیچے گرنے سے آواز بھی پیدا ہوئی تھی اور پیروں میں چوٹ بھی لگی تھی، لیکن میں ایک سمت میں دوڑتا چلا گیا۔

ایک وسیع و عریض میدان تھا جو کافی دُور جا کر مکانات کے سلسلے پر جا کر ختم ہوتا تھا۔ ان مکانوں میں مدھم مدھم روشنیاں جل رہی تھیں۔ پھیپھڑے دھونکنی بنے ہوئے تھے، لیکن میں یہاں بھی نہیں رُکا۔ ظاہر ہے، رات کے دو بج گئے تھے۔ بلکہ اب تو ڈھائی یا پونے تین کا وقت ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر میں کسی کے ہاتھ لگ جاتا تو جو کچھ میرا حال ہوتا، مجھے خود اس کا اندازہ تھا۔ کافی دُور چلنے کے بعد ایک چوراہا نظر آیا جہاں اِکا دُکا ٹریفک چلتی نظر آرہی تھی۔

ایک دو بار میں نے پولیس کی گاڑیاں بھی دیکھیں، لیکن احتیاط کر کے اپنے آپ کو چھپالیا۔

''پتا نہیں حریمہ ازلہ کا کیا ہوا......؟''

اس سے آگے ذہن نے سوچنا چھوڑ دیا تھا، پھر میں چلتا چلا گیا۔ چوراہے کے اوپری حصے پر سمتوں کی تختیاں لگی ہوئی تھیں جو مختلف جانب اشارہ کرتی تھیں۔ ایک تختی داہنی سمت کی سڑک کی طرف اشارہ کرتی تھی جس پر تبریز لکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی تبریز تک فاصلے کی پیمائش بھی۔

''تبریز......؟''

میں نے دل میں سوچا۔

''یہ فاصلہ میں پیدل نہیں طے کرسکتا، لیکن سڑک پر آگے بڑھتا جاؤں تو کسی ایسی جگہ پہنچ سکتا ہوں جہاں میں عام لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہوں۔ ممکن ہے مجھے تبریز تک جانے کے لئے کوئی ایسی سواری مل جائے۔''

آبادی میلوں دُور پھیلی ہوئی تھی اور میں تیز سفر کر کے کم از کم اس کے آخری کنارے تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ نہ جانے کتنا سفر طے ہوگیا......؟ اور اس کے بعد مجھے آبادی نظر آنے لگی۔ یہ نواحی علاقے تھے جہاں کچھ کارخانے بھی نظر آرہے تھے۔ میں آگے بڑھتا چلا گیا اور اب مجھے پہاڑی ٹیلے اور ایسی چیزیں نظر آنے لگی تھیں، میں جس طرح تھکا ہوا تھا، اگر اس پر غور کر لیتا تو شاید زمین پر گر کر ہلاک ہی ہو جاتا۔ لیکن میں کسی بات پر غور نہیں کر رہا تھا، سوائے اس کے کہ چلتا رہوں۔

پھر جب صبح کی روشنی پھوٹنے لگی تو میرا بدن تھکن سے چور ہوگیا۔ میں جس جگہ پہنچا، وہاں ایک چھوٹا سا نالہ بہہ رہا تھا جو سڑک کے نیچے سے گزر رہا تھا اور اس پر ایک چھوٹا سا پل بنا ہوا تھا۔

آگے موڑ کے پاس اونچے نیچے درخت تھے جن کے نیچے سرسبز ریشمی گھاس نظر آرہی تھی۔ میں وہاں پہنچا اور گھاس پر لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اس وقت یہ گھاس مخمل کا بستر محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے درختوں سے کچھ فاصلے پر اس تاریک دھبے پر کوئی توجہ نہیں دی جو بعد میں مجھے نظر آیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے اپنے قریب قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں یہ چاپ سن کر اُچھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے سامنے ایک دراز قامت شخص کو دیکھا جو تعجب سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو اس کے ہونٹوں پر ہنسی آگئی۔ وہ کہنے لگا۔

''میں تمہیں مردہ سمجھا تھا، تم بالکل مردوں ہی کے سے انداز میں لیٹے ہوئے تھے۔''

''ہاں......! لیکن میں زندہ ہوں۔''

''یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو......؟ کیا دُنیا سے بے زار ہو......؟''

میں اس کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک آئل ٹینکر کھڑا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ شخص آئل ٹینکر کا ڈرائیور ہوسکتا ہے۔ دوسرے لمحے میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میرے لہجے میں شیرینی گھل گئی۔

''آپ کون ہیں......؟''

''میرا خیال ہے، میں بھی انسان ہوں۔ کیا تم مجھے انسان سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہو......؟''

''نہیں......! آپ تو بہت زیادہ انسان معلم ہوتے ہیں۔''

میں نے ہنس کر کہا۔

''یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو......؟''

''تبریز جانا چاہتا تھا اور سفر کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

''تو کیا پیدل ہی ارادہ کر لیا تھا......؟''

''ہاں......! سوچا تھا کہ پیدل ہی چلتا رہوں اور کبھی نہ کبھی تبریز پہنچ جاؤں۔''

''نہیں......! یہ کیسے ہوسکتا ہے......؟ تم جلد ہی تبریز پہنچ جاؤ گے۔ ابھی سفر کرنا پسند کرو گے یا کچھ دیر کے بعد......؟''

''کیا مطلب......؟''

''میں اس آئل ٹینکر کا ڈرائیور ہوں جو تبریز جا رہا ہے۔ اگر تم میرے ساتھ چلنا چاہو تو چل سکتے ہو۔''

میں نے جلدی سے اُٹھ کر اس کے پاؤں پکڑ لئے۔

''میں بہت تھک گیا ہوں، مجھے تبریز لے چلو......!''

''آجاؤ......! اور سنو......! میں تنہا ضرور ہوں، لیکن تم میرے یہ بازو دیکھ لو۔ تمہاری کسی بھی حرکت پر میں تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔''

اس نے اپنے بازوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میزبان بھی بن رہے ہو اور ڈرا بھی رہے ہو۔''

''بتا رہا ہوں۔''

اس نے کہا اور اس شاندار آئل ٹینکر کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ وہ سامنے نگاہیں جمائے آئل ٹینکر دوڑاتا رہا۔ وہ ان سڑکوں کا ماہر تھا۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد اس نے کہا۔

''لیکن تم ایرانی نہیں معلوم ہوتے......؟''

''تمہاری معلومات کافی اچھی ہیں۔ کیا نام ہے تمہارا......؟''

''حاصل عالی......! میں کرد ہوں، کردستان کا رہنے واا ہوں۔''

اس کے لہجے میں ایک فخر سا پیدا ہوگیا، پھر وہ بولا۔

''اور میں نے تم سے کہا تھا کہ تم بھی ایرانی نہیں ہو۔''

''ہاں......! لیکن تمہارے ایک دوست ملک کا باشند ہوں۔''

''پاکستانی......؟''

''ہاں......!''

''میں اس آئل ٹینکر میں تیل لے کر افغانستان اور پاکستان آتا جاتا رہتا ہوں۔ پاکستان مجھے بہت پسند ہے۔ میرے قصبے چلو گے......؟ ایک کرد باشندہ ایک پاکستان کو اپنا مہمان بنانے میں فخر محسوس کرے گا۔''

''کون سا قصبہ ہے تمہارا......؟''

''قذبین......! قذبین سے ایک بس ہمارے پہاڑی قصبے تک جاتی ہے۔''

"اگر موقع ملا تو ضرور چلوں گا۔ ویسے تم تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتے ہو حاصل......!"

"ہاں......! میں تعلیم یافتہ ہوں، لیکن اس کے باوجود ٹینکر چلاتا ہوں، وجہ مت پوچھنا۔"

"میں وجہ نہیں پوچھوں گا۔"

"کیا تم میرے ساتھ قذبین میں قیام کرنا پسند کرو گے......! اس کے بعد تمہیں تبریز پہنچا دوں گا۔"

"میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، لیکن تمہیں تکلیف ہوگی اور پھر ایک اجنبی پر اس طرح اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔"

"تم اجنبی نہیں، پاکستانی ہو۔"

اس نے آہستہ سے کہا اور اس کے لہجے میں کھلی مٹھاس سے میں بہت متاثر ہوا۔ اس کے بعد میں نے اس کی کسی بھی بات کو ماننے سے انکار نہیں کیا اور آخر کار آئل ٹینکر قذبین میں داخل ہو گیا۔ چھوٹی سی نیم بوسیدہ آبادی شاید اپنے دوسرے رُخ سے خوب صورت ہو۔ لیکن جس حصے میں حاصل نے آئل ٹینکر روکا تھا، وہاں مخصوص قسم کے مکانات بنے ہوئے تھے اور ان کے آگے وسیع و عریض احاطوں میں درختوں کی بہتات تھی۔ آئل ٹینکر رُکے تو تقریباً بارہ تیرہ سال کے دو لڑکے وہاں پہنچ گئے۔ اس نے ان دونوں سے میرا تعارف کرایا۔ یہ اس کے چھوٹے بھائی تھے۔

"میرے گھر میں کوئی بہن نہیں ہے اور نہ ہی کوئی چھوٹا بچہ۔ بس......! میری ماں ہے اور ہم تینوں۔"

حاصل عالی کی ماں فربہ بدن اور سفید رنگ کی خاتون تھیں، ان کے چہرے پر ایک عجیب سی نرم سی محبت بکھری ہوئی تھی، جسے دیکھ کر دل میں احترام کے جذبے پیدا ہو جاتے ہیں۔ حاصل نے میرا ان سے تعارف کرایا تو انہوں نے بڑی اپنائیت سے میرے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پیشانی چوم کر دُعائیں دیں۔

اس کے بعد خاطر مدارت شروع ہو گئی۔ میں ایک مخصوص قسم کی چارپائی پر بیٹھ گیا اور اس چارپائی پر مجھے دودھ پنیر سے بنی ہوئی کھیر نما کوئی چیز اور خاص قسم کی روٹیاں دی گئیں جن پر تل لگے ہوئے تھے۔ لیکن کیا ہی لطف آیا اس کھانے میں، اس کے ساتھ جو محبت پیش کی جا رہی تھی، وہ انتہائی قابل احترام تھی۔

بہر حال میرے سونے کا بندوبست بھی کیا گیا۔ پھر دوسری صبح اس نے جانے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر احتشام......! تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتے ہو، ہم تمہارے آنے سے بہت خوش ہیں، لیکن اگر فوراً ہی تمہارا تبریز جانا ضروری ہے تو میں تمہیں وہاں بھیجنے کے انتظامات کئے دیتا ہوں کیونکہ ابھی مجھے یہاں کچھ وقت لگے گا۔"

"اگر تمہیں تکلیف نہ ہو تو مجھے صرف یہ بتا دو کہ تبریز پہنچنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا......؟"

"نہیں......! تمہیں قذبین سے تبریز آنے کے لئے بس مل جائے گی، ویسے تبریز میں تم کہاں قیام کرو گے......؟"

"جو جگہ مناسب لگی، دیکھ لوں گا۔"

"تین چار دن کے اندر اندر میں وہاں پہنچا تو تمہیں تلاش کر لوں گا۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر مجھے ساتھ لے کر وہ اس جگہ تک آ گیا جہاں سے میں تبریز جانے والی بس میں سوار ہو سکتا تھا۔ اس نے مجھ سے مصافحے کے بعد میری پیشانی چومی اور رُخصت کر دیا۔

بس میں طرح طرح کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں سب سے الگ ایک کونے والی سیٹ پر جا بیٹھا۔ سفر جاری ہو گیا، بس تبریز پہنچ گئی۔ جب میں یہاں آیا تھا اور کم از کم تہران کی اس پرہول زندگی سے نجات مل گئی تھی تب پھر کیوں نہ تھوڑی بہت سیاحت ہی کی جائے......؟

سب سے پہلے مجھے اپنے قیام کے لئے بندوبست کرنا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس کے لئے کیا انتظام کیا جائے کہ ایک دلچسپ بات ہو گئی......؟ فانوس ہی کے نام سے مجھے ایک چھوٹا سا مسافر خانہ نظر آ گیا۔ میں اس میں پہنچ گیا۔ بات چیت ہوئی اور اس کے بعد میں اسے مسافر خانے نما ہوٹل کے مالک کو طے شدہ معاوضے کی ایک ہفتے کی رقم ادا کر دی اور اس نے مجھے اس کمرے میں منتقل کر دیا جہاں ہسپتالوں جیسا لوہے کا پلنگ رکھا ہوا تھا۔

بہر طور بہتر جگہ تھی، شام چار بجے تک آرام کی نیند سوتا رہا، ساڑھے چار بجے منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل آیا۔ کافی دیر تک شہر میں گھومتا رہا۔ یہاں لاتعداد قسم کے مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ ایک چھوٹے سے ریستوران میں بیٹھ کر میں نے قہوہ طلب کیا اور بہت ہی اچھے قہوے کی پیالیاں میرے سامنے لگا دی گئیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اخبار کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا تھا اور دفعتہً ہی ایک چہرے نے اپنی جانب میری توجہ مبذول کرا لی جس کی تصویر اخبار میں چھپی ہوئی تھی۔

یہ دو دن پہلے کا اخبار تھا اور انگریزی زبان میں تھا۔ اسے پڑھ کر ہی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ ایران کی ایک بہت ہی پُر وقار شخصیت حریمہ ازلہ کے قتل کی خبر تھی، جنہیں انتہائی بے دردی سے گردن پر چھری پھیر کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ نامکمل خبر تھی لیکن جو کچھ میں نے پڑھا، اسے پڑھ کر میرے ذہن میں سناٹے در آئے۔

مجھے اندازہ ہو گیا کہ حریمہ ازلہ کو اسی دن قتل کر دیا گیا تھا جس دن انہوں نے مجھے اپنے ہاں محفوظ کیا تھا، لیکن قتل کی کوئی تفصیل مجھے نہیں معلوم تھی، اس کے لئے پورا اخبار درکار تھا۔ میں وہاں سے اُٹھ کر کسی بک اسٹال کی تلاش میں چل پڑا، لیکن مجھے پچھلے دنوں کا اخبار نہیں مل سکا۔ البتہ تمام حالات ذہن میں روشن ہو گئے تھے۔ وہ بیچاری مجھے تہہ خانے میں پہنچانے کے بعد معمولات میں مصروف ہو گئی اور آخر کار اسے قتل کر دیا گیا۔ پھر وہ تہہ خانے کا رُخ کیسے کر سکتی تھی......؟

مجھے بے حد ملال ہوا اور اس بات پر بھی کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ اس کے قتل میں فرہاد باری ہی کا

ہاتھ ہوسکتا تھا۔ اگر میں ایرانی پولیس کو اس بارے میں تفصیلات فراہم کردوں تو یقیناً فرہاد باری کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی، لیکن خود میرا کیا ہوتا......؟

فرہاد باری کو بھی یقیناً اس بات کا خطرہ ہوگا کہ کہیں میں پولیس کے سامنے اس کی پول نہ کھول دوں۔

میرے ذہن پر خوف و دہشت کا غلبہ طاری ہوگیا۔

''ممکن ہے فرہاد باری تہران کے گلی کوچوں میں مجھے تلاش کرتا پھر رہا ہو۔''

میں نے خوف زدہ نگاہوں سے اپنے اطراف بکھرے ہوئے لوگوں کو دیکھا، لیکن اندازہ ہوگیا کہ کوئی میری جانب متوجہ نہیں ہے۔ اپنی کہانی اپنی لگتی ہی نہیں تھی۔ محسوس ہوتا تھا جیسے ٹیلی ویژن پر کوئی فلم دیکھ رہا ہوں، جس کا کردار میں خود تھا۔ اب تک جو واقعات پیش آئے تھے، وہ ایک طرح سے ناقابل یقین سے تھے۔ پاکستان سے ہندوستان اور ہندوستان سے یہاں تک حیرت انگیز واقعات پیش آتے رہے تھے۔ غرضیکہ اپنی جھونپڑا نما آرام گاہ میں بیٹھ کر میں ایران چھوڑ دینے کی پلاننگ کر رہا تھا۔ کیا کر سکتا تھا اور کیا نہیں کر سکتا تھا......؟ کوئی ترکیب ذہن میں نہیں آ رہی تھی، اس کے سوا کہ تبریز کی گلیوں میں مارا مارا پھرتا رہوں۔

''جب تک جیب میں رقم موجود ہے، اسی چھت کے نیچے زندگی گزاروں اور اس کے بعد یہاں کی سڑکوں پر بھیک مانگوں۔''

تین دن گزر گئے، میں تبریز کے بہت سے مقامات کی سیر کر چکا تھا اور خدا کا شکر تھا کہ ابھی تک کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ البتہ ایسا کوئی ذریعہ نظر نہیں آیا تھا جس کی مدد سے میں ایران سے نکل سکوں۔ میں معلومات حاصل کرتا رہا تھا، مجھے پتا چل گیا تھا کہ تبریز سے بازرگان جو ایران ترک سرحد پر واقع ہے، جا کر بس کے ذریعے سرحد عبور کی جاسکتی ہے اور وہاں سے ارض روم تک پہنچا جاسکتا ہے۔

ارض روم تک پہنچنے کے بعد استنبول میں داخل ہونا زیادہ مشکل کام نہیں تھا اور اب تک جو معلومات مجھے حاصل ہوئی تھی، اس کے تحت میرے لئے ارض روم پہنچنا بہت ضروری تھا، لیکن مسئلہ وہی کاغذات کا تھا۔ سارے راستے رُکے ہوئے تھے۔ یہاں سے اب دل بری طرح اُکتا گیا تھا اور میں ہر قیمت پر اس بے بسی کی زندگی سے نکل جانا چاہتا تھا۔

کبھی کبھی تو دل یہ چاہتا تھا کہ خود کو ایرانی پولیس کے حوالے کردوں اور اعتراف کرلوں کہ میں بغیر کاغذات کے یہاں داخل ہوا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ کچھ عرصے کی سزا ہو جائے گی اور اس کے بعد شاید مجھے پاکستان واپس بھیج دیا جائے۔

''میرا جرم کوئی بڑا جرم نہیں ہے، جو کہانی سناؤں گا، وہ ان لوگوں کے لئے ناقابل یقین ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ وہ مجھے پاگل سمجھ لیں گے۔''

غرضیکہ اس طرح کی باتیں سوچتے ہوئے کئی دن اور گزر گئے اور جب میری بے چینی انتہا کو پہنچ گئی تو

آخر کار میں نے وہی قدم اُٹھا ڈالا جس کے سوا اس وقت اور کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

معلومات حاصل کرنے کے بعد میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے بسیں ایران ترک سرحد بازرگان کی طرف جاتی تھیں۔ ایک بس میں مجھ جیسے بے یار و مددگار انسان کو بھی جگہ مل گئی اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس میں سوار ہوگیا۔ راستے کے مناظر میں، میں اپنے آپ کو کھونے کی کوشش کر رہا تھا۔ تبریز سے نکلتے ہی بلند و بالا برفانی پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ بازرگان تک یہ برف پوش پہاڑیوں ہی آنکھ مچولی کھیلتے رہے۔ بازرگان وہ جگہ تھی جہاں سے ترک علاقے میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد راستے کے مناظر اور ایران کی تاریخ ذہن سے نکل گئی اور مجھے اپنی تاریخ سامنے نظر آنے لگی۔ مستقبل جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری، کوڑے، لاتیں، گھونسے، تھپڑ جن سے ابھی تک تو روشناس نہیں ہوا تھا، لیکن اب وقت آگیا تھا کہ ان لطافتوں کا مزہ بھی چکھوں۔

مجھے غیر ملکی جاسوس بھی سمجھا جاسکتا تھا اور کوئی تخریب کار بھی، جو بغیر کاغذات کے سفر کر رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے......؟ بس ذہن پر ایسا ہیجان طاری ہوگیا تھا کہ اس کے علاوہ اور کوئی بات سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ بس سے دوسرے مسافر بھی اُترے۔ بے شمار افراد بازرگان کی سرحد عبور کرکے ترکی کے علاقے میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ ان کے پاس کاغذات وغیرہ سب موجود تھے۔

سرحد چوکی پر موجود محافظوں نے سب مسافروں میں مخصوص قسم کے فارم تقسیم کر دیئے اور ان کا سامان ان کے کاغذات سب لوگوں نے محافظوں کے حوالے کر دیئے۔ لیکن یہ کاغذات لینے والے ذرا بے ترتیبی کا شکار تھے۔ میرے پاس سے گزرتے ہوئے انہوں میری طرف ہاتھ بھی بڑھایا تھا لیکن میرا ہاتھ انہیں کیا دے سکتا تھا......؟ چنانچہ میں خاموش کھڑا رہا اور وہ آگے بڑھ گئے۔

اس کے بعد دوسری طرف کے مسافروں سے فارم لے لئے گئے جو انہیں پُر کرنے کے لئے دیئے گئے تھے۔ میرا فارم ہنوز سادہ تھا اور میں تقدیر کا فیصلہ سننے کا منتظر تھا۔ تقدیر کا فیصلہ میری اپنی نگاہوں کے سامنے تھا، لیکن کیا کیا جائے......؟ اب سب کچھ وقت کے حوالے کر دینا ہی مناسب تھا۔ لوگوں نے اپنے اپنے کوائف کی تفصیل درج کرکے محافظوں کے حوالے کر دی تھی۔

ایک طرف کچھ محافظ السیشین کتوں کی زنجیریں تھامے ہوئے کھڑے تھے اور یہ کتے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہوئے سامان کو سونگھ رہے تھے، جو مسافروں سے حاصل کیا گیا تھا۔ ہی منشیات کا کھوج لگانے والے کتے تھے اور ان کے سامنے تمام مشینی آلات دھرے رہ جاتے تھے۔ کئی افراد کو میری آنکھوں کے سامنے منشیات کی موجودگی کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا اور ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر محافظ بے دردی سے انہیں دھکیلتے ہوئے آگے لے گئے۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ چند لمحات کے ساتھ میرے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہونے والا ہے، لیکن

منشیات کے اسمگلر کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک غیر ملکی جاسوس کی حیثیت سے جسے گولی بھی ماری جاسکتی تھی۔

مجھے اپنے بدن میں جگہ جگہ خون اُگلتے ہوئے سوراخ نظر آنے لگے، لیکن کچھ نہ ہوا۔ مجھے ان لوگوں کے ساتھ ایک میدان کی طرف بھیج دیا گیا، جہاں مسافروں کا کلیئر کیا ہوا سامان رکھا گیا تھا۔ ایک طرف کاؤنٹر بنا ہوا تھا جہاں ایرانی ریال ترکی لیرا میں تبدیل کئے جا رہے تھے۔ چند ہی لمحات کے بعد محافظوں میں سے ایک نے کچھ کاغذات میری طرف بڑھا دیئے اور میرے ہاتھ بے اختیار اُٹھ گئے۔ یہ ایک پاسپورٹ اور کچھ کاغذات تھے لیکن شاید کسی اور کے دھوکے میں میرے حوالے کئے جا رہے تھے۔ ان کاغذات کے ساتھ کرنسی بھی تھی جو ایرانی ریالوں کی شکل میں تھی۔

میں نے لرزتے ہاتھوں اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے پاسپورٹ کا پہلا صفحہ کھول کر دیکھا۔ پہلا صفحہ پلٹنے کے بعد میری جو کیفیت ہوئی، وہ ناقابل بیان تھی۔ کیونکہ پاسپورٹ پر جو تصویر تھی، وہ میری ہی تھی جس پر باقاعدہ ایرانی حکومت کی مہر بھی تھی۔ میری آنکھوں کے آگے دُھند سی چھانے لگی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پہاڑوں پر پھیلی ہوئی تمام دُھند میری آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

بڑی مشکل سے آنکھوں کو صاف کیا، تصویر دیکھی، اندراجات دیکھے، تصویر میری ہی تھی اور میں ایرانی باشندے کی حیثیت سے ترکی کی جانب سفر کر رہا تھا۔

''آہ......! ناممکن......! ناقابل یقین......! یہ کاغذات کیسے تیار ہوگئے......؟ اور محافظوں کے پاس کیسے آگئے......؟''

کرنسی نوٹ اچھی خاصی تعداد میں تھے جو میں نے اپنی جیبوں میں ٹھونس لئے۔ پھر ایک محافظ نے مجھے وہاں سے آگے بڑھنے کے لئے کہا۔ ہر مسافر کا سامان اس کے حوالے کرنے کے دوران ایک چھوٹا سا خوش نما سوٹ کیس میرے ہاتھ میں بھی تھما دیا گیا، لیکن یہ میرا نہیں تھا۔ میں نے حیرت سے محافظ کی طرف دیکھا، لیکن وہ دوسری طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

میں نے بغور سوٹ کیس کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر میرے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوگئے کہ سوٹ کیس کے ایک مخصوص حصے پر میرے نام کا کارڈ لگا ہوا تھا۔ آپ میری کیفیت کا تصور کر سکتے ہیں۔ بہرطور مسافروں کے ساتھ میں بھی آگے بڑھ گیا۔ چند ہی قدم چلا تھا کہ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک چھناکہ سا ہوا اور ایک نام ذہن میں آیا۔

''ابرانوس......؟''

اور اس نام کے ذہن میں آتے ہی حیرت ایسے غائب ہوگئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

''ابرانوس......!''

میں نے ہونٹ بھینچ کر سوچا۔ میرے ذہن میں ٹھنڈک سی اُبھری۔

''ابرانوس......!''

اس کے بعد میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں بسیں کھڑی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ میری کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ کبھی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی اور کبھی یہ احساس ہوتا کہ ابرانوس نے اب تک میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے، یہ ان میں سب سے بڑا احسان ہے۔

''آہ......! میرا جن......! میرا دوست......!''

میں بہت سی باتیں ذہن میں دُہرانے لگا۔ کچھ لمحے یاد آ رہے تھے جہاں ابرانوس کا نشان ملتا تھا۔ حریمہ ازلہ نے جس قید خانے میں یا تہہ خانے میں مجھے رکھا تھا، وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، جس وقت میں جانکنی کے عالم میں گرفتار تھا اور بھوک سے نڈھال ہو کر موت تک پہنچ چکا تھا، تو میں نے نعمتوں کے خوان پائے تھے۔ لذیذ کھانا میرے سامنے موجود تھا۔ اس وقت میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس تہہ خانے میں یہ چیزیں کہاں سے آگئیں......؟ اور اس کے بعد دروازے جسے کھولنے کے لئے میں نے اپنی آخری جدوجہد تک کر لی تھی، مجھے کھلا ہوا ملا تھا۔

''کیا یہ سب کچھ قابل یقین تھا......؟ کوئی انسانی کارنامہ تھا......؟''

میں نے ابرانوس کو ذہن سے نکال کر اچھا نہیں کیا تھا۔ مجھے جگہ جگہ اس کی ضرورت تھی اور ہے، لیکن بڑا عجیب دوست ہے۔ جن ہے تو کیا ہوا......؟ کبھی کوئی اتنا مستانہ جن مجھے پہلے نہیں ملا تھا اور اس وقت بھی اس نے ہی یہ کھیل کھیلا تھا۔

''ابرانوس......!''

میں نے اسے آواز دی، لیکن میرے ذہن میں اس کی آواز نہیں اُبھری۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ میرے پاس نہیں ہے۔ البتہ یہ مجھے یاد تھا کہ وہ مجھ سے ناراض ہے۔ میں نے اس کی توہین کی تھی، اس سے نفرت کا اظہار کیا تھا۔

لیکن......لیکن اس کی یہ عنایت اس وقت میری زندگی کے لئے بہت کارآمد تھی۔ کسٹم ہاؤس کے وسیع احاطے سے نکل کر میں نے ترکی کی سرزمین پر پہلا قدم رکھا تو آنکھیں چکاچوند ہوگئیں۔ سامنے ہی چاندی کی چمکتی ہوئی خنک سی دیوار کھڑی تھی۔ دامن سے چوٹی تک سفید برف کے بوجھ تلے دبا ہوا بلند پہاڑ جو سرحد کے اس پار سے دُھند میں لپٹا ہوا کہر آلود بادل معلوم ہوتا تھا، اب اتنا نزدیک تھا کہ ہاتھ بڑھاؤ تو ایک چھناکے سے چھن چھن کرتی ہوئی تمام چاندنی پوری وادی میں بکھر جائے۔

یہ کوہِ آرات تھا۔ روایت کے مطابق طوفانِ نوح کے بعد حضرت نوح کی کشتی اسی پہاڑ پر لنگرانداز ہوئی تھی۔ آرات کے پہلو میں بے شمار چوٹیوں نے سر اُبھار رکھے تھے، لیکن سبھی خشک اور ویران تھیں۔ کوہِ آرات کے خوب صورت مناظر آنکھوں کے سامنے تھے۔ ہوا کسی قدر ٹھنڈی تھی اور آرات کے دامن کو چھو کر نکلتی ہوئی نیچے

آرہی تھی۔ سیٹیوں کی سی آوازیں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ سڑک کے کنارے مٹی کا بنا ہوا قہوہ خانہ نظر آیا جس کے احاطے میں کچھ ٹوٹے ہوئے بینچ پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف سے دُھواں اُٹھ رہا تھا جو جما جما سا محسوس ہوتا تھا۔

میرے ساتھ آنے والے مسافر اپنی منزل کو پہنچنے کے لئے بسوں کی طرف بڑھ گئے۔ لیکن مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ ترکی میں کون میرا منتظر ہوگا۔ میں نے دل میں سوچا اور میرے قدم اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ جو میرے دوست ابرانوس کا عطیہ تھا اور جس کے بارے میں مجھے اندازہ تھا کہ اس میں میری ضرورت کی تمام چیزیں موجود ہوں گی، قہوہ خانے کی طرف بڑھ گیا۔ قہوہ خانے کے بینچ خالی پڑے تھے۔ مسافروں میں سے کسی نے اس طرف کا رُخ نہیں کیا تھا۔ سب کی کوئی نہ کوئی منزل تھی سوائے میرے۔

میں قہوہ خانے میں داخل ہوگیا۔ ایک بوڑھا اور صحت مند شخص ایک چھوٹی سی تندور نما جگہ بیٹھا کسی کام میں مصروف تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر استقبالیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور اس سے قہوہ طلب کیا۔ اس نے گردن خم کر کے میری بات سمجھ لینے کا اظہار کیا اور مجھے سامنے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ وہ تندور نما جگہ ایک خاص قسم کی بھٹی تھی جو گرم ہو رہی تھی اور جس جگہ قہوہ خانے کے مالک نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا تھا، وہاں آگ کی لطیف تپش پہنچ رہی تھی جس کی وجہ سے میرا جی چاہنے لگا کہ گھنٹوں وہیں بیٹھا رہوں۔

کچھ دیر کے بعد اس نے میرے سامنے قہوہ رکھ دیا۔ ایک پیالی قہوے نے کوئی اثر نہیں کیا۔ چنانچہ میں نے دوسری پیالی طلب کی۔ قہوہ خانے کا مالک مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ میں نے اس سے قہوہ کی قیمت پوچھی تو اس نے اُنگلی کے اشارے سے دو لیرا بتائی۔ میں نے اسے دو لیرا ادا کر دیئے۔ پھر میں ان بسوں کی طرف دیکھنے لگا اور میں نے اس سے انگریزی میں پوچھا۔

''ارض روم جانے والی بسیں کس وقت تک مل جاتی ہیں......؟''

''شام تک......!''

اس نے جواب دیا۔ قہوہ خانے کا مالک کم گو معلوم ہوتا تھا یا پھر زبان سے ناواقفیت کی بنا پر زیادہ بولنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ کافی دیر کے بعد میں وہاں سے اُٹھ گیا۔ آرات کا پہاڑ سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا، لیکن آس پاس کے پہاڑوں اور وادیوں میں دُھند چھائی ہوئی تھی۔ میں بسوں کی جانب چل پڑا اور ایک بس منتخب کر کے اس میں بیٹھ گیا۔ بس میں مسافروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔

ایک اچھی شکل وصورت کا آدمی مجھ سے چند سیٹیں آگے بیٹھا ہوا تھا۔ بس کے کنڈیکٹر نے وِسل بجائی اور ڈرائیور اپنی جگہ پر آبیٹھا۔ بس چل پڑی تھی۔ کم سواریوں کو لے کر یہ بس اپنا خرچ بھی پورا نہ کر پاتی ہوگی۔ ادھیڑ عمر خوش شکل شخص جو مجھ سے چند سیٹیں آگے بیٹھا ہوا تھا، گردن گھما کر مجھے دیکھ چکا تھا۔ پھر وہ اُٹھا اور مسکراتا ہوا میرے برابر کی سیٹ پر آگیا۔

''انڈین......؟''

اس نے میری طرف اُنگلی اُٹھا کر پوچھا۔

''نہیں......! پاکستانی......!''

''اوہ......! پاکستانی......؟ میں لبنانی ہوں، لبنانی کا باشندہ، احمد شاہ میرا نام ہے۔''

اس نے میری طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور میں نے اس سے خوش ہو کر مصافحہ کیا۔

''آپ کا نام......؟''

اس نے انگریزی میں پوچھا۔

''احتشام......!''

''پاکستان سے کب آئے......؟''

''زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔''

وہ مجھ سے پاکستان کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ میں نے بھی اس سے چند سوالات کئے اور وہ مجھے مدبرانہ انداز میں اس کے جواب دیتا رہا۔ باہر آرات کی چوٹیاں ہمارے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھیں اور بس میں کافی خنکی پھیلی ہوئی تھی۔

''اگر ناگوار نہ ہو تو یہ شیشہ بند کر لیں۔''

اس نے کہا۔

''ہاں ہاں......! ضرور......!''

میں نے جلدی سے جواب دیا، بے خیالی میں، میں نے شیشہ کھلا چھوڑ دیا تھا جبکہ دوسرے مسافر بھی اپنے آس پاس کے شیشے بند کر چکے تھے۔ کنڈیکٹر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی تک اس نے مسافروں سے کرایہ وصول نہیں کیا تھا۔ ہم دونوں مختلف موضوعات پر بات کرتے رہے۔ میں نے آرات کی چوٹی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''اس کی برف کس موسم میں پگھلتی ہے......؟''

وہ مسکرایا اور بولا۔

''آرات کی برف کبھی نہیں پگھلتی۔ یہ نوح کا پہاڑ ہے۔ دیکھو اس دھبے کو، تمہیں اس کے بارے میں شاید معلومات ہوں۔''

احمد شاہ نے کہا۔

''کیا مطلب......؟''

میں نے پوچھا۔

''وہ سیاہ دھبہ جو یہاں سے نظر آتا ہے، نوح کی کشتی کا ایک حصہ ہے۔ یہاں کے لوگوں کی یہی روایت ہے۔''

''وادی کے اس پار تو روس ہے......؟''

''ہاں......! ایک مرتبہ روسیوں نے کشتی کی تلاش میں آرات پر ایک مہم بھیجی تھی جو کبھی واپس نہیں آئی۔''

''ہوں......! ان روایات کی کوئی نہ کوئی حقیقت تو ضرور ہوگی......؟''

میں نے کہا۔

''ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت سے آپ کو اس پر یقین ہونا چاہئے۔''

احمد شاہ نے جواب دیا۔

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟''

''یہاں سے کہاں جاؤ گے......؟''

''فی الحال تو اس بس سے ارض روم جاؤں گا اور وہاں سے استنبول۔''

''لیکن یہ بس ارض روم نہیں جاتی۔''

''کیا مطلب......؟''

میں چونک پڑا۔

''یہ صرف بایزید تک جائے گی اور اس کے بعد ارض روم جانے کے لئے دوسری بس پکڑنی پڑے گی۔''

''اوہ......! مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔''

''ہر جگہ کے لئے الگ الگ بسیں جاتی ہیں۔''

میں نے مایوسی سے ہونٹ سکوڑے، پھر گردن ہلاتا ہوا بولا۔

''ٹھیک ہے......! بایزید ہی سہی......!''

''ہوں......! ترکی بہت حسین جگہ ہے۔''

اس نے کہا۔ سڑک کے کنارے سفید سنگ میل پر ارض روم تین سو چوراسی کلومیٹر کے الفاظ درج تھے۔ کچی سڑک بالکل ہموار اور سیدھی جا رہی تھی۔ بائیں ہاتھ پر پہاڑیاں اور ٹیلے تاحد نظر پھیلے ہوئے تھے۔ دائیں جانب فصلوں اور چراگاہوں کا ایک وسیع اور سرسبز میدان آرات کی خنک دیوار کے دامن تک چلا گیا تھا۔ میدان کے خاتمے پر آرات کے پہلو میں گڑیوں کے گھروندوں جیسے ننھے ننھے مکان آباد تھے۔ برف مکانوں کی چھتوں کو چھو رہی تھی خنک ہوا کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور شیشے بند ہونے کے باوجود مسافر ٹھٹھر رہے

تھے۔ آرات کے دامن میں کچے گاؤں اور لہلہاتی فصلوں کا منظر ایسا تھا کہ انسان ساری زندگی یہیں گزارنے کا فیصلہ کر لے۔

میں بھی آنکھوں اور ذہن میں سکون محسوس کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ شام ڈھلنے لگی۔ سورج چھپ گیا اور اب رات ہونے کو تھی۔ دیوار میں ملگجا اندھیرا پھیل رہا تھا، لیکن آرات کی چوٹی ابھی تک سورج کی آخری ڈوبتی کرنوں کی روشنی میں جگمگا رہی تھی اور یہ منظر اس قدر حسین تھا کہ نگاہ ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن جب سورج پہاڑوں میں گم ہو گیا تو یوں لگا جیسے کوئی جلتی ہوئی مشعل اچانک بجھ گئی ہو۔ میں نے گہری سانس لے کر نگاہیں باہر سے ہٹائیں تو میرے قریب بیٹھا ہوا احمد شاہ بول اُٹھا۔

''سورج ڈوبنے کا منظر جس قدر حسین ان پہاڑوں میں ہوتا ہے، کہیں اور نہیں ہوتا۔''

''ہاں......! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

میں نے جواب دیا، پھر پوچھا۔

''کیا آپ بایزید میں ہی قیام کریں گے......؟ یا آپ بھی وہاں سے آگے جائیں گے......؟''

''نہیں......! میں بایزید میں ہی رُکوں گا۔ ویسے تمہیں بھی رُکنا پڑے گا۔ کیونکہ ارض روم جانے والی بس رات کو نہیں، بلکہ صبح کو مل سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے......! میں کہیں نہ کہیں ڈیرہ ڈال لوں گا۔''

''کہیں نہ کہیں کیوں......؟ میں تمہارے لئے بندوبست کر دوں گا۔''

''کیا بایزید میں آپ کے شناسا موجود ہیں احمد شاہ صاحب......؟''

''ہاں......!''

اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''معافی چاہتا ہوں، آپ کیا کرتے ہیں......؟''

''پروفیسر ہوں، پڑھاتا ہوں، ہسٹری میرا دلچسپ موضوع ہے۔''

''ارے واہ......! بہت بڑے آدمی ہیں آپ......! ویسے آپ مجھے ترکی کے بارے میں تفصیلات بتا سکتے ہیں......؟''

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟''

ایک بہترین مشغلہ رہا۔ احمد شاہ مجھے تفصیلات بتاتا رہا اور یہاں ہم بایزید پہنچ گئے۔ احمد شاہ واقعی بہت اچھا انسان تھا۔ اس نے کہا۔

''اگر کوئی مصروفیت نہ ہو تو ایک آدھ دن میرے ساتھ گزارو۔ اس کے بعد میں تمہیں ارض روم جانے والی بس میں بٹھا دوں گا۔''

''آپ کو تکلیف ہو گی۔''

''نہیں......!''

ہم بس سے نیچے اُتر آئے۔ میں نے وردی میں ملبوس پولیس کے چند افراد کو بس کے گرد گھیرا ڈالتے ہوئے دیکھا۔ پھر ایک پولیس آفیسر نے میگا فون پر کہا۔

''بس کے مسافروں سے التماس ہے کہ اپنا اپنا سامان نیچے رکھ کر ہاتھ بلند کر لیں۔ ہمیں ایک خطرناک مجرم کی تلاش ہے جو اسی بس میں یہاں پہنچا ہے۔ کسی نے اپنی جگہ سے جنبش کی تو نتیجے کا ذمے دار خود ہو گا۔''

میں نے یہ الفاظ سنے تو میری ساری جان آنکھوں میں سمٹ آئی۔ کنپٹیاں گویا آگ اُگلنے لگیں۔

''آہ......! کہیں وہ خطرناک مجرم میں ہی تو نہیں......؟''

پولیس والے ایک ایک مسافر کو گھورتے ہوئے میری طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک پولیس افسر کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی جس سے وہ مسافروں کے چہروں کا موازنہ کر رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ کانوں میں دھمک ہو رہی تھی۔ پولیس والوں کے بڑھتے ہوئے قدم یوں ہی لگ رہے تھے جیسے جلاد گردن میں پھندہ لگانے آ رہے ہوں۔ آنکھوں میں دُھندلاہٹیں سی اُتر رہی تھیں۔ پھر ایک ناقابلِ یقین سی بات ہوئی۔ پولیس والوں نے تصویر سے میرا چہرہ ملایا اور آگے بڑھ گئے۔

''اوہ......! تو کیا وہ تصویر میری نہیں تھی......؟''

دوسری حیرت انگیز بات بھی فوراً ہی ہوئی تھی۔ دفعتہً ہی پولیس والے احمد شاہ پر ٹوٹ پڑے تھے۔ انہوں نے احمد شاہ کو بری طرح جکڑ لیا۔ میری آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئی تھیں۔ یقیناً پولیس والوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ اس کی گرفتاری پر احتجاج کروں، لیکن عقل نے روکا۔

''میری پوزیشن خود بہت خراب ہے، پولیس والوں سے دُور ہی رہا جائے تو بہتر ہے۔ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔''

پولیس والے احمد شاہ کو لے کر واپس پلٹ گئے۔ باقی مسافروں سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اس حادثے نے میرے اوسان بری طرح خطا کر دیئے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں......؟ بہر حال ایک قلعہ نظر آیا۔ یہ بایزید قلعہ تھا۔ اس کے پہلو میں ایک گندا سا قہوہ خانہ تھا۔ میں قہوہ خانے میں داخل ہو گیا۔ قہوہ خانے میں خوب رونق تھی۔ کچھ اجنبی نگاہوں نے مجھے دیکھا، پھر لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ میں سہما سہما سا ایک میز پر جا بیٹھا۔

☆......☆......☆

کھانے پینے کی اشیاء سرو ہو رہی تھیں اور کاؤنٹر پر ایک فربہی مائل بوڑھا بیٹھا ہوا تھا جو چہرے سے ہی سخت گیر لگتا تھا۔ دو ویٹر سروس کر رہے تھے۔ ایک میرے پاس پہنچ گیا اور اس نے نامعلوم زبان میں مجھ سے کچھ کہا۔

''کھانا مل سکے گا......؟''

میں نے پوچھا۔ ظاہر ہے، وہ میری زبان نہیں سمجھ سکا تھا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا۔

''کھانا......! کھانا......!''

میں نے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کیا اور پیٹ پر ہاتھ مارا، ویٹر نے پھر کچھ کہا اور میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔ ویٹر چند لمحات کھڑا سر جھکا تا رہا، پھر کاؤنٹر کی جانب چل پڑا۔ بوڑھے کاؤنٹر مین کو اس نے شاید اس پرابلم کے بارے میں بتایا تھا۔ بوڑھے نے جواب میں کچھ کہا اور وہ اوپر چلا گیا۔ ایک سیڑھی قہوہ خانے کی اوپری منزل کو جاتی تھی، تھوڑی دیر کے بعد میں نے ایک بھرے بھرے بدن کی لڑکی کو نیچے اُترتے ہوئے دیکھا۔ ویٹر اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اس نے سیڑھیوں سے نیچے اُترتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا، لڑکی ویٹر کو رُکنے کا اشارہ کر کے میری میز کی طرف آ گئی۔

''ہیلو......!''

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''خدا کا شکر ہے تم انگریزی جانتی ہو۔''

''پورے بایزید میں صرف میں۔''

وہ فخریہ انداز میں بولی۔ کاؤنٹر مین ادھر ہی دیکھے جا رہا تھا۔

''تو میری مدد کرو۔''

''مسلم ہو......؟''

''الحمدللہ......!''

میں نے جواب دیا۔

''کھانا کھاؤ گے......؟''

''سخت بھوک لگی ہے۔''

''کیا کھاؤ گے......؟ یہاں چاول سبزیوں کا سوپ، تلے ہوئے گوبھی کے پتے، قیمہ بھرے بینگن، چاول اور سلاد کے کوفتے اور کباب مل سکتے ہیں۔''

''پیٹ بھرنے کے لئے جو کچھ بھی ہو، بھجوا دو۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اگر بایزید کی یہ فربہ حسینہ بھی انگریزی سے واقف نہ ہوتی تو شاید مجھے بھوکا ہی مرنا پڑتا۔ وہ چلی گئی اور میں اس دلچسپ صورتِ حال پر غور کرنے لگا۔ دونوں ویٹروں میں سے ایک نے میرے آگے چند پلیٹیں لگا دیں جن میں تلے ہوئے بند گوبھی کے پتے اور قیمے بھرے بینگن، چاول کے ساتھ تھے۔ مجھے نہایت ہی لذیذ غذا محسوس ہوئی۔ لیکن اب بایزید سے ارض روم تک جانے کے لئے معلومات ضروری تھی اور بایزید کی اس اکلوتی انگریزی داں حسینہ سے رابطہ قائم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، لیکن کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا بوڑھا جس طرح گھور رہا تھا، اس سے خوف بھی لگ رہا تھا۔ میں خاموشی سے کھانے میں مصروف رہا۔

لڑکی کو شاید اس لئے روک لیا گیا تھا کہ میری کسی اور ضرورت پر میرے پاس بھیج دی جائے اور میں نے اس سے قبل کہ وہ واپس چلی جائے، ایک بار پھر اس کی طرف اشارہ کیا اور بوڑھا میری جانب نگراں ہو گیا۔ لڑکی مسکراتی ہوئی میرے پاس آ گئی۔

''ہاں بولو......!''

اس نے سوال کیا۔

''کیا تم کچھ دیر کے لئے میرے پاس بیٹھ سکتی ہو......؟''

''کیوں نہیں......؟ لیکن میرے باپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو جائے گا۔ خیر......! اس نے میری ضرورت محسوس کر کے مجھے یہاں بلایا ہے، اس لئے اب اس کی جو بھی کیفیت ہو۔''

لڑکی میرے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا ہوا شخص پھرتی سے کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ کاؤنٹر پر رکھ کر بڑی خون خوار نگاہوں سے مجھے اور لڑکی کو دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ شاید اس سے زیادہ کچھ کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ البتہ لڑکی کے انداز میں لگاوٹ تھی۔ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر پسماندہ نہیں تھی اور کسی بھی مرد سے گفتگو کرنے کو اتنا خطرہ نہیں سمجھتی تھی جتنا وہ بوڑھا سمجھ رہا تھا۔

''کیا نام ہے تمہارا......؟''

میں نے اس سے سوال کیا۔

''میرا نام معلوم کرنا تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''

لڑکی نے خشک سا جواب دیا لیکن اس کی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے چپکی ہوئی تھی۔ احمق لڑکی شاید میری توجیہہ کو کوئی غلط رنگ دے رہی تھی۔ بہر حال میری مجبوری تھی، میں نے بھی کسی قدر خشک لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''ناموں سے مخاطب کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں، تاہم میں تمہیں مخاطب نہیں کرنا چاہتا۔ میری ضرورت ہے جسے تم ممکن سمجھو تو پورا کر دو۔''

''ہاں کہو......! شاید تم برا مان گئے......؟''

''مجھے ارض روم جانا ہے۔ اس وقت تک لئے کسی جگہ قیام کی ضرورت ہے۔ میں اس جگہ کا مناسب معاوضہ ادا کر سکتا ہوں۔ کیا اس سلسلے میں تم میری مدد کرو گی......؟''

''یہ جگہ قیام کے لئے بے شک نہیں ہے، لیکن میرے باپ کا قول ہے کہ دولت کسی راستے سے بھی آتی ہے، اسے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے۔ ہم نے اپنی رہائش گاہ میں ایک کمرہ ایسے ہنگامی موقع کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ لیکن تمہیں اس کا معاوضہ خاصا دینا ہوگا۔ کہو تو میں اپنے باپ سے بات کروں......؟''

''کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا ہوا شخص تمہارا باپ ہے......؟''

''ہاں......! یہ ہوٹل ہمارا ہی ہے۔''

''میرا خیال ہے، اگر تم اس سے بات کرو گی تو وہ تمہیں تھپڑ مار دے گا۔''

''کیوں......؟''

لڑکی نے کہا اور ہنس پڑی۔

''اس لئے کہ وہ اس وقت سے اپنے تمام فرائض بھول کر صرف تمہاری اور میری نگرانی کر رہا ہے۔''

''یہ اس کی عادت ہے، ایک خوف زدہ باپ ہے وہ۔''

''تم اس سے معلوم کر لو، میں کمرے کا منہ مانگا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ ویسے ارض روم تک جانے والی بسیں کس وقت مل سکتی ہیں......؟''

''صبح ساڑھے چار بجے سے دوپہر ایک بجے تک وقفے وقفے سے یہ بسیں چلتی رہتی ہیں۔ تمہیں جو وقت بھی مناسب لگے، اس وقت چلے جانا۔''

''ٹھیک ہے......! اپنے باپ سے بات کر لو۔''

لڑکی اپنی جگہ سے اٹھی اور کاؤنٹر کے نزدیک پہنچ گئی۔ اس کے بعد وہ اپنے بوڑھے باپ سے کئی منٹ تک اس موضوع پر گفتگو کرتی رہی۔ پھر دور ہی سے میں نے دیکھا کہ بوڑھے کا انداز نرم ہو گیا۔ جب وہ پاس آئی تو اس نے کمرے کے لئے پیشگی رقم کے لئے کہا۔ میں نے فوراً اس کی بتائی ہوئی رقم اس کے

حوالے کر دی اور جب یہ رقم اس بوڑھے کے پاس پہنچی تو وہ کافی حد تک مطمئن ہو گیا۔ اس رقم میں اس وقت کی خوراک کی رقم بھی شامل تھی۔

لڑکی نے میری رہنمائی کی اور میں وہی سیڑھیاں عبور کر کے اس کے ساتھ راہ داری میں پہنچ گیا تھا۔ سامنے ہی کی سمت کا ایک کمرہ کھول دیا گیا۔ لکڑی سے بنا ہوا کمرہ تھا۔ کمرے کی لمبائی چوڑائی مناسب تھی۔ ایک کونے میں بستر پڑا ہوا تھا۔ ایک طرف تین پایوں کی بھدی سی میز جس کے نزدیک بچے کے استعمال کرنے والی کرسی بھی رکھی ہوئی تھی۔

لڑکی نے مجھے بتایا کہ باتھ روم کے لئے صبح ہی کو گنجائش نکلتی ہے، رات کی ضرورتوں کو کسی نہ کسی طرح ٹال دیا جائے، پانی بھی صبح ہی کے وقت مل سکے گا۔ لیکن بہرطور اس نے ازراہ عنایت باتھ روم کا دروازہ کھول دیا تھا۔ پتا نہیں تالا لگانے کی کیا تک تھی......؟

لڑکی چلی گئی، لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ زلزلہ اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک موٹے اور بھدے بدن کی عورت تھی جس نے انگریزوں کی نقل کرنے میں اپنے آپ کو عجیب وغریب بنا لیا تھا۔ شوخ پھولدار اسکرٹ پہنے اور سر پر بچوں جیسی اسٹائل کی ٹوپی پہنے جس کے بند نیچے گلے میں بندھے ہوئے تھے، وہ اندر داخل ہو گئی اور میں خوف زدہ ہو کر چارپائی کے ایک گوشے میں سمٹ گیا۔ عورت کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا، چند لمحے گزرے تھے کہ وہی لڑکی اندر داخل ہوئی، پھر دونوں میں تکرار ہونے لگی۔ لڑکی نے گہری سانس لے کر گردن جھٹکی اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولی۔

''براہ کرم......! پریشان مت ہونا۔ یہ میری ماں ہے۔ ذہنی طور پر پاگل ہے اور یہ پاگل پن میرے باپ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اب میں اس کی تسلی کے لئے تم سے کچھ باتیں کروں گی۔ براہ کرم اسے سنجیدگی سے محسوس مت کرنا۔ بلکہ اس بیچاری عورت کی تسلی کر دینا۔''

میں حیران نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھنے لگا۔ وہ اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوئی اور اس سے کچھ کہنے لگی۔ پھر وہ میری طرف رُخ کر کے بولی۔

''دراصل میری ماں ہمیشہ میرے باپ کی سختیوں کا شکار رہی ہے۔ میری ماں کی دلی خواہش ہے کہ اسے کوئی ایسا پیشہ ور قاتل مل جائے جو میرے باپ کو موت کی نیند سلا دے۔ بایزید کے رہنے والے تمام بدمعاشوں سے یہ بار بار سودے کر کے اس سلسلے میں اچھی خاصی رقمیں گنوا بیٹھی ہے، لیکن لوگ جانتے ہیں کہ یہ ایک نیم پاگل عورت ہے۔ اس کی باتوں پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دی جا سکتی۔ اسے صرف تسلیاں دی جاتی ہیں۔ لیکن وہ رقم ان کی ملکیت ہوتی ہے جو انہیں میری ماں ادا کرتی ہے۔ اس طرح تم خود سمجھ سکتے ہو کہ میری ماں کے تاثرات تم لوگوں کے بارے میں کیا ہوں گے......؟

چنانچہ اس نے مقامی لوگوں پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے اور کسی ایسے غیر ملکی قاتل کی تلاش میں ہے جو

درحقیقت میرے باپ کا کام تمام کر دے۔ جیسے ہی اسے یہ پتا چلا کہ یہاں کوئی غیر ملکی آیا ہے تو اس نے فوراً ہی اپنی کوششوں کا آغاز کر دیا ہے اور تمہارے پاس بھی اسی لئے آئی ہے کہ تم میرے باپ کے قتل کی حامی بھر لو۔''

''ارے باپ رے......!''

اس بار میرے منہ سے اُردو میں نکلا تھا۔ پھر میں نے انگریزی میں کہا۔

''تو کیا تم چاہتی ہو کہ میں یہ قتل کر دوں......؟''

''ارے نہیں بابا......! نہیں نہیں......! میرے باپ کی اُنگلی بھی کٹ جاتی ہے تو یہ محترمہ اپنی جان دینے پر آمادہ ہو جاتی ہیں، غصے کے عالم میں یہ ہمیشہ اس کے قتل کی خواہش مند ہوتی ہیں، لیکن میرے باپ کے حلق سے سوتے میں بھی کراہ نکل جائے تو پھر ان کا پاگل پن قابل دید ہوتا ہے۔''

''خدا کی پناہ......! ایک رات کے قیام کے لئے میں نے معاوضہ بھی ادا کیا ہے محترمہ......! اور اس کے بعد ان لطافتوں سے بھی نمٹنا پڑے گا......؟ کیا یہ زیادتی نہیں ہے......؟''

''پلیز......! الفاظ ہی کا تو معاملہ ہے، میرا خیال ہے تم اس بات کا اعتراف کر لو۔''

''کیا فضول بکواس کر رہی ہو......؟ میں ایک شریف آدمی ہوں۔''

''میں اپنی ماں کو یہ اطمینان دلائے دیتی ہوں کہ اجنبی شخص ضرور میرے باپ کو قتل کر دے گا۔ اگر اس سلسلے میں تمہیں کچھ معاوضہ دیا جائے تو تم اسے قبول کر لینا۔''

میں نے عجیب سے انداز میں لڑکی کو دیکھا، پھر اس بلا کو ٹالنے کے لئے چہرے کے تاثرات میں نرمی پیدا کر لی۔ لڑکی اپنی ماں کو کچھ بتا رہی تھی۔ عورت مجھے دیکھنے لگی۔ پھر کچھ کہا، جس کا ترجمہ لڑکی نے انگریزی میں کچھ یوں کیا۔

''میری ماں کا کہنا ہے کہ اس بار وہ رقم کام کی ادائیگی کے بعد کرے گی، چنانچہ تم اس بات کو منظور کر لو۔''

''مجھے منظور ہے......!''

میں نے جواب دیا اور لڑکی اپنی ماں کو مطمئن کرنے کے لئے اس سے باتیں کرنے لگی۔ عورت نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ باہر نکل گئی۔ میں گہری سانس لے کر دوبارہ پلنگ پر دراز ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں، لیکن جیب میں رکھی ہوئی کوئی چیز پسلیوں کے نزدیک چبھنے لگی۔ کوئی سخت سی چیز تھی۔ کچھ دیر تک تو میں اس چبھن کو برداشت کرتا رہا۔ لیکن جب ذہن اس طرف مائل ہوا تو میں نے چونک کر اپنی جیبوں کی تلاشی لینا شروع کر دیا۔ بظاہر کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اس طرح چبھے۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک بالکل ہی اجنبی شئے میرے ہاتھ میں آ گئی۔ پتا نہیں کیا تھا......؟ میں نے اسے نکال لیا اور میری آنکھیں یہ دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ یہ ایک پتلے چمڑے کی تھیلی تھی۔ یہ تھیلی اس

سے قبل میری جیب میں نہیں تھی۔ پتا نہیں اس میں کیا شئے بھری ہوئی تھی......؟ میں نے اس کی زِپ کھول کر دیکھا اور دوسرے لمحے میری آنکھیں بند ہوگئیں۔

تھیلی کے اندر سے ایسی تیز روشنی نکلی تھی کہ اس کی چکا چوند سے آنکھیں بند ہو جائیں۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر ایک بار پھر تھیلی کو دیکھا اور اندر ہاتھ ڈالا اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کے ایسے ٹکڑے میرے ہاتھ میں آگئے۔ میں نے انہیں باہر نکالا اور دیکھنے لگا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت میرا دل و دماغ پر قابو رکھنا مشکل ہوگیا۔ یہ قیمتی ہیرے تھے، ترشے ہوئے ہیرے، حسین پتھر جن سے روشنی اس طرح پھوٹ رہی تھی جیسے سورج سے چند ٹکڑے الگ کر کے انہیں میری ہتھیلی پر رکھ دیا گیا ہو۔

میں جوہری نہیں تھا، بلکہ اس سے قبل ہیرے دیکھے بھی نہیں تھے۔ لیکن اس وقت پتھروں کے یہ ٹکڑے اپنی قیمت آپ بتا رہے تھے۔ وہ میری جیب میں بھرے ہوئے تھے اور ان کی تعداد کافی تھی۔ یہ کہاں سے آئے......؟ یہ میری ملکیت تو نہیں تھے......؟

دفعتہً ہی میرے ذہن پر ایک شدید ضرب لگی اور کچھ لمحوں کے لئے میں چکرا کر رہ گیا۔ میرے ذہن میں ابرانوس کا نام اُبھرا تھا۔ یہ کام سوفیصدی اسی کا تھا۔ میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ابرانوس......! مجھے تمہارے ان تحفوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہیروں کا سوداگر نہیں ہوں اور نہ ہی میری کوئی حسین محبوبہ ہے جسے میں یہ قیمتی پتھر پیش کروں۔ سوفیصدی حماقت ہے، یہ میرے پاس ضائع ہو جائیں گے۔ میں تمہارے اس تحفے کو قبول کرنے کو تیار ہی نہیں ہوں۔''

لیکن پھر خیالات نے دماغ میں گھسنا شروع کر دیا۔ میں نے خود کو مخاطب کر کے کہا۔

''بے وقوف آدمی......! تجھے آخر کس چیز کی ضرورت ہے......؟ دُنیا میں جینے کے لئے کیا چیز درکار ہوتی ہے......؟ دولت، دولت صرف دولت......! ان میں سے اگر ایک ہیرا کسی کو دے دیا جائے تو وہ اپنی خوش بختی پر زندگی بھر کے لئے ناز کرے گا۔ لیکن تو ان ہیروں کو نظر انداز کر رہا ہے......؟ یہ جہاں سے بھی آئے ہیں، اب تیری ملکیت ہیں اور ان کے ذریعے تو دُنیا کا دولت مند ترین انسان بن سکتا ہے۔ اپنے آپ کو مصیبتوں سے نکالنا چاہتا ہے تو ان ہیروں کو صحیح جگہ استعمال کر۔ انہیں فروخت کر اور اپنی زندگی کو ایک مقصد دے دے۔ ایسے موقعے بار بار نصیب نہیں ہوتے۔''

میں نے دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجی۔

''ابرانوس سے دُشمنی کی بنیاد پر میں اتنی قیمتی چیز ضائع کر دینے پر تلا ہوا ہوں......؟ لعنت ہے مجھ پر۔''

میں نے پھرتی سے ان ہیروں کو واپس اپنی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد بھلا نیند کیا آتی......؟ ہیرے اب میرے سارے وجود کو منور کر رہے تھے۔ رات بھر میں سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا

چاہئے......؟ سب سے پہلا مرحلہ تو یہ تھا کہ بایزید سے ارض روم پہنچوں اور پھر وہاں سے اپنے لئے کوئی اور جگہ منتخب کروں۔ پاسپورٹ وغیرہ میرے پاس تھا اور اب میری غیر قانونی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔

ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ ابرانوس نے ہر ایسے کٹھن مرحلے پر میری مدد کی تھی جب میرے ہاتھ پاؤں کٹ جاتے تھے۔ دل میں اس کے لئے کچھ نرمی سی پیدا ہوئی لیکن میں نے اسے آواز نہیں دی۔

خدا خدا کر کے صبح کی روشنی جھلکی۔ ساڑھے چار بجے سے لے کر دن کے ایک بجے تک ارض روم جانے والی بسیں مل جاتی تھیں۔ چنانچہ منہ اندھیرے ہی میں اُٹھ کر وہاں سے باہر نکل آیا۔ قہوہ خانہ سنسان پڑا ہوا تھا، لیکن باہر نکلنے میں مجھے کوئی دِقت نہیں ہوئی۔ میں دُھندلاہٹوں میں آگے بڑھتا رہا۔ کچھ لوگوں سے میں نے بسوں کے اڈے کے بارے میں معلومات حاصل کیں، لیکن میری رہنمائی نہ ہوسکی۔ البتہ تقدیر نے خود بخود میری رہنمائی کر دی۔ وہ بس بھی اسی سمت سے آ رہی تھی۔ میں نے ہاتھ دے کر اشارہ کیا تو وہ رُک گئی اور میں بس میں سوار ہوگیا۔ بس میں زیادہ مسافر نہیں تھے، کنڈیکٹر نے ارض روم کی آواز لگائی تو مجھے مکمل اطمینان حاصل ہوگیا۔

ماحول پر ابھی تک تاریکی کا راج تھا، بس آگے بڑھ گئی، قصبے کے دوسری طرف کوہ آرات کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں جن پر آہستہ آہستہ سورج طلوع ہو رہا تھا، پھر پہلی کرن پہاڑ کی برف پوش چوٹی پر پڑی تو پوری وادی روشن ہوگئی۔ آسمان دُھندلاہٹوں سے پاک تھا۔ وادی کے دوسری طرف آرات کی روشنی میں برف پر ایک سیاہ دھبہ نظر آ رہا تھا جس کے بارے میں یہ روایت تھی کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

آہستہ آہستہ بس آرات کی حدود سے باہر نکل آئی، یہاں تک کہ مجھے پہاڑ کی سفید برف پر دُھندیا بادل کا گمان ہونے لگا۔ بس نے ایک موڑ کاٹا اور قصبہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ آرات کا مقدس اور خوب صورت پہاڑ بھی پیچھے رہ گیا تھا۔

گرد و نواح کی پہاڑیوں پر ابھی تک سرما کی برف پوری طرح نہیں پگھلی تھی۔ کہیں کہیں گڈریوں کے چھوٹے چھوٹے گاؤں نظر آ رہے تھے، جن میں زندگی رواں دواں ہوگئی تھی۔ ایک سرسبز میدان کے آخری حصے میں کچھ خطوط سے نمودار ہونے لگے۔ فاصلہ بہت زیادہ طے نہیں کیا گیا تھا۔ ڈرائیور نے پلٹ کر مسافروں کو بتایا کہ ارض روم آنے والا ہے۔ شہر کے مکانوں کی سرخ چھتوں کے درمیان شیفتہ مدرسے کے مینار دُھوپ میں چمک رہے تھے۔

بس رُکی تو میں بھی دوسرے مسافروں کی طرح نیچے اُتر گیا۔ دل میں ایک اعتماد پیدا ہوگیا تھا۔ مستقبل کے بارے میں جو فیصلے کئے گئے تھے، ان کے مطابق عمل کرنا چاہتا تھا۔ دل میں چونکہ ایک اُمنگ پیدا ہو چکی تھی اس لئے اب کوئی کام بھی مشکل نہیں لگ رہا تھا۔ بس ایک خواہش تھی کہ کسی طرح ایک جگہ پہنچ جاؤں جہاں ن ہیروں کو فروخت کر کے دولت حاصل کر لوں اور اس کے بعد اپنے لئے ایک جگہ منتخب کروں۔

اس کے لئے فی الحال استنبول جیسی بین الاقوامی جگہ پر اگر ذہانت سے کام لیا جائے تو چند ہیرے

فروخت کر کے میں ایک صاحب حیثیت انسان بن سکتا ہوں۔ ابرانوس سے مزید امداد طلب کرنا اب میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کافی تلخی پیدا ہو چکی تھی۔ اس دوران ایک بار بھی اس سے کسی طرح کا رابطہ قائم نہیں ہو سکا تھا۔ البتہ اس نے مجھے جو تحفہ دیا تھا، میں اسے استعمال کرنے سے گریز نہیں کر سکتا تھا۔ ارض روم کے کوچوں اور بازار کی زندگی کو دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

پھر ایک قہوہ خانے میں داخل ہو کر میں نے صبح کا ناشتہ کیا اور دوپہر تک شہر میں گھومتا رہا۔ یہاں ایسے لوگ موجود تھے جو انگریزی جانتے تھے۔ بہت سے لوگوں سے بات چیت ہوئی اور استنبول کی گاڑی کے لئے معلومات کیں تو پتا چلا کہ شام کو چھ بجے استنبول کے لئے گاڑی مل سکتی ہے۔ میں نے اس جگہ سے دورانِ سفر کے لئے خشک مچھلی، پنیر، انڈے اور ڈبل روٹی وغیرہ خریدی پھر ارض روم کے مختلف حصے دیکھتا رہا۔

آخر کار اسٹیشن پہنچ کر ٹکٹ خریدا، مزید معلومات حاصل کیں۔ کافی طویل سفر تھا، لیکن استنبول ہی ایسی جگہ تھی جہاں میں اپنے طور پر قسمت آزمائی کر سکتا تھا۔ میں ٹرین کی جانب بڑھ گیا۔

ٹرین میں بے پناہ رَش تھا، ہر دروازے اور کھڑکیوں میں جسموں کی ایک دیوار سی چنی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ میں نے گارڈ سے مدد کی درخواست کی تو اس نے میرے ہاتھ سے میرا سامان لے کر ایک کھڑکی سے اندر دھکیل دیا اور ساتھ ہی گاڑی چلنے کی وسل بھی دے دی۔ بڑی مشکل سے جگہ بنا کر اندر پہنچا اور لوگوں کے درمیان گھس کر بیٹھ گیا۔

مختصر سامان مجھے حاصل ہو گیا تھا اور اس کے بعد لوگوں کی مہربانی سے کھڑکی کے قریب جگہ بھی مل گئی۔ میرے اطراف میں زیادہ تر دیہاتی لوگ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ پتا نہیں یہاں ریلوے کا نظام کیسا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اسی عالم میں دو دن کا سفر کرنا پڑا تو کیفیت کیا ہوگی......؟ لیکن بہر طور کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ میں صبر و سکون کے ساتھ بیٹھا مناظر دیکھتا رہا۔

دوپہر ہوئی تو سادہ لوح دیہاتیوں نے اپنے اپنے دسترخوان بچھا لئے۔ روٹی کے ساتھ پیاز اور شہتوت کھائے جا رہے تھے۔ وہ لوگ اپنی خوراک سے مطمئن تھے، البتہ میری عیاشی کو گہری نگاہ سے دیکھا گیا۔ کیونکہ میں نے ڈبل روٹی کے ساتھ پنیر اور انڈے وغیرہ بھی نکال لئے تھے۔ ابھی تک کسی کے ساتھ میرا تعارف نہیں ہوا تھا جس کی بناء پر میں کسی کو کھانے میں اپنے ساتھ شریک کرتا۔

سفر جاری رہا۔ مناظر نگاہ کے سامنے آتے رہے۔ پھر کافی رات گئے ٹرین انقرہ پہنچی۔ انقرہ روشنیوں کا شہر، جیسے دیوالی کی رات ہو، لاکھوں روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ ٹرین کا یہ طویل سفر بے حد صبر آزما اور اُکتا دینے والا تھا۔ ڈائننگ کار موجود تھی لیکن ڈنر غائب تھا۔ البتہ ارض روم سے خریدی ہوئی اشیاء کام آ رہی تھیں، ورنہ حالت خراب ہو جاتی۔ سفر جاری رہا، گاڑی میں سوار ہوئے تقریباً تیس گھنٹے گزر چکے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے یہ سست رفتار ٹرین یوں ہی چلتی رہے گی اور کبھی استنبول نہیں پہنچ پائے گی۔ کبھی کبھی نیند آ جاتی تھی، لیکن چند لمحوں کے لئے،

کیونکہ یہ سفر سونے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔

آخر یہ رات بھی گزر گئی اور دوسری صبح جب میں سو کر اُٹھا تو ڈبے میں تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ آنکھیں بری طرح جل رہی تھیں۔ کھڑکی کا شیشہ بند تھا۔ میں نے کھڑکی کا شیشہ اوپر سرکا کر سر باہر نکالا اور ایک گہری سانس لی۔ فضاء میں نم آلود سمندری ہوا کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور دُور اُفق پر ایک نیلی لکیر اُبھر رہی تھی۔ اس وقت ٹرین سرسبز کھیتوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے اس نیلی لکیر کے بارے میں پوچھا تو وہ میری زبان نہ سمجھ سکے، لیکن اشارے سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ میں کیا پوچھنا چاہتا ہوں......؟ چنانچہ وہ آہستہ سے بولے۔

''بحیرۂ مرمر......! استانبول......!''

میں نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ آخر کار یہ تکلیف دہ سفر ختم ہوا تھا اور استنبول کا حسین شہر میرے استقبال کے لئے تیار تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد نگاہوں کے سامنے گنبدوں اور میناروں کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ استنبول سامنے آ چکا تھا۔ یک تاریخی شہر بازنتانیوں کا بازنتائین، کونستانیوں کا قسطنطنیہ اور اب عثمانی ترکوں کا استنبول کہلاتا تھا۔ ایک شہر کے تین عہد تین روپ اور تین حصے، ایک حصہ ایشیاء میں جہاں سے سفر کر کے میں یہاں تک پہنچا تھا، دوسرا یورپ میں اور تیسرا اس سے الگ۔

ہمارے گرد آبنائے باسفورس میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایشیاء اور یورپ کے درمیان درجنوں مسافر بردار کشتیاں رواں دواں تھیں۔ سامان سے لدے ہوئے بیڑے، مچھیروں کی کشتیاں تاحد نظر پھیلی ہوئی تھیں۔ دُنیا کے ہر گوشے سے آئے ہوئے تجارتی جہاز، دُنیا بھر میں کسی بھی شہر کے نزدیک پھیلا ہوا سمندر اتنا حسین نہیں جتنا باسفورس ہے۔

میں اس حسین شہر کے طلسمی خطوط دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ صوفیہ کا عظیم الشان گنبد، احمد مسجد کے نازک و نفیس مینار، ترک سلطانوں کے محل سرا اور چاروں طرف بلند پتلے اور لمبے میناروں کی سرزمین جن کی نوکیں نیلے آسمان کے سینے میں تیز چمکتی ہوئی برچھیوں کی مانند گڑی ہوئی تھیں۔ میرے لئے استنبول کی پہلی ہی جھلک انتہائی دلفریب ثابت ہوئی تھی۔ اسٹیمر کا سفر صرف دس منٹ میں طے ہو گیا۔ دوسرے کنارے پر اُترنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر درست کیا اور سوچنے لگا کہ استنبول میں داخل ہونے کے بعد ایک باسلیقہ انسان کی حیثیت سے کس طرح قیام کیا جا سکتا ہے......؟

میں آہستہ روی سے ٹہلتا ہوا وہاں سے آگے بڑھتا رہا۔ حسین بازار، خوب صورت سڑکیں اور ان پر مختلف ممالک کے لوگ چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ صوفیہ کی دیوار کے دائیں طرف ڈھلوان گلی سے نیچے اُتر کر میں باسفورس کے کنارے آ گیا جہاں بے شمار افراد سیر و سیاحت کے لئے اُمنڈ آئے تھے۔ بچوں کا شور، خوانچے والے، اخبار والوں کی صدائی، بوٹ پالش کرنے والے اور نہ جانے کون کون......؟

میں اس جگہ سے گزر کر آگے بڑھا تو ایک حسین بازار میں پہنچ گیا جہاں بے حد خوب صورت دُکانیں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے اطمینان سے دُکانوں سے خریداری شروع کر دی اور اس طرح کا انداز اختیار کیا کہ کسی طرح بھی کوئی مشکوک انسان نہ سمجھا جاؤں۔ غیر ملکی سیاحوں کے لئے کوئی دِقت نہیں ہوتی۔ یہ اطمینان بھی تھا کہ میرے پاس پاسپورٹ اور ضروری کاغذات موجود ہیں۔ چنانچہ میں نے انتہائی نفیس ساخت کے بنے ہوئے جرمن سوٹ کیس میں اعلیٰ پائے کے چند لباس بند کئے اور وہیں ایک ڈریسنگ روم میں ایک نیا لباس زیب تن کیا۔

اسٹور میں سر سے پاؤں تک کے لوازمات دستیاب تھے۔ چنانچہ میں نے نئے جوتے بھی وہیں سے خریدے اور اچھی خاصی رقم خرچ کر کے میں لدا پھندا اسٹور سے باہر نکل آیا۔

طبیعت پر ایک انوکھی فرحت طاری تھی۔ اب مجھے کسی قیام گاہ کا انتخاب کرنا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے فیصلہ کسی اور پر چھوڑنا ہی مناسب سمجھا۔ ایک ٹیکسی کو روکا اور اس میں سامان رکھ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''مجھے کسی ایسے ہوٹل میں لے چلو جو نہ بہت اعلیٰ درجے کا ہو اور نہ بالکل تھرڈ کلاس۔ اس کا انتخاب میں تم پر چھوڑ سکتا ہوں۔''

''تو پھر میرے خیال میں آپ ریالٹو منتخب کیجئے، بہترین ہوٹل ہے۔''

''میں نے کہا ناں......! اس کا فیصلہ میں نے تم پر چھوڑ دیا ہے۔''

ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ ریالٹو بلاشبہ میری توقع سے کہیں زیادہ خوب صورت تھا۔ کمرہ حاصل کر کے میں ہوٹل کے اس کمرے میں منتقل ہو گیا۔ یہاں سب کچھ موجود تھا۔ میں نے محتاط نگاہوں سے ان ہیروں کو دیکھا جن کی چمک دمک واقعی حیرت ناک تھی۔ لیکن اب مجھے ان کی حفاظت کا بندوبست کرنا تھا۔ کیونکہ اتنی قیمتی چیز لے کر سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں گھومتے رہنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ استنبول میں ایک سیاح کی حیثیت سے قیام کرتے ہوئے مجھے کوئی دِقت نہیں تھی، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ یہاں سے کہیں اور جانے کے لئے ان ہیروں کے بارے میں کوئی مناسب فیصلہ کرنا تھا۔ پھر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ ہیرے کسی بینک کے لاکر میں رکھوا دیئے جائیں۔

اس کرنسی کا بھی جائزہ لینا تھا جو ابھی کافی مقدار میں میرے پاس موجود تھی، لیکن آخر کار وہ ختم ہو جائے گی۔ میں بے حد احتیاط کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ ریالٹو کا قیام اپنی جگہ، لیکن باقی وقت ذرا احتیاط سے گزارا جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب فوری طور پر کیا کیا جائے......؟

یہ رات گزارنے کے بعد دوسری صبح میں نے جو پہلا کام کیا، وہ یہ تھا کہ یہاں بینکوں کے بارے میں کتابچے حاصل کئے۔ لاکر کے حصول میں ذرا دِقت پیش آئی تھی، لیکن کرنسی کی سفارش سے کام بن گیا اور میں نے ہیروں کی یہ تھیلی ایک پیکٹ میں بند کر کے بینک کے لاکر میں محفوظ کر دی اور چابی لے کر وہاں سے باہر نکل آیا۔ چابی اپنے کمرے میں ایک ایسی جگہ رکھی جہاں وہ کافی محفوظ رہ سکتی تھی۔ استنبول میں ان ہیروں کی کھپت ممکن ہے یا

نہیں، یہ فیصلہ بھی کرنا تھا یا پھر اس کے لئے کسی کو اپنا راز دار بنایا جائے۔

بہر طور یہ رات بھی گزر گئی اور دوسری صبح میں تیاریوں کے بعد باہر نکل آیا۔ آج میں نے استنبول دیکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس تاریخی اور قدیم شہر کے بارے میں مجھے کچھ معلومات حاصل تھیں، لیکن ہوٹل سے باہر نکلتے ہی مجھے ایک دراز قامت نوجوان ملا، مقامی ہی تھا اور وہ اچھی شکل وصورت کا مالک اور کافی اسمارٹ نظر آتا تھا۔

''میں گائیڈ ہوں سر......! اور میرا نام احسانی ہے۔''

''ٹھیک ہے......! احسانی......! مجھے تمہاری قربت درکار ہے۔''

بہرحال احسانی کو میں نے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ وہ خود ہی سب کچھ کر سکتا تھا، اس نے کرائے کی کار حاصل کی اور مجھے کار میں بٹھا کر وہاں سے چل پڑا۔ صوفیہ کی قدیم دیوار کے سائے میں چلتے ہوئے وہاں سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر واقع ''ہیڈ روم'' یعنی رومی کھیلوں کے وسیع میدان میں پہنچ گئے۔ اس میدان ہی سے اس شہر کی عظمت کی ابتداء ہوئی تھی۔ ہمارے پہلو میں عیا صوفیہ کی عمارت تھی۔ اس کی مخالف سمت میں سلطان احمد مسجد کا دالان نظر آ رہا تھا اور بیچ کے میدان میں پرانے قسطنطنیہ کی چند یادگاریں آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی تھیں۔

دو سو چونتیس عیسویں میں یہ شہر جو اس وقت بازنطان کہلاتا تھا، رومنوں کے ہاتھوں فتح ہوا تھا اور بعد میں اس کا نام کانسٹائن کے نام پر قسطنطنیہ رکھ دیا گیا۔ کانسٹائن کا شہر اگرچہ ان دنوں زوال پذیر تھا، مگر رومی تہذیب میں اب بھی زندگی کی حرارت موجود تھی۔ کانسٹائن نے نیزے کی انی سے شہر کی وسیع تر حدود کی نشان دہی کی اور کہا کہ یہ شہر روم کی جگہ لے گا۔ اس کی سات پہاڑیوں پر روم کی عظیم تر عمارتیں اور وسیع تر باغات کی تشکیل ہو گی۔

چنانچہ رومی سلطنت کے خزانے نئے روم کی تعمیر کے لئے کھل گئے۔ سات پہاڑیوں پر سنگ مرمر کے چار سو محلات تعمیر کئے گئے۔ نئے روم کے شہر نے تمام سلطنتوں کے تاجروں اور کاریگروں اور فنونِ لطیفہ کے ماہروں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اس وسیع میدان کے چاروں طرف بلند و بالا مجسمے نصب کئے گئے۔ یہاں پیرس کی ہیلن تھی، ایک کونے میں ابوالہول کے آٹھ دیوزاد بت کھڑے ہوئے تھے۔ دوسری طرف خسروانہ روم کا نشان مادہ بھیڑیا مجسمے کے روپ میں جلوہ گر تھی۔ پھر پیتل کے بنے ہوئے چار خوب صورت گھوڑے جو ستونوں پر نصب تھے اور جنہیں صلیبی جنگوں کے دوران اہل وینس اُکھاڑ کر لے گئے تھے، آج بھی وینس کے سینٹ نارتھ چوک میں یہ گھوڑے قسطنطنیہ کی عظمت کی یاد دلاتے ہیں۔

احسانی کا اندازِ بیان نہایت دلکش تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ جس ماحول کی وہ منظر کشی کر رہا ہے، وہ نگاہوں کے سامنے گردش کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ دن کا تمام وقت بہترین گزرا تھا۔ شام کو میں نے اس سے فرمائش کی کہ وہ واپس مجھے ریالٹو چھوڑ دے، چنانچہ وہ مجھے ریالٹو چھوڑ کر چلا گیا۔ آج ذہن اور بھی زیادہ خوش تھا۔ کوئی بوجھ نہیں تھا۔ چنانچہ شام کو ریالٹو کی تفریحات میں بھی حصہ لینے کے لئے نیچے اُتر آیا۔

ریالٹو کے ڈائننگ ہال میں مختلف قسم کے پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے جن میں رقص وسرور کی محفل

بھی تھی اور شعبدہ گری بھی۔ ایسی ہی شعبدہ گری کے دوران میری نگاہیں ایک میز کی جانب اُٹھ گئیں اور ایک چہرے پر میری آنکھیں جم کر رہ گئیں۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ گینس تھی۔

سو فیصدی گینس......!

ذہن میں ایک چھناکہ سا ہوا۔ بہت دنوں کے بعد گینس نظر آئی تھی۔ اس کے ساتھ گزرا ہوا وقت مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ تجسس بھی ذہن میں تھا۔ دل کہہ رہا تھا کہ اسے نظر انداز کر کے فوراً اپنے کمرے میں جا گھسوں اور دوبارہ ریالٹو کے اس ہال کی تفریحات میں حصہ لینے کی کوشش نہ کروں۔ گینس سے ملنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ خطرناک لوگ یہاں آ پہنچے ہیں جن سے مجھے خطرہ تھا اور اب میں اپنے آپ کو کسی اُلجھن میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا، لیکن بہت سے سوالات ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

"باطش چنگیزی کو گینس کی تلاش تھی اور اگر گینس کو باطش چنگیزی کی تلاش سے مطلع کر دیا جائے تو کیا اس کو مدد نہیں مل سکتی......؟ یا پھر اس سے معلومات کی جائے کہ گینس نے آخر ایران سے ترکی کا سفر کیوں اختیار کیا......؟"

میں بہت دیر تک کشمکش کے عالم میں بیٹھا رہا۔ ہال کے اسٹیج پر شعبدہ گر نہ جانے کیا کیا کمالات دکھا رہا تھا......؟ تالیوں کی گونج سنائی دی تو میں چونکا اور آخر کار یہی فیصلہ کیا کہ گینس سے ملنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تب میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے اطراف کی کرسیاں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک کرسی کھینچی اور اس پر بیٹھ گیا۔ گینس چونک کر مجھے دیکھنے لگی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پھیل گئے اور دوسرے لمحے اس کے حلق سے ایک پُر مسرت آواز نکلی۔

"اوہ میرے خدا......! کیا تم...... واقعی کیا یہ تم ہی ہو......؟ احتشام......؟"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہارا کیا خیال تھا گینس......! کیا میں تمہیں تلاش نہیں کر سکوں گا......؟"

"نن...... نہیں مائی ڈیئر......! نہیں......! آہ......! میں کس طرح اپنی خوشی کا اظہار کروں......؟ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے پہلی بار کسی اپنے سے ملاقات ہوئی ہے، بہت عرصے کے بعد۔ میں کتنی خوش ہوں، تمہیں بتا نہیں سکتی۔"

"شکریہ گینس......! میں بھی تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوش ہو گیا تھا۔ بمشکل تمام میں اپنے آپ کو تم تک آنے پر تیار کر سکا ہوں۔"

"کیا مطلب......؟ کیوں......؟"

گینس شکایتی انداز میں بولی۔

"بس......! ایسے ہی۔"

"چلو اُٹھو یہاں سے، اُٹھو......! مجھے اس شعبدہ گری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، تمہارے مل جانے سے میں...... کس طرح اپنا اظہار کروں کہ میں کتنی خوش ہوں۔"

"او کے او کے......! اُٹھو......!"

میں نے کہا اور ہم باہر نکل آئے۔ گینس نے ہوٹل کے بیرونی برآمدے کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے کہا۔

"وہ درختوں کے کنج نظر آ رہے ہیں ناں......! وہاں بہت سکون ہے، آؤ وہاں چلتے ہیں۔"

میں نے ادھر دیکھا، ہر کنج میں ایک مدہم روشنی جل رہی تھی اور اس کے پاس میزیں بچھی ہوئی تھیں۔

"اصل میں یہ جگہ رومان پسندوں کے لئے ہے۔ خدا کرے ہمیں درختوں کے نیچے کا کوئی حصہ خالی مل جائے، ورنہ تم جانتے ہو کہ رومان کی دُنیا کے کسی گوشے میں کمی نہیں ہے۔"

میں مسکرا دیا۔ گینس کے اور میرے درمیان کبھی کوئی رومانی رشتہ قائم نہیں ہو سکا تھا، لیکن خیر......! ہم نے عجیب و غریب حالات میں تنہا سفر طے کیا تھا لیکن ذہنی طور پر وہ بھی مضبوط تھی اور میرے کردار میں بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ ایک درخت کے نیچے ہمیں خالی میز مل گئی۔ تین اطراف سے درختوں نے میز کو گھیرا ہوا تھا۔ اوپر ایک گہرے اور گھنے درخت کا سایہ تھا۔ یہ بلاشبہ بڑی دلکش جگہ تھی اور یہاں رومانی جوڑوں کے تحفظ کا کافی گہرا بندوبست کیا گیا تھا۔

"کیا پیئو گی گینس......؟"

میں نے پوچھا۔

"کافی......!"

وہ بولی اور میں نے بٹن دبا دیا۔ ویٹر میرے پاس آ گیا، کافی کا آرڈر دینے کے بعد ہم ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ گینس بولی۔

"تم یقین کرو احتشام......! تمہیں دیکھ کر اتنی مسرت ہوئی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ تہران میں تم سے جدا ہونے کے بعد بڑی عجیب و غریب اُلجھنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تمہاری رائے پر میں نے اخبارات میں باطش چنگیزی کی تلاش کے لئے اشتہار دیا تھا، لیکن چنگیزی کی بجائے مجھ سے کسی اور نے ملاقات کر لی۔"

"کون......؟"

میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"بس......! یوں سمجھ لو کہ زندگی کے کھیل نرالے ہیں۔ تم نے اپنے بارے میں مجھے جس قدر بتایا ہے، وہی میرے لئے کم حیرت انگیز نہیں تھا کہ خود میری زندگی بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہو گئی۔ باطش چنگیزی کو میں اپنا سرپرست سمجھتی تھی، اس نے مجھے میرے دُشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے بہت کچھ کیا تھا، لیکن

حقیقت یہ تھی کہ وہی میرا سب سے بڑا دُشمن تھا۔''

میرا دل چاہا کہ اس حقیقت کی تردید کردوں اور اسے بتادوں کہ باطش کس طرح اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے، لیکن میں نے خود کو روکا۔ ذرا گینس کی زبانی اس کی کہانی تو سن لی جائے۔ گینس نے کہا۔

''میں انتظار کررہی تھی کہ باطش چنگیزی کو اگر میری آمد کے بارے میں علم ہوجائے تو وہ مجھ سے ملاقات کرے، لیکن ایک دن جب میں اپنے کمرے میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی تو ایک بھاری بھرکم شخصیت ایک خوب صورت عورت کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ تعارفی کارڈ پر امامہ اشرفی لکھا ہوا تھا۔ میں نے ان دونوں کو خوش آمدید کہا تو امامہ کہنے لگا۔

''میڈم گینس......! ہوٹل کے اس کمرے کا آپ نے اشتہار میں پتا دیا ہے، میرا خیال تھا کہ آپ سے ملاقات نہیں ہوسکے گی اور مجھ سے پہلے باطش چنگیزی یہاں پہنچ جائے گا، لیکن ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم پہلے پہنچ گئے، تو کیوں نہ ہم پہلے اپنے تحفظ کا بندوست کرلیں......؟''

''میں سمجھی نہیں جناب......!''

''اگر بہت زیادہ دُور نہیں تو اس کمرے سے نکل کر کوئی ایسی جگہ جہاں ہمارے درمیان کوئی مداخلت نہ ہوسکے۔''

امامہ ایک شریف انسان نظر آتا تھا اور پھر بہت زیادہ عمر رسیدہ تھا۔ غرضیکہ اس کی خواہش پر میں نے ہوٹل کے کمرے سے نکل کر کسی اور جگہ گفتگو کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا، تب وہ مجھے اپنی کار میں ساتھ لے کر اپنے دفتر پہنچا۔ یہ دفتر ایک خوب صورت عمارت میں تھا اور یہ ایک ایڈووکیٹ کا دفتر تھا۔ باہر اس کے نام کی پلیٹ بھی لگی ہوئی تھی۔

''یہ اشتہار تمہاری بدقسمتی کا سائن بورڈ بھی ہوسکتا تھا، اگر تم باطش چنگیزی کے ہاتھ لگ جاتیں۔''
امامہ نے کہا اور میں پاگلوں کی طرح اس کی صورت دیکھنے لگی۔ تب وہ بولا۔

''میری عزیز بیٹی......! میں تم سے چند سوالات کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ کیا تمہیں اپنی حقیقت معلوم ہے......؟''

''میری حقیقت کیا ہے اشرفی صاحب......؟ اسی کی تلاش میں تو میں ایران آئی ہوں۔''

''آئی ہوں سے کیا مراد ہے......؟ اس سے پہلے تم کہاں تھیں......؟''

''انڈیا میں، اور میں وہاں...... میں وہاں حاذق ریاضی کے پاس رہتی تھی۔ مجھے انہی کی زبانی علم ہوا کہ ایران کے باطش چنگیزی میرے سرپرست ہیں۔ براہِ کرم مجھے ذرا تفصیل بتایئے، آپ کہتے ہیں کہ باطش چنگیزی میرے دُشمن ہیں......؟''

''میں زبانی گفتگو کرکے تمہیں اُلجھنوں میں نہیں رکھ سکتا بیٹی......! اس لئے کچھ تحریریں تمہارے

سامنے پیش کرتا ہوں جو تم پر حقیقت آشکارا کردیں گی۔''

اشرفی نے مجھے کچھ بوسیدہ دکھائے اور ان فائلوں سے شامی......! مجھ پر بہت سی حقیقتیں آشکارا ہوگئیں۔ میرے والد بہت بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ ایران کی ایک ممتاز تاجر شخصیت جو ارب پتی تھی، باطش چنگیزی میرے والد کا جنرل منیجر تھا اور سارے کاروبار وہی سنبھالتا تھا۔ میرے والد نے بہت عرصے قبل ایک وصیت تیار کی تھی جس کی بناء پر میں ان کی تمام جائیداد کی وارث تھی اور اکیس سال کی عمر تک میری پرورش کی ذمے داری باطش چنگیزی کے سپرد تھی۔ اس نے بڑی چالاکی سے میرے والد کی تمام دولت اور جائیداد پر اپنا عمل دخل قائم رکھا اور اس طرح انہیں اپنے شکنجے میں جکڑ لیا کہ وہ اس کے معترف ہوگئے۔

لیکن ایک بار انہیں ساری حقیقت کا پتا چل گیا۔ انہوں نے باطش کو طلب کیا۔ باطش نے صورتِ حال سے واقف ہونے کے بعد میرے والد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بظاہر ان کی موت طبعی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ باطش کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئے تھے۔ وہ ایک بااختیار آدمی تھا۔ اس نے اس قتل کو طبعی موت ثابت کرنے کے لئے بہت سے لوگوں کا سہارا لیا تھا اور دولت سے ان کے منہ بند کردیئے تھے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

میں اس جائیداد کے وارث کی حیثیت سے فروغ پارہی تھی لیکن پھر ایک ایسے ڈاکٹر نے جس کے تعلقات ایڈووکیٹ اشرفی صاحب سے بھی تھے، ان پر حقیقت منکشف کردی اور ایڈووکیٹ اشرفی صاحب اس طرح کی کوششوں میں مصروف ہوگئے کہ کسی طرح میرا تحفظ کرسکیں۔ باطش چنگیزی کو جب ان کوششوں کی بھنک پڑی تو اس نے مجھے تہران سے غائب کرواکر انڈیا پہنچوادیا، جہاں حاذق ریاضی ان کے کارندے کی حیثیت سے میری پرورش کرنے لگا۔ ان لوگوں کو میرے اکیس سال پورے ہوجانے کا انتظار تھا اور جب قانونی طور پر دولت میری طرف منتقل ہوجاتی تو وہ اس سے آگے کا کام کرتے۔

سمجھے احتشام......! میں اشرفی کی بات پر یقین نہ کرتی اور سوچتی کہ ممکن ہے اس میں بھی کوئی چال کارفرما ہو۔ لیکن ان تحریری ثبوتوں کا کیا کرتی جو میرے سامنے ڈال دیئے گئے تھے......؟ اور پھر امامہ اشرفی نے چند گواہ بھی پیش کردیئے جن کا تعلق میرے والد سے براہِ راست رہا تھا۔ یہ سب معزز لوگ تھے۔ انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ میں ہندوستان سے نکل تو بھاگی ہوں، لیکن تہران میرے لئے بہت خطرناک ہے۔ کم از کم اس وقت تک باطش چنگیزی کی نگاہوں سے روپوش رہنا ہوگا جب تک میری عمر پوری اکیس سال نہ ہوجائے۔ امامہ نے اپنی طرف سے پیش کش بھی کی کہ وہ میرے ہر طرح کے اخراجات اُٹھانے کی ذمے داری قبول کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ میں ایران سے نکل جاؤں اور کسی جگہ پوشیدہ رہ کر اپنی زندگی کا تحفظ کروں۔ باقی کام وہ خود کریں گے۔ شک کی گنجائش نہیں تھی، چنانچہ میں ان کی بات مان گئی اور ایران سے نکل کر ترکی آگئی۔

اس وقت میں استنبول میں ہی مقیم ہوں۔ یہاں امامہ صاحب نے میرے لئے ایک رہائش کا بندوبست کردیا ہے جو ایک چھوٹے سے فلیٹ پر مشتمل ہے اور یہاں میں پرسکون زندگی گزار رہی ہوں۔ میں نے

تو اپنا نام بھی تبدیل کر لیا ہے۔ میں نے زیادہ دوستیاں نہیں کیں اور بہت محتاط بھی رہتی ہوں، کیا سمجھے......؟ بہرحال یہ میری زندگی ہے۔''

میں حیرت سے گینس کی کہانی سن رہا تھا۔ بڑا عجیب انکشاف ہوا تھا۔ کافی پڑی پڑی ٹھنڈی ہوگئی، کافی پینے کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ بہرطور میں نے ٹھنڈی کافی کے گھونٹ حلق سے اُتارے۔ گینس سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی، اچانک اس نے چونک کر کہا۔

''لیکن تم استنبول میں کیسے نظر آ رہے ہو......؟''

''میری کہانی بھی تم سے کم دلچسپ نہیں ہے گینس......! تمہیں کم از کم اس بات کا اندازہ تو ہے کہ ڈاکٹر جین میری جان کا گاہک بن گیا تھا، لیکن بات اتفاقاً اسی تک محدود نہ رہی، بلکہ کچھ اور لوگ بھی میرے چکر میں پڑ گئے۔''

میں نے گینس کو مختصراً اپنی داستان سنائی۔ البتہ ہیروں وغیرہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ پھر میں نے اسے بتایا کہ آخرکار میں نے استنبول میں پناہ لی ہے اور ہوٹل میں مقیم ہوں۔ گینس تعجب سے مجھے دیکھتی رہی، پھر بولی۔

''تمہاری زندگی بھی عجیب ہے، بے شمار واقعات کا مجموعہ۔ اچھا خیر......! اب یہ بتاؤ، استنبول آنے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے......؟''

''کچھ نہیں گینس......! بس اپنے طور پر قسمت آزمائی کروں گا، دیکھیں زندگی نے آگے کی کہانی کس طرح ترتیب دی ہے......؟ میں اپنے وطن میں ایک معمولی انسان کی حیثیت سے جی رہا تھا، لیکن پرسکون تھا۔ بہرحال اب میں نے خود کو تقدیر کے فیصلے پر چھوڑ دیا ہے۔''

گینس خاموشی سے سوچنے لگی، پھر بولی۔

''شامی ڈیئر......! ایک پیش کش کروں، لیکن اس کے بارے میں کسی غلط انداز سے نہ سوچنا......؟''

''ہاں بولو......!''

''اگر تم میرے ساتھ رہنا قبول کر لو، یہ میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ تم نے ابھی تک اپنی زندگی کے لئے کوئی مقصد نہیں چنا۔ استنبول میں آنے کا بھی کوئی خاص مقصد نہیں ہے، میں یہی کہہ رہی ہوں تم سے کہ ضروری نہیں ہے کہ تم استنبول سے کہیں اور چلے جاؤ۔ میری زندگی کا بھی ایک مقصد ہے۔ کیوں نہ تم میرے ساتھ ہی رہو، اور اگر مجھے میرا کاروبار مل جائے تو پھر میرے منیجر کی حیثیت سے یہ کاروبار سنبھال لو۔ تم خود بھی زیادہ دُنیا گردی کے قائل نہیں ہو۔ کیوں نہ ہمارا مستقل قیام ایران میں ہی ہو۔ باطش چنگیزی بہرطور شکست کھا جائے گا چونکہ وہ جھوٹا اور غاصب ہے۔ میں اس کے مقابلے کے لئے معقول بندوبست کروں گی اور مجھے یقین ہے کہ میں اس کی بدکرداری کی سزا اسے ضرور دے دوں گی۔ تم اگر چاہو تو میرا ساتھ دو۔''

میں مسکرا دیا، وہ تو مستقبل میں دولت مند بننے والی تھی، جبکہ میں دولت مند بن چکا تھا۔ بس ایک

تھوڑی سی محنت اور اس کے بعد میں اس سے کہیں زیادہ دولت مند انسان بن جاؤں گا۔ لیکن گینس پر میں نے اس بات کا اظہار نہیں کیا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ بولی۔

''میں تم سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ یہ دوستانہ پیش کش ہے۔ اگر تم اسے منظور نہیں کرو گے تو مجھے اعتراض کوئی نہیں ہوگا۔''

''نہیں گینس......! تمہارے خلوص پر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میری فطرت......اچھا چلو چھوڑو...... مجھے تھوڑا سوچنے کا موقع دو۔''

''میں یہ تو نہیں کہہ رہی کہ تم یہیں سے میرے ساتھ چلو۔''

گینس مسکرا کر بولی۔

''ویسے مجھے تمہاری پیش کش کے خلوص پر یقین ہے۔''

''ہاں......! اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اچھا سنو......! میرے فلیٹ کا پتہ نوٹ کر لو۔ تمہیں جب بھی کبھی مجھ سے رابطے کی ضرورت پیش آئے تو مجھے کال کر سکتے ہو یا وہاں آ سکتے ہو۔ ویسے فیصلہ جب چاہو کرو، لیکن ہمارے درمیان ملاقات تو ہوتی رہنی چاہئے ناں......! میں نے کسی کو دوست نہیں بنایا اور میں یہ بات کہنے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتی کہ اس وقت تم پوری دُنیا میں میرے واحد دوست ہو۔''

''شکریہ گینس......! میں اس بات کو نظرانداز نہیں کروں گا۔''

کافی دیر تک ہم وہیں بیٹھے رہے۔ دوبارہ کافی منگوائی، پھر گینس نے کہا۔

''میں چلتی ہوں۔''

''او کے......!''

میں نے گینس کو اس کی کار تک چھوڑا اور پھر واپسی کے لئے مُڑ گیا۔ ظاہر ہے، گینس کی پیش کش میرے لئے قابل قبول نہیں تھی۔ میں تو خود ایک شاندار زندگی میں قدم رکھ چکا تھا۔ لیکن اتنا میں جانتا تھا کہ وہ اچھی لڑکی ہے۔ اگر میں اسے لے کر یورپ کے کسی ملک میں چلا جاؤں تو میرے لئے بہتر رہے گا۔ بس اتنا سا خیال تھا کہ وہ میرے راز کو راز رکھ سکے گی یا نہیں......؟

بہرطور یہی باتیں سوچتا ہوا میں اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کا تالا میں نے اپنے ہاتھ سے کھولا تھا لیکن جب میں نے کمرے میں روشنی کی تو مجھے سامنے ہی دو افراد نظر آئے جو شکل وصورت سے انتہائی خوف ناک تھے۔ ان کے ہاتھوں میں دبے ہوئے پستولوں کا رُخ میری ہی جانب تھا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں حیرت سے ساکت رہ گیا تھا، تب ان میں سے ایک اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور میرے قریب سے گزر کر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ میرے بدن سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ خارج ہو رہا تھا۔ پھر ان میں سے ایک کی کرخت آواز اُبھری۔

"ادھر آؤ اور اس صوفے پر بیٹھ جاؤ۔"

بمشکل تمام میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔

"ہوں......! کیا نام ہے تمہارا......؟"

میں جواب دینے کی کوشش کرنے لگا تو دوسرے نے کہا۔

"نام کو چھوڑو، یہ بتاؤ......! کیا تم تہران سے سفر کر کے یہاں تک پہنچے ہو......؟"

"تت......تہران......جج......جی ہاں......!"

"کیا بایزید میں تمہاری ملاقات ایک اجنبی شخص سے ہوئی تھی......؟ کیا اس کا نام حاصل عالی تھا......؟"

"ہاں......!"

"گڈ......! یہ وہی شخص ہے۔"

دوسرے آدمی نے پہلے سے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا معاملہ ہے......؟ وہ شخص میرے سامنے ہی گرفتار ہوا تھا، لیکن مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ بہرحال پستول والے نے بھاری لہجے میں کہا۔

"وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کیا پولیس نے اسے چھوڑ دیا......؟"

"ہاں......! وہ بے قصور آدمی تھا، تاریخ کا پروفیسر۔ بھلا اسے مجرمانہ زندگی سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی......؟ پولیس نے غلط فہمی کی بنیاد پر اسے پکڑ لیا تھا اور پھر جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا تو اسے چھوڑ دیا گیا، لیکن وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"مگر میرے اور اس کے درمیان صرف اتنی سی شناسائی تھی کہ ہم دونوں نے بایزید تک بس میں سفر کیا تھا، وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے......؟"

"اس کا جواب تمہیں وہی دے گا، ہم دونوں تمہیں یہاں سے ساتھ لے جانے کے لئے آئے ہیں۔"

"مگر میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکتا، بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہوا......؟"

"اگر تم ہمارے ساتھ نہیں جاسکتے تو پھر تمہیں اوپر جانے کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔"

ایک آدمی نے خون خوار لہجے میں کہا اور پستول کا رُخ میری پیشانی کی جانب کر دیا۔ یوں لگا جیسے وہ کم بخت ریوالور کی گولی میری پیشانی میں اُتار دے گا۔ وحشی درندہ ہی معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر صوفے کی پشت سے ٹیکتے ہوئے کہا۔

"سنو سنو......! یہ کیا حماقت ہے......؟ یعنی مجھے ایک شخص سے ملاقات کرنی ہے اور اگر نہیں کروں گا تو مجھے گولی ماردی جائے گی......؟ کیا تم لوگ پاگل ہو......؟"

"ہاں......! سو فیصدی پاگل، اور اسی پاگل پن میں ہم تمہیں ہلاک بھی کر کے یہاں سے نکل جائیں گے۔ چنانچہ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ ہمارے ساتھ خاموشی سے چلو، اور سنو......! کمرے سے باہر نکلو گے تو ریوالور کی نال تمہاری کمر سے لگی رہے گی۔ اگر تم نے کسی کو اشارہ کرنے یا کوئی اور حرکت کرنے کی کوشش کی تو تمہیں اسی جگہ ہلاک کر دیا جائے گا اور ہم لوگوں کو فرار ہونے میں کوئی دِقت پیش نہیں آئے گی۔ چنانچہ جس طرح کہا جا رہا ہے، اسی طرح کرو، تم ہمیں نہیں جانتے۔"

"میری بات سنو......! اس شخص سے ملنے پر مجھے اعتراض تو نہیں ہے، بس تمہارا یہ انداز عجیب ہے۔"

بہرحال میں ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ وہ لوگ مجھے کار میں بٹھا کر چل پڑے۔ کار کون کون سے راستوں سے گزری......؟ بھلا مجھے کیا اندازہ ہوسکتا تھا......؟ لیکن پھر وہ ایک عمارت کے سامنے رُکی اور ان لوگوں نے مجھے کار سے اُترنے کے لئے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا اور کمرے میں میری ملاقات ایک اور شخص سے ہوئی جو دُبلے پتلے بدن کا مالک تھا، لیکن اس کا چہرہ ضرورت سے زیادہ پھولا ہوا تھا۔ آنکھوں میں خطرناک تاثرات تھے۔ وہ مقامی ہی لگتا تھا۔ وہ مجھے اپنی تیز اور جلتی ہوئی نگاہوں سے گھورنے لگا، پھر بولا۔

"ہوں......! تو تم ہو وہ جو حاصل علی کے ساتھ سفر کر رہے تھے......؟"

"حاصل علی کہاں ہے......؟"

"وہ پولیس کی تحویل میں ہے، لیکن اس کی امانت کہاں ہے......؟"

"کک......کیا......؟"

میں نے تعجب سے پوچھا۔

"وہ ہیرے کہاں ہیں جو تمہاری جیب میں رکھے گئے تھے......؟"

میرے ذہن میں ایک شدید دھماکہ سا ہوا۔ میں تو وہ ہیرے ابرانوس کی ملکیت سمجھ رہا تھا جو اس نے مجھے تحفتہً دیئے تھے، لیکن کیا ان ہیروں کا تعلق کسی طور حاصل علی سے ہے......؟ میرے ذہن میں ایک فلم سی چلنے لگی، پولیس والے ایک تصویر ہاتھ میں لئے اس شخص کو تلاش کر رہے تھے جو ان کے کہنے کے مطابق ایک خطرناک مجرم تھا اور وہ مجرم حاصل علی نکلا، حاصل علی شاید ہیرے اسمگل کر کے لا رہا تھا اور اس نے ان کے تحفظ کے لئے انہیں میری جیب میں ٹھونس دیا تھا۔ کب اور کس وقت اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا، لیکن بہرطور وہ ہیرے اس کے پاس سے برآمد نہیں ہوئے ہوں گے، میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔

''میرے دوست......! میری ملاقات حاصل علی سے کرادو، تم کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہو۔''

''ہیرے کہاں ہیں......؟''

اس شخص نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''جہنم میں، سمجھے......؟ اگر تم لوگ مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہو تو یہ خود تمہاری بے وقوفی ہے، کیسے ہیرے......؟ کون سے ہیرے......؟ بھلا ہیرے میرے پاس کہاں سے آئے......؟ اگر اس نے مجھے کوئی چیز دی ہوتی تو یقیناً مجھے اس کے بارے میں علم ہوتا، لیکن ایسی کوئی چیز میرے علم میں نہیں ہے۔''

''وہ کہتا ہے کہ اس نے ہیرے تمہاری جیب میں رکھے تھے۔''

''اور پھر وہ میری جیب سے غائب ہوگئے۔ دیکھو، اگر تم لوگ کسی اور مقصد کے تحت میرے ساتھ کوئی بدسلوکی کرنا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے، ظاہر ہے میں استنبول میں تنہا ہوں اور تمہارے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔''

''صرف ہیروں کے بارے میں بتاؤ اور کوئی فضول بکواس مت کرو۔''

''لعنت ہے تم پر اور تمہارے ہیروں پر۔ اب تم سے جو کچھ کیا جا سکتا ہے، کرلو......!''

میں نے غصیلے لہجے میں کہا اور وہ شخص میرے عقب میں کھڑے ہوئے لوگوں کی جانب دیکھنے لگا، پھر بولا۔

''بعض لوگ شرافت سے بات کرنا نہیں جانتے۔ ٹھیک ہے......! لے جاؤ اسے، اور جب یہ ہیروں کے بارے میں زبان کھول دے تو مجھے آکر بتا دینا۔''

مجھے لانے والے دونوں بازوؤں سے پکڑے ہوئے اس کمرے سے نکال لائے۔ پھر انہوں نے مجھے ایک اور کمرے میں پہنچا دیا۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ فرش تک پر کوئی چیز نہیں تھی۔ دیواروں پر مخصوص قسم کے کڑے لگے ہوئے تھے۔ میں ان تمام چیزوں کو دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ اب میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور یہ سب کچھ میرے لئے بڑا سنسنی خیز تھا، میرے دونوں ہاتھ دو کڑوں سے باندھ دیئے گئے اور ایک شخص سگریٹ سلگانے لگا۔ پھر سگریٹ لے کر وہ میرے قریب پہنچ گیا۔ اس نے سگریٹ کا سرا میرے بازو سے لگاتے ہوئے کہا۔

''یہ اذیت رسانی کا ایک نمونہ ہے، تمہارے بدن کو لوہے کی سلاخوں سے داغ دیا جائے گا، آنکھیں پھوڑ دی جائیں گی، وہ ہیرے اتنے قیمتی ہیں کہ ہمیں ملنے ہی چاہئیں۔''

میرے لئے صورتِ حال انتہائی تشویش ناک ہوگئی۔

''اگر ان لوگوں کو ہیروں کے بارے میں بتا بھی دوں تو اس سے پتا نہیں گلوخلاصی ہوگی یا نہیں......؟ ہاں، کم از کم ہیرے اگر میری تحویل میں رہے تو یہ لوگ مجھے زندہ تو رکھیں گے۔''

چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔

''دیکھو......! مجھے ہیروں کے بارے میں نہیں معلوم، تم میرے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو، وہ ایک بے گناہ انسان کے ساتھ ہے۔''

''ٹھیک ہے......!''

اس شخص نے کہا اور پھر چمڑے کا ایک چابک لئے میرے نزدیک پہنچ گیا۔ پہلا ہی چابک میرے بدن پر پڑا تو لطف آگیا۔ یوں لگا تھا جیسے کوئی جلتی ہوئی شئے میرے بدن سے چپکا دی گئی ہو۔ دوسرا چابک، تیسرا چابک اور پھر پانچویں چابک پر میرے ہوش وحواس ساتھ چھوڑ گئے اور میری گردن لٹک گئی۔

مجھے اپنی بے ہوشی کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کتنی لمبی ہے......؟ لیکن ہوش آیا تو میں ایک بستر پر پڑا ہوا تھا۔ یہ بستر کہاں تھا......؟ اور میں کن لوگوں کی تحویل میں تھا، اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ زخموں پر شاید مرہم وغیرہ بھی لگا دیا گیا تھا۔ پورا کمرہ سنسان پڑا ہوا تھا۔ میں کراہتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ زخموں کے نشان جل رہے تھے، لیکن اس قدر نہیں کہ مجھے چلنے پھرنے میں دِقت ہوئی۔

دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے دروازے کو ٹٹولا تو وہ آسانی سے کھل گیا، مجھے حیرت ہوئی۔ باہر ایک سنسان برآمدہ نظر آرہا تھا، عمارت کہاں تھی، اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ لیکن مجھے باہر آنے میں کوئی دِقت نہیں ہوئی، حیرت کی بات تھی۔

''وہ لوگ تو مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے رہے تھے، پھر انہوں نے مجھے اس طرح کیوں چھوڑ دیا......؟ بلکہ چھوڑا ہی نہیں، میرے زخموں پر مرہم بھی رکھا۔ کیا کھیل کھیلنا چاہتی ہے تقدیر میرے ساتھ......؟''

یہ پانچ کوڑے شاید زندگی بھر کے لئے کافی تھے۔ باہر کا منظر سمجھ میں نہیں آرہا تھا، پتا نہیں کون سا علاقہ تھا اور کون سا شہر تھا......؟

تھوڑی دُور تک چلنے کے بعد میں نے اپنے بدن پر نگاہ ڈالی تو ایک مکمل لیکن اجنبی لباس تھا۔ آخر کار مجھے ایک ٹیکسی مل گئی اور میں اپنے ہوٹل کی جانب چل پڑا۔ وہی میری پناہ گاہ تھی اور کہاں جاتا......؟ ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے میں ہوشیار رہا تھا۔ وہ لوگ دوبارہ بھی ہوٹل آسکتے تھے، لیکن سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہوں نے مجھے اس طرح کیوں چھوڑ دیا......؟

کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں دیر تک اپنی مسہری پر خاموش لیٹا رہا۔ زخموں کی جلن کم ہوگی تھی۔ میں نے غسل خانے میں جاکر منہ ہاتھ دھویا، نہانے کا تو میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے ایک بات خاص طور سے محسوس کی کہ میرے سامان کی تلاشی لی گئی ہے اور اس کی وجہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ جب کئی گھنٹے یہاں گزر گئے اور میں ہوٹل سے کھانا منگوا کر کھا چکا تھا تو میرے دل میں اس چابی کی تلاش کی خواہش ہوئی جو میں نے یہاں محفوظ کر رکھی تھی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد میں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور یہ اندازہ لگایا کہ کوئی دیکھنے والی آنکھ مجھے دیکھ تو نہیں رہی ہے۔ اس کے بعد مسہری کا پایہ اُٹھا کر رکھا

ٹپ ہٹایا، چابی نکل پڑی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ چابی کو نہیں پا سکے۔ میں نے اسے واپس اس کی جگہ رکھ دیا۔ یہ بہترین جگہ تھی۔

پھر مجھے اچانک ہی گینس کا خیال آیا۔ یہ تو پتا بھی نہیں چلا تھا کہ میں کتنی دیر بے ہوش رہا ہوں......؟ لیکن بہت زیادہ دیر نہیں گری تھی، اچانک ہی میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں خوف سے اُچھل پڑا۔ کیا وہ پھر آ گئے......؟ لیکن کیا کر سکتا تھا......؟ بھرائی ہوئی آواز میں دستک دینے والے کو اندر آنے کے لئے کہا، لیکن دروازہ بند تھا۔ دوسری بار دستک ہوئی اور میں نے جا کر دروازہ کھول دیا۔ دروازے میں گینس کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر نکھرے نکھرے سے تاثرات تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اندر آ گئی۔

''صبح سے کئی بار فون کر چکی ہوں، کہاں چلے گئے تھے......؟''

''کیا وقت ہوا ہے گینس......؟''

میں نے سوال کیا۔

''ساڑھے چار بج رہے ہیں، کیا سو گئے تھے......؟''

''نہیں......! کہیں گیا ہوا تھا، میری طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔''

''کیا بات ہے......؟''

''کچھ نہیں......! بس جسم میں درد ہے۔''

''چلو کسی ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں۔''

''اب بہتر حالت ہے۔''

گینس عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا۔

''تم یہاں خوش ہو، مجھے تو نہیں لگ رہے۔ چہرہ بجھا بجھا سا ہے۔ چلو ڈاکٹر کے ہاں چلتے ہیں۔ میرا فلیٹ بھی بہت پیارا ہے۔ میں تمہیں ایک علیحدہ بیڈروم دے سکتی ہوں۔''

میں اسے دیکھتا رہا، پھر میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے گینس......! مجھے اعتراض نہیں ہے۔ لیکن بس مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں تم مجھ سے اُکتا نہ جاؤ۔ میرا مطلب ہے تم کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جاؤ۔''

''میں اتنی مصیبتوں کا شکار ہوں کہ اب مصیبت میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیا تمہیں جہاز کا سفر یاد نہیں......؟ ہم لوگوں نے اس سفر میں ایک خوب صورت وقت گزارا تھا۔ چلو میرے ساتھ چلو......!''

''ٹھیک ہے......! میں یہ کمرہ اسی طرح رہنے دیتا ہوں۔ تمہارے ساتھ چلتا ہوں، کسی مناسب وقت پر یہ جگہ چھوڑ دیں گے۔''

''ہوں......! میں سمجھ رہی ہوں۔ تم میرے بارے میں یہ انداز لگانا چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا

سلوک ہوگا......؟ ٹھیک ہے......! میرا کیا جاتا ہے......؟''

میں نے گردن ہلا دی، کمرہ چابی کی وجہ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور چابی کو ابھی کسی طور اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں تھا۔ وہ لوگ دوبارہ بھی مجھ پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ آخر کار میں نے اپنا مختصر سامان ساتھ لیا اور چل پڑا۔ یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں تعاقب نہ ہو رہا ہو۔ لیکن مجبوری تھی، کیا کیا جا سکتا تھا......؟ یہ فلیٹ ایک خوب صورت علاقے میں اور خوب صورت جگہ پر تھا۔

میں اس کے ساتھ فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ وہ یہاں تنہا ہی رہتی تھی۔ اس نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو اپنے لئے کوئی ملازمہ بھی رکھ لوں جو کھانا وغیرہ پکائے۔

''میں ان تمام چیزوں سے [illegible] ہتی ہوں، لیکن یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ مجھے تمہارے ساتھ رہ کر خوشی ہوگی۔ کیونکہ ہم دونوں ایسے شناسا ہیں جو ایک دوسرے پر اعتبار کر سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے......! لیکن کچھ باتیں میں تمہیں بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔''

''ہاں ہاں کہو......! بولو......! میں تمہارے لئے کچھ بنا کر لاتی ہوں، ویسے میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم کافی نڈھال سے ہو۔''

''نہیں......! پلیز گینس......! میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا۔''

گینس مجھے کمرے میں چھوڑ کر چلی گئی اور میں اُلجھی ہوئی نگاہوں سے اطراف کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ کہیں ایسا نہ ہو، میری وجہ سے گینس پریشانی کا شکار ہو جائے۔ میرے جسم پر کوڑوں کے نشانات تھے اور اسے کسی نہ کسی طرح اس کا پتا چل ہی جائے گا۔

''کیا کروں......؟ کیا کرنا چاہئے......؟ کیا اس اعتماد میں لیا جائے......؟ یا پھر بات اپنے تک ہی محدود رکھوں......؟''

تھوڑی دیر کے بعد وہ کافی بنا کر لے آئی۔ میں کافی کے گھونٹ لیتا رہا۔ گینس باتیں کر رہی تھی، وہ استنبول کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''یہ تاریخی شہر بہت حسین روایات کا حامل ہے احتشام......! میں اس کے مختلف مقامات کی سیر کر چکی ہوں۔ یہاں کی زندگی قدیم اور جدید کا ایک حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ پرانا استنبول قدیم روایات کا حامل ہے اور نیا شہر انتہائی جدید۔ تم میرے ساتھ استنبول دیکھو گے تو تمہیں اچھا لگے گا۔''

''گینس......! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

آخر کار میں نے کہا۔

''ہاں ہاں......! بولو......!''

''ٹھہرو......! پہلے تو میں تمہیں کچھ دکھا دوں۔''

میں نے کہا اور دفعتہً اپنی قمیص اُٹھا کر اپنا جسم اس کے سامنے کر دیا۔ گینس ایک لمحے تک تو کچھ نہیں سمجھی تھی، لیکن میرے بدن پر سرخ دھاریاں دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''یہ کیا ہے......؟''

''میرے دُشمنوں کا تحفہ......!''

''یہ تو...... یہ تو شاید کوڑوں کی نشانات ہیں۔''

''ہاں گینس......!''

''اوہ مائی گاڈ......! کون تھے وہ بدبخت......؟ کون تھے وہ ذلیل لوگ......؟ اور انہوں نے ایسا کیوں کیا......؟''

''گینس......! میں خود بھی ایک مصیبت کا شکار ہوں، کچھ لوگوں کو میری ذات پر شبہ ہو گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ان کے ہیرے لے کر فرار ہو گیا ہوں۔ وہ ہیروں کے اسمگلر ہیں۔ میں نے زندگی میں کبھی ہیرے دیکھے بھی نہیں ہیں۔ پتا نہیں وہ کم بخت کیوں دھوکہ کھا گئے......؟ اور یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے ان کے پاس سے ہیرے اُڑا لئے ہیں۔ انہی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے انہوں نے مجھے اغواء کیا تھا اور پھر میری یہ درگت کی۔''

''مگر ان کو تم پر شبہ کیسے ہوا......؟''

''میں نہیں جانتا، میں نہیں جانتا، بس میری بدنصیبی مجھے نت نئے ہنگاموں سے دوچار کرتی ہے۔ کیا کہوں اور کیا نہ کہوں......؟''

''مجھے انتہائی دُکھ ہے۔ تم یقین کرو یہ زخم میں اپنے بدن پر محسوس کر رہی ہوں۔''

''پتا نہیں میرے ساتھ اب کیا ہوگا......؟ اصل میں تمہارے فلیٹ پر آتے ہوئے میں اسی خوف کا شکار تھا۔''

گینس مجھے تشویش ناک نگاہوں سے دیکھتی رہی اور پھر اچانک ہی ہنس پڑی۔

''یہ ہنسنے کی بات ہے گینس......؟''

''میں تمہارے زخموں پر نہیں ہنس رہی، بلکہ اس بات پر کہ ہماری تقدیر میں ہنگامے ہی ہنگامے لکھے ہوئے ہیں۔ پہلے میں اپنی مصیبتوں کا شکار تھی اور اس کے بعد تم اس نئے عذاب کا شکار ہو گئے۔''

''بس گینس......! عذاب تو پتا نہیں کب سے میری تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں......؟ ڈاکٹر جین اور پتا نہیں کون کون میری جان کے لاگو ہو رہے تھے......؟ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کیا صورتِ حال پیش آئے......؟ لیکن گینس......!''

''نہیں نہیں......! آگے کچھ مت کہو۔ ہم لوگ مصیبتوں سے نمٹنا جانتے ہیں۔ بھاگنا تو ہمیں آتا ہی

ہے ناں......! تم پریشان نہ ہو۔''

''گینس......! پلیز۔''

''ہاں احتشام......! میں بھی اب ان ہنگامہ خیزیوں کی عادی ہو گئی ہوں۔ زندگی واقعی جمود کا نام تو نہیں ہے۔ اگر تحریک نہ ہو تو زندگی بے مزہ ہے۔ بس دل میں خواہشات کا خزانہ ختم ہو جائے تو پھر جینے کے لئے کیا رہ جاتا ہے......؟ ٹھیک ہے......! ہمیں متحرک رہنا ضروری ہے، تم اپنے دُشمنوں سے نمٹو اور میں اپنے دُشمنوں سے، جب تمہیں میری مدد کی ضرورت ہو تو میں تمہاری مدد کروں گی اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہو تو تم میری مدد کرنا، لیکن ایک بات میرے ذہن میں آ رہی ہے۔''

''وہ کیا......؟''

میں نے پوچھا۔ گینس کے یہ الفاظ مجھے بہت اچھے لگے تھے۔ وہ مجھے دیکھتی رہی، پھر بولی۔

''ہماری امن پسندی آج تک ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی ہے۔''

''امن پسندی......؟''

''ہاں......! ہمارے دُشمن اطمینان سے ہم تک آتے ہیں، ہماری گردن پکڑتے ہیں، انگوٹھا رکھتے ہیں، مارتے پیٹتے ہیں اور اس کے بعد یا تو رحم کھا کر چھوڑ جاتے ہیں یا پھر ان کی گرفت سے نکل کر ہم کہیں بھاگ جاتے ہیں، آج تک ہم نے اپنے دُشمنوں سے جم کر مقابلہ نہیں کیا۔ آخر کیوں احتشام......؟ کیوں......؟ کیا ہم اتنے ہی بزدل، اتنے ہی کمزور ہیں......؟ میرا خیال ہے، ایسی بات تو نہیں ہے۔''

اور یہ حقیقت ہے کہ میں نے پہلی بار گینس کے ان الفاظ پر سنجیدگی سے غور کیا، نہ جانے کیوں مجھے یوں لگا کہ وہ واقعی سچ کہہ رہی ہے۔ میں نے بھی خود کو آج تک سمجھا ہی نہیں، تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

''بات تو تمہاری سچ ہے۔''

''تو پھر ہم اپنی یہ کمزوری دُور کیوں نہ کر لیں......؟''

''کیسے......؟''

''انسان اپنے دُشمنوں سے نمٹنے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کرتا ہے، ہمارے پاس ہتھیار ہونے چاہئیں اور ایسی اشیاء جو ہمیں کسی بھی وقت اپنے دُشمن کے سامنے ٹھہرا سکے۔''

''ہوں......! بات بالکل صحیح ہے، لیکن ہتھیاروں کا حصول......''

''کون سا مشکل کام ہے......؟ استنبول میں بھی یقینی طور پر کوئی نہ کوئی زیرِ زمین دُنیا ہوگی، جہاں سے اسلحہ خریدا جا سکتا ہے۔''

''اور اس کا استعمال......''

میں نے مسکرا کر کہا۔

''کیا تم پستول کا ٹریگر دبانا نہیں جانتے......؟''

''جانتا ہوں، لیکن......''

''کچھ نہیں مائی ڈیئر......! کچھ نہیں، بس یہ ذمے داریاں تم مجھ پر چھوڑ کر اپنے ذہن کو آزاد کردو۔ مگر ایک بات بتاؤ، تمہارے دشمنوں نے مار پیٹ کرنے کے بعد تمہیں چھوڑ کیوں دیا......؟ اگر انہیں تم پر شبہ تھا تو انہوں نے تمہیں بند کیوں نہیں کیا......؟''

''یہ بات میرے لئے بھی باعث تشویش ہے۔ مجھے ایک مکان میں لے جایا گیا، مارا پیٹا گیا اور جب میں بے ہوش ہوگیا تو وہ لوگ مجھے اسی مکان میں چھوڑ کر چلے گئے اور میں آسانی سے اس مکان سے واپس نکل کر اپنے ہوٹل آگیا۔''

''اور وہ تم سے ہیروں کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔''

''ہاں......!''

''اور تم نے یہی جواب دیا ہوگا کہ تمہیں ہیروں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم......؟''

''ہاں......! ظاہر ہے۔''

''کیا خیال ہے، انہوں نے تمہاری بات پر یقین کرلیا ہوگا۔''

''عجیب سی بات ہوگی۔''

''تو ٹھیک ہے......! پریشان ہونے کی کیا بات ہے......؟ اگر کبھی دوبارہ وہ لوگ تم تک پہنچے تو دیکھا جائے گا۔''

گینس نے کہا، میں خاصا مطمئن ہوگیا تھا، وہ بولی۔

''میں نے فرسٹ ایڈ کورس کیا ہوا ہے، میرا خیال ہے میں تمہارے لئے کچھ چیزیں خرید کر لاتی ہوں۔ یہ زخم کوڑوں کے ہیں، مجھے ایک کریم خریدنا ہوگی۔''

''نہیں......! اتنی جلدی نہیں، ہم یوں کریں گے کہ تھوڑی دیر کے لئے یہاں سے باہر چلیں گے اس کے بعد راستے میں چیزیں خرید لیں گے۔''

''ٹھیک ہے......! ایسا ہی کرلیتے ہیں۔''

گینس نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم تیار ہوکر باہر نکل آئے۔ گینس ایک خوب صورت لباس میں ملبوس تھی اور کافی اچھی لگ رہی تھی۔ ہم استنبول کی سیر کرتے رہے اور پھر رات کو کھانا کھا کر واپس آئے۔ فلیٹ کا ماحول پرسکون تھا، گینس نے میرے زخموں پر مرہم لگایا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ کہنے لگی۔

''اتفاقات نے ہمیں اس قدر قریب کردیا ہے کہ مجھے تم سے اجنبیت نہیں محسوس ہوتی، لیکن ایک

بات ذہن میں رکھنا۔ ہم کبھی ان راستوں کی جانب قدم نہیں اُٹھائیں گے جو بعد میں حماقت کہلاتے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے عشق و محبت......؟''

''ہاں......! پتا نہیں کیوں میرے ذہن میں شروع ہی سے ان لوگوں کے لئے عجیب احساسات ہیں جو صرف کچھ مقاصد پورے کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیتے ہیں اور بے وقوفوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے متاثر ہونا کوئی غیر فطری چیز نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد اختتام ایک ہی انداز میں ہونا ضروری تو نہیں ہے۔''

''بالکل ٹھیک......!''

''چنانچہ ہمارے درمیان یہ معاہدہ رہا کہ کبھی ایک دوسرے سے عشق نہیں کریں گے۔''

''پکا معاہدہ......!''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور گینس مجھے شب بخیر کہہ کر چلی گئی۔ مجھ سے بستر پر کمر کے بل نہیں لیٹا جارہا تھا، چنانچہ میں اوندھا ہوکر بستر پر لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

دوسری صبح نہایت خوش گوار تھی۔ کھڑکی سے بادلوں بھرا آسمان جھانک رہا تھا۔ دھوپ کا نام ونشان نہیں تھا۔ اس قسم کا موسم مجھے ہمیشہ سے پسند تھا۔ گینس آئی تو آنکھوں میں کچھ اور فرحت کا احساس ہوا۔ موسم کی مناسبت سے اس نے نہایت خوب صورت رنگ کا اسکرٹ پہنا ہوا تھا۔ ناشتہ تیار تھا، غسل کی تو واقعی ابھی ہمت نہیں پڑی، لیکن میں نے غسل خانے میں داخل ہوکر شیو وغیرہ بنایا، بال سنوارے اور پھر میں کپڑے پہن کر باہر نکل آیا۔

''کیا خیال ہے، آج استنبول کی سیر کی جائے......؟''

وہ بولی۔

''بالکل ٹھیک......!''

گینس تیاریاں کرنے لگی۔ پورے دن کا پروگرام ترتیب دے لیا گیا تھا اور اس کے بعد ہم وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے جب ہم مینار سوزیدہ کے قریب پہنچے اور اس محل کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ یہ ایک جھونپڑی میں واقع ہے۔ جھونپڑی کے دروازے کے ساتھ ٹکٹ کی کھڑکی تھی جس کے پیچھے نیلی وردی میں ملبوس ایک بوڑھا ترک اونگھ رہا تھا۔ گینس نے کھڑکی کے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر اس سے ٹکٹ طلب کئے اور اس نے دو دو لیرا کے ٹکٹ ہمارے حوالے کردیئے۔

جھونپڑی کے اندر داخل ہونے کے بعد دروازے کے ساتھ بنی ہوئی لکڑی کی سیڑھیوں کے ذریعے ہم نیچے اُترنے لگے۔ اندر نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور ہمارے سامنے زیر زمین آبی محل کھڑا ہوا تھا۔ تین سو چھتیس مرمریں یونانی ستون جو کمر تک گہرے سرد پانی میں ڈوبے ہوئے تھے، محل کی چھت سے پانی کی بوندیں رس رس کر ستونوں کے اس وسیع تالاب میں گر رہی تھیں۔ سیڑھیوں سے قریب چند ستونوں پر بجلی کے بلب لگے ہوئے تھے،

لیکن دوسری جانب مکمل تاریکی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس پُراسرار جھیل میں سینکڑوں ستون اُگ آئے ہوں۔ رنگ برنگی حسین مچھلیاں آنکھیں چمکاتی ہمارے سامنے سے گزر جاتی تھیں، لیکن ہم زیادہ آگے نہیں بڑھے کیونکہ لکڑی کے تختے زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتے تھے۔ گینس نے مجھے منع کرتے ہوئے کہا کہ اس کے گائیڈ نے یہی کہا تھا کہ زیادہ آگے بڑھنا خطرناک ہے۔

اس پُراسرار اور نیم تاریک ماحول نے ہم پر ایک عجیب سا سحر طاری کر دیا تھا۔ میں خاموش کھڑا ان ستونوں کو دیکھتا رہا، پھر اچانک ہی قدموں کی کچھ آہٹیں سنائی دیں اور اس کے ساتھ ہی ایک ہولناک آواز اس آبی محل کے ستونوں کو لرزانے لگی۔ میں اور گینس بری طرح اُچھل پڑے تھے۔ ہم نے اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ یہ فائر کی آواز تھی اور اس آواز میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں رُک گئیں۔

پھر اچانک ہی بہت سی آوازیں اُبھریں۔ میں اور گینس وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگے۔ مسلسل بھاگ دوڑ ہو رہی تھی لیکن ابھی تک کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ ہماری دہشت عروج پر تھی اور ہم واپسی کے لئے بھی قدم نہیں بڑھا سکتے تھے۔ ہمیں شبہ تھا کہ ہمیں دیکھ لیا گیا ہے اور یہ آبی جزیرہ ہمارے لئے موت کا جزیرہ بن جائے گا۔

اوپر جانے کی سیڑھیاں طے کرنا معمولی بات نہیں تھی اور بیرونی لوگوں کو بھی اس کے اندر ہونے والے ہنگامے کا کوئی علم نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر دوسری گولی چلی اور ساتھ ہی ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ کوئی دھپ سے لکڑی کے تختوں پر گرا تھا، لیکن کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ قدموں کی آوازیں ایک بار پھر سنائی دیں، لیکن اس کے ساتھ ہی کسی تنہا بھاگنے والے کی آوازیں بھی اُبھرنے لگیں۔ فائر کی آواز آبی ستونوں سے ٹکراتی ہوئی پورے آبی جزیرے میں ہولناک شور مچا رہی تھی۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں اب دُور سنائی دینے لگیں اور کچھ لمحوں کے بعد تمام آوازیں معدوم ہو گئیں۔ ہم بدستور ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے کھڑے تھے۔ پھر دفعتہً گینس نے میرا شانہ تھپتھپایا اور آہستہ سے بولی۔

''یوں لگتا ہے جیسے یہ فائر ہم پر نہیں ہوئے۔''

میں بھی چونک پڑا، حالانکہ گینس نے یہ الفاظ سرگوشی کے عالم میں ادا کئے تھے، لیکن اس کی بازگشت بھی پُراسرار سرگوشیوں کی حیثیت سے چاروں طرف گونجتی پھر رہی تھی۔ میں نے گینس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ہر طرف مکمل خاموشی اور سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد میں نے گینس سے کہا۔

''چلو گینس......! ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''کیوں......؟''

گینس بولی۔

''یار......! یہ جگہ ہمارے لئے خطرناک ہو سکتی ہے۔''

''لیکن اب تو سکون ہے، ویسے وہ جو کوئی بھی تھے، اب یہاں نہیں ہیں۔''

''ایک بات کہوں......؟''

''ہاں ہاں......! بولو......!''

''کیا تم نے فرام رشیا ودلو دیکھی ہے......؟''

''کیا مطلب......؟''

''اس فلم کی شوٹنگ بھی اسی جگہ ہوئی تھی۔''

''اوہ......! اس وقت کسی فلم کی شوٹنگ کے بارے میں سوچنا بے مقصد ہے۔ اگر کسی مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتیں تو یہاں سے نکل چلو۔''

گینس ہنسنے لگی، پھر بولی۔

''کیا تمہارے ذہن میں تجسس نہیں ہے احتشام......؟''

''ہاں ہے......! تاریکی میں اگر کوئی گولی بدن میں سوراخ کر دے تو سارا تجسس اسی روشن دان سے باہر نکل جائے گا۔''

میں نے جواب دیا اور گینس کے قہقہے سے پورا غار گونج اُٹھا۔

''او خدا کی بندی......! اتنی زور زور سے قہقہے مت لگاؤ۔ کہیں اس آبی محل کی چھت نہ گر پڑے۔''

''پرانا طرزِ تعمیر اتنا ناقص نہیں ہوتا۔''

گینس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ویسے تم بہت عجیب لڑکی ہو، اتنا بہادر ہونا بھی کسی لڑکی کے لئے مناسب نہیں ہے، آؤ......!''

میں نے گینس کا ہاتھ پکڑا ہی تھا کہ ایک آواز سنائی دی۔

''سنئے......! براہِ کرم سنئے......!''

نسوانی آواز تھی جسے سن کر ہمارے قدم رُک گئے اور آنکھیں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگیں۔ پھر کچھ آہٹیں سنائی دیں اور آواز نے کہا۔

''پلیز......! آپ جو کوئی بھی ہیں، براہِ کرم صرف ایک منٹ......صرف ایک منٹ میرے لئے......''

ہم اس آواز کو سن کر پھر چونک پڑے تھے، ہماری نگاہیں اِدھر اُدھر گردش کرنے لگیں۔ تب ستون کی آڑ سے نکلنے والے اس ہیولے کو دیکھ کر ہم ساکت ہو گئے۔ کوئی چوبی تختوں کو عبور کرتا ہوا ہماری سمت آ رہا تھا اور پھر جب وہ قریب پہنچی تو ہم دونوں نے حیرت بھرے انداز میں اسے دیکھا۔ انتہائی حسین بدن کی مالک اور انتہائی خوب صورت چہرہ رکھنے والی یہ لڑکی کانسٹنٹائن کے دور کی کوئی مخلوق لگتی تھی۔ اس کے نقوش میں ایک عجیب سی کیفیت

تھی، گہری سیاہ آنکھیں بڑی بڑی اور پُرکشش، اس کے گہرے اور سیاہ بال اس کی پیشانی پر جھول رہے تھے اور ان کی تراش بہت عجیب سی تھی۔ ایک نگاہ دیکھنے سے ہی وہ بہت پُرکشش لگی۔ یہاں کا ماحول بالکل نیم تاریک تھا۔ اس کے چہرے پر دہشت کے آثار منجمد تھے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''وہ مجھے قتل کر دینا چاہتے ہیں، اگر آپ کسی کی زندگی بچانے کا ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو براہِ کرم میری مدد کیجئے۔ مجھے یہاں سے نکال لیجئے ورنہ میں جانتی ہوں کہ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''کون ہیں وہ......؟''

گینس نے آہستہ سے پوچھا۔

''میرے دُشمن، میرے بدترین دُشمن......!''

لڑکی نے جواب دیا، میں اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ گینس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

''ٹھیک ہے......! تم ہمارے ساتھ چلو، لیکن اگر وہ باہر موجود ہوئے تو......؟''

''بس......! مجھے کسی ایسی جگہ تک چھوڑ دیجئے جہاں سے مجھے کوئی سواری مل جائے، اس کے بعد میں آپ لوگوں کو زحمت نہیں دوں گی۔ میری زندگی شدید خطرے میں ہے۔''

''کیا وہ لوگ تم پر گولیاں چلا رہے تھے......؟''

''پلیز......! میں سب کچھ بتا دوں گی آپ کو، یہاں سے نکلیں۔''

لڑکی نے لجاجت سے کہا۔ ہم دونوں بھی خوف زدہ تھے، لیکن اس التجا کو ٹھکرایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ میں سب سے آگے چل پڑا اور ہم نے اسے درمیان میں لے لیا۔ آخر کار ہم جھونپڑی میں گئے، جھونپڑی میں اس بوڑھے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا جس سے ہم نے ٹکٹ خریدے تھے۔ باہر ہماری کار کھڑی ہوئی تھی۔ روشنی میں آ کر میں نے اس لڑکی کو دیکھا اور اس کے خون آلود بازو کو دیکھ کر میری آنکھیں پھیل گئیں۔

''تم زخمی ہو......؟''

''ہاں......! گولی لگی ہے میرے بازو میں۔''

لڑکی کی آواز میں نقاہت تھی اور اس کے انداز میں رو دینے کی سی کیفیت بھی تھی۔ گینس کے دل میں ہمدردی اُبھر آئی۔ اس نے کہا۔

''آؤ آؤ......! جلدی آؤ......! وہ میری گاڑی کھڑی ہے۔''

میں چونکنے کے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکی گینس کے ساتھ گاڑی کے نزدیک پہنچی گئی۔ گینس نے جلدی سے پچھلے دروازے کا لاک کھولا اور لڑکی کو اپنے ہاتھوں سے اندر دھکیل دیا۔ وہ اپنا بازو دبائے بیٹھی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ پھر گینس اسٹیئرنگ پر بیٹھ گئی اور میں اس کے قریب جا

بیٹھا۔ گینس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ پھر کچھ دیر کے بعد سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''میرا خیال ہے شامی......! ہم اسے فلیٹ پر لے چلیں، اگر یہ زخمی نہ ہوتی تو ہم اسے چوراہے پر چھوڑ دیتے۔ لیکن انسانیت کہتی ہے کہ اسے اس طرح چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔''

میں نے بھی گینس سے اختلاف نہیں کیا۔ لڑکی خاموش بیٹھی رہی، اس کے چہرے پر بدستور خوف و ہراس کے آثار تھے اور اس نے اپنے آپ کو اس طرح نیچے لٹایا تھا کہ کھڑکی کے شیشوں سے اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ ہم اس کے خوف کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔

بہرحال بات بھی مزے کی تھی، ہر شخص اپنے اپنے دُشمن علیحدہ رکھتا تھا۔ خیر گینس کا یہ فیصلہ مجھے ناپسند نہیں تھا۔ راستے میں گینس نے مجھے اپنا اسکارف دیتے ہوئے کہا کہ میں اسے لڑکی کے بازو پر کس کر باندھ دوں، بازو سے خون مسلسل رِس رہا تھا۔ میں نے چلتی گاڑی میں ہی اس کے بازو پر اسکارف کس دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسکارف پر بھی خون اُبھر آیا۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد ہم گینس کے فلیٹ تک پہنچ گئے تھے۔

☆......☆......☆

فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور یہاں مجبوراً مجھے اسے سہارا دینا پڑا۔ پھر ہم فلیٹ میں داخل ہوگئے اور لڑکی کو مسہری پر لٹا دیا گیا۔ گینس نے فوراً فرسٹ ایڈ باکس نکالا اور مجھ سے باہر چلے جانے کے لئے کہا۔ تقریباً دس منٹ میں باہر ہی رہا۔ اس کے بعد گینس نے مجھے آواز دی۔ میں اندر داخل ہوا تو لڑکی کے بازو پر پٹی کسی جا چکی تھی۔ گینس نے مجھے بتایا کہ گولی ہڈی کو نہیں چھو سکی ہے، بس گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئی ہے۔

لڑکی آنکھیں بند کئے مسہری پر لیٹی ہوئی تھی۔ گینس اور میں اس کے قریب پہنچ گئے۔ ہمارے ذہنوں میں شدید تجسس تھا۔ ویسے کانسٹائن کے آبی محل میں ہم خود بھی یہ ہنگامہ دیکھ چکے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد گینس اپنی جگہ سے اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ غالباً وہ کافی بنانے گئی تھی، کیونکہ تھوڑی ہی دیر کے بعد کچن سے کافی کی خوشبو ہوا کے دوش پر اُڑتی ہوئی میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ پھر گینس واپس آ گئی۔

اس دوران لڑکی سے کوئی گفتگو نہیں ہو سکی تھی۔ حالانکہ مجھے اندازہ تھا کہ وہ جاگ رہی ہے۔ گینس اس کے قریب پہنچ کر ہمدردی سے بولی۔

''کافی پی لو......! میرا خیال ہے تمہارے لئے بہتر رہے گی۔''

لڑکی نے آنکھیں کھول دیں، اس کی آنکھوں میں شکرگزاری کے آثار تھے۔ اس نے سہارا لے کر اُٹھنا چاہا، لیکن ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ پھر بستر پر دراز ہوگئی۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور مسہری کے سرہانے تکیہ رکھ کر اس کی پشت تکیے سے لگا دی تو لڑکی نرم لہجے میں بولی۔

''میں آپ لوگوں کو بہت تکلیف دے رہی ہوں، لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھے ہمدرد مل گئے۔ آپ یقین کیجئے، اگر آپ مجھے کسی جگہ اُتار دیتے، تب بھی میں آپ کی اسی طرح شکرگزار ہوتی۔

پلیز......! مجھے تھوڑی دیر کی اجازت اور دے دیجئے۔ ذرا میں بہتر ہو جاؤں تو یہاں سے چلی جاؤں گی۔ پتا نہیں آپ لوگوں کے کون کون سے پروگراموں میں حائل ہوتی ہوں......؟''

''نہیں......! اگر ہماری جگہ تم بھی ہوتیں تو ہمارے ساتھ یہی سب کچھ کرتیں۔''

گینس نے جواب دیا۔ لڑکی کچھ نہیں بولی اور پھر کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔

''ویسے ہمارے ذہن میں تمہارے لئے تجسس پیدا ہوا ہے اور ہم تمہاری مزید امداد کے لئے بھی تیار ہیں۔ بس مناسب سمجھو تو یہ بتا دو کہ وہ کون لوگ تھے جو تمہیں ہلاک کر دینا چاہتے ہیں......؟''

لڑکی نے ایک بار پھر گینس کو اور مجھے دیکھا، پھر اس کے بعد بولی۔

''پلیز......! میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات کچھ ایسے ہی ہیں جنہیں چھپانا ضروری ہے۔ آپ لوگ مجھے معاف کر دیں، ورنہ مجھے آپ سے جھوٹ بولنا پڑے گا۔ بے لوث ہمدردی کرنے والے لوگوں سے جھوٹ بولنا، ضمیر گوارہ نہیں کرتا۔''

''ٹھیک ہے......! البتہ ایک بات سن لو، اگر خود تم کو کہیں جانے کی جلدی نہیں ہے تو تم یہاں آرام کرو، جب تک تمہارا زخم بہتر نہ ہو جائے۔''

لڑکی کے چہرے کے تاثرات پھر بدلے اور اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آہ......! کیا یہ ممکن ہے......؟ کیا آپ لوگ میرے لئے اس قدر زحمت اُٹھا لیں گے......؟ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت میرے پاس سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں اور مجھے یہاں سے نکل کر نہ جانے کہاں کہاں بھٹکنا پڑے گا......؟ میرے دُشمن شکاری کتوں کی طرح میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ ان سے مجھے آسانی سے چھپنے کا کوئی موقع نہیں مل سکتا۔ اگر آپ یہ مہربانی کر دیں تو میں زندگی بھر آپ کا احسان مانوں گی۔''

''ٹھیک ہے......! جب تک تمہارے زخم ٹھیک نہ ہو جائیں، تم یہاں آرام سے رہ سکتی ہو۔''

گینس نے کہا اور لڑکی نے نظریں جھکا لیں۔

''کم از کم اپنا نام تو بتا دو تم......!''

''میرا نام انیشا ہے۔ میں نسلاً اسپینش ہوں۔''

لڑکی نے جواب دیا۔

''خوب صورت نام ہے، تمہاری طرح......!''

گینس نے اس سے میرا اور اپنا تعارف کرایا اور انیشا کافی حد تک مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ اس نے مسکرا کر گینس سے پوچھا۔

''یہ آپ کے شوہر ہیں۔''

''نہیں نہیں......! ہم لوگ صرف دوست ہیں۔''

''سوری......!''

انیشا ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ہنستے ہوئے اس کے سفید دانتوں کی قطار اتنی بھلی لگی تھی کہ

نگاہیں ہٹانے کو جی نہ چاہا۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔ پتا نہیں وہ کون لوگ تھے جو اس حسین لڑکی کو ہلاک کر دینا چاہتے تھے......؟ گولی یقیناً اسی لئے چلائی گئی تھی کہ وہ ماری جائے۔ گینس اسے کافی تسلیاں دیتی رہی۔ اس کے بعد ہم دونوں اسے آرام کرنے کا مشورہ دے کر باہر نکل آئے۔ باہر نکل کر گینس ہنس پڑی تھی۔

''اب دیکھنا یہ ہے کہ کتنے اور ایسے لوگ اس فلیٹ میں جمع ہو جاتے ہیں جن کے ساتھ باقاعدہ ان کے دُشمن ہوتے ہیں......؟''

''واقعی......! ویسے اس لڑکی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے......؟''

''بہت عجیب سی ہے، لیکن بے حد خوب صورت......! تمہارے خیال میں وہ کسی مجرمانہ پیشے سے تعلق رکھ سکتی ہے......؟''

''کچھ نہیں کہا جا سکتا گینس......! کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''اچھا یہ بتاؤ......! میں نے غلط فیصلہ تو نہیں کیا......؟''

''نہیں نہیں......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انسان کی مدد انسان ہی کرتے ہیں۔''

''دو چار دن یہاں رہ جائے گی تو ہم پر کیا فرق پڑتا ہے......؟ ہم اسے تھوڑی بہت رقم بھی دے سکتے ہیں، لیکن میں اس کے بارے میں جاننے کے تجسس کو ردّ نہیں کر سکتی۔''

میں خاموش ہو گیا۔ شام کو چائے کے وقت گینس اس کے کمرے میں پہنچی اور پھر وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ انیشا کی حالت اب خاصی اچھی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا اور اس کے بعد ہم چائے پینے لگے۔ پھر گینس نے کہا۔

''میں تم سے کوئی ایسا سوال نہیں کرنا چاہتی انیشا......! جسے بتاتے ہوئے تمہیں اُلجھن پیش آئے۔ لیکن اتنا بتا دو کہ کیا استنبول میں تمہارا کوئی شناسا موجود ہے......؟ کیا تم کسی سے گفتگو کرنا چاہتی ہو......؟''

انیشا کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آنے لگے، پھر اس نے کہا۔

''شاید آپ لوگ میری بات کا یقین نہ کریں، لیکن بہر حال آپ میرے محسن ہیں۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی اور اس کے بعد آپ خود فیصلہ کریں گے کہ میرا آپ کے نزدیک رہنا مناسب ہو گا یا نہیں۔ میں جو کچھ کر چکی ہوں، اس کی سزا میں خود بھگتوں گی۔ میں آج پوری کائنات میں تنہا ہوں۔ رشتے دار یا والدین قسم کی کوئی چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ میری زندگی کیسے گزری، اس سے آپ لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہو گی، بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں خیراتی اداروں میں پروان چڑھی ہوں اور اس کے بعد مجھ جیسی لڑکیوں کو جہاں ہونا چاہیے، وہاں پہنچ گئی۔

یہ دُنیا میرے لئے بہت خوف ناک تھی۔ ایک کرم فرما نے ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں نوکری دلوا دی لیکن بہت جلد میں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ گئی جو جرائم پیشہ تھے اور اسمگلنگ وغیرہ کیا کرتے تھے۔ مجھے نئے

جہان دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور اسمگلروں کے جال میں پھنسنے کے بعد خود کو باعزت رکھنا مشکل ہو گیا۔ میں نے ان سے تربیت لی اور اس کے بعد ان کے گروہ میں شامل ہو گئی۔ لیکن میں آپ کو سچ بتا رہی ہوں، میرے ضمیر نے کبھی یہ زندگی قبول نہیں کی۔ میں ایک باعزت مقام کی تلاش میں تھی، لیکن میں دولت بھی حاصل کرنا چاہتی تھی۔

اسپین میں، میں زیادہ دیر نہ رُکی اور بیرونی دُنیا کا سفر کرنے لگی۔ اسی سفر کے دوران ایک بار مجھے چند ہیرے اسمگل کرنے کے لئے دیئے گئے اور میں انہیں لے کر چل پڑی۔ میں نے اتفاقیہ طور پر ان ہیروں کو دیکھا، جنہیں مجھے ایک پارٹی تک پہنچانا تھا، تو میری نظر خراب ہو گئی اور میں نے فیصلہ کیا کہ میں ان ہیروں کو فروخت کر کے یہاں سے کہیں اور نکل جاؤں اور دُنیا کے کسی پُرسکون گوشے میں اپنے لئے کوئی جگہ تلاش کر لوں۔ یہ فیصلہ کر کے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور وہ لوگ میرے دُشمن بن گئے۔

بس......! اب میں اسی کوشش میں مصروف ہوں کہ کسی طرح استنبول سے باہر نکل جاؤں۔ میری دلی خواہش ہے کہ جس کے لئے میں آخری کوشش تک کر لینا چاہتی ہوں۔ ہیرے میرے پاس محفوظ ہیں اور میں انہیں فروخت کرنا چاہتی ہوں۔''

انیشا نے اپنے بارے میں تفصیلات بتائیں اور میرا ذہن شدید سنسنی کا شکار ہو گیا۔ ایک بار پھر ہیروں کا قصہ میرے سامنے آ گیا تھا۔ انیشا نے بڑی سادگی سے سب کچھ بتا دیا تھا۔ پتا نہیں اس نے کیوں اتنا اعتماد کر لیا تھا، ہمارے ذریعے بھی اسے کوئی نقصان پہنچ سکتا تھا، جبکہ اس وقت وہ ہمارے قبضے میں تھی۔ اسی وقت گینس نے اس سے سوال کیا۔

''کیا وہ ہیرے تمہارے پاس موجود ہیں......؟''

''یہاں نہیں ہیں، میں نے انہیں ایک ایسے مقام پر محفوظ کر دیا ہے جہاں سے انہیں کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ میں جانتی ہوں کہ اگر میں ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئی تو یہ مجھے اتنی اذیتیں دیں گے کہ میں انہیں ہیروں کا پتہ بتانے پر مجبور ہو جاؤں گی۔ میں استنبول سے نکل جانا چاہتی ہوں اور کہیں باہر جا کر یہ ہیرے فروخت کرنے کی خواہش مند ہوں۔ مجھے چند روز کے لئے پناہ مل جائے تو میں تمام بندوبست کر لوں گی۔ مجھے جینا آتا ہے، دولت کے حصول کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں۔ بہترین شارپنگ کر لیتی ہوں۔ استنبول کے کسی جوئے خانے سے میں اتنی رقم حاصل کر سکتی ہوں کہ میں یہاں سے باہر تک کا سفر کر سکوں۔ آپ لوگ اگر خلوصِ دل سے میری مدد کرنے پر آمادہ ہوں تو......تو میں اور کیا کہوں......؟''

''ٹھیک ہے انیشا......! اس وقت تک تم آرام سے یہاں رہ سکتی ہو، جب تک تمہارا زخم ٹھیک نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ ہمیں تم سے کوئی اور دلچسپی نہیں ہے۔''

بہر حال گینس کے دل میں کچھ بھی ہو، لیکن میں سوچ رہا تھا کہ لڑکی ہیروں کی اسمگلر ہے اور جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں، وہی یہ سب کچھ کرنا چاہتی ہے۔ اگر میرا اور اس کا گٹھ جوڑ ہو جائے تو ہم دونوں اپنا اپنا کام کر

سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اسی لائن سے متعلق ہے۔ میں نے اس وقت گینس سے ہٹ کر سوچا تھا۔

بہر حال میرا خیال تھا کہ میں انیشا سے رابطہ قائم کروں۔ گینس کو میں نے ابھی تک ہیروں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

بہر حال ڈنر ٹیبل پر گینس نے انیشا کو پیش کش کی کہ اگر وہ چاہے تو اس کے کمرے میں سو سکتی ہے۔ آخر کار وہ دونوں سونے چلی گئیں اور وہ بہت دیر تک سوچتا رہا۔

دوسری صبح پُرسکون تھی۔ گینس نے ناشتے کی میز پر مجھ سے پوچھا کہ میرا آج کا کیا پروگرام ہے......؟ تو میں نے اس سے کہا کہ ہم انیشا کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔

''لیکن میں تھوڑی دیر کے لئے شاپنگ کرنے جاؤں گی، تم لوگ آرام سے بیٹھو اور بات چیت کرو۔''

مجھے یہ موقع بہت غنیمت لگا تھا۔ گینس چلی گئی۔ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں ہم دونوں کی تنہائی کا تصور بھی نہیں پیدا ہوا تھا۔ بہر طور میں انیشا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا، اور وہ بولی۔

''آپ لوگوں کے خلوص نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ میرا تعلق ایسی دُنیا سے نہیں رہا جہاں اتنے مخلص لوگ ملتے ہیں۔''

ہاں......! گینس بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''ویسے آپ دونوں شادی کب کر رہے ہیں......؟''

''شادی......؟''

''میرا خیال غلط ہے کیا......؟''

''سو فیصدی......! ہم دونوں صرف دوست ہیں۔ ہمارے درمیان رومان قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔''

''یقین کرلوں......؟''

انیشا مسکرائی۔

''آپ کی مرضی ہے......!''

''نہیں......! ایسی بات نہیں ہے۔ بہت عجیب اور قابل رشک دوستی ہے۔''

''آپ ایک نئی اور شاندار زندگی میں شامل ہونے والی ہیں۔ مس انیشا ہم مستقبل کی ایک بڑی عورت کے روپ میں دیکھ رہے ہیں۔''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں مسٹر احتشام......؟ اور پھر کون جانے میرا مستقبل کیا ہے......؟ ویسے ایک بات پوچھوں آپ سے، آپ مقامی تو نہیں لگتے......؟''

''نہیں......!''

''کہاں کے باشندے ہیں......؟''

''بس......! بہت دور دراز وطن ہے میرا۔''

''کیا مس گینس ٹرکش ہیں......؟''

''نہیں......! وہ ایرانی ہیں۔''

میں نے کہا۔

''میرا اندازہ غلط نکلا۔''

''شاید......!''

کافی دیر تک انیشا مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی، پھر گینس واپس آ گئی۔ ان دنوں میں ہم خاص طور سے گھر میں ہی رہے تھے۔ انیشا نے محسوس بھی کیا تھا اور کہا تھا۔

''میری وجہ سے آپ لوگوں کو قید کی زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔ میرا خیال ہے، اب مجھے اجازت لے لینی چاہئے۔''

''نقصان اُٹھاؤ گی انیشا......! تمہارا زخم ابھی گہرا ہے۔ تم کچھ وقت اور یہاں آرام کرو۔''

''آپ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے میری وجہ سے......؟''

''نہیں......!''

تیسرا دن بھی گزر گیا۔ چوتھے دن دو افراد فلیٹ پر پہنچے تھے، دستک پر میں نے ہی دروازہ کھولا۔

''جی فرمایئے......! کس سے ملنا ہے آپ کو......؟''

میں نے انہیں گہری نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہاں......آپ......وہ ایک خاتون......''

''کون ہے احتشام......؟''

گینس نے پوچھا اور دروازے پر پہنچ گئی اور پھر ان لوگوں کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔

''تم......؟ اوہ......! آؤ اندر آؤ......! شامی......! یہ میرے شناسا ہیں۔''

اس نے کہا اور دونوں فوراً اندر آ گئے۔

''یہ دونوں میرے بہت گہرے دوست ہیں۔''

''ٹھیک ہے......! لیکن یہ صاحب کون ہیں......؟''

ان میں سے ایک نے پوچھا۔

''یہ بھی میرے دوست ہیں۔''

''آپ ہمیں کچھ وقت دے سکیں گی گینس......؟''

''ضرور ضرور......!''

گینس نے کہا لیکن اسی وقت میں نے جواب دیا۔

''آپ لوگ بات چیت کریں، میں اندر جا رہا ہوں۔''

یہ کہہ کر میں انیشا کے پاس آبیٹھا۔

''کون آیا ہے......؟''

''گینس کے کچھ دوست ہیں۔''

''آپ دونوں کی دوستی پر رشک آتا ہے اور آپ دونوں کی فطرت بھی یکساں ہے۔ حالانکہ آپ عشق نہیں کرتے، لیکن ایک دوسرے کے لئے جان بھی دے سکتے ہیں۔''

''ہاں......! ہمارے درمیان یہ معاہدہ ہے۔''

''بہت بڑی بات ہے، بہت بڑی بات ہے۔ ایک بات میں نے کئی بار سوچی ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''میں نے آپ سے ان ہیروں کا تذکرہ کر دیا تھا، دولت کا لالچ کسے نہیں ہوتا......؟ میں دُشمنوں میں گھری ہوئی ہوں، آپ لوگ مجھے مجبور کر سکتے تھے۔''

''نہیں انیشا......! تم ہماری دوست بن گئی ہو۔ اپنا مقصد حاصل کر لو، ہمیں اسی کی خوشی ہوگی۔''

انیشا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ پھر گینس واپس آگئی۔ اس نے آتے ہی کہا۔

''ایک اُلجھن پیش آگئی ہے شامی......!''

''کیا......؟''

''مجھے ایران طلب کیا گیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ مجھے طلب کرنے والا کون ہو سکتا ہے......؟''

''کون......؟''

''امامہ اشرفی......!''

''اوہ......! لیکن کیوں......؟''

''مجھے عدالت میں پیش ہونا پڑے گا۔''

''تمہیں ان لوگوں پر اطمینان تو ہے......؟''

''ہاں......!''

''کیا تم میرے ساتھ جانا چاہو گے......؟''

''مناسب نہیں ہوگا۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔''

گینس نے کہا اور پھر انیشا کی طرف رُخ کر کے بولی۔

''شامی تمہارا اوپرا پورا خیال رکھیں گے۔''

''اوہ......! آپ لوگ......بس......! میں آپ کو کیا کہوں......؟''

بہر حال گینس تیاریاں کرتی رہی اور پھر بہت سے الفاظ کہہ کر وہ چلی گئی۔ انیشا اب میرے پاس تھی، اس نے کہا۔

''تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں......!''

''گینس کی واپسی میں کتنے دن لگ جائیں گے......؟''

''میں نہیں بتا سکتا۔''

''اور تم یہاں اس کا انتظار کرو گے......؟''

''یہ بھی ضروری نہیں ہے۔''

''کیا تم میری مدد کر سکتے ہو......؟''

''کس سلسلے میں......؟''

''ہیروں کی فروخت کے سلسلے میں۔ میں تمہیں ایک پیش کش کرنا چاہتی ہوں۔''

میرے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ انیشا وہ بات کہہ رہی تھی جو میرے دل میں تھی۔ میں کچھ سوچنے لگا تو وہ بولی۔

''حالات کا تمہیں اندازہ ہو چکا ہے۔ چند ایسے لوگ یہاں نواح میں موجود ہیں جو ہیروں کی فروخت کے سلسلے میں کارآمد ہو سکتے ہیں۔ تم اگر میرا ساتھ دو تو ہم یہ ہیرے فروخت کر سکتے ہیں۔ میں تمہیں حاصل شدہ رقم کا پچیس فیصد بخوشی ادا کروں گی۔''

ایک بار میں نے پھر کچھ سوچنے کا مظاہرہ کیا، پھر بولا۔

''ٹھیک ہے......! بس اس میں ایک ترمیم کر لو انیشا......!''

''بولو......!''

''تم اتنی سی مدد کے لئے مجھے کوئی معاوضہ دو گی، اس کا مطلب ہے کہ دوستی کوئی حیثیت نہیں رکھتی......؟''

میرے ان الفاظ سے انیشا کافی متاثر ہوئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''حیرت کی بات ہے۔ جس طرح تم لوگ مجھے ملے ہو، میں نہیں سوچ سکتی تھی کہ میرا واسطہ اتنے اچھے لوگوں سے پڑا ہے۔ خیر......! یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ میں تمہیں بتا سکتی ہوں کہ میں نے وہ ہیرے کہاں

چھپا کر رکھے ہیں......؟''

''نہیں......!''

میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''کیوں......؟''

وہ حیرت سے بولی۔

''دیکھو انیشا......! ہر شخص کی نیت میں فتور آ سکتا ہے، میں بھی انسان ہوں، ہوسکتا ہے میری سوچیں غلط ہو جائیں۔''

''نہیں......! کم از کم اتنی شناخت مجھے بھی ہے لوگوں کی کہ میں اچھے اور برے میں تمیز کر سکوں۔''

میں ہنسنے لگا دل ہی دل میں، میں سوچ رہا تھا کہ بے وقوف لڑکی کیا بات کر رہی ہے......؟ میں جن حالات کا شکار ہوں، مجھے ان کے بارے میں نہیں معلوم۔ آنے والا وقت میرے لئے کون سے راستے متعین کرتا ہے......؟ میں تو یہ بھی نہیں جانتا۔ لیکن بہرحال میں نے خاموشی ہی اختیار کی تھی۔

کافی دیر تک یہ خاموشی طاری رہی۔ میں بھی گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی میرے لئے بھی کافی کارآمد ہوسکتی ہے۔ انیشا بول پڑی۔

''تو پھر میں پروگرام طے کر لوں......؟''

''کیسا پروگرام......؟''

''اس سے ملنے کا۔''

''کس سے......؟''

''ایک شخص ہے، طاہر جنیدی۔ شاید تم اسے نہ جانتے ہو، لیکن میں جانتی ہوں۔ ارب پتی ہے اور بہت بڑا تاجر، لیکن درپردہ وہ اس قسم کے کاموں میں پوری پوری دلچسپی لیتا ہے۔ کروڑوں کے سودے ہاتھوں ہاتھ کر لیتا ہے، لیکن یہ نہیں پتا لگتا کہ وہ کس وقت کہاں ہے......؟''

''کیا نام بتایا تم نے......؟''

''طاہر جنیدی......!''

اس نے جواب دیا۔ میں نے یہ نام ذہن میں رکھ لیا تھا۔ یہ شخص میرے بھی کام کا آدمی ثابت ہوسکتا تھا۔ اگر اس لڑکی کے ذریعے میری اس سے ملاقات ہو جائے تو یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے، غرض یہ کہ ہم دونوں اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ دفعتاً مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے کہا۔

''سنو انیشا......! تم اپنے جن دشمنوں کا تذکرہ کر چکی ہو، کیا وہ تمہیں پا نہیں سکتے......؟''

اس کے چہرے پر گہری سوچوں کے آثار پیدا ہوگئے۔ اس نے کہا۔

''کیوں نہیں......! باہر کی دنیا میرے لئے بہت خطرناک ہے۔''

''تو پھر......؟''

میں نے سوال کیا اور وہ مسکرا دی، پھر بولی۔

''بہرحال ہم ایک مسلمان ملک میں ہیں جہاں ضرورت کے مطابق نقاب استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میں نقاب ہی استعمال کروں گی اور سنو......! ایک بات کہوں......؟''

''ہاں بولو......!''

''میں یہ زندگی پسند نہیں کرتی۔ بس یہ آخری جرم کرنا چاہتی ہوں۔ اگر اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی تو یا تو خودکشی کر لوں گی یا پھر ان کے ہاتھوں ماری جاؤں گی۔''

''نہیں......! تم اس قدر ہراساں نہ ہو۔ میں جو کچھ بن پڑے گا، تمہارے لئے کروں گا۔''

وقت گزرتا چلا گیا۔ گینس چلی گئی تھی۔ میں عجیب سے انداز میں سوچتا رہا تھا۔

دوسری صبح بہت خوش گوار تھی۔ آج آسمان پر ابرآلود تھا۔ ہم ناشتے سے فارغ ہوئے تھے کہ بوندا باندی ہونے لگی۔ انیشا کو یہ موسم کافی دلکش لگ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''کیا پروگرام ہے شامی......؟''

''بتاؤ......!''

''ہم آج ہی سے کیوں نہ کام شروع کر دیں......؟''

''جیسا تم پسند کرو......!''

''میرے لئے ایک برقع فراہم کرنا ہوگا۔''

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ میں باہر چلا جاتا ہوں۔''

یہ کام مکمل ہوگیا۔ میں مطلوبہ چیزیں لے کر آ گیا تھا۔ کار ہمارے پاس موجود تھی۔ اس کے لئے بھی کوئی پریشانی نہیں تھی۔

آخرکار ہم دونوں باہر نکل آئے۔ استنبول کی تمام روایتیں ایک بار پھر سامنے آ گئی تھیں۔ میں نے انیشا سے کہا۔

''انیشا......! ہمارے پاس اسلحہ ضرور ہونا چاہئے۔ جس طرح کے لوگوں سے ہمارا واسطہ ہے، ان کے لئے اسلحہ بڑا ضروری ہوگا۔''

''خریدا جا سکتا ہے۔''

''کہاں سے مل سکتا ہے......؟''

''میں بتاتی ہوں، نیوایڈ پل چلو......!''

انیشا نے کہا۔

''میں اس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''چلتے رہو، میں بتادوں گی۔''

وہ بولی اور میں اس کے اشارے پر چلتا رہا۔ اس وقت ہم پرانے استنبول کے فصیل کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ انیشا راستے بتاتی جارہی تھی۔ پھر اس نے نیوایدرپل کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''نیچے ڈھلان میں اُتار دو......!''

ایک بوسیدہ سی عمارت کے سامنے انیشا نے کار رُکوا دی اور ہم دونوں نیچے اُتر آئے۔ انیشا کی خود اعتمادی مجھے حیران کر رہی تھی۔ ہم لوگ آگے بڑھ کے عمارت کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ابھی ہم اندر داخل نہیں ہو پائے تھے کہ اندر سے دو افراد باہر نکلے۔ آمنا سامنا ہونے پر ہم نے بالکل فطری طور پر ایک دوسرے کو دیکھا اور دوسرے لمحے میرے بدن میں لاتعداد لہریں دوڑ گئیں۔ ان میں ایک شخص میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میں اسے اچھی طرح پہچانتا تھا اور وہ مجھے۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔

''تم......؟''

اس کے منہ سے عجیب آواز نکلی۔

''آپ یہاں......؟''

میں نے بھی بمشکل کہا۔ یہ شخص باطش چنگیزی تھا اور اس کے ساتھ ایک خطرناک صورت ترک، چنگیزی تیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور اس کی نظریں بار بار انیشا کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔

''یہ تمہارے کوئی شناسا ہیں شامی......؟''

''ہاں......! ہم لوگ گہرے دوست ہیں۔ بہت عرصے کے بعد ملے ہیں۔ کیا آپ دو گہرے دوستوں کو گفتگو کے چند لمحات عنایت کرسکتیں ہیں......؟''

باطش چنگیزی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟''

انیشا آہستہ سے بولی۔

''آؤ......!''

باطش چنگیزی نے سرد لہجے میں کہا اور اپنے ساتھی ترک کو وہیں رُکنے کا اشارہ کر کے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت بہت سخت تھی۔

باطش چنگیزی کا ساتھی وہیں انیشا کے پاس رُک گیا تھا۔ باطش چنگیزی مجھ ساتھ لئے ہوئے واپس اسی عمارت میں داخل ہوگیا۔ میرے ہاتھ پہ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ خون کی گردش رُک گئی تھی۔ یہ عمارت اندر

سے عجیب تھی۔ بہت سے مقامی لوگ تو یہاں موجود نہ جانے کیا کیا کر رہے تھے......؟ باطش چنگیزی مجھے لئے ہوئے عمارت کے دوسری طرف صدر دروازے کی بغلی سمت مُڑ گیا۔ پتلا سا راستہ تھا جس کے دونوں طرف اُجاڑ سے درخت لگے ہوئے تھے اور ان درختوں کے سوکھے پتے قدموں کے نیچے آ کر چرمرا رہے تھے۔

اس پتلے راستے کا اختتام ایک کھلی وسیع جگہ پر ہوا جہاں سامنے ایک دروازہ نظر آ رہا تھا، میں کسی ایسے بچے کی طرح سہا ہوا تھا جسے اسکول ماسٹر نے سگریٹ پیتے ہوئے دیکھ لیا ہو اور سرزنش کے لئے لے جایا جا رہا ہو۔

وہ مجھے لے کر اندر داخل ہوگیا۔ اندر روشنی مدہم تھی، لیکن باطش چنگیزی نے تیز روشنی جلادی اور پھر اس نے مجھے ایک صوفے پر دھکا دیا۔

''یہ...... یہ...... یہ کیا زیادتی ہے......؟''

میرے منہ سے نکلا، لیکن باطش چنگیزی نے پستول نکال لیا تھا۔

''میرے پاس سائلنسر بھی ہے، لیکن اس عمارت میں گولی چلنے کی آواز باہر نہیں جاتی۔''

وہ خوفناک لہجے میں بولا اور چند لمحات کے لئے میری زبان گنگ ہوگئی۔ اس نے پھر کہا۔

''حواس درست کرلو۔ میرے سوالوں کے جواب دو......!''

''دیکھ لینا، ایک دن دیکھ لینا تمہاری غلط فہمی تمہاری موت بن جائے گی۔''

میں نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

''جرم کی دُنیا میں قدم رکھنے سے پہلے خود کو آزما لینا ضروری ہے اور پھر تم جیسے چھوکرے اگر باطش چنگیزی کے راستے روکنے لگے تو اسے خودکشی ہی کر لینی چاہئے۔''

میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ درحقیقت اس وقت دلی کیفیت عجیب سی ہوگئی تھی۔ تاہم میں نے کہا۔

''مگر میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔''

''پھر میری آنکھوں میں دُھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''تمہیں غلط فہمی ہے، غلط فہمی ہے، ٹھیک ہے، تمہارا جو دل چاہے کرو۔''

''گینس کہاں ہے......؟''

''جہنم میں......!''

میں نے جواب دیا، لیکن اس کے ہاتھ میں دبے پستول کی گولی پیر کے انگوٹھے کے قریب سے گزرتی ہوئی صوفے میں پیوست ہوگئی۔ میں اُچھل کر صوفے پر چڑھ گیا۔

''ارے ارے......! گولی کیوں چلاتے ہو......؟''

میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''گینس کہاں ہے......؟''

''خ......خدا کی قسم......! خدا کی قسم......! ایران میں......''

میں نے جواب دیا اور دوسری گولی پھر میرے لباس کو چھوتی ہوئی پیچھے کی دیوار سے جا ٹکرائی۔

''میں تیسری گولی ضائع نہیں کروں گا۔ اس بار گولی صرف تمہارے دماغ میں اُترے گی۔ کیا سمجھے......؟''

''ٹھیک ہے......! اُتار دو، لیکن اس کے بعد تم اس تفصیل سے محروم ہو جاؤ گے جو میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے......! مگر میں سچ سچ سنوں گا۔''

''اور جھوٹ سچ کا فیصلہ بھی خود ہی کر لو گے......؟ یار......! اچھی بات ہے، میں آنکھیں بند کئے لیتا ہوں، سچ ہی بولوں گا، جھوٹ لگے تو گولی مار دینا، اور کیا کر سکتا ہوں......؟''

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ حواس جواب دے گئے تھے۔

''بھاڑ میں جائے، گینس کون سی میری جان بچانے آ سکتی ہے......؟ وہ اپنی جائیداد کے حصول میں ہے۔ میں کیوں اپنی جان دوں......؟''

''میں جانتا ہوں وہ استنبول میں ہے اور تمہاری یہاں موجودگی اس کی تصدیق کرتی ہے۔''

''وہ استنبول میں تھی، لیکن اب ایران میں ہے، اور یہ بات میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہم صرف دو ایسے ہم سفر تھے جو غیر قانونی طور پر ایک ہی جہاز میں فرار ہوئے تھے۔ اس سے زیادہ ہمارے درمیان اور کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنی شناخت حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ایران پہنچ کر میں اپنے مسائل میں گرفتار ہو گیا اور وہ مجھ سے جدا ہو گئی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میری اس سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ باطش چنگیزی نامی کوئی شخص ہے، جس وقت آپ نے مجھے گرفتار کرایا تھا، آپ یقین کریں، مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں نے ہی اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اخبار میں آپ کے لئے اشتہار دے، لیکن آپ سے پہلے ایک اور شخص اس کے پاس پہنچ گیا۔

ذرا غور کیجئے، ایک بیرسٹر تھا وہ، اور آپ لوگوں کے درمیان کوئی حیثیت رکھتا تھا۔ میں اچھی طرح اس کے بارے میں نہیں جانتا، لیکن بس اتنا جانتا ہوں کہ اس کا نام...... اس کا نام شاید مجھے صحیح طور پر یاد نہیں آ رہا، کیا نام تھا اس کا......؟ بالکل یاد نہیں، شاید فرحان باری یا کچھ اور...... بالکل یاد نہیں آ رہا۔''

میں نے کہا۔ میری آنکھیں بند تھیں اس لئے مجھے اس کے تاثرات کا کوئی علم نہیں تھا، لیکن میری کیفیت بہت عجیب ہو رہی تھی۔ میرے کان گولی چلنے کی آواز سننے کی کوشش کر رہے تھے اور مجھے اپنی کھوپڑی سے

خون اُبلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ تب باطش چنگیزی کی آواز اُبھری۔

''بولتے رہو، رُکنے کی ضرورت نہیں۔''

''اشتہار دیکھ کر وہ شخص اس کے پاس پہنچ گیا۔ پھر کیا ہوا، مجھے اس کا کچھ علم نہیں۔ اس نے اسے فوری طور پر ترکی روانہ کر دیا اور وہ استنبول میں آ کر مقیم ہو گئی۔ میری بدقسمتی مجھے یہاں کھینچ لائی اور پھر اس سے ملاقات ہو گئی۔''

''ہوں......! گویا وہ استنبول میں تم سے ملتی رہی ہے......؟''

''نہ صرف ملتی رہی ہے، بلکہ میں خود بھی اس کے ساتھ مقیم تھا اور اب بھی میں اسی کے فلیٹ میں رہتا ہوں جو اسے اس شخص نے خرید کر دیا تھا۔ وہ اس کے لئے کام کر رہا ہے اور ابھی دو دن قبل اس نے اسے تہران طلب کیا تھا، غالباً کسی مقدمے کی سماعت کے لئے، یہ صورتِ حال ہے۔ ایک ہلکی سی شناسائی میری جان کا روگ بن گئی ہے۔ آپ چاہیں تو گولی چلا دیں۔''

''آنکھیں کھولو......!''

باطش چنگیزی غرائی ہوئی آواز میں بولا۔ میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

''وعدہ کرو کہ گولی نہیں چلاؤ گے۔''

میں نے کہا۔

''جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اس کی تصدیق کس طرح کی جا سکتی ہے......؟''

''ارے......! تم اتنے بڑے آدمی ہو، کیا تم یہ تفصیلات نہیں جانتے......؟ یہ شخص گینس کا وکیل ہے، اس کے باپ کا دوست بھی۔ گینس نے مجھے یہی بتایا تھا۔''

''ٹھیک ہے......! لیکن تم اس معاملے سے الگ نہیں رہ سکتے۔''

''کمال ہے، تم سب لوگ ایک ہی انسان کو پریشان کر سکتے ہو، اور وہ میں ہوں۔ میں کہتا ہوں، ایران جاؤ، اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو تمہارے ہاتھ تو بہت لمبے ہیں، جب چاہو گولی مار دینا مجھے۔ مگر ٹھہرو......! ایک بات اور بتا دیتا ہوں۔ یہ لڑکی جو میرے ساتھ تھی، اس کا نام انیشا ہے، یہ نسلاً اسپینش ہے اور اتفاقیہ طور پر میری اور گینس کی دوست بن گئی ہے۔ میں یہاں موجود ہوں۔ تم اس سے تصدیق کر لو۔ اگر یہ بات ثابت نہ ہو جائے تو ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ جو چاہو سلوک کرنا۔''

باطش چنگیزی کے چہرے پر کچھ تبدیلی رونما ہوئی اور اس کا لہجہ بھی کسی قدر نرم ہو گیا۔

''اگر تم ٹھیک کہہ رہے ہو تو یہ عجیب اتفاق ہے۔ مجھے پتا چلا تھا کہ وہ ترکی آ گئی ہے اور میں اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔ تمہیں دیکھنے کے بعد لازمی طور پر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہونا چاہئے تھا کہ تم بھی اس کا ساتھ دے رہے ہو۔ اچھا، یہ بتاؤ، اینگل کے پاس کیوں آئے تھے......؟''

"کس کے پاس......؟"

"اس عمارت میں کیوں آئے تھے......؟"

میں نے کہا اور باطش چنگیزی پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر اس نے ایک دیوار پر لگا ہوا بٹن دبایا، دو آدمی اندر داخل ہوگئے۔

"اسے اپنی تحویل میں رکھو، چوکس رہو۔ کوئی حرکت کرے تو دونوں ٹانگیں توڑ دینا، تمام ذمے داری میں قبول کرتا ہوں۔"

"بہتر ہے جناب......!"

ان دونوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ دونوں ہی مقامی غنڈے اور خون خوار شکل وصورت کے مالک تھے۔ دونوں نے پستول نکال لیں اور ان کا رُخ میری طرف کر کے کھڑے ہوگئے۔ جبکہ باطش چنگیزی باہر نکل گیا تھا۔

بیچاری انیشا پر نہ جانے کیا گزری......؟ لیکن دس پندرہ منٹ کے بعد وہ اندر آیا اور میری طرف رُخ کر کے بولا۔

"تم دوبارہ ایران آنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"میں پاگل نہیں ہوں، بلکہ اگر تم کہو تو میں وہ فلیٹ بھی چھوڑ دوں۔"

باطش چنگیزی نے ان دونوں آدمیوں کو واپس جانے کی ہدایت کی اور پھر خود بھی مجھے ساتھ لئے باہر نکل آیا۔ انیشا باہر میرا انتظار کر رہی تھی۔ باہر آکر باطش چنگیزی اپنے اس آدمی کے ساتھ ایک شاندار کار میں بیٹھ کر واپس چلا گیا اور میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ انیشا پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"کون تھا یہ......؟ بہت ہی خون خوار آدمی معلوم ہوتا تھا۔"

"انیشا......! میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ پہلے یہ بتاؤ، یہ کون سی جگہ ہے......؟ اور تم کس سے ملنے آئی ہو......؟"

"ایگل سے......!"

"یہ ایگل کون ہے......؟"

"ایک خطرناک غنڈہ......! ہمیں اسلحہ درکار ہے اور وہ یہاں آسانی سے مل جائے گا۔ ایگل یہ نہیں پوچھتا کہ اسلحہ کسے اور کس کے لئے چاہئے......؟"

"اور یہ آدمی تم سے کیا کہہ رہا تھا......؟"

"گینس کے بارے میں پوچھ رہا تھا، کیا قصہ ہے......؟"

"سارے کا سارا قصہ گینس ہی سے متعلق ہے۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا اب بھی ایگل

کے پاس چلو گی......؟"

"ہاں آؤ......! کیا حرج ہے......؟ لیکن یہ تمہیں اندر کیوں لے گیا تھا......؟"

"گینس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے۔ یہ گینس کی جائیداد کا متولی ہے۔ مجھ سے اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"عجیب سا چکر ہے۔ ویسے کافی خطرناک آدمی تھا۔ چلو چھوڑو ہم کس چکر میں پڑ گئے......؟ آؤ اندر آؤ......!"

وہ مجھے لے کر اندر داخل ہوگئی۔ شاید وہ بھی اس جگہ کے سارے میں کافی معلومات رکھتی تھی۔ سامنے کے حصے میں آگے بڑھتے ہوئے کسی دالان نما مکان میں پہنچ گئی جس پر کھپریل کی چھت پڑی ہوئی تھی۔ یہاں ایک آدمی اس کے پیچھے بیٹھا تھا۔ انیشا نے میز کی سطح کھٹکھٹائی تو اس نے چونک کر آنکھیں سیدھی کر لیں، پھر خشک لہجے میں بولا۔

"کیا چاہئے......؟"

"اسلحہ......!"

انیشا نے جواب دیا۔

"یہاں صرف منشیات ملتی ہیں۔ اسلحے کے لئے وہ سامنے والے حصے میں جاؤ۔"

اس نے بدستور خشک لہجے میں کہا اور ایک سمت اشارہ کر دیا۔ ویسے ہی ایک دوسرے دالان میں ایسی ہی میز پر ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا۔ انیشا نے اس سے اپنی فرمائش کا اظہار کیا تو وہ بالکل ہی بے تاثر لہجے میں بولا۔

"کیا چاہئے......؟"

"دو کاربائن......!"

"رقم نکالو......!"

اس نے کہا اور انیشا نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر رکھ دی، اس نے گڈی اُٹھالی۔ نوٹ گننے لگا اور پھر اس میں سے کچھ نوٹ واپس انیشا کو دینے لگا تو انیشا نے کہا۔

"نہیں......! فالتو امونیشن بھی چاہئے ہوگا۔"

نوٹوں کی گڈی اس نے بے پرواہی سے میز کی دراز میں ڈال دی اور گھنٹی بجا کر ایک شخص کو اندر بلایا۔ پھر اس سے کاربائن لانے کو کہا اور تھوڑی دیر کے بعد انیشا نے دو عمدہ قسم کے پستول حاصل کر لئے۔ انہیں اچھی طرح چیک کر کے پستول میرے حوالے کیا۔ دوسرا اپنے لباس میں لگا کر اسی بے پرواہی کے انداز میں واپس پلٹ آئی۔

میں حیرانی سے یہ کاروبار دیکھ رہا تھا۔ کافی بڑی جگہ تھی اور بہت سے لوگ آ جا رہے تھے۔ واپس پلٹا تو ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ بغیر لائسنس کا اسلحہ بھی مصیبت بن سکتا ہے، لیکن اب ان مصیبتوں سے چھٹکارا کہاں ممکن ہے......؟

اس کے بعد ہم کافی دیر تک اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔ استنبول کے مختلف علاقوں کی سیر کی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی، لیکن رات کو انیشا فلیٹ واپس جانے کی بجائے مجھے لے کر پرانے استنبول کے علاقے کے ایک بدنما ہوٹل میں پہنچ گئی اور وہاں ایک میز پر بیٹھ کر ہم نے روایتی قسم کا کھانا کھایا، جو مجھے پسند نہیں آیا۔ دن کے واقعے نے میرے حواس چھین لئے تھے۔ میں نے انیشا سے پوچھا۔

''اتنی عمدہ خوراک کے لئے اس جگہ آنا کیوں ضروری تھا......؟''

تو وہ مسکرا کر بولی۔

''نہیں ڈیئر......! ہمیں یہاں سے کام کی باتیں معلوم ہوں گی۔''

''کام کی باتیں......؟''

''ہاں......! اس کے بارے میں جس کے لئے میں سرگرداں ہوں۔ تمام تفصیلات یہیں سے پتا چلتی ہیں۔''

''اوہو......! یعنی...... یعنی......''

''ہاں......! اسی کی بات کر رہی ہوں۔ براہِ کرم یہاں اس کا نام نہ لو۔''

میں خاموش ہوگیا۔ میرے ذہن میں طاہر جنیدی کا نام گونجا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک دراز قامت اور بھرے سے سوٹ میں ملبوس آدمی اوپر کی سیڑھیوں سے نیچے اُترا تو انیشا میرا ہاتھ دبا کر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ لمبے قد و قامت کا آدمی دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ انیشا دو قدم آگے بڑھی اور لجاجت آمیز لہجے میں بولی۔

''اگر میں اپنی میز پر آپ کو کافی کی ایک پیالی پیش کروں جناب......! تو آپ اسے شرفِ قبولیت بخشیں گے......؟''

دراز قد آدمی نے چونک کر کرخت نگاہوں سے انیشا کو دیکھا، پھر مجھے۔ پھر وہ کرخت لہجے میں بولا۔

''میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''کاش میرے پاس تین سفید گلاب ہوتے تو شاید آپ میرے لئے کچھ وقت نکال لیتے۔''

انیشا نے عجیب سے لہجے میں کہا، لیکن ان جملوں نے دراز قد آدمی پر عجیب سا اثر کیا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا، پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے میز کے نزدیک پہنچ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ انیشا تے اس کے لئے کافی منگوائی تھی۔

''اس کی ضرورت نہیں، مقصد بتاؤ......!''

''طاہر جنیدی سے ملاقات کرنی ہے۔ کمیشن ایک پرسینٹ......!''

''ہوں......!''

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔

''طاہر جنیدی کل رات ساڑھے آٹھ بجے آ رہا ہے، وہ ہوٹل میرینا میں قیام کرے گا۔ کمرہ نمبر ففٹی سیون۔ کیا چیز ہے تمہارے پاس......؟''

''جو کچھ بھی ہوگا، کمشن ایک فیصد ہوگا۔''

''میں تم سے کہاں مل سکتا ہوں......؟''

''یہیں، اسی جگہ پونے آٹھ بجے۔ کیا خیال ہے......؟''

''نہیں......! ساڑھے آٹھ بجے ملو۔ اس سے تمہاری ملاقات ٹھیک دس بجے کرائی جائے گی۔''

دراز قد آدمی نے کہا اور انیشا نے گردن ہلا دی۔

''اب میں جاؤں......؟''

''ہاں......!''

''سنو......! کل مطلوبہ وقت پر یہاں موجود نہ ہوئیں تو میری ذمے داریاں ختم ہو جاتی ہیں، لیکن تم طاہر جنیدی سے میرے بغیر ملاقات نہیں کرو گی، اور جانتی ہو، بدعہدی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے......؟''

''یہ پتا مجھے کہیں اور سے بھی چل سکتا تھا، تمہارے پاس آنے کا مقصد یہی ہے کہ میں تمہارے ذریعے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''شکریہ......! میں چلتا ہوں۔''

اس نے کہا اور اُٹھ کر باہر نکل گیا، پھر انیشا بھی کھڑی ہوگئی تھی۔

''اب یہاں رُکنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہمارا کام اتنا ہی تھا۔''

ہم دونوں باہر نکل آئے۔ پھر اس کے بعد فلیٹ پر ہی واپسی ہوئی تھی۔ فلیٹ پر پہنچنے کے بعد انیشا مجھ سے باٹش چنگیزی کے بارے میں باتیں کرنے لگی تھی۔ اس نے کہا۔

''یہ آدمی گینس کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ ہم اس کے لئے کیا کریں......؟''

''ہم اپنے لئے بھی کچھ نہیں کر سکتے تو اس کے لئے کیا کریں گے......؟''

''تم پریشان لگ رہے ہو۔''

''نہیں......! میں بہت خوش ہوں۔ اس شخص نے مجھ پر دو گولیاں چلائی تھیں اور تیسری گولی کے بارے میں یہ دھمکی دی تھی کہ وہ میرے دماغ میں اُترے گی۔ بس بال بال بچ گیا۔ ورنہ شاید باہر بھی نہ آ پاتا۔''

''لیکن وہ تم سے آخر چاہتے کیا ہیں......؟''

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
PAKISTANIPOINT

''میں نہیں جانتا انیشا......! بس صرف ایک بات کہوں گا کہ میں دُنیا کا بدنصیب ترین انسان ہوں۔''

رات فلیٹ میں گزری اور دوسرے دن بھی ہم لوگ کہیں باہر نہ نکلے۔ لیکن شام کو تقریباً ساڑھے چار بجے اس نے کہا۔

''شامی......! ہمیں چلنا چاہئے۔''

''کہاں انیشا......؟''

''اس جگہ جہاں میری تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔''

''کیا مطلب......؟ یعنی اس آبی محل میں......؟''

''ہاں......!''

انیشا پُراسرار طور پر مسکرا دی۔

''لیکن وہاں کیوں......؟''

''ہیرے اسی جگہ چھپائے گئے ہیں۔''

اس نے انکشاف کیا اور میں دنگ رہ گیا۔ ویسے بھی انیشا کے بارے میں اب میرے تاثرات کافی بدل چکے تھے۔ وہ سہمی اور سمٹی ہوئی سی لڑکی اب مختلف شخصیت اختیار کر گئی تھی۔ اس کے پاس پستول بھی تھا اور وہ چوکس بھی تھی۔ میں کسی بھی طرح اس کے ہیروں سے دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ مجھے تو بس اپنا ہی کام کرنا تھا۔ بشرطیکہ طاہر جنیدی مجھ سے بھی سودا کرنے پر تیار ہو جائے۔

بہرحال ہم باہر نکلے، آبی محل پہنچے۔ انیشا مجھے مستعد رہنے کا کہہ کر جھونپڑی کے اندر داخل ہو گئی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد وہ باہر آئی تو اس کے چہرے پر اطمینان جھلک رہا تھا۔ باہر نکل کر اس نے کہا۔

''بس شامی......! اب تم میری حفاظت کرو۔ اس کے بعد ہم اس مصیبت سے آزاد ہو جائیں گے اور میں زندگی بھر تمہاری شکرگزار رہوں گی۔ بلکہ تم سے بھی یہی کہوں گی کہ تم استنبول چھوڑ دو۔ وہ تمہارے لئے خطرناک ہے اور میری پیش کش بدستور ہے۔ میں خلوصِ دل سے تمہیں پچیس فیصد دینے کے لئے تیار ہوں۔ ایک فیصد ہمیں اس شخص کو ادا کرنا پڑے گا جو ہمارا ایجنٹ ہے۔''

''یہ تو سب بعد کی باتیں ہیں، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔''

مقررہ وقت پر ہم پرانے استنبول کے پاس اس جھونپڑے نما ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے جہاں پچھلی شام آئے تھے۔ دراز قاصد آدمی ہمیں ایک میز پر بیٹھا مل گیا۔

''میں وقت سے کچھ لیٹ ہو گئی ہوں۔''

''کوئی بات نہیں میڈم......! ہم اس قسم کے کاروبار میں اسی وقت یقین کرتے ہیں جب مسئلہ حل ہو جائے۔''

''کیا میں اُٹھوں......؟''

''وہ آ گیا ہے۔''

''لیکن کیا سودا اتنا ہی قیمتی ہو گا کہ ایک فیصد میرے لئے قابل قبول ہو......؟''

''یقیناً......! یا پھر تم اگر چاہو تو کسی مخصوص رقم کا تعین کر لو۔''

''دس ہزار......!''

وہ انیشا کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''منظور......! لیکن نقصان کے ذمے دار تم خود ہو گے۔''

''ارے واہ......! اتنی بڑی بات ہے تو ٹھیک ہے۔ لیکن کم سے کم دس ہزار اور اگر سودا بڑا ہوا تو میرا ایک فیصد......!''

''چلو چلو، گاڑی ہے تمہارے پاس......؟''

''ہاں......!''

تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک پرانی فورٹ کے نزدیک پہنچ گئے۔ دراز قاصد اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہماری منزل ایک خوب صورت ہوٹل تھی۔ دراز قاصد نے کلائی میں بندھی گھڑی پر وقت دیکھا اور ہمیں لئے ہوئے لفٹ میں داخل ہو گیا۔ لفٹ نویں منزل پر رک گئی۔ کوریڈور عبور کرنے کے بعد ہم ایک خوب صورت کمرے کے دروازے پر رک گئے۔ دراز قاصد آدمی نے آہستہ سے دستک دی تو اسے اندر آنے کی اجازت مل گئی اور ہم تینوں کمرے میں داخل ہو گئے۔

وسیع و کشادہ کمرے میں ایک شخص آرام دہ کرسی پر دراز تھا۔ عمدہ قسم کے گاؤن میں ملبوس، پُررعب اور پُروقار شخصیت کا مالک، اُنگلیوں میں قیمتی انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔ اس نے پُروقار انداز میں ہم لوگوں سے بیٹھنے کے لئے کہا، پھر بولا۔

''ہاں بولو......!''

''مہمان لے کر حاضر ہوا ہوں طاہر جنیدی......! یہ لڑکی اپنا نام انیشا بتاتی ہے اور آپ سے کوئی سودا کرنا چاہتی ہے۔''

طاہر جنیدی نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ کر کہا۔

''بہتر ہے کہ دس منٹ کے اندر تمام گفتگو مکمل ہو جائے، کیونکہ بیس منٹ کے بعد ایک اور پارٹی مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔''

''ٹھیک ہے مس انیشا......! آپ بات کیجئے۔''

دراز قاصد نے کہا۔ انیشا نے اپنے اندرونی لباس سے چمڑے کی چھوٹی سی تھیلی نکالی اور اس کا منہ

کھول کر اسے طاہر جنیدی کے سامنے اُلٹ دیا۔ آٹھ انتہائی حسین اور نایاب ہیرے میز پر جگمگا رہے تھے۔ طاہر جنیدی نے بے پرواہی سے انہیں دیکھا۔ ان میں سے ایک ہیرا اُٹھایا، اسے روشنی میں کر کے دیکھتا رہا، پھر ایک ایک کر کے اس نے آٹھوں ہیرے چیک کئے اور انہیں واپس میز پر رکھ دیا۔

''کیا قیمت مانگتی ہیں آپ ان کی......؟''

''طاہر جنیدی کے بارے میں سنا ہے کہ وہ ایک ایماندار تاجر ہے۔ چنانچہ آپ ان کی جو قیمت لگائیں گے، مناسب ہی ہوگی۔''

''ہوں......!''

طاہر جنیدی نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ ایک الماری کے قریب جا کر اس نے تھوڑی دیر تک کوئی کارروائی کی، پھر ایک چرمی بریف کیس لے کر انیشا کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے بریف کیس کھول کر انیشا کے سامنے کیا۔ بریف کیس ڈالروں سے بھرا ہوا تھا اور یہ امریکی ڈالر تھے۔

''یہ رقم گن لیجئے اور اس سلسلے میں کسی بھی سودے بازی کی گنجائش نہیں ہے۔ میں نے ان کی مناسب قیمت لگا دی ہے۔''

میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''صرف آٹھ ہیروں کی اتنی بڑی قیمت......؟''

انیشا بھی کسی قدر بدحواس نظر آ رہی تھی اور دراز قاصد شخص کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا۔ انیشا نے کہا۔

''ٹھیک ہے......! مجھے رقم گننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میرے لئے اور کوئی خدمت ہو تو آپ مجھے ضرور یاد کیجئے۔ میں ابھی کم از کم تین دن یہاں موجود ہوں۔''

طاہر جنیدی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ انیشا نے اس سے مصافحہ کر کے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے بریف کیس سنبھال لیا۔ اسے بند کیا اور باہر نکل آئی۔ دراز قامت شخص پُرمسرت انداز میں تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ دفعتہً انیشا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''اس شخص سے ہوشیار شامی......!''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ مجھ پر تو سحر طاری تھا۔ میں غور کر رہا تھا کہ اگر طاہر جنیدی سے میرے ہیروں کا بھی سودا ہو جائے تو میری قدر و قیمت کیا ہوگی......؟

ہم ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ دراز قاصد نے کہا۔

''اب میرا حساب بھی ہو جائے۔''

''بولو......! کیا چاہئے......؟''

''صرف ایک گڈی میرے حوالے کر دی جائے، میرا کام ہو جائے گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے......!''

انیشا نے کہا اور پھر ایک سنسان سی جگہ دیکھ کر اس نے بریف کیس کھولا۔ اس دوران میں دراز قامت شخص پر نگاہیں جمائے رہا تھا۔ انیشا نے ایک گڈی نکال کر اس کے حوالے کر دی اور اس نے انیشا کا شکریہ ادا کیا اور بولا۔

''آپ کوئی بھی ہیں میڈم......! مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے، لیکن میں بھی وہی الفاظ دُہراؤں گا جب بھی میری خدمت کی ضرورت پیش آئے تو آپ مجھے یاد کر لیجئے۔''

''شکریہ......!''

انیشا نے کہا اور دراز قامت شخص وہاں سے رُخصت ہو گیا۔ انیشا کہنے لگی۔

''طاہر جنیدی کے بارے میں، میں نے یہ سنا تھا کہ وہ ایسا ہی کھرا سودا ہے اور چھوٹے چھوٹے سودے کیش کر لیتا ہے۔ آج میری مسرتوں کی حد نہیں ہے، لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ میں اس رقم کی حفاظت نہیں کر پاؤں گی۔ مجھے خوف ہے کہ وہ شخص ہمارا پیچھا نہ کرے۔''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا، بس مجھے بتاؤ میں کیا کروں......؟''

''کیا ہم فلیٹ میں واپس چلیں یا یہ رات کہیں اور گزاریں......؟''

''جیسا تم مناسب سمجھو......!''

میں نے جواب دیا۔ میں تو خود اپنے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ فوراً ہی طاہر جنیدی سے رابطہ قائم کروں اور اپنے ہیروں کا بھی سودا کر لوں۔ واقعی بڑی حیرت انگیز تجارت تھی۔

خیر......! ہم فلیٹ میں واپس آ گئے۔ انیشا نے بریف کیس ایک محفوظ جگہ چھپا دیا۔ دولت بڑی عجیب شئے ہے۔ میں بھی رات بھر کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو صبح کو اس فلیٹ سے انیشا کی لاش برآمد ہوتی اور نوٹوں کا بریف کیس غائب، لیکن انیشا بھی عجیب لڑکی تھی۔ نہایت بے پرواہی سے سو گئی تھی۔

صبح کو جب اس نے حسب معمول مجھے ناشتہ پیش کیا تو اس کا چہرہ فرطِ مسرت سے گلنار ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''تم کچھ بھی کہو احتشام......! میں اب تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔ میں یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔ میں دُنیا کی خوش نصیب ترین عورت ہوں۔ کاش میں یہاں سے زندہ نکل سکوں۔''

''لیکن انیشا......! میں تم سے معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ تم ان نوٹوں کے ساتھ کہیں اور قیام کرو یا پھر

میں یہ فلیٹ چھوڑ دیتا ہوں کیونکہ میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔‘‘

’’نہیں ڈیئر......! یہ نوٹ تو میں آج ہی بینک میں جمع کرا دیتی ہوں اور یہاں سے سفر کروں گی تو جہاں بھی جاؤں گی، وہاں سے رقم وصول کرلوں گی، لیکن تم نے یہ کیا بات کہی......؟ ہم ساری زندگی اس دولت سے عیش کرسکتے ہیں۔ میں تمہارے لئے ایک بہت اچھی ساتھی ثابت ہوں گی، تم مجھے پسند ہو احتشام......!‘‘

’’معافی چاہتا ہوں، میں ان راستوں کا راہی نہیں ہوں۔ آپ یہ رقم محفوظ کیجئے، ہماری ملاقاتیں اس کے بعد بھی ہوتی رہیں گی۔‘‘

’’لیکن میری بات پر غور کرنا۔ مجھے مسرت ہوگی۔‘‘

دن کو دس بجے انیشا چلی گئی اور میں بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

’’کیا کروں......؟ طاہر جنیدی سے کس طرح رابطہ قائم کروں......؟‘‘

کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ چند لمحات کے بعد تیار ہو کر نکلا تو مجھے یوں لگا جیسے لاکھوں آنکھیں میری نگرانی کر رہی ہوں۔ میں گھبرا کر واپس پلٹ آیا۔ پھر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا۔ بینکوں کا ٹائم ختم بھی ہوسکتا تھا۔ وہ شخص جس کا نام طاہر جنیدی تھا، مجھے زبردست انسان لگا تھا اور اس کے کاروبار کا طریقہ بھی بہت شاندار تھا۔

بہرحال پہلے یہی موزوں تھا کہ میں بینک سے ہیرے نکال لوں، چنانچہ میں ایک بار پھر فلیٹ سے باہر نکل آیا اور سفر کرتا ہوا دُور تک پہنچ گیا۔ پھر ٹیکسی لے کر اس ہوٹل کی جانب چل پڑا جہاں ایک کمرے کے پلنگ کے پائے کے نیچے لاکر کی چابی محفوظ تھی۔ کمرہ ابھی تک میرے پاس ہی تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں ہوٹل پہنچ گیا۔ کاؤنٹر سے چابی لی اور دھڑکتے دل کے ساتھ کمرے میں داخل ہوگیا۔ دروازہ بند کر کے میں نے پلنگ کا پایہ اُٹھایا، ربڑ کا ٹیپ نکالا اور چابی کے گرنے کا انتظار کرنے لگا، لیکن دفعتہً ہی میرا سر چکرا کر رہ گیا۔ کیونکہ چابی پائے سے نیچے نہیں گری تھی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے پلنگ کو دیکھتا رہا۔

پھر زور زور سے اسے زمین پر پٹخا ار کاغذ کا ایک سفید کونا پائے کے خول سے نیچے جھانکنے لگا۔ میں نے برق رفتاری سے کونا پکڑا اور کاغذ کو باہر کھینچ لیا۔ مُڑے تُڑے کاغذ کو کھولا تو اس پر ایک تحریر لکھی ہوئی تھی۔ میں نے اس تحریر کو پڑھنا شروع کیا۔

’’تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں ددست کے نام سے پکارا جائے۔ پہلے ہی تمہاری خواہش پر تمہیں مخاطب کرنا بھی چھوڑ دیا ہے، اب تمہارے قریب بھی نہیں آتا، لیکن کیا کروں......؟ نہ جانے کیوں میرے دل میں ایک ہمدردی سی ہے تمہارے لئے، کیونکہ تم نے مجھے ٹوٹی حویلی میں قید سے آزادی دلائی تھی۔

میں تمہارے پاس آ کر تم سے بات بھی کرسکتا تھا، لیکن تم نے جس نفرت کا سلوک میرے ساتھ کیا ہے، وہ اب مجھے تمہارے پاس نہیں آنے دیتی۔ لیکن میں اس احسان کے بدلے میں جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا، تمہیں مصیبت سے نکالنا چاہتا ہوں۔

سنو بے وقوف......! وہ شخص جو تم سے ملا تھا، وہ ایک بہت بڑا اسمگلر ہے۔ بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بڑا دھوکے باز۔ دورانِ سفر جب تم اس سے گفتگو میں مصروف تھے، تو اس نے ہیروں کا وہ پیکٹ تمہاری جیب میں محفوظ کر دیا تھا۔ کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ اس کی تلاشی ہوگی اور ایسا ہی ہوا، وہ گرفتار ہوگیا۔ لیکن اس نے اپنے ساتھیوں کو تمہارے بارے میں بتا دیا۔

اتفاق تھا کہ تم نے وہ جگہ چھوڑ دی اور روم سے استنبول پہنچ گئے۔ یہاں تم سے ہیروں کے بارے میں پوچھ گچھ کی گئی اور تم نے انکار کر دیا، لیکن وہ مطمئن نہیں ہوئے اور سائے کی طرح پیچھے لگے رہے۔

جب کافی کوشش کے باوجود انہیں تمہارے پاس سے ہیروں کا سراغ نہ مل سکا تو انہوں نے انیشا نامی لڑکی کو تمہارے پیچھے لگا دیا۔ انیشا نے آبی محل میں تمہاری مدد حاصل کرنے کے لئے ڈرامہ کیا اور اس میں کامیاب ہوگئی۔ تم اسے لے کر فلیٹ میں چلے گئے اور حالات اس کے موافق ہوتے چلے گئے۔

اس نے تمہیں ہیروں کی کہانی سنائی صرف اس لئے کہ تمہیں ہیروں کے ایک تاجر کا پتا چل جائے، جس کے ہاتھ تم ان ہیروں کا سودا کرسکو۔ انہوں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ تم ہیرے ساتھ لئے نہیں پھرو گے بلکہ انہیں ٹھکانے لگانے کی کوشش کرو گے اور انہوں نے تمہاری زبان کھلوانے کے لئے یہی طریقہ مناسب سمجھا۔

لڑکی نے تمہارا اعتماد حاصل کرلیا اور تمہارے ساتھ ہیروں کے اس تاجر سے ملی اور تاجر نے بہت بڑی رقم ادا کر کے وہ ہیرے خرید لئے۔ مقصد یہی تھا کہ ان کے لئے تمہارے راستوں کو آسان کر دیں اور ہیرے لے کر تم آخر اس شخص کے پاس پہنچ جاؤ جو تمہاری دانست میں ہیروں کا سوداگر ہے۔ لیکن حقیقت میں نہیں ہے۔ وہ سب ایک گروہ کے لوگ ہیں۔ لڑکی تمہاری طرف سے غافل نہیں ہے۔ اس وقت بھی کئی افراد تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ اس وقت تک انتظار کریں گے جب تک تم طاہر جنیدی سے نہ ملو۔

میں نے اسی ہمدردی کے تحت تمہیں ان تمام چیزوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ البتہ یہ ضروری سمجھا میں نے کہ وہ چابی تمہارے پاس سے غائب کر دوں ورنہ وہ ہیرے تمہارے لئے عذاب بن سکتے ہیں۔

سنو......! میرے عجیب وغریب دوست......! تم نے میری دوستی کھو کر کیا پایا......؟

خیر......! میرا کام بس اتنا سا تھا کہ میں تمہاری نگاہوں سے دُنیا دیکھنا چاہتا تھا۔ میں اب بھی ایسا ہی کر رہا ہوں۔

خیر چھوڑو......! اب یہاں سے نکلو، جہاں دل چاہے جاؤ۔ وہ لوگ تمہارا پیچھا کریں گے اور کہیں نہ کہیں تم سے ملاقات ضرور کر لیں گے۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا حماقت ہے۔ میں بھی تمہیں سزا دینا چاہتا ہوں اور یہ بھی ایک سزا ہی ہے تمہارے لئے۔ اگر میں چاہتا تو ان ہیروں کی حفاظت بھی کر سکتا تھا اور تمہاری ہر خواہش پوری کرا سکتا تھا لیکن تم اس قابل نہیں ہو۔ بھٹکتے رہو دُنیا میں اور اپنے لئے راستے تلاش کرو۔ کیونکہ دوستوں کی دوستی ٹھکرانے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

ابرانوس......!''

میرے ہاتھ پاؤں کی جان نکل گئی تھی۔ تحریر کے دُھندلے لفظ میری آنکھوں کے سامنے ناچ رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ دیواروں سے سر پھوڑ کر مر جاؤں، لیکن اس کے ساتھ ہی میرے دل میں اس انوکھے جن کے بارے میں نفرت کا احساس اُبھرا۔ میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے ابرانوس......! دیکھتا ہوں کہ تو میرے کتنے راستے روکتا ہے......؟ میں کسی قیمت پر تیری دوستی کو قبول نہیں کروں گا۔''

میں نے اس کاغذ کے پُرزے پُرزے کر کے غسل خانے کے واش بیسن میں بہا دیئے لیکن جو تحریر پڑھی تھی، اس کا ایک ایک لفظ میرے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا۔ میں ایک آزاد زندگی کا خواہاں تھا۔ اگر ہیرے فروخت ہو جاتے اور مجھے ان کی صحیح قیمت مل جاتی تو پتا نہیں میں کون سی راہیں اختیار کرتا......؟ لیکن کوئی بات نہیں۔ وہ مجھ سے گریز کر رہا تھا۔ میں بھی دیکھتا ہوں کہ اس کے بغیر میری زندگی کیسے اُدھوری رہتی ہے......؟

میں یہ جان چکا تھا کہ میرے دُشمن اب بھی میری تاک میں ہیں، لیکن میرے لباس میں اب ایک خوف ناک کاربائن چھپا ہوا تھا اور میرا ذہن آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ اب اگر کسی نے میرا راستہ روکنے کی کوشش کی تو وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور انیشا......! تجھے تو میں اس طرح سے بتاؤں گا کہ تو تصور بھی نہیں کر سکتی۔

اپنے ذہن کو میں نے بمشکل قابو کیا۔ چہرے اور آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے اور اس کے بعد میں ہوٹل سے باہر نکل آیا۔

باطش چنگیزی ایران جا کر اگر کوئی کارروائی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ بہت ہی آگ سلگ رہی تھی وجود میں۔ ہوٹل کے کمرے سے باہر نکل کر میں نیچے آیا اور سڑک پر پیدل چلنے لگا۔ میری نگاہیں خونی انداز میں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔

بہر طور کچھ دیر کے بعد میں فلیٹ پر پہنچ گیا۔ ہر طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں......؟ اب تو رقم بھی بہت تھوڑی سی رہ گئی تھی۔ ترکی میں رہ کر کیا کروں گا......؟ اور کس طرح اپنے لئے وسائل تلاش کروں گا......؟ سوائے اس کے کہ لوٹ مار شروع کر دوں۔

بہر حال اس بات کا بھی احساس تھا کہ غلطی میری ہی ہے، میں جگہ جگہ نقصان اُٹھا رہا ہوں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہئے۔ اگر کوئی دوست بننے کی کوشش کرے تو پہلے اس کی حقیقت جان لی جائے۔ انیشا نے جو ڈرامہ کیا تھا، اس کے لئے دل بری طرح جھلس رہا تھا۔

ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ ابرانوس کی داستان بھی بالکل صحیح تھی۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو اب انیشا میری جانب رُخ بھی نہیں کرے گی۔

ساری رات بے کلی میں گزر گئی۔ سارا پروگرام درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ لوگ اب بھی میری طاق میں ہوں گے۔ بہر طور یہ بھی صحیح ہے کہ میں ابرانوس کی مدد سے بروقت ہوشیار ہو گیا تھا۔

اگر کسی طرح ہیرے لے کر وہاں تک پہنچ جاتا یا کم از کم اسے یہی معلوم ہو جاتا کہ ہیرے میرے پاس موجود ہیں تو پتا نہیں کیا ہوتا......؟

خیر......! تیاریاں کیں، لباس پہنا، کاربائن اندرونی جیب میں چھپایا۔ اب میرے اوپر خاصا جنون طاری ہو گیا تھا۔ جھلستے ہوئے وجود کو لے کر میں فلیٹ سے باہر نکل آیا اور ایک ریسٹوران میں جا کر ناشتہ کیا۔ بہت دیر تک وہاں بیٹھا رہا۔

پھر تفریحی مقامات کا ایک نقشہ خرید کر اس کا جائزہ لیا اور شام تک یوں ہی گھومتا رہا۔

گینس کے فلیٹ میں پہنچ کر پھر میں چپ چاپ بستر پر دراز ہو گیا لیکن کچھ ہی دیر کے بعد میں نے دروازے پر دستک سنی۔ دروازہ کھلا تو گینس کھڑی مسکرا رہی تھی۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''ہیلو گینس......!''

''ہیلو......!''

وہ اندر آ گئی۔ گینس نے اپنا چھوٹا سا بیگ ایک طرف اُچھال دیا اور میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کیسا وقت گزرا شامی......؟''

''بہت عجیب......!''

"انیتا کہاں ہے......؟"

"جہنم میں......!"

میں نے جواب دیا اور گینس چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"مطلب......؟"

"وہ جرائم پیشہ گروہ کی فرد نکلی۔"

"کیا کہہ رہے ہو......؟"

"ہاں گینس......! ایسا ہی ہے۔"

"مجھے بھی تو بتاؤ کہ کیا چکر ہے یہ......؟"

"بتادوں گا پہلے تم یہ بتاؤ کہ ایران سے اتنی جلدی کیسے واپس آگئیں......؟"

"بہت اعلیٰ پیمانے پر کارروائی شروع ہوئی تھی۔ میرا مقدمہ عدالت تک پہنچ گیا اور بیان بھی درج کر لیا گیا۔ اب باطش چنگیزی کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے، لیکن میرے وکیل نے میرا وہاں رہنا پسند نہیں کیا۔ مجھے......؟ اور مجھے واپس ترکی پہنچا دیا۔"

"ہوں......! تمہیں ایک اطلاع دے دوں، میں خود بھی سنسنی محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیا......؟"

"باطش چنگیزی یہاں پہنچ گیا تھا اور اتفاق سے میری اس سے مڈبھیڑ بھی ہوگئی۔"

"اوہ مائی گاڈ......! پھر کیا ہوا......؟"

گینس نے خوف زدہ سے لہجے میں پوچھا اور میں نے اسے پوری تفصیل بتا دی۔ گینس عجیب سے انداز میں مجھے دیکھتی رہی پھر خوف زدہ انداز میں ہنس پڑی۔

"گویا وہ میری تلاش میں اب ایران گیا ہوگا......؟ خیر......! یہ تو اچھی بات ہے۔ اسے کم از کم حقیقت کا علم ہوگیا ہوگا۔"

"لیکن گینس......! اسے یہ بھی تو پتا چل چکا ہے کہ تم استنبول میں ہو۔"

"ہاں ڈیئر......! یہ تو ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ ہم کیا کریں......؟ ہمیں اپنے تحفظ کا بندوبست کرنا چاہئے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں گینس......! کہ اب تم اس فلیٹ کو چھوڑ کر اپنے لئے کوئی اور جگہ تلاش کرو۔"

"کیا میں امامہ اشرفی سے رابطہ قائم کروں......؟"

"نہیں......! یہ مناسب نہیں ہوگا۔ فلیٹ کی دیکھ بھال جاری رہے گی۔ بلکہ اگر تم اجازت دو تو میں ہی چند روز تمہارے فلیٹ میں قیام کرلوں۔ باطش چنگیزی کو تمہارے بارے میں مکمل علم ہوگیا ہوگا اور وہ دوبارہ

تمہاری تلاش میں یہاں پہنچے تو کم از کم میری اس سے ملاقات تو ہو جائے گی۔ میں اس سے یہی کہوں گا کہ ابھی تک تمہاری واپسی نہیں ہوئی اور تم شاید ایران میں ہی ہو۔"

گینس کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے......! میں کسی درمیانے درجے کے ہوٹل میں بندوبست کر لیتی ہوں اور پھر تمہیں فون کر کے اس کے بارے میں بتادوں گی۔"

"ٹھیک......!"

گینس نے ایک سوٹ کیس میں چند کپڑے رکھے اور پریشانی کے عالم میں وہ مجھ سے انیتا کے بھی بارے میں تفصیلات پوچھنا بھول گئی تھی۔ میں نے اسے دروازے پر خدا حافظ کہا اور وہ باہر نکل گئی۔

بس......! میں نے جو ذہن میں آیا تھا، کر ڈالا تھا۔ مجھے شک تھا کہ باطش چنگیزی دوبارہ یہاں پہنچ جائے گا۔ بہرطور وہ چلی گئی اور میں پھر یہاں تنہا رہ گیا۔ میرا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ اب میں بھی استنبول چھوڑ دوں، لیکن کہاں جاؤں......؟ بہت دیر تک سوچتا رہا، یہاں تک کہ رات کی تاریکی پھیل گئی۔

میں گہری سانس لے کر اُٹھا۔ بتیاں روشن کیں اور پھر کچن میں جا کر کھانے پینے کی اشیاء تلاش کرنے لگا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی اور میں چونک پڑا۔ ابھی تک گینس کا فون نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے، وہی واپس آئی ہو۔

دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے جب دروازہ کھولا تو سب سے پہلے نظر آنے والی چیز دو ریوالوروں کی نالیں تھیں جو میری جانب اُٹھی ہوئی تھیں۔ میرے عین سامنے ایک اچھے بدن کا مالک ترک نوجوان نظر آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے جو شخصیت نظر آئی، اسے دیکھ کر میری آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئیں۔

یہ شخص وہی تھا جس کے بارے میں مجھے پتا چلا تھا کہ یہ اسمگلر ہے، لیکن اس وقت اس کے چہرے پر وہ نرمی نہیں تھی جو پہلے نظر آئی تھی۔ ترک نوجوان نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے پیچھے دھکا دیا اور اس کے بعد وہ دونوں اندر داخل ہوگئے۔

میرے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ پروفیسر نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ ترک نوجوان پیچھے سے میری قمیص کا کالر پکڑ کر مجھے دھکیلتا ہوا اندر لے آیا۔ پروفیسر نے اسے اشارہ کیا، خود ریوالور تان کر کھڑا ہوگیا۔ نوجوان فلیٹ کی تلاشی لینے میں مصروف ہوگیا تھا۔ اس نے ایک ایک چیز اُلٹ پلٹ کر دیکھی۔ اس دوران پروفیسر خاموش ہی کھڑا رہا تھا۔

جب ترک نوجوان اندر داخل ہوا تو پروفیسر نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور ترک نوجوان نے گردن ہلا دی۔ گویا وہ یہ بتا رہا تھا کہ فلیٹ میں اور کچھ نہیں ہے۔ پروفیسر کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں مائی ڈیئر احتشام......! کہ تم ایک شریف آدمی ہو۔ لیکن امانت میں خیانت کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ ہیرے میری ملکیت ہیں، وہ تمہیں واپس کرنے ہی پڑیں گے، اور سنو......! یہ بالکل نہ کہنا کہ ہیرے تمہارے پاس نہیں ہیں۔ کیا سمجھ رہے ہو......؟

ہاں......! اگر تم تعاون کرو گے تو تمہیں کچھ نہ کچھ رقم ضرور دے دی جائے گی۔ وہ بھی اس لئے کہ تم نے ایک محافظ کا کردار ادا کیا ہے۔"

"پروفیسر......!"

میں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کہہ لو تم مجھے پروفیسر......! لیکن میرے دوست......! بعض اوقات زندگی کے راستے بالکل مختلف سمت بدلنا پڑتے ہیں۔ میں تفصیل میں نہیں جاتا، مجھے بتاؤ ہیرے کہاں ہیں......؟"

☆......☆......☆

"تمہارے آدمی پہلے بھی مجھ سے ہیروں کے بارے میں معلومات حاصل کر چکے ہیں، لیکن میں نے انہیں یہی بتایا ہے کہ ہیرے میرے پاس نہیں ہیں۔ کیا تم نے وہ ہیرے مجھے امانت کہہ کر دیئے تھے......؟"

"فضول باتوں سے گریز کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اگر تم ہیرے میرے حوالے کر دو تو نہ میرا وقت ضائع ہوگا اور نہ تمہارا۔ یہ بات میں نہیں مان سکتا کہ وہ ہیرے اب تمہارے پاس نہیں ہیں۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ، ویسے واقعی تم نے مجھے بہت زبردست دھوکہ دیا تھا۔"

"دیکھو، دولت کے لئے زندگی داؤ پر نہیں لگاتے۔ میرا کہنا مان لو، ورنہ اس پستول میں موجود تمام گولیاں تمہارے بدن میں اُتر جائیں گی۔ ہیرے میرے حوالے کر دو۔"

"اور اب میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں پروفیسر......! کہ تمہارا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے۔"

"چلو اسے سنبھالو......!"

پروفیسر نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے ترک نوجوان سے کہا اور وہ میرے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس نے میرا گریبان پکڑ کر ایک جھٹکا دیا، لیکن ان لوگوں کو میرے ذہنی بحران کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ میں اس وقت مرنے مارنے کی کیفیت کا شکار تھا۔

ترک نوجوان نے جیسے ہی مجھ پر ہاتھ ڈالا، میں نے دونوں ہاتھ پوری قوت سے کھڑے ہو کر اس کی گردن پر مارے اور پھر اسی وقت سے اسے پروفیسر پر دھکیل دیا۔

پروفیسر کی اُنگلی پستول کے ٹریگر پر تھی اور غالباً ٹریگر غیر اختیاری طور پر ہی دب گیا تھا۔ کیونکہ دوسرے لمحے پستول سے نکلنے والی گولی ترک نوجوان کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر پیوست ہوگئی۔ پروفیسر نے جلدی سے پیچھے ہٹ کر دوسرا فائر کر دیا۔ مگر میں سنبھل چکا تھا۔ چنانچہ میں پیوست ہوگئی۔ کاربائن میرے پاس بھی موجود تھا اور میں ذرا سی کوشش کر کے اسے نکال سکتا تھا لیکن میں اس پروفیسر کو ابھی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ اسے زندہ پکڑ کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔

پروفیسر نے ایک بار پھر اپنی جگہ تبدیل کی اور دو، تین قدم آگے بڑھ کر ایک اور گولی چلائی، جو بہر طور

دیوار میں ہی لگی تھی۔ پھر وہ نیچے جھک کر آڑ کرلیتا ہوا دروازے کی طرف سرکنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ باہر گولیوں کی آواز سن لی گئی ہوگی اور چند ہی لمحات کے بعد ہنگامہ شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے بھی پروفیسر کو پکڑنا چاہتا تھا لیکن وہ کم بخت انتہائی چوکنا ہو گیا۔ اس نے آخری فائر دروازے کے قریب پہنچ کر کیا اور باہر چھلانگ لگا دی۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ میرے ہاتھ اس کی پشت پر پڑے۔ وہ اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر نیچے گرا اور میں نے پوری قوت سے اسے جھٹکا دے کر نیچے گرا دیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے میرے پیٹ پر اتنی زور کی ٹھوکر ماری کہ مجھے اپنی پسلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اگر میں فوراً سنبھل کر پیچھے نہ ہٹ جاتا تو اس کی دوسری ٹھوکر میرے منہ پر لگتی۔

وار خالی جانے سے وہ چکرا گیا تھا، لیکن اس کی پھرتی اور لڑنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس قسم کی لڑائی کا ماہر ہے۔ وہ اُچھلا اور اس بار اس نے دونوں ٹانگیں میرے میرے سینے پر جوڑ کر مارنا چاہیں، لیکن یہ بھی میری خوش قسمتی تھی کہ میں اپنا توازن نہ سنبھال پایا اور ایک طرف لڑھک گیا۔

پروفیسر نیچے آیا تو میرے ہاتھوں کی دسترس میں تھا۔ میں نے اس کے منہ پر زوردار ہاتھ جڑ دیا، جس سے وہ بے اختیار کراہ اُٹھا لیکن اس جیسا پھرتیلا آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے اس نے پلٹ کر میرے منہ پر بھی ٹھوکر ماری، اور میرے ہونٹوں سے خون کی لکیر پھوٹ گئی۔ میں اپنے آپ کو سنبھال بھی نہ پایا تھا کہ دروازے سے چھلانگ مار کر باہر نکل گیا۔

مجھے چوٹ ضرور لگی تھی لیکن میں نے اس سے ہار نہیں مانی۔ جب میں باہر نکلا تو پروفیسر کا کوئی پتا نہیں تھا۔ البتہ آس پاس کے فلیٹوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور لوگ صورتِ حال جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ گولیوں کی آواز کے ساتھ ہی پولیس کو بھی اطلاع مل گئی تھی۔ کیونکہ چند ہی لمحات کے بعد عمارت کے نچلے حصے میں پولیس گاڑیوں کے سائرن سنائی دیئے۔

صورتِ حال بہت خوف ناک ہوگئی تھی۔ فلیٹ میں ایک لاش موجود تھی، جو ایک مقامی شخص کی تھی اور قاتل فرار ہو چکا تھا۔ میرے لئے گلوخلاصی ممکن نہیں تھی۔ بھاگنے کی کوشش بھی کرتا تو کہاں جاتا......؟ راستے بند تھے، مجھے پکڑ لیا جاتا، ابھی اسی سوچ میں گم تھا کہ پولیس کے افراد دوڑ کر اوپر آ گئے۔

ایک پولیس آفیسر نے پھرتی سے صورتِ حال کا اندازہ کیا اور اپنا سروس پستول نکال کر اس کا رُخ میری جانب کر دیا۔ میں نے فوراً ہی دونوں ہاتھ بلند کر دیئے تھے۔ میرے ہاتھ بلند ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے فلیٹوں سے باہر نکل آئے۔ آفیسر نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ میری پشت پر کس دیئے۔ وہ لوگوں سے سوالات کرنے لگا کہ فائرنگ کون سے فلیٹ میں ہوئی تھی۔

بہرحال انہیں پتا چل گیا۔ اتفاق کی بات یہ کہ اس وقت میرے پاس کاربائن بھی موجود تھا اور

میرے فلیٹ میں لاش بھی موجود تھی۔ چنانچہ پولیس آفیسر کو مجھے گرفتار کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ پولیس نے فلیٹ کو بھی قبضے میں لے لیا تھا اور اس کے بعد مجھے پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر پولیس اسٹیشن لے جایا جانے لگا۔

میرے ساتھ ایک مجرم جیسا سلوک کیا جا رہا تھا۔ مجھے پولیس اسٹیشن میں لکڑی کی ایک بینچ پر بٹھا دیا اور وہ لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ میری حالت کافی خراب ہوگئی تھی۔ پھر میں نے دو کانسٹیبلوں کو دیکھا، جو میری طرف آ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑا اور پولیس آفیسر کے دفتر میں لے گئے، جہاں وہ ایک میز کے پیچھے بیٹھا کولڈ ڈرنکس پی رہا تھا۔ اس نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا۔

''قاتل......! خوفناک قاتل......!''

میں سرد نگاہوں سے پولیس آفیسر کو دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

''ہاں دوست......! اب تم خود ہی اپنے بارے میں تفصیلات بتا دو۔ ہم نے اس فلیٹ کے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ وہ فلیٹ ایک لڑکی کا تھا جو ایرانی نسل کی ہے۔ لڑکی کا نام کیا ہے......؟''

''گینیس......!''

میں نے جواب دیا۔

''گڈ......! تمہارا نام کیا ہے......؟''

''احتشام......!''

میں پھر بولا۔

''لڑکی سے تمہارا کیا تعلق تھا......؟''

''وہ میری دوست ہے۔''

''کہاں ہے وہ اس وقت......؟''

''میں نہیں جانتا۔''

''مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ وہ مجھے بتائے بغیر گئی ہے۔''

''جس آدمی کو تم نے قتل کیا، وہ کون تھا......؟ اور اس سے تمہاری کیا دشمنی تھی......؟''

'میں نے اسے قتل نہیں کیا، قاتل ایک اور شخص تھا، جو اس کے ساتھ آیا تھا، لڑکی کی تلاش میں تھا۔''

میں نے جواب دیا لیکن اچانک ہی میرے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا اور میں نے فوراً ہی سے اس پر عمل بھی کر ڈالا۔

''تفصیل سے بتاؤ۔''

"لڑکی میری شناسا تھی جناب......! یہیں استنبول میں میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ برے کردار کی مالک نہیں تھی، لیکن مجھ سے کچھ اور چاہتی تھی۔ میں ایک ہوٹل میں مقیم تھا۔ اس نے مجھے اپنے فلیٹ پر آنے کی پیش کش کی اور مجھے اپنے ساتھ لے آئی۔ آپ یہ بات آس پاس رہنے والوں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ لڑکی کی مصروفیات میرے لئے نامعلوم تھیں۔ بعد میں اس نے بتایا کہ باطش چنگیزی نامی ایک شخص اس کا دُشمن ہے اور اسے اغواء کرنا چاہتا ہے، اس کی وجہ اس نے نہیں بتائی تھی۔ کیونکہ میں تو بہرطور اس کے لئے ایک شناسا کی حیثیت رکھتا تھا۔"

"پھر اس وقت یہ دونوں فلیٹ پر آئے، دوسرا آدمی کافی خطرناک معلوم ہوتا تھا، ان دونوں کے پاس پستول بھی موجود تھے۔ انہوں نے پستول میری طرف تان لئے اور مجھ سے لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگے۔ آپ یقین کیجئے، میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے......؟ لیکن وہ خطرناک آدمی مجھ پر بگڑ گیا اور اس نے پستول سے مجھ پر فائر کر دیا۔ میں نے صرف بچاؤ کے لئے اس شخص کو ڈھال بنایا تھا، جو اس کا ساتھی تھا۔ چنانچہ گولی اس کے لگ گئی، اس کے بعد اس نے کئی فائر کئے۔ میرا اپنا پستول آپ کے قبضے میں ہے۔ آپ جائزہ لے لیجئے، اس سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی۔"

"جائزے تو لے لئے جائیں گے، لیکن تمہاری کہانی بہت اچھی ہے۔ فلیٹ سے تمہارے مختصر سامان کے ساتھ کاغذات بھی دستیاب ہو چکے ہیں۔ تم ایران سے یہاں پہنچے ہو......؟"

"جی......!"

"ایرانی ہو......؟"

"نہیں......! میں عرصے سے ایران میں رہ رہا تھا، لیکن میرا تعلق ایک اور ملک سے تھا۔"

"ایران میں تم کیا کرتے تھے......؟"

"کچھ نہیں......! آپ میرے کاغذات سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میں تو بس ٹورسٹ ہوں۔"

"لیکن تمہارے کاغذات سے یہ تو پتا نہیں چل سکتا کہ تم ایران سے پہلے کہاں تھے......؟ ٹھیک ہے، خیر......! لیکن ایک بات کہوں، ایک مشورہ دوں......؟"

"جی......!"

"اصل بات بتا دو......!"

"اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہارے کاغذات سے پستول کا لائسنس نہیں ملا۔ یہ پستول تمہارے پاس کہاں سے آیا......؟"

"لڑکی نے ہی مجھے دیا تھا۔ میرا مطلب ہے، گینس نے۔"

"میں تمہاری باتوں پر یقین نہیں کر سکتا۔"

"مجھے افسوس ہے۔ آپ میرے بارے میں معلومات حاصل کر لیجئے۔"

"ہاں......! کریں گے اور اچھی طرح کریں گے۔"

اس نے کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا اور مجھے لاک اَپ میں پہنچا دیا گیا۔ میں ایک گہری سانس لے کر لاک اپ میں آ بیٹھا۔

"پتا نہیں کیا ہوگا......؟ مجھ پر ایک آدمی کے قتل کا مقدمہ چلے گا اور نتیجہ......؟"

"نتیجہ سزائے موت......!"

"جہنم میں جائے، جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

کئی بار ابرانوس کا خیال آیا لیکن اس کو ذہن سے نکال دیا۔ ویسے ابرانوس نے کہا تھا کہ انیشا، طاہر جنیدی کی ساتھی تھی۔

"آہ......! اگر میں ایسا کوئی کام کرتا تو وہ بھی میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔"

مجھے پھر دوبارہ ابرانوس کا خیال آیا اور میرے ذہن میں اس کے لئے نفرت اُبھر آئی۔ لاک اَپ میں بیٹھے ہوئے کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔ چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پھر لاک اَپ کا دروازہ کھولا گیا اور سپاہیوں نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں باہر آ گیا تھا، وہی انسپکٹر بیٹھا ہوا تھا جو مجھے گرفتار کر کے لایا تھا، لیکن مجھے دیکھ کر وہ مؤدب انداز میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"اوہ......! سر......! آپ......؟ میں معافی چاہتا ہوں، معافی چاہتا ہوں میں آپ سے۔"

"جی......!"

میں نے حیرت سے انسپکٹر کی صورت دیکھی۔

"آپ بہت بڑی شخصیت ہیں جناب......! براہ کرم تشریف رکھیں، مجھے بلا لیا ہوتا۔"

پتا نہیں انسپکٹر طنز کر رہا تھا یا مذاق اُڑا رہا تھا......؟ یا پھر رات کے وقت اسے صحیح طور پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔

"آپ تشریف تو رکھئے، مجھ سے کوئی کام ہے۔"

"آپ......آپ کیا سمجھ رہے ہیں......؟ کیا سمجھ رہے ہیں آپ......؟"

"ج......جی......! میں آپ کا خادم ہوں، میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے......!"

"نہیں شکریہ......! بس میں باہر جانا چاہتا ہوں۔"

میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"تو آپ کو کس نے روکا ہے سر......؟"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

"آیئے......! میں آپ کو جہاں چاہیں وہاں چھوڑ دوں۔"

کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ انسپکٹر میرے ساتھ اپنے دفتر سے باہر نکلا۔ پھر وہ باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔

"آپ کی گاڑی کہاں ہے......؟ سر......! کیا میں پولیس جیپ مہیا کر دوں......؟"

میری عقل کھوپڑی سے تین فٹ اوپر رقص کر رہی تھی۔ پتا نہیں کس احساس کے تحت میں اسے جواب دے رہا تھا......؟ میں نے اس سے کہا۔

"نہیں شکریہ......! میں چلا جاؤں گا۔"

"میرے لائق کبھی کوئی خدمت ہو سر......! تو آپ مجھے بتا دیا کریں۔"

اس نے مجھے خدا حافظ کہا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی پیچھے سے چند سپاہی دوڑیں گے اور مجھے لاک اَپ سے فرار ہونے کے الزام میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ جب میں پولیس اسٹیشن سے کافی دُور نکل آیا تو مجھے احساس ہوا کہ صورتِ حال واقعی ایسی ہی جیسی محسوس ہوئی تھی۔

اچانک ہی کیا ہو گیا تھا......؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد میں نے رفتار تیز کر دی اور پھر دوڑنا شروع کر دیا۔ یہ خیال تھا کہ اگر انسپکٹر کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو ابھی پولیس جیپیں میرے تعاقب میں دوڑ پڑیں گی۔ میں ان کے نرغے سے نکلنا چاہتا تھا۔ گینس کے بارے میں بھی نہیں معلوم تھا کہ کون سے ہوٹل میں مقیم ہے......؟ فلیٹ کی طرف رُخ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

بہرحال جو کچھ ہوا تھا، وہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ہر چند کہ رات کا وقت تھا، لیکن باہر رونقیں نظر آ رہی تھیں۔ ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں مجھے دوسری منزل پر ایک کمرہ حاصل ہو گیا۔ دل و دماغ کا خدا ہی حافظ تھا۔ ابھی تک یہی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے......؟ ایک خواب سا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر میں مسہری پر جا لیٹا، دونوں ہاتھ اپنے گھومتے ہوئے سر کے نیچے رکھ لئے اور کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نیند کی دیوی نے مجھ پر احسان کیا اور صبح تک کے لئے تمام فکروں سے آزاد کر دیا۔

صبح کو سورج کی کرنوں نے ایک روشن دان سے داخل ہو کر مجھے جگایا اور رات کے واقعات یاد آ گئے۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا، نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا تھا کہ ابھی پولیس آنے والی ہو گی۔

"خدارا......! میں کس عذاب میں گرفتار ہو گیا۔ گینس کو کیسے تلاش کروں......؟ اسے مجھے اطلاع تو دینی چاہئے تھی۔"

میں نے کرسی پر بیٹھ کر پھر ڈرتے ڈرتے روم سروس کا بٹن دبایا اور ویٹر کے آنے پر ناشتہ طلب کر لیا۔

"پتا نہیں کیا ہو گا......؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میری تصویر ایک مفرور قاتل کی حیثیت سے شائع ہو

جائے......؟ پتا نہیں کیا سارا چکر ہے......؟"

تمام دن میں نے ہوٹل کے کمرے میں گزارا۔ جو بیان میں نے پولیس انسپکٹر کو دیا تھا، اس میں بحالت مجبوری گینس اور باطش چنگیزی کی کہانی سنا دی تھی۔ اس سے شاید گینس کو کوئی نقصان پہنچ جائے، لیکن میں کر بھی کیا سکتا تھا......؟

پورا دن گزر گیا۔ رات ہو گئی۔ میں نے ہلکا سا کھانا کھایا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ذہن پر بحران سوار تھا۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ استنبول میں رہنا اب میرے لئے انتہائی تشویش ناک تھا۔ اس بار اگر میں ان لوگوں کے ہاتھوں لگ گیا تو پچھلی کسر پوری کر لی جائے گی۔

دوسری صبح پھر جاگ گیا، لیکن یہ جاگنا ایسے ہی نہیں تھا۔ بس یوں لگا تھا جیسے کسی نے دروازے پر دستک دی ہو، لیکن پھر دوسرا احساس یہ ہوا، کوئی میری مسہری کے بالکل قریب ہے۔ میں دہشت سے اُچھل کر بیٹھ گیا۔ دروازہ بدستور اندر سے بند تھا۔ مجھے اپنے سرہانے ایک سایہ سا محسوس ہوا اور میں خوف زدہ انداز میں پلٹ پڑا، لیکن مسہری کے سرہانے کوئی موجود نہیں تھا۔ برابر میں البتہ ایک تپائی رکھی ہوئی تھی اور یہ ہلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے وہ کوئی کاغذ ہے جو ہل رہا ہے۔ یہ کاغذ پہلے یہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے کاغذ کو دیکھا، وہ ایک کاغذ ہی نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ایک بڑا سا پیکٹ بھی رکھا ہوا تھا۔

میری یادداشت یا نگاہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔ میں اس کاغذ کے قریب پہنچا، میرا دل دھڑکنے لگا۔ ایسی ہی ایک تحریر میں نے پہلے بھی پڑھی تھی اور یہ ابرانوس کی طرف سے تھی۔ میں نے کاغذ کی تہہ کھولی اور پڑھنے لگا۔

> "ضدی انسان......! پھر پھنس گئے ناں مصیبت میں......؟ تمہاری ضد تمہارے لئے ایک دن موت بن جائے گی، اگر میں دن رات تمہاری نگرانی نہ کرتا رہوں۔ استنبول میں بھی تم نے ایران کی طرح اپنے دُشمنوں کی تعداد میں کافی اضافہ کر لیا ہے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور ہے یا نہیں......؟ یہ تم بہتر جانتے ہو۔ لیکن بہت جلد پولیس تمہاری راہ پر لگنے والی ہے۔ جو ترک تمہارے فلیٹ میں مارا گیا، وہ طاہر جنیدی کے ساتھ تھا، لیکن اس کا تعلق جس بڑے آدمی سے ہے، وہ بڑا آدمی کم از کم تمہیں استنبول میں زندہ نہیں چھوڑے گا۔
>
> پولیس اگر تمہیں گرفتار نہ کر پائی تو وہ شخص اپنے آدمیوں کے ذریعے ضرور تمہیں تلاش کر لے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ تم تک پہنچ جائے، بہتر یہ ہے کہ تم استنبول سے نکل جاؤ۔ میں اس سے زیادہ تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ پولیس آفیسر کا دماغ

پلٹ دیتا۔ پولیس آفیسر کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں ہے کہ جو شخص لاک اَپ سے نکل کر اس کے پاس پہنچا تھا، وہ تم تھے۔

میں نے وقتی طور پر تمہاری مدد کے لئے اس پیکٹ میں بلغارین کرنسی، تمہارے لئے کاغذات جو تمہیں سرحد عبور کرنے میں مدد دیں گے، موجود ہیں۔ یہاں سے فوراً بلغاریہ نکل جاؤ، اورینٹ ایکسپریس نامی ٹرین سے تمہارے لئے سفر موزوں رہے گا، جبکہ دوسرے ذرائع خطرناک ہوں گے۔ سب کچھ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ میں تو پھانسی کے پھندے پر بھی تمہاری گردن بچانے کی کوشش کروں گا، کیا سمجھے.....؟ کیونکہ تم نے مجھ پر ایک احسان کیا ہے۔

ابرانوس.....!''

تحریر ہمیشہ کی مانند غصہ دلانے والی تھی، لیکن رفتہ رفتہ عقل نے ساتھ دیا اور میرے جنون کی شدت ختم ہوگئی۔ حالات نے جس طرح مجھے اس ہوٹل میں قیدی بنا دیا تھا، اس سے نکلنے کا کوئی راستہ اب تک میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔

جس شخص کا حوالہ ابرانوس نے دیا تھا، وہ نہ جانے کون ہے.....؟ ویسے اس کی باتیں عام طور سے سچ پر ہی تھیں۔

''اب کیا کروں.....؟ کیا نہ کروں.....؟''

میں نے میز پر رکھے ہوئے پیکٹ کو پھاڑ کر دیکھا، اندر نیا پاسپورٹ اور کچھ کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ ابرانوس نے دوسری بار میری اس طرح کی مدد کی تھی۔

بہرطور دل کے کسی گوشے میں ابرانوس کے لئے نرمیت کے جذبات اُبھرے، لیکن فوراً ہی اس پر پچھلے تجربات غالب آ گئے۔ میں اس جن کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکتا تھا۔

''اگر کبھی موقع ملا تو اس کا شکریہ ادا کردوں گا۔''

گینس کا خیال بھی آیا تھا۔ وہ لڑکی جس خلوص سے میری دوست بنی تھی، اس نے مجھ پر بہت بھروسہ لیا تھا، مگر میں کیا کرتا.....؟ میری تو تقدیر ہی عجیب تھی۔ ایک کے بعد ایک چکر چل جاتا تھا۔

پھر میں ان تمام باتوں کو ذہن سے جھٹک کر سفر کے بارے میں سوچنے لگا اور آخری فیصلہ یہی کیا کہ مجھے فوری طور پر استنبول سے نکل جانا چاہئے۔

انیتا بھی یاد آئی تھی، اگر مجھے مل جاتی تو اس سے سارے حساب کتاب چکا لیتا۔

آخر کار تمام تیاریاں مکمل کرنے اور معلومات حاصل کرنے کے بعد میں اسٹیشن پہنچ گیا۔ اورینٹ ایکسپریس کے بارے میں، میں نے معلومات حاصل کر لی تھیں۔ بہت ہی تاریخی قسم کی ٹرین تھی جو صوفیہ، بلغراد،

وینس، میلان، نوران، لندن اور پھر پیرس جاتی تھی۔ پلیٹ فارم پر زیادہ رَش نہیں تھا۔ انجن کی پشت پر لگے ہوئے ڈبے پیرس کے لئے تھے۔ کسٹم والوں نے ویزے اور پاسپورٹوں پر مہریں لگائیں اور اس کے بعد میں چند مسافروں کے ساتھ اورینٹ ایکسپریس کی ایک بوگی میں داخل ہو گیا۔

کیا گاڑی تھی، تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ صاف ستھرے ڈبے، آرام دہ نشستیں، شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیاں اور ان کے اوپر خوب صورت پردے۔ روشنی گل کیجئے تو ننھی ننھی بیڈ لائٹس خود بخود جل جاتی تھیں۔ جگمگاتے ہوئے سفید غسل خانے، آرام ہی آرام تھا۔

پہلی بار ایک ایسی جگہ منتخب ہوئی تھی جس کی کہانیاں میں نے خوابوں میں دیکھی تھیں۔ وینس پانی کا شہر، جب بھی اس کے بارے میں قصے سنتا تو یوں لگتا جیسے میں آسمانوں کی کہانیاں پڑھ رہا ہوں۔

بہرطور میں نے اپنے طور پر اپنے سفر کا ایک پروگرام ترتیب دیا۔ پہلے وینس میں قیام کروں گا، اس کے بعد سوئٹزرلینڈ کا رُخ کرلوں گا۔ کاش مجھے اس کے مواقع مہیا ہو جائیں۔

تقریباً ساڑھے سات بجے تھے اس وقت جب اورینٹ ایکسپریس آہستہ آہستہ خاموشی سے رینگنے لگی۔ اسٹیشن سے نکلتے ہی شہر کی روشنیاں اور باسفورس کا سمندر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ میں الوداعی نگاہوں سے ان تمام چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ تاریخ کا ایک عظیم شہر پیچھے رہتا جا رہا تھا۔ تہران میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

بہرطور اب دیکھنا یہ ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے.....؟ گاڑی کی رفتار تیز ہوگئی اور شہر کی آخری روشنیاں بھی نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ترک کسٹم آفیسر آیا، پاسپورٹ چیک کر کے ان پر مہر لگا کر چلا گیا۔ اورینٹ ایکسپریس کا رُخ اب بلغاریہ کی جانب تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر ایک اور کسٹم آفیسر آیا اور اس نے پاسپورٹ چیک کئے اور اس کے بعد خاموشی طاری ہوگئی۔ اس قدر پُرسکون سفر تھا کہ آنکھیں بند ہوگئیں۔

دوسری صبح جب آنکھ کھلی تو ٹرین کا سارا عملہ بلغارین ہو چکا تھا۔ باہر خوب صورت موسم تھا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ہرے بھرے کھیت مزید سرسبز ہو گئے تھے۔ گاڑی ایک اسٹیشن پر رُکی، چند بھاری بھرکم دیہاتی عورتیں سبزیوں کی ٹوکریاں اُٹھائے ہوئے بے تکلفی سے ڈبے کے اندر چلی آئیں۔ انہوں نے اطمینان سے ڈبے میں ڈیرہ جما لیا۔ صوفیہ تک ان لوگوں کے ساتھ سفر جاری رہا۔

میں ابھی ٹرین کے مسافروں سے لاعلم تھا۔ آخر کار صوفیہ آ گیا۔ صاف ستھرے اسٹیشن پر اورینٹ ایکسپریس تقریباً ایک گھنٹہ کھڑی رہی۔ یہاں ہمیں نیچے اُترنا پڑا اور عملے نے صفائی کر کے ڈبے کو پہلے کی مانند صاف ستھرا کر دیا۔ اس کے بعد ٹرین پھر آگے چل پڑی تھی۔ پھر وہ یوگوسلاویہ میں داخل ہوئی۔ تاحد نگاہ ہریالی اور پھل دار درختوں اور پھولوں کی قطاریں نظر آنے لگیں۔

رات کو نو بجے یوگوسلاویہ کا دارالخلافہ یوگراٹ آیا۔ شہر کی روشنیوں کے درمیان ایک بل کھاتا دریا

دکھائی دیا۔ یہ ڈینیوب تھا۔

گاڑی وہاں سے بھی چل پڑی اور سفر کی دوسری رات بھی گزر گئی۔ صبح کو علم ہوا کہ سیزانا کے راستے میں اطالیہ میں داخل ہو چکا ہوں۔ گاڑی کسی اسٹیشن پر رُکنے والی تھی۔ شیشوں سے باہر جھانکا تو باہر خوش گوار دھوپ چمک رہی تھی۔ اطالوی کسٹم آفیسر پاسپورٹ چیک کرتے پھر رہے تھے۔ اورینٹ ایکسپریس کا یہ سفر بلاشبہ تاریخی سفر کی حیثیت رکھتا تھا اور پھر میں وینس پہنچ گیا۔

یہ طویل ترین سفر ختم ہو گیا تھا۔ اطالوی نوجوان دوسرے نوجوانوں کی طرح اتراتے پھر رہے تھے۔
یہاں مجھے اپنے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کرنی تھی۔ میں یہاں ایک پُرسکون وقت گزارنے کا خواہش مند تھا۔
ایک بار پھر ذہن میں ابرانوس کا خیال آیا اور ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ یہ شخص ہر جگہ بلاٹکٹ اور بلا ذریعے کے سفر کرتا ہے، لیکن شخص کہتے ہوئے مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ کسی جن کو شخص نہیں کہا جا سکتا تھا۔

مجھے ہنستے دیکھ کر ایک اطالوی لڑکی حیرت سے منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی اور پھر خوف زدہ ہو کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ پاگلوں کا تصور دُنیا کے ہر حصے میں ہی ہوتا ہے اور مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھے پاگل ہی سمجھ رہی ہے۔

بہرطور اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر ایک خوب صورت بک اسٹال سے میں نے وینس کا ایک نقشہ خریدا اور ایک گوشے میں کھڑے ہو کر اسے بغور دیکھنے لگا۔ نقشے میں یوں تو بہت سے ہوٹلوں کے نام تھے، لیکن ان کی حیثیت کا اندازہ لگانا مشکل ہی تھا۔ عمارت سے باہر نکلا تو گرتے گرتے بچا، تارکول کی سڑک کی بجائے سامنے وینس کی سب سے بڑی نہر گرینڈ کنال رواں دواں تھی۔ بسوں اور ٹیکسیوں کی بجائے اسٹیمر اور نازک گنڈولے پانی میں جھول رہے تھے۔ ایک اسٹیمر مسافروں سے بھر جاتا تو بھونپو بجا کر گرینڈ کنال کے پانی میں تیرنے لگتا اور اس کی جگہ دوسرا اسٹیمر لے لیتا۔

میں نے بھی ٹکٹ گھر سے ایک ٹکٹ خریدا اور ایک اسٹیمر پر سوار ہو گیا۔ اسٹیمر کے اندر بہت سے لوگ نظر آ رہے تھے۔ گرینڈ کنال کے دونوں طرف محلات اور خوب صورت مکانات سجے ہوئے تھے۔ میں وینس کے حسین مناظر دیکھتا آگے بڑھتا رہا۔ نگاہیں گھومتے گھومتے مسافروں میں سے دو افراد کی جانب اُٹھ گئیں اور نہ جانے کیوں ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ دونوں صورتیں میرے لئے اجنبی تھیں، لیکن ایک چیز نے ذہن کو جھٹکا پہنچایا۔
جس وقت میں استنبول سے اورینٹ ایکسپریس میں سوار ہو رہا تھا تو میں نے اپنے آپ سے کچھ فاصلے پر ان ہی دونوں افراد کو دیکھا تھا۔ یاد اس لئے رہ گئے تھے کہ ان میں سے ایک کی صورت بہت عجیب سی تھی۔
اب یہاں ان دونوں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں ذہن کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا اور خاص بات یہ تھی کہ وہ میری ہی جانب متوجہ تھے۔ ایک عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔
”کیا میں وینس میں بھی محفوظ نہیں ہوں......؟“

دل کے وہ چراغ بجھ گئے تھے جو وینس میں داخل ہوتے ہوئے اس احساس کے ساتھ چلے تھے کہ یہاں میری زندگی کسی حد تک پُرسکون ہو گی۔
خیر......! میں دوسرے لوگوں کے ساتھ اسٹیمر سے نیچے اُتر آیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ مجھ سے کوئی سو گز کے فاصلے پر وہ دونوں بھی موجود تھے اور اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ میرا تعاقب کر رہے ہیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر مجھے ایک بس نظر آئی تو میں اس کی جانب بڑھ گیا۔ اب مجھے ان لوگوں کے بارے میں اندازہ نہیں ہو سکا کہ انہوں نے اس بس کا تعاقب کرنے کے لئے کیا کیا ہے......؟
بہرحال میں ایک جگہ منتخب کر کے نیچے اُترا تو پتا چلا کہ یہ علاقہ فلازہ ڈیل چوک کہلاتا ہے جہاں ہر سال وینس کا مشہور فلمی میلہ لگتا ہے۔ پھر تھوڑے فاصلے پر گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی روک کر اس میں جا بیٹھا اور ٹیکسی میں بیٹھ کر آگے بڑھ گیا۔
میں نے عقب نما آئینے سے دیکھا تو سرخ رنگ کی ایک لمبی کار نظر آئی اور یہ بھی اتفاق تھا کہ ونڈ اسکرین کے پیچھے میں نے انہی دونوں میں سے ایک کو دیکھ لیا۔ وہ لوگ بدستور میرے پیچھے آ رہے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے تین، چار موڑ کاٹے لیکن کار سائے کی طرح پیچھے لگی رہی۔ اب مجھے یہ سمجھنے میں دِقت نہیں ہوئی تھی کہ میرے دُشمن میری وینس تک آمد کے سلسلے میں لاعلم نہیں تھے۔ حالانکہ ذہن میں ایک عجیب سی گرمی پیدا ہو گئی۔ دماغ بری طرح گھوم گیا۔
”کیا سمجھ رکھا ہے مجھے ان لوگوں نے......؟ دیکھ لوں گا......؟ نپٹ لوں گا ان لوگوں سے۔“
میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔
”سنو......! کوئی بدمعاش میرا پیچھا کر رہا ہے، پیچھے آنے والی سرخ کار کو دیکھ رہے ہو ناں تم......؟“
”جی صاحب......!“
”بل کی رقم سے زیادہ انعام دوں گا۔ تم گاڑی ایسی چلاؤ کہ اس کار کا تعاقب ختم ہو جائے۔“
ڈرائیور میری بات سمجھ گیا اور دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ پھر اچانک اس نے ایک دم ٹرن لیا اور اس کی اس حرکت سے ٹیکسی اُلٹتے اُلٹتے بچ گئی۔ پیچھے آنے والی کار کے پہیوں کی تیز چرچراہٹ سنائی دی اور پھر وہ بھی اسی سمت گھوم گئی اور پھر دونوں کاروں میں ریس ہونے لگی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے فوراً ہی میرے تعاقب کے لئے یہ گاڑی کہاں سے حاصل کر لی......؟
کئی تنگ اور کشادہ سڑکوں پر مُڑنے کے بعد بھی سرخ کار سے میرا پیچھا نہیں چھٹا۔ ٹیکسی ڈرائیور کی گردن پسینے سے تر ہو رہی تھی۔ ایک موڑ پر تیز رفتاری سے گھومتے ہوئے ہماری کار بے قابو ہوتے ہوئے فٹ پاتھ پر چڑھ گئی، لیکن ڈرائیور نے اسے سنبھال لیا اور پھر اسے سیدھا کر کے آگے بڑھا دیا۔
”سنو......! اگلے موڑ پر کار کی رفتار کم کر کے مجھے اُتار دینا۔“

میں نے کہا، لیکن اس کا موقع نہیں مل سکا۔ کیونکہ تعاقب میں آنے والی کار سر پر پہنچ چکی تھی اور ہم نہ جانے کہاں سے کہاں نکل آئے تھے......؟ یہ ایک تنگ سی سڑک تھی، جس پر دونوں طرف مکانات، چھوٹی چھوٹی دُکانیں بنی ہوئی تھیں۔ کار کا فاصلہ کچھ اور کم ہوگیا۔ ڈرائیور رفتار پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ کیونکہ جگہ بہت تنگ تھی۔ دفعتہً اس نے کار ایک چھوٹی سی نہر کے پل کی طرف گھمادی، جو شاید صرف پیدل آمد و رفت کے لئے تھا اور یہ اس ڈرائیور کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

کار پل کے درمیان پہنچ رہی تھی کہ سرخ کار بھی سر پر پہنچ گئی اور تیز رفتاری سے آکر اس نے ٹیکسی کو زور سے ٹکر ماری۔ ٹیکسی ڈرائیور نے کار سنبھالنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوسکا اور دوسرے ہی لمحے ٹیکسی ریلنگ توڑتے ہوئے نہر میں جا گری۔

چھپاک کی آواز بلند ہوئی لیکن خوش قسمتی سے ایئر کنڈیشنڈ ٹیکسی کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ ٹیکسی بے شک نہر میں بیٹھتی چلی گئی، فوراً ہی اس میں پانی نہیں چڑھا تھا۔ میں نے برق رفتاری سے اپنا سوٹ کیس ایک ہاتھ میں سنبھالا، باہر دیکھا اور پوری قوت سے دروازہ کھول دیا۔ پانی کا ریلا اندر گھس آیا اور اس نے مجھے واپس سیٹ پر دھکیل دیا۔ ڈرائیور بھی شاید دوسرا دروازہ کھول چکا تھا۔ میں ہمت کر کے آگے بڑھا اور ٹیکسی کی اندرونی سیٹ سے باہر نکل آیا۔ پھر میں نے اوپر کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔ نہر بہت گہری نہیں تھی۔ دوسرے ہی لمحے میرا سر پانی کی سطح کے اوپر تھا۔ سامان کا جو بھی اثر ہوا ہو، وہ الگ بات تھی، لیکن بہرطور میں کنارے تک پہنچ گیا۔

چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے تھے اور پل کے کناروں پر کھڑے چیخ رہے تھے۔ کسی کم بخت نے فوراً ہی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کنارے کی اینٹوں کا سہارا لے کر اوپر چڑھتے ہوئے میں نے ہجوم پر نگاہ ڈالی، لیکن اب ان میں سے کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ اسی وقت پولیس سائرن کی آواز سنائی دی اور میں برق رفتاری سے ایک تنگ سی گلی کی طرف دوڑنے لگا۔ یہاں رُکنے کا مطلب یہ ہوتا کہ وینس میں داخل ہوتے ہی پولیس کے چکر میں پھنس جاؤں۔

خوش قسمتی یہ تھی کہ لوگ میری طرف متوجہ ہونے کی بجائے پولیس والوں کو نہر میں گری ہوئی ٹیکسی کے بارے میں بتا رہے تھے۔ مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ میرے کپڑوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ اس سنسان اور تنگ گلی میں چلتے ہوئے میری نگاہیں کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں، لیکن ایسی کوئی جگہ مجھے نظر نہیں آئی جہاں میں گھس کر پناہ لیتا۔ مکانات کے دروازے موجود تھے لیکن یہ انتہائی خطرناک بات ہوتی۔

''پولیس یقیناً تھوڑی دیر کے بعد میری طرف متوجہ ہو جائے گی اور میں جس مکان میں داخل ہوں گا، اس کے مکین بآسانی میری نشان دہی کر دیں گے۔''

چنانچہ میں دوڑتا ہوا گلی کے دوسرے سرے کی طرف چل پڑا۔ ابھی میں گلی کے اس سرے سے نکلا ہی تھا اور یہ اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ ادھر کیا ہے......؟ کہ دفعتہً میری نگاہ ان دونوں کی جانب اُٹھ گئی۔ طوطے جیسی

مُڑی ہوئی ناک کا مالک شخص اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ ہاتھ میں ریوالور لئے ہوئے مجھ سے چند گز کے فاصلے پر موجود تھا۔ میں نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی، لیکن اس نے فوراً گولی چلادی اور یہ گولی میرے سر سے صرف چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔ اس کے ساتھ ہی میرے پاؤں لڑکھڑانے لگے اور میں ٹھوکر کھا کر نیچے جا پڑا۔

یہ کوشش میرے حق میں بہتر ہوئی، ورنہ دوسری گولی اس نے پورے صحیح نشانے پر چلائی تھی اور پھر وہ میرے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے ریوالور کی نال میری پیشانی پر رکھی اور میرا گریبان پکڑ کر غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''اُٹھو......!''

میں آہستگی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ خون خوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا، لیکن اسے یہ نہیں اندازہ تھا کہ میں دوسرے لمحے کیا کرنے والا ہوں......؟ ریوالور کی نال میری پیشانی پر لگانے کی وجہ سے وہ میرے بالکل قریب آگیا اور سیدھا کھڑا ہوگیا۔ میں نے دونوں ہاتھ بلند کئے لیکن اس کے ساتھ ہی میرا گھٹنا اس کے پیٹ پر پڑا اور اس کے حلق سے ایک زوردار کراہ نکل گئی۔ وہ دُہرا ہوگیا تھا، لیکن میں نے پیچھے ہٹ کر بالکل اس طرح اس کے منہ پر کِک لگائی جیسے فٹ بال پر زوردار کِک لگائی جاتی ہے اور مجھے اپنی اس انوکھی طاقت کا اس سے پہلے بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ میری ٹھوکر اس کی ٹھوڑی کے نیچے پڑی تھی۔ اس کا سر پہلے پیچھے ہوا، پھر دونوں پاؤں اوپر اُٹھے اور اس کے بعد وہ فضاء میں بلند ہوکر گردن کے بل نیچے گرا اور جس انداز میں وہ گرا تھا، اس سے جو ہونا چاہئے تھا، وہی ہوا۔ یعنی اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہ کسی ذبح کئے ہوئے بکرے کی طرح بلبلایا اور اس کے کان اور ناک اور منہ سے خون بہہ نکلا۔

لیکن مجھے دوسرے آدمی کو بھی دیکھنا تھا جو فوراً ہی عقب سے مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ میں نے زمین پر بیٹھ کر اسے اپنے آپ پر چھا جانے سے روکا، لیکن ان دونوں کی شامت ہی آگئی تھی۔ کیونکہ وہ مجھ پر سے گزر کر اپنے اس مرتے ہوئے ساتھی پر جا پڑا تھا۔ پھر بھلا میں اسے کہاں موقع دے سکتا تھا......؟ میری زوردار ٹھوکر اس کی پسلیوں پر پڑی اور اس کے بعد میرے پاؤں مسلسل چلتے رہے۔ پہلے والا تو پہلے ہی جہنم رسید ہوگیا تھا، لیکن دوسرے آدمی کے منہ سے بھی خون کی موٹی دھار بہہ نکلی تھی۔ اس نے اس بری حالت کے باوجود اچانک ہی میرے دونوں پاؤں پکڑ لئے اور زور سے جھٹکا دیا۔ میں اس کے قریب ہی گرا، لیکن پاؤں اس کی گرفت سے نکل گئے۔ لیٹے ہی لیٹے میں نے دونوں پیروں کی ٹھوکر اس کے چہرے پر لگائی اور اس کے بعد اس میں کوئی سکت نہ رہی۔

پتا نہیں یہ زندہ رہ گیا تھا یا مر گیا تھا......؟ یہ جاننے کے لئے وقت نہیں تھا۔ میں نے پھرتی سے اپنا گرا ہوا سوٹ کیس اُٹھایا اور اس کے بعد ایک بار پھر اس وسیع و عریض میدان میں دوڑ لگا دی، جو گلی کے دوسرے سرے پر واقع تھا اور جس کی لمبائی تقریباً تین سو گز تھی۔ اس کے کنارے پر مکانات بنے ہوئے تھے، لیکن ان مکانات میں رہنے والوں کو اس ہنگامے کا کوئی علم نہیں ہوسکا تھا۔ چنانچہ وہاں سکون تھا۔

میدان عبور کر کے مکانوں کے سرے تک پہنچتے ہوئے مجھے کافی وقت لگ گیا۔ اس دوران میں

عقب میں بھی دیکھتا جا رہا تھا لیکن اس کے بعد کسی نے تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آخر کار میں مکانوں کے قریب پہنچ گیا۔ جو حلیہ ہو رہا تھا، وہ دیکھنے کے قابل تھا۔ لباس بری طرح بھیگا ہوا تھا۔ چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ بال سر سے چپک گئے تھے اور میں عجیب نظر آ رہا تھا۔ مکانوں کے اس سرے سے نکلنے کے بعد میں نے ایک وسیع وعریض پارک دیکھا، جس میں درخت جھول رہے تھے۔ پارک کا گیٹ کھلا ہوا تھا اور وہ اس وقت سنسان پڑا ہوا تھا۔

چنانچہ میں فوراً ہی وقت ضائع کئے بغیر پارک میں داخل ہو گیا اور درختوں کے ایک ایسے جھنڈ کو تلاش کیا جو مجھے دوسروں کی نگاہوں سے بچا سکے۔

فی الحال یہاں کچھ لمحے گزارنا ضروری تھا۔ ایک مناسب جگہ پہنچ کر میں نے سب سے پہلے اپنا کوٹ اُتارا، پھر جوتے اُتار کر ان میں سے پانی نکالا۔ پاؤں پچ پچ کر رہے تھے۔ میں نے انہیں رومال سے خشک کرنے کی کوشش کی تو رومال بھی بھیگا ہوا تھا۔ پھر میں نے ان کرنسی نوٹوں کی طرف توجہ دی اور میں اسے اپنی خوش بختی ہی کہہ سکتا تھا کہ نوٹوں کے اوپری حصے ضرور بھیگے تھے لیکن اندر سے تمام نوٹ بالکل محفوظ تھے۔

اس وقت کرنسی سب سے اہم تھی، جو وینس میں میری مددگار ہو سکتی تھی۔ میں نے کوٹ خشک کرنے کے لئے پھیلا دیا اور اپنے بدن کے ایک حصے کو باہر دھوپ میں نکال کر تقریباً نیم دراز ہو گیا۔ سوٹ کیس کے اندرونی حصے کا خدا ہی حافظ تھا۔ پتا نہیں کیا تباہی پھیلی ہو گی......؟ لیکن مجبوری۔

ذہن ان لوگوں کی طرف تھا جو میرے ہاتھوں موت کا شکار ہو گئے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ میرے ذہن کا انداز بدل گیا تھا۔ ان میں سے ایک تو کم از کم مر چکا تھا، لیکن اب مجھے اس کا افسوس نہیں تھا۔ یہ لوگ خود ہی میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ میں کیا کرتا......؟ کہاں تک اپنے آپ کو سنبھالے رکھتا......؟ آخر کار قاتل بن گیا اور ایک قتل کرنے کے بعد مزید قتل کرنا اب میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ مجھے زندگی کا یہ رُخ اپنانا ہی پڑے گا۔

لباس خشک ہونے کے بعد میں آگے بڑھ گیا اور آخر کار وینس کے ایک خوب صورت علاقے سانتا ماریہ میں ایک خوب صورت ہوٹل میں مجھے ایک کمرے میں جگہ مل گئی۔ سانتا ماریہ کا یہ علاقہ خوب صورت ہوٹلوں اور قہوہ خانوں سے بھرا ہوا تھا، جہاں بڑی رونق اور ہنگامہ خیزیاں تھیں۔ مجھے کسی جگہ کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بس جدھر منہ اُٹھا، نکل آیا تھا۔ سامنے ہی گھاٹ تھا جہاں بے شمار موٹو اسکافو یعنی موٹر بوٹ سان مارکو اسپاٹ کے لئے چلتے رہتے تھے، جس کا فاصلہ ایک میل سے زیادہ نہیں ہو گا۔ بالکل فاسفورس جیسی رونق تھی۔ کئی موٹروں اور اسٹیمروں کے بیچ سست رفتار، نازک گندولے بھی نظر آ جاتے تھے۔ وینس کا آبی شہر یہاں سے بے حد حسین محسوس ہوتا تھا۔

بہر طور ابھی ان تمام باتوں کے لئے ابھی میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں تو اپنی تقدیر کا ماتم کر رہا تھا، جس نے وینس میں بھی میرا استقبال اسی انداز میں کیا تھا، جس سے میں اب تک گزرتا رہا تھا۔ وہ شخص استنبول سے ہی میرے پیچھے لگا تھا اور اس بات پر کوئی شک نہیں تھا کہ وہ طاہر جنیدی کا ہی آدمی تھا۔

طاہر جنیدی اس بات پر کسی طرح یقین کرنے کو تیار نہیں ہو گا کہ ہیرے میری تحویل میں نہیں ہیں لیکن اسے میرے نصیب کے بارے میں کیا معلوم تھا کہ وہ ہیرے مجھ سے چھین لئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ جو حرکتیں میرے ساتھ کی گئی تھیں، ان کا جواب طاہر جنیدی کو دینا ضروری تھا۔ یہاں تو اس نے تقریباً میری جان ہی لے لینے کی کوشش کی تھی۔ جبکہ اس سے اسے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا یا پھر اس نے سوچا ہو کہ مجھے قتل کرنے کے بعد اس کے لئے ہیروں کا حصول زیادہ آسان ہو گا۔ وہ کسی نہ کسی طرح میری لاش کو پولیس کے ہتھے چڑھنے سے پہلے حاصل کر لے گا۔ پتا نہیں کیا منصوبہ تھا ان کم بختوں کا......؟

میں نے اپنے ذہن تمام وسوسوں سے آزاد کر لیا اور اپنے آپ کو تیار کر لیا کہ وینس میں اگر مجھے اور بھی بہت سے قتل کرنے پڑے تو ان سے گریز نہیں کروں گا۔ قتل کا مجرم چاہے ایک قتل کرے یا ایک ہزار، قتل ہی کا مجرم رہ جاتا ہے اور اس کے لئے آخر کار سزائے موت ہے اور میں نے اس موت کا فیصلہ قبول کر لیا تھا۔

پھر میں نے اپنے تباہ شدہ سوٹ کیس کا جائزہ لیا اور جی خوش ہو گیا۔ مجھے سوٹ کیس کی یہ خاصیت معلوم نہیں تھی۔ یہ مکمل طور پر واٹر پروف تھا۔ پانی کا ایک قطرہ بھی اندر نہیں گیا تھا۔ اگر کرنسی بھی اس سوٹ کیس میں ہوتی تو وہ اوپری نوٹ بھی نہ بھیگتے۔

حالات میرے موافق ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے دوسرا لباس تبدیل کر لیا اور اس کے بعد اپنے لئے کھانے پینے کے لئے کچھ اشیاء طلب کر لیں۔ گرم کافی کے بڑے بڑے گھونٹ لیتے ہوئے دل کو فرحت محسوس ہو رہی تھی۔

''یہاں وینس میں کچھ وقت گزارنے کے بعد میں اپنے دُشمنوں سے چھٹکارہ پاؤں گا اور سوئٹزرلینڈ چلا جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں یہ کم بخت کہاں تک میرا پیچھا کرتے ہیں......؟ اور اب جو کوئی بھی میرے سامنے آیا، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

میں نے آخری فیصلہ کیا۔

شام کو میں نے ایک عمدہ سا لباس نکالا اور اسے پہن کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ میں ہوٹل کی تفریحات میں دلچسپی لینا چاہتا تھا۔ تقریباً سوا سات بجے تھے۔ میں نے سوچا کہ چلو تھوڑی سی باہر کی سیر کی جائے۔

چنانچہ میں باہر نکل آیا اور میرا رُخ گھاٹ کی طرف ہو گیا۔ گھاٹ پر حسب معمول رونق تھی۔ موٹو اسکافو سان مارکو اسٹاپ کے لئے جا رہے تھے۔ جس کا فاصلہ تقریباً ایک میل کے قریب ہو گا۔ ویٹنگ ہال کے ساتھ ٹکٹ کی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے آدھے لیرے کا سکہ سوراخ میں ڈالا تو مشین کے نچلے حصے سے ٹکٹ نکل آیا اور میں موٹو اسکافو پر جا بیٹھا۔ گھنٹہ گھر کے سامنے والے گھاٹ پر پہنچ کر موٹر بوٹ رُک گئی اور میں نیچے اُتر آیا۔ سامنے ہی محل نظر آ رہا تھا۔ اس کے سامنے سینٹ مارک کا کلیسا تھا، جس کے نام پر اس چوک کو پکارا جاتا تھا۔ سنا ہے وینس کے دو تاجروں نے سینٹ مارک کی لاش کو اسکندریہ سے یہاں شفٹ کیا تھا اور پھر اس کی قبر کے اوپر

یہ شان دار کلیسا تعمیر کرایا تھا۔

کلیسا کے گنبد مشرقی طرز کے تھے۔ سان مارکو چوک کے گرد برآمدوں میں بنے ہوئے بے شمار قہوہ خانے آرکسٹرا کی موسیقی نشر کر رہے تھے۔ چوک میں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور بے حد رونق تھی۔

گھنٹہ گھر کلیسا کے سامنے خوب صورت اطالوی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سیر و تفریح میں مصروف تھے۔ سیاحوں کی ٹولیاں ان کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں۔ وینس کی لڑکیاں بہت خوب صورت ہوا کرتی ہیں۔ درمیانی عمر کے لوگ بھی جگہ جگہ نظر آ رہے تھے اور یہاں بھی کبوتروں کی بھرمار تھی۔ دیدہ زیب دکانیں اور اسٹور نظر آ رہے تھے، جن کے شوکیسوں میں نرم چمڑے کی مصنوعات چینی اور شیشے کے بنے ہوئے برتن، سلک کی ٹائیاں اور دوسری بہترین اشیاء نظر آ رہی تھیں۔ یہ مناظر میری توقع کے مطابق تھے۔

کافی دیر تک میں گھومتا رہا اور پھر خاصی رات گئے ایک اسکافو میں بیٹھ کر واپس اپنے ہوٹل چل پڑا۔

ہوٹل کے بڑے ہال میں آرکسٹرا ایک اطالوی دھن بجا رہا تھا۔ میں نے ایک اچٹتی ہوئی سی نظر بیٹھے ہوئے لوگوں پر ڈالی۔ بے شمار سیاح، بے شمار حسین لڑکیاں، کافی دیر تک میں اپنے لئے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈتا رہا۔ پھر ایک طرف بڑھ گیا۔ کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ ایک خوب صورت سنہرے بالوں والی لڑکی میرے نزدیک پہنچ گئی۔ اس نے بہت ہلکا سا میک اپ کیا ہوا تھا۔ سنہرے بالوں سے ملتا ہوا خوب صورت لباس، اس کے اوپر ہلکا زرد رنگ کا کوٹ پہنے ہوئے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''ہیلو......! میرا نام زینو کا ہے۔''

اس نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

''ہیلو......!''

میں آہستہ سے بولا۔

''بیٹھ سکتی ہوں......؟''

اس نے سوال کیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''وینس کی خوب صورت راتوں کی مانند یہ رات بھی بہت حسین ہے۔''

''ہاں......! اور میرا خیال ہے یہاں کی شامیں بھی بہت حسین ہوتی ہیں۔''

''اور اگر میں تمہیں پیش کش کروں کہ آج سے وینس میں تمہاری میزبان زینو کا ہے تو......؟''

میں مسکرا دیا، ایسی میزبان لڑکیاں دنیا کے ہر گوشے میں پائی جاتی ہیں۔ دل چاہا کہ اسے منع کر دوں، بھگا دوں، لیکن پھر سوچا کہ کچھ گپیں تو لگائی جائیں۔ چنانچہ میں نے تھوڑا سا وقت اس کے ساتھ گزار لینا مناسب سمجھا اور اس سے وینس کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔ اس نے مجھ سے میرا نام پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بہت باتونی لڑکی تھی۔

ایک اطالوی رقاصہ مخصوص کلاسیکل رقص کے ساتھ چوبی فرش پر نمودار ہو گئی اور ہال میں بیٹھے تمام لوگ اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

ساڑھے دس بجے زینو کا نے ویٹر کو بلا کر کھانے کے لئے اطالوی ڈشیں منگوا لیں۔ قیمہ، سویاں اور چند دوسری چیزیں ہمارے سامنے آ گئیں اور ہم کھانے میں مصروف ہو گئے۔ یہ سویاں شیطان کی آنت کی طرح لمبی تھیں اور کسی طرح کانٹے اور چھری کی زد میں نہیں آ رہی تھیں، لیکن میرے برعکس زینو کا بڑی خوبی سے کھانے میں مصروف تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ دیر تک میرے ساتھ بیٹھی رہی اور پھر گھڑی میں وقت دیکھ کر بولی۔

''تم سے پہلی ملاقات بے حد خوش گوار رہی۔ کل میں تمہارے ساتھ کافی وقت گزاروں گی۔ میں تین بجے تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔''

''میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لڑکی نے بل کی رقم پلیٹ میں ڈالی تو میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

''نہیں......! یہ ذمے داری میرے سپرد ہی رہنے دو۔''

''مگر میں نے تم سے کہا تھا کہ وینس میں، میں تمہاری میزبان ہوں گی۔''

وہ پیسے اسی طرح چھوڑ کر میز سے اٹھ گئی اور میں حیران رہ گیا۔ زینو کا میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ ممکن ہے، وہ بھی میری ہی طرح کوئی تنہا سیاح ہو اور اس نے یہ وقت میرے ساتھ گزارنا غنیمت سمجھا ہو یا پھر ممکن ہے کہ وہ ایک بوٹ دے کر بکرا مارنے کے چکر میں ہو۔ خیر......! کل ملے گی تو دیکھا جائے گا۔

رات پرسکون گزری تھی اور میں اپنے اعصاب کو کنٹرول کر چکا تھا۔ دوسری صبح میں اخبار پڑھتا رہا۔ انگریزی کا یہ اخبار پڑھتا رہا۔ انگریزی کا یہ اخبار ویٹر ہی نے میرے کمرے میں لا کر رکھا تھا۔ ہوٹل کی سروس بہت اچھی تھی۔ کھڑکی سے دوسری طرف گرینڈ کنال کی ہنگامہ خیزیاں بکھری ہوئی تھیں۔

میں نے وینس کا نقشہ نکال کر سامنے رکھ لیا۔ وینس سے یورپین ممالک کے لئے تین بڑے راستے نکلتے ہیں۔ پہلا فرانس کے راستے ہسپانیہ، دوسرا پیرس سے نکل کر وہاں سے آگے اور تیسرا سوئٹزرلینڈ، جرمنی، ڈنمارک اور سویڈن کے راستے ناروے تک جو شمالی یورپ کے آخری کونے پر واقع ہیں، لیکن میرے ذہن میں سوئٹزرلینڈ ہی تھا اور اپنی اس عجیب سی سیاحت میں اگر میں وہاں پہنچ جاؤں تو یقیناً اپنے آپ کو کولمبس سمجھ لوں گا۔

میں دوپہر تک ہوٹل میں گھسا رہا۔ کھڑکی سے دوسری طرف کے مناظر ہیں، اتنے پررونق تھے کہ اگر پورا دن بھی وہاں گزار دیا جاتا تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ یوں لگتا جیسے وینس کی سیاحت کی جا رہی ہے۔

ٹھیک تین بجے دروازے پر دستک ہوئی اور زینو کا ایک خوب صورت لباس میں میرے پاس پہنچ گئی۔ میں اسے دیکھ کر چونک گیا تھا۔ اس نے ایک شگفتہ مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے اپنا ننھا سا سفید ہاتھ ملایا اور

اس کے بعد میرے سامنے آ بیٹھی۔

''تم تیار نہیں ہوئے......؟''

''ابھی تو شام بھی نہیں ہوئی۔''

''تھوڑی دیر کے بعد ہو جائے گی۔ تم تیار ہو جاؤ۔''

وہ اپنے لمبے ناخنوں سے ہتھیلی کو کریدتے ہوئے بولی اور میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ غسل خانے میں جا کر لباس وغیرہ تبدیل کیا اور پھر باہر نکل آیا۔ وہ صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھی نیم باز آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''کچھ پیا جائے......؟''

''ہاں......! کچھ ٹھنڈا مشروب......!''

اس نے کہا اور میں نے روم سروس کے لئے بٹن دبا دیا۔ پھر کافی وقت ہم نے وہاں گزارا اور آخر کار اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھا اور بولی۔

''چلیں......!''

میں نے گردن ہلا دی۔ ہوٹل کے بیرونی دروازے سے باہر نکلنے کے بعد ہم پیدل ہی ایک سمت چل پڑے اور تقریباً ایک گھنٹے تک پیدل چلتے رہے۔ سڑکوں پر خوب رونق تھی۔ نفیس شوکیسوں میں حسین اشیاء سجی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ہم گرینڈ کنال کے سب سے بڑے اور خوب صورت پل ری آئیلو کے پاس آ نکلے۔ پل کے پہلو میں نہر کے کنارے ایک پُرسکون قہوہ خانہ نظر آ رہا تھا۔ ہری بھری بیلوں کے جھنڈ میں میزیں لگی ہوئی تھیں، جن پر لوگ بیٹھے کافی وغیرہ پی رہے تھے۔

بہت دیر ہو گئی ہمیں گھومتے ہوئے۔ چنانچہ ہم سیڑھیاں اُتر کر ریستوران میں پہنچ گئے۔ ویٹر نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ نہر کے کنارے بہت سے گنڈولے جھول رہے تھے۔ یہ گنڈولے کچھ مقامی لوگوں کی ملکیت تھے اور کرائے کے لئے حاضر تھے۔ میز بھی نفاست اور سلیقے سے سجی ہوئی تھی۔ سرخ گل دان جس میں رنگین پھول سجے ہوئے تھے اور ان کے درمیان لمبی اور پتلی موم بتیاں لگی ہوئی تھیں۔ کافی بہت شاندار تھی اور اس کے بعد سرمئی شام میں نہر کے کنارے ہم دُور تک نکل گئے۔

زینوکا بہت اچھی گفتگو کرتی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے ایک بار بھی مجھ سے میرے نام سے مخاطب ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے میرا نام ہی معلوم نہیں ہوا تھا۔

بہر حال میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ رات کے کھانے کے بعد تقریباً ساڑھے دس بجے اس نے مجھ سے اجازت چاہی اور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں نے تو آج کا دن بہت خوش گوار گزارا ہے۔ پتا نہیں آپ کو میرے ساتھ کیسا لگا......؟''

''حسین میزبان کو کون ناپسند کرتا ہے......؟ لیکن میں کسی اور بات کا منتظر ہوں۔''

''اور میں تمہارے پوچھنے کا انتظار کر رہی تھی۔''

پھر اس نے اپنا پرس کھولا اور اس میں سے ایک کارڈ نکال کر میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولی۔

''اس میں سب کچھ ہے، اگر تم سمجھ دار ہو۔''

اس کے یہ الفاظ میرے لئے سنسنی خیز تھے، لیکن میں اتنا سمجھ دار بھی نہیں تھا کہ سب کچھ سمجھ جاتا۔ کارڈ پر ایک پتا لکھا ہوا تھا۔ میں ابھی اس سے کچھ پوچھنے ہی نہیں پایا تھا کہ وہ اُٹھی اور واپس چل دی۔ میں حیران رہ گیا تھا، لیکن پھر میں نے دوبارہ کارڈ پر غور کیا۔ لڑکی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ کارڈ پر صرف ایک پتا لکھا ہوا تھا اور کونے میں تین چھوٹے چھوٹے دائرے بنے ہوئے تھے۔ بات سمجھ میں بالکل نہیں آئی تھی کہ مجھے وہ یہ پتہ کیوں دے گئی تھی......؟ غرض یہ کہ کوئی فیصلہ نہ کر پایا اور اس کے ہوٹل جانے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا......؟ لیکن میرے ذہن خلش تھی۔

دوسرے دن وہ میرے پاس نہیں آئی تو میرے دل میں خیال اُبھرا کہ میں اس پتے پر جا کر دیکھوں تو سہی کہ وہ وہاں موجود ہے یا نہیں ہے......؟ اس پر میری نو نائن ٹو ایٹ لکھا ہوا تھا اور کچھ نہیں تھا۔

تیار ہو کر باہر نکلا۔ ایک ویٹر سے میری نو کے بارے میں معلوم کیا۔

''گرینڈ کنال سے اسٹیمر آپ کو میری نو لے جا سکتا ہے جناب......! وہ ایک چھوٹا سا خوب صورت جزیرہ ہے اور وہاں مکانات بنے ہوئے ہیں۔ یہ ان میں سے کسی مکان کا نمبر ہے۔''

غرض یہ کہ اس پُراسرار لڑکی سے ملاقات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ اس نے مجھ پر ایک عجیب سا تاثر چھوڑا تھا اور یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ عام لڑکی نہیں ہے۔

میں نے گرینڈ کنال سے میری نو کے لئے اسٹیمر حاصل کیا۔ عام طور سے لوگ اپنے ذاتی اسٹیمر استعمال کیا کرتے تھے۔ بہر حال مجھے ایک اسٹیمر حاصل ہو گیا اور میں اس آبی سڑک پر رواں دواں ہو گیا۔ اسٹیمر پر عملے کے تین افراد کے علاوہ صرف میں تھا۔ یہاں باقاعدہ آبی روٹ بنے ہوئے تھے۔ مجھے جس ساحل پر اُتارا گیا، وہ بے حد خوب صورت تھا۔ لکڑی کے پلیٹ فارم پر کئی سیڑھیاں اوپر کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ پلیٹ فارم کے کنارے کنارے بہترین درخت لگے ہوئے تھے جو پانی میں جھکے ہوئے تھے۔ میں یہ سیڑھیاں عبور کر کے اوپر پہنچ گیا۔ چند افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں نے کارڈ پر دیئے ہوئے نمبر کے بارے میں ان سے پوچھا تو ان میں سے ایک نے میری رہنمائی کر دی اور بولا۔

''تمہیں تقریباً ایک میل پیدل چلنا ہو گا اور اس کے بعد تم اس نمبر پر پہنچ جاؤ گے۔''

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے بتائے ہوئے راستے کی جانب چل پڑا۔

کافی خوب صورت جگہ معلوم ہوتی تھی۔ درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ دُور دُور تک بکھرے ہوئے تھے۔ زمین ایک انچ بھی خالی نہیں تھی۔ چاروں طرف سرسبز گھاس اور ان کے درمیان اُگے ہوئے خوب صورت

پھول۔ کہیں کہیں درختوں میں چھپی ہوئی خوب صورت عمارتیں۔ میں اندازے سے سفر کرتا رہا اور پھر اس عمارت کے پاس پہنچ گیا، جس میں کارڈ کا دیا ہوا نمبر درج تھا۔

مجھے دو افراد کھڑے ہوئے نظر آئے۔ صورتیں بالکل اجنبی تھیں میرے لئے اور یہ لوگ مقامی بھی نہیں تھے۔ دونوں شاید میرے قریب آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

''معاف کیجئے گا، مجھے زینوکا سے ملنا ہے۔''

میں نے کہا۔

''آیئے......!''

ان میں سے ایک بولا اور مجھے لے کر عمارت کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ عمارت کے بیرونی دروازے سے گزرنے کے بعد میں ان کے ساتھ بڑے ہال میں پہنچ گیا۔ تب دونوں رُک گئے۔ ان میں سے ایک سفید سوٹ پہنے ہوئے تھا، اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''لائے ہو......؟''

عجیب سا لہجہ تھا، میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا......؟''

میں نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔ دوسرے لمحے میرے دماغ میں بجلی سی کوند گئی۔ ایک دم مجھے احساس ہوا کہ یہ طاہر جنیدی کا آدمی ہے اور میں طاہر جنیدی کے جال میں پھنس گیا ہوں۔ وہ لوگ اس طرح مجھ سے ہیرے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ میری آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

''کیا تم لوگوں کا دماغ خراب ہے......؟''

''دماغ تو تمہارا خراب معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا کیا خیال تھا کہ ہم نے تمہیں یہاں پکنک کے لئے بلایا تھا......؟ نکالو فوراً ورنہ اپنے نقصان کے ذمّے دار تم خود ہو گے۔''

''پاگل ہو گئے ہو، شاید تم اور طاہر جنیدی تو سب سے بڑا بے وقوف ہے۔ کیا اس طرح وہ مجھ سے کچھ حاصل کر لے گا......؟''

''سنو......! ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ کام کی بات کرو۔''

''لعنت ہے تم پر اور لعنت ہے اس لڑکی پر جس نے اپنی دانست میں مجھے بہت بڑا بے وقوف تصور کر لیا تھا۔''

میں نے کہا لیکن دوسرے لمحے ہی سفید سوٹ والے نے آگے بڑھ کر میرا گریبان پکڑ لیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میرا اُلٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا تھا اور وہ بری طرح پیچھے اُلٹ گیا تھا، لیکن اس کے نزدیک کھڑے ہوئے شخص نے اپنی آہنی اُنگلیاں شکنجے کی طرح میری گردن میں پیوست کر دیں اور میں اس کی گرفت سے نکلنے کی

بھرپور جدوجہد کرنے لگا۔ میں نے پلٹ کر کہنی اس کے پیٹ میں ماری اور میرا یہ حربہ کارگر رہا۔

اس کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی میں نے اپنی گردن چھڑا کر اس کی پیشانی پر گھونسہ رسید کر دیا۔ جوں ہی وہ نیچے جھکا، میں نے ایک بھرپور ٹھوکر اس کے پیٹ پر ماری اور اس کے حلق سے بری طرح چیخ نکل گئی۔ اس کے منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی، لیکن دفعتہً ہی عقب سے میرے سر پر ایک زوردار ضرب پڑی اور میرے دونوں ہاتھ فضا میں پھیل کر رہ گئے۔

ضرب اتنی زوردار تھی کہ میں آنکھوں کی بینائی بحال نہ کر سکا اور دیر تک مجھے تارے نظر آتے رہے۔ اس کے بعد شاید میں زمین پر اوندھا گر پڑا تھا۔

ہوش و حواس نے عارضی طور پر ساتھ چھوڑ دیا تھا، لیکن رفتہ رفتہ آنکھوں سے دُھول چھٹنے لگی۔ کافی بلندی پر ایک سوراخ نظر آ رہا تھا، جس سے روشنی سی چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ جبکہ میرے اطراف میں اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ سوراخ سے چھننے والی روشنی دیوار پر پڑ رہی تھی۔ میں نے اپنی کھوپڑی کے اس حصے کو ٹٹولا جس میں ہلکی ہلکی تکلیف ہو رہی تھی اور مجھے گزرے ہوئے واقعات یاد آ گئے۔

غالباً میرے سر پر ضرب لگائی گئی تھی۔ دُکھن اب بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے ٹٹول کر اس حصے کو دیکھا لیکن ٹوٹ پھوٹ کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ اس کے بعد میں نے اطراف کے ماحول پر نگاہیں دوڑائیں۔ تاریکی کی وجہ سے صحیح اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ کہاں ہوں......؟ لیکن یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ بہت وسیع و عریض ہال ہے اور بلندی سے چمکنے والے سورج نے مزید مدد کی۔

میں ایک بستر پر پڑا ہوا تھا اور مجھ سے کچھ فاصلے پر کوئی اور بھی موجود تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا، جن کی آوازوں کی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ پھر میں نے بھاری آواز میں پکارا۔

''کون ہے یہاں......؟ کیا یہاں روشنی نہیں ہو سکتی......؟''

جواب میں ایک بھرائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

''ہم دونوں بندھے ہوئے ہیں۔ اگر تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں تو مسہری کے برابر دیوار پر لگے ہوئے سوئچ آن کر دو، روشنی ہو جائے گی۔''

میں نے اس آواز کو حیرت سے سنا۔ پھر متحیرانہ انداز میں مسہری سے نیچے اُتر کر دیوار پر لگے ہوئے سوئچ کو ٹٹولا اور تھوڑی دیر بعد کمرے میں ایک ٹیوب لائٹ روشن ہو گئی۔ میں نے چندھیائی ہوئی نگاہوں سے ان کو دیکھا جو میری ہی جیسی مسہری پر پڑے ہوئے تھے لیکن ان کے ہاتھ اور پاؤں مضبوط رسّی سے کسے ہوئے تھے جبکہ میں آزاد تھا۔ ان میں ایک مرد اور ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ دونوں ہی شکل سے اچھی حیثیت کے مالک نظر آتے تھے اور یقیناً ان کا تعلق کسی یورپین ملک سے تھا۔ وہ دونوں بھی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ میں یہ سوچ

کر آگے بڑھا کہ کم از کم انہیں ان بندشوں سے آزاد کر دوں، لیکن میں چند ہی قدم بڑھا تھا کہ پیچھے سے ایک سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''نہیں......! تم انہیں کھولنے کی کوشش نہیں کرو گے۔''

یہ نسوانی آواز تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ زینوکا تھی، جس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آ رہا تھا۔ اس وقت وہ بالکل مختلف نظر آ رہی تھی۔ میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا تو وہ بولی۔

''آپ نے خود ہی معاملے کی خلاف ورزی کی ہے مائی ڈیئر......! بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ہماری مطلوبہ چیزیں ہمیں فراہم کئے بغیر ان دونوں کو آزاد کر دیں۔''

''زینوکا......!''

میں نے تعجب سے کہا۔

''واپس آجایئے......! آپ کو صرف ان کی ایک جھلک دکھانا تھی، یہ بتانا تھا آپ کو کہ یہ دونوں ابھی تک محفوظ ہیں۔ لیکن اس وقت تک جب تک آپ ہماری خواہش پوری نہیں کر دیتے اور وقت ضائع کرنا آپ کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ آیئے پلیز......! واپس آجایئے۔ کیا فائدہ......؟ میں آپ کی دونوں ٹانگیں زخمی کر دوں، اس کے بعد آپ کچھ دن تک کام کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔''

میں نے دل میں اسے بہت سی گالیاں دے ڈالیں اور اپنے آپ کو بھی۔ عجیب لگتا تھا، بہت عجیب لگتا تھا۔ ایک کے بعد دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں، پتا نہیں یہ کیا سمجھ رہی تھی مجھے......؟ مجھے خود بھی اس سے احتیاط برتنی چاہئے تھی۔

بہر حال خاموشی سے چل پڑا اور تھوڑی دیر بعد اپنے اس قید خانے سے باہر نکل آیا۔ پھر احساس ہوا کہ یہاں کسی قسم کی جلد بازی نہ کر کے میں نے ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ زینوکا یہاں تنہا نہیں تھی۔ دروازے کے باہر تین افراد موجود تھے۔ ان میں دو وہی تھے جن سے پہلے باہر میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ زینوکا کے سامنے مؤدب نظر آ رہے تھے۔ تینوں مسلح تھے۔ وہ لوگ مجھے لئے ہوئے ایک بڑے ہال نما کمرے میں پہنچ گئے جہاں کشادہ میز اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور زینوکا دوسری کرسی پر جا بیٹھی۔

''ہاں مائی ڈیئر یوسف عارض......! تم نے ہمارے مطالبات منظور کرنے کے باوجود بد عہدی کیوں کی......؟''

''میڈ...... میڈم......! میری بات سنیں، میرا نام یوسف عارض نہیں ہے۔ آپ نے اب تک مجھ سے میرا نام ہی نہیں پوچھا۔''

''ہاں......! اس لئے کہ تمہیں صرف میں ہی نہیں، بلکہ ہم سب جانتے ہیں۔''

''آپ مجھے صرف ایک بات کا جواب دیجئے کہ کیا طاہر جنیدی سے آپ کا تعلق ہے......؟''

''کیا مطلب......؟''

''طاہر جنیدی، ہیروں کا وہ اسمگلر جو میری جان کا دشمن بن گیا ہے، کیا آپ مجھے اس کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہیں......؟ میں آپ کو یہ بتاؤں کہ آپ نے مجھے ایک جانے پہچانے نام سے پکارا ہے، لیکن یہ میرا نام نہیں ہے۔''

''چھوڑیئے ان باتوں میں کیا رکھا ہے......؟ مائی ڈیئر یوسف عارض......! مجھے آپ یہ بتایئے کہ آپ نے اپنا منصوبہ کیوں تبدیل کر دیا......؟''

''منصوبہ......؟''

''ہاں......! آپ اپنے آپ کو یوسف عارض تسلیم تو کر چکے ہیں۔''

''کب......؟''

میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہمارے درمیان کوڈ کا تبادلہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد ہی ہم نے ایک دوسرے کو شناخت کیا تھا۔''

''کون سا کوڈ......؟''

میں نے پریشان لہجے میں کہا اور زینوکا کے چہرے پر غصے کے آثار پیدا ہو گئے، پھر اس نے کہا۔

''وینس کی خوب صورت راتوں کی مانند یہ رات بھی بہت حسین ہے اور جواب میں تم نے کہا تھا کہ وینس کی شامیں بھی کافی حسین ہوتی ہیں۔''

''وہ کوڈ تھا......؟''

میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''بننے کی کوشش مت کرو۔ صرف یہ بتاؤ کہ تمہارے انداز میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی ہے......؟''

''ارے......! میں لعنت بھیجتا ہوں اپنے انداز پر اور اپنے آپ پر۔ تم نے رات کے حسن کی تعریف کی تھی۔ چونکہ اس وقت رات نہیں ہوئی تھی، اس لئے میں نے شام کے حسن کا تذکرہ کر دیا تھا۔ بھلا اس میں کون سا کوڈ تھا......؟''

زینوکا غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی، پھر بولی۔

''ممکن ہے تمہارے ذہن میں یہ خیال ہو کہ کس طرح تم ان دونوں کو یہاں سے نکال لے جاؤ گے، لیکن یقین کرو، مجھے تم تینوں کی موت کا افسوس ہوگا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی اور پھر اس نے نفرت بھرے لہجے میں ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''ٹھیک ہے......! مسٹر یوسف عارض کو بند کر دو۔ میں دیکھوں گی، ان لوگوں نے کیا پروگرام ترتیب دیا ہے......؟''

میری ایک نہیں سنی گئی اور وہ لوگ مجھے گھسیٹتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ایک زمین دوز تہہ خانے میں مجھے اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا اور میں پریشانی کے عالم میں ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ یہ نئی اُفتاد تھی۔ زینوکا کی باتوں پر مجھے اب بھی شک ہو رہا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ میں طاہر جنیدی کے چکر میں پھنسا ہوا ہوں، لیکن چکروں کی میرے لئے کمی نہیں تھی۔ اب کوئی اور مسئلہ آ گیا تھا ار وہ کوڈ میں نے وینس کی حسین شاموں اور حسین راتوں پر خلوصِ دل سے لعنت بھیجی، جس کا تذکرہ کر کے میں مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

اگر وہی کوڈ غلط ہو جاتا تو شاید اس عذاب کی نوبت نہ آتی لیکن کوئی اور ہی چکر ہے اور یہ معمر مرد اور عورت یہ کیوں بندھے ہوئے ہیں......؟ پتا چل رہا ہے کہ ان کی رہائی کے لئے کوئی مسئلہ ہے۔

کافی دلچسپ بات تھی۔ میں پریشانی سے ایک کونے میں بیٹھا سوچتا رہا۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں اس وقت میری نو نامی جزیرے پر تھا اور پورے وینس میں ایسا میرا کوئی ہمدرد نہیں تھا۔ اب صرف یہ ہی ہو سکتا تھا کہ کسی طرح اصل یوسف عارض ان کے ہاتھ آ جائے۔ بہرحال وقت گزرتا رہا۔ میری نگرانی بدستور کی جا رہی تھی۔ ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی اور ایک شخص نے مجھ سے پوچھا۔

''مس زینوکا سے ملاقات ہو سکتی ہے......؟''

''انہیں اطلاع دے دی جائے گی۔''

مجھے تقریباً بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد ایک عجیب سی آواز کسی مائیکروفون پر سنائی دی۔

''ہاں مسٹر یوسف عارض......! کیا چاہتے ہیں آپ......؟''

''مس زینوکا......! کچھ معلومات درکار ہیں۔ اگر آپ دماغ کو قابو میں رکھ کر جواب دیں تو میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔''

''جی فرمائیے......!''

زینوکا کے لہجے میں طنز تھا۔

''آپ مجھے یوسف عارض بنانے پر تلی ہوئی ہیں۔''

''فضول باتوں کے لئے میرے پاس کوئی وقت نہیں ہے۔ اگر آپ نے کام کی بات نہیں کی تو میں رابطہ منقطع کر دوں گی۔''

''اچھا صرف اتنا بتا دیجئے کہ وہ دونوں بدنصیب کون ہیں جو یہاں اس کمرے میں بندھے ہوئے پڑے ہیں۔''

میں نے سوال کیا اور زینوکا نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھی کہ میں یوسف عارض نہیں ہوں اور ان دونوں کے بارے میں سوال بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ چنانچہ وہ ناراض ہو گئی تھی۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر دوبارہ اپنی جگہ جا بیٹھا۔

پھر وقت گزرتا رہا اور شاید رات ہو گئی۔ خدا کا شکر تھا کہ ان لوگوں کو میرے بھوکے ہونے کا بھی خیال آ گیا اور رات کو دروازہ کھول کر تینوں مسلح افراد میرے لئے کھانے کی ٹرالی لے کر اندر آ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اب کیا کروں......؟ اگر ان کی خواہش کے مطابق اس بات کا اعتراف بھی کر لوں کہ میں یوسف عارض ہوں تو انہیں کس طرح مطمئن کر سکوں گا......؟ کیا مانگ رہے ہیں وہ......؟ عجیب سی پریشانی تھی۔

میں آہستہ آہستہ کھانا کھاتا رہا۔ بہرحال اس کے بعد میں پھر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا اور صبح ہی کو آنکھ کھلی۔ کھانے کی ٹرالی جوں کی توں رکھی ہوئی تھی۔ اچانک میری نگاہ ایک طرف اُٹھ گئی اور میں ایک عجیب سی چیز دیکھ کر چونک پڑا۔ سبز رنگ کا ایک کاغذ نظر آ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کاغذ کیا ہے......؟ قریب جا کر دیکھا تو ایک فائل رکھا ہوا تھا۔ فائل کھول کر دیکھا تو اس میں کچھ کاغذات لگے ہوئے تھے۔ کچھ نقش تھے اور عجیب و غریب نشانات تھے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ میں فائل کی ورق گردانی کرتا رہا، جس وقت میں اس قید خانے میں داخل ہوا تھا تو اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ ممکن ہے یہ کاغذات پہلے سے یہاں موجود ہوں۔ تھوڑی دیر تک اس فائل کو میں دیکھتا رہا اور اس کے بعد اچانک ہی میرے ذہن میں ایک دھماکہ سا ہوا۔

''فائل...... فائل...... فائل...... ہاں شاید ایک بار زینوکا نے اس سلسلے میں تذکرہ بھی کیا تھا۔ وہ لوگ مجھ سے کوئی فائل ہی مانگ رہے تھے۔''

میں نے فائل کو پھر اپنے قریب کر لیا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔

پھر غالباً میرے لئے صبح کا ناشتہ آیا تھا۔ وہی تینوں بدبخت آئے تھے اور ایک نئی ٹرالی ان کے ساتھ تھی۔ میں اندھیرے میں تیر چلایا اور کہا۔

''سنو......! زینوکا سے کہہ دو کہ میں فائل ان کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

میں نے کہا اور وہ تینوں چونک پڑے۔

''ویری گڈ......! یہ ہوئی ناں کام کی بات......! چلئے، آپ ناشتہ کر لیں۔ ہم زینوکا کو اطلاع کئے دیتے ہیں۔''

وہ رات والی ٹرالی لے کر واپس چلے گئے اور میں اطمینان سے ناشتہ کرنے لگا۔ میں نے فائل کو موڑ کر اپنے لباس میں رکھ لیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہی تینوں واپس آئے اور ان میں سے ایک نے مؤدب سے انداز میں کہا۔

''آئیے......! وہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''

جس کمرے میں مجھے لے جایا گیا، وہاں زینوکا ایک آرام دہ صوفے پر دراز تھی۔ برابر میں ہی دو افراد بیٹھے ہوئے تھے، جو کافی تیز چالاک شکل کے مالک نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

''تعجب کی بات ہے مسٹر یوسف عارض......! کہ آپ مجھے نہیں پہچان رہے۔ میرا نام ایڈی گرادو ہے۔''

''میں آپ سے صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں مسٹر......! کہ فائل آپ کے حوالے کر دینے کے بعد آپ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے......؟''

''جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے، ہمارے درمیان ایک پُروقار سودا ہو رہا ہے لیکن ہمیں تعجب ہے کہ آپ نے اچانک ہی اس سودے سے انکار کیوں کر دیا تھا......؟ جب آپ فائل اپنے ساتھ لائے تھے تو آپ نے اس سے انحراف کیوں کیا......؟''

''اور تم لوگوں نے میری تلاشی کیوں نہیں لی......؟''

میں نے سوال کیا۔

''اس لئے کہ ہماری نگاہوں میں آپ کا ایک وقار ہے۔ غصہ صرف اس بات پر آیا تھا کہ ایک سودے کی تکمیل کے بعد آپ نے اس سے انحراف کیوں کیا......؟''

''بہت بہتر......! آپ فائل ہمیں دے دیجئے۔ ہم بھی اپنے وعدے کو نبھائیں گے۔''

میں نے لباس سے فائل نکال کر ان کی طرف بڑھا دی اران میں سے ایک شخص نے جس نے اپنا نام گرادو بتایا تھا، جھپٹ کر فائل میرے ہاتھ سے لے لی۔ پھر وہ اسے لئے ہوئے ایک صوفے پر جا بیٹھا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ دیر تک وہ فائل کے کاغذات دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا کر زینوکا کی طرف دیکھ کر بولا۔

''فائل مکمل ہے۔''

''ویری گڈ......! اس کا مطلب ہے کہ مسٹر یوسف عارض نے اپنا قول نبھایا۔ شکریہ مسٹر عارض......! آپ اپنے آپ کو آزاد سمجھئے، اور آپ کے وہ دونوں ساتھی بھی آپ کے ساتھ ہی یہاں سے جائیں گے۔''

''بہت شکریہ......!''

میں نے گردن جھکا لی۔ دماغ کی چولیں ڈھیلی ہو رہی تھیں لیکن اب کچھ سوچنا بے کار تھا۔ زینوکا کھڑی ہوگئی، پھر بولی۔

''آپ کو صرف بیس منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے آدھا گھنٹہ لگ جائے۔ میں یہاں سے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کا بندوبست کئے دیتی ہوں۔ آپ آرام کیجئے۔''

اور اس کے بعد مجھے ایک دوسرے کمرے میں لے جایا گیا۔ اب میں یہاں ایک معزز مہمان تھا، لیکن سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ دونوں قیدی کون ہیں، جن کی رہائی کے لئے یہ فائل طلب کی گئی تھی......؟ میں کمرے میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ پھر اچانک ہی میرا کلیجہ اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

''فائل...... فائل کہاں سے آئی......؟ اس جگہ فائل کہاں سے پہنچ گئی......؟''

اور صرف ایک ہی بات ذہن میں آئی۔

''سو فیصدی...... سو فیصدی یہ کام ابرانوس کا ہے۔''

ابرانوس یہ پُراسرار جن، کبھی کبھی واقعی میری بہترین معاونت کرتا تھا۔ دل چاہا اس سے بات کروں۔ چنانچہ میں نے اسے پیار بھرے لہجے میں پکارا۔

''ابرانوس......!''

لیکن نہ ہی اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اور نہ ہی اس کی آواز سنائی دی، لیکن مجھے یقین تھا کہ فائل ابرانوس نے ہی مہیا کی ہے۔ وہ میری رہائی چاہتا تھا۔ جب مجھے اس کی آواز نہ دی تو میں خاموش ہوگیا۔ مجھے پتا تھا کہ ابرانوس خود بھی بگڑا ہوا ہے اور مجھ تک نہیں آنا چاہتا۔ میں نے کہا۔

''ابرانوس......! تم نے مجھ پر بہت احسانات کئے ہیں اور کم از کم تمہارے احسانات سے میں انکار نہیں کر سکتا۔ میں کیا کروں......؟ میری تقدیر مجھے مسلسل عذاب میں گرفتار کئے ہوئے ہیں اور تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے۔ تمہارا شکریہ......!''

بیس منٹ کے بعد وہی تینوں افراد پھر آ گئے اور اس بار ان کے ساتھ وہ دونوں قیدی بھی تھے جن میں ایک مرد اور ایک عورت تھی۔ دونوں ہی صورت سے خوش نظر آ رہے تھے، لیکن معمر شخص کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں جزیرے کے ساحل کی جانب لے جایا گیا، لیکن یہ وہ ساحل نہیں تھا جہاں عام طور سے اسٹیمر آ کر لگتے تھے بلکہ ایک اور ہی جگہ تھی۔ پھر ہمیں ایک اسٹیمر پر بٹھا کر روانہ کر دیا گیا تھا۔ زینوکا سے میری دوسری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس پر لعنت بھیجی۔

''بھلا مجھے کسی چیز کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے......؟''

جب اسٹیمر سمندر میں کافی دُور نکل گیا تو اس معمر شخص نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

''مسٹر......! میں آپ کو کس نام سے پکاروں......؟ وہ لوگ تو آپ کو یوسف عارض کہہ رہے تھے۔''

''آپ مجھے جس نام سے بھی پکارنا چاہتے ہیں، پکار لیں۔ لیکن میں یوسف عارض نہیں ہوں۔''

''آپ کا نام کچھ بھی ہو، میں صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے میرے بدلے وہ انتہائی قیمتی اور اہم فائل انہیں دے دی کیا......؟''

''ہاں......!''

''اوہ......!''

اس کا چہرہ اُتر گیا۔ اس نے افسردگی سے گردن جھکا لی۔

☆......☆......☆

"آہ......! مجھے اپنی زندگی کی اتنی فکر نہیں تھی۔ میں تو صرف اپنے وطن کے لئے مرنا چاہتا تھا۔ بہت غلط ہوگیا۔ مجھے قیامت تک اس کا افسوس رہے گا۔"

"بہتر رہے گا کہ آپ خاموشی اختیار کرلیں اور ساحل پر اُترنے کے بعد اپنا راستہ منتخب کرلیں۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتا۔"

"ٹھیک ہے......! لیکن ہمیں اتنا تو بتا دیجئے کہ ہمیں کہاں جانا ہوگا......؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ٹھیک ہے......! اب جو بھی ہوگا کرلیا جائے گا، لیکن مجھے فائل کی قیمت پر یہ آزادی قبول نہیں۔"

"تو پھر اسٹیمر واپس بھی لے آئے گا۔ آپ دوبارہ اس جزیرے پر واپس چلے جائیے اور ان لوگوں سے بات کرلیجئے۔"

میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ خاموش ہوگئے۔ ساحل پر اُترنے کے بعد اس عمر رسیدہ شخص نے مجھے کہا۔

"یہ تو بتا دیجئے کہ مجھے کس سے رابطہ قائم کرنا ہوگا......؟"

"پولیس سے......!"

میں نے جل کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، شکریہ......! آپ کا مشورہ واقعی بالکل ٹھیک ہے۔"

اس کے انداز میں کسی قدر ناگواری کا احساس بھی تھا۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد اس نے مجھ سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور اس کے بعد میں ان سے جدا ہوگیا۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے سب سے پہلے غسل کیا اور اس کے بعد اپنے آپ کو مسہری پر گرالیا۔

ابرانوس برابر میری مدد کررہا تھا۔ بہرحال میں جانتا تھا کہ میری زندگی میری اپنی نہیں ہے۔ وقت نے مجھے فٹ بال بنا رکھا ہے اور اگر کوئی نئی بات نہ ہو تو حیرانی کی بات ہے، لیکن بہرحال یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ نئی

بات نہ ہوتی......؟

اس وقت رات کا تقریباً ڈیڑھ بجا تھا، میں گہری نیند سو رہا تھا کہ دفعتہً کسی نے میرا گریبان پکڑ کر مجھے زور سے جھنجوڑا اور پھر مجھے اُٹھا کر کھڑا کردیا گیا۔ وہی تینوں ساتھی تھے۔ زینوکا کے چہرے پر غیض وغضب کے آثار نظر آرہے تھے۔ پستول کی نال میری پیشانی سے چپکی ہوئی تھی۔

"تمہارا کیا خیال تھا کہ کیا تم نقلی فائل دے کر ہم لوگوں کو بے وقوف بنا سکتے تھے......؟ میں تمہارے اتنے ٹکڑے کروں گی کہ کوئی گن بھی نہیں سکے گا۔"

میں نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔ زینوکا کے الفاظ میرے ذہن میں ضرور گونج رہے تھے لیکن اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ زینوکا نے اپنے ساتھیوں کی طرف رُخ کرکے کہا۔

"اسے بے ہوش کردو۔"

ان میں سے ایک میری طرف بڑھا اور پھرتی سے اس نے میری ناک پر رومال رکھ دیا اور چند لمحات کے بعد میں ہوش وحواس سے عاری ہوگیا جب آنکھ کھلی تو ایک کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کررہا تھا۔ میں نے ایک کراہ کے ساتھ کروٹ بدلی اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر میرے ذہن میں رات کے واقعات گونجنے لگے۔

"فائل نقلی ہے، فائل نقلی ہے۔"

لیکن اچانک ہی مجھے اپنے سامنے ایک سفید سا کاغذ پڑا ہوا نظر آیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا تھا لیکن میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کاغذ پر جھپٹا مارا۔ کاغذ پر ابرانوس کی ویسی ہی تحریر تھی جیسی اس سے پہلے میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کے الفاظ پڑھے، لکھا تھا۔

"سنو......! میری تمہاری ملاقات جیسے بھی ہوئی، لیکن تم نے مجھے آزادی دے کر احسان کیا تھا اور ہم جن انسانوں کی طرح احسان فراموش نہیں ہوتے۔ جب تمہاری احسان فراموشی کا خیال آتا ہے تو دل میں تم سے نفرت ہونے لگتی ہے ار اس وقت جب میں تمہارے لئے کچھ کرتا ہوں تو مجھے اس پر شرمندگی ہوتی ہے۔ میں چاہتا تو اصل فائل بھی تمہارے سامنے لاسکتا تھا، لیکن تم نے مجھ سے دوسری کا اظہار کرکے جو کچھ کیا ہے، اب اس کا نتیجہ بھگتتے رہو۔ کیا سمجھے......؟"

یہاں تحریر ختم ہوگئی تھی۔ دماغ بھک سے اُڑ کر رہ گیا۔

"ابرانوس نے کہا یہ سب کچھ......؟"

میری آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں۔ میں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو کیا سمجھتا ہے آتش زادے......! ہم اشرف المخلوقات ہیں۔ ہمیں تم پر بھی فوقیت حاصل ہے۔"

میں نے تو بس تیرا احسان محسوس کر کے تجھے آواز دی تھی۔ ٹھیک ہے......! میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ سے کتنا مقابلہ کرسکتا ہوں......؟''

دماغ غصے کی شدت سے چٹخنے لگا۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ پہلے میں نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ جب کوئی جواب نہیں ملا تو زور سے شانے کی ٹکر دروازے پر ماری۔ میرے بدن کی قوت تھی، غصہ تھا یا پھر دروازے کی کمزوری ایک کواڑ اپنی جگہ چھوڑ گیا۔ وہ چوکھٹ کی طرف سے ہٹ گیا تھا۔ جبکہ باہر کا تالا بدستور لگا ہوا تھا۔ میں نے حیرت سے اس منظر کو دیکھا۔ اپنے آپ کو کبھی ٹارزن سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی، لیکن اس وقت سب کچھ ہوگیا اور مجھے باہر نکلنے میں کوئی دِقت پیش نہیں آئی۔ میں باہر آگیا۔

ایک وسیع و عریض راہ داری میرے سامنے سنسان پڑی ہوئی تھی۔ یہ اندازہ نہیں ہو پارہا تھا کہ میں کون سی جگہ ہوں......؟ ہوسکتا ہے یہ وہی عمارت ہو جس میں زینو کا مجھے پہلی بار لائی تھی، لیکن ماحول بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔ عمارت بہت چھوٹی تھی اور کسی ویران مقام پر واقع تھی۔ یہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ ایک طرف دُور دُور تک جھاڑیاں اور درخت پھیلے ہوئے تھے۔ دوسری طرف پتھریلا میدان تھا جو بلندی کی طرف چلا گیا تھا۔

اسی وقت میری نظر ایک چھوٹی سی سڑک کے کنارے ایک کچی جگہ پر بنے ہوئے ٹائروں کے نشانات پر جم گئی۔ میں نے کناروں سے ٹائروں کے نشانات تلاش کئے اور ان کے سہارے آگے بڑھنے لگا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون سی جگہ ہے......؟

دفعتہً ہی ایک سنسناہٹ سی سنائی دی اور کوئی چیز میرے سر سے صرف تین انچ اوپر سے گزر گئی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے جھاڑیوں پر چھلانگ لگا دی تھی۔ پہاڑیوں میں گونجنے والی بازگشت اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ مجھ پر رائفل سے فائر کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے، مجھے مکان سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا گیا۔

پھر باقاعدہ فائرنگ ہونے لگی۔ گولیاں بارش کی طرح میرے آس پاس سے گزر رہی تھیں اور میں بے حس بن کر جھاڑیوں میں لیٹا مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ فائرنگ ایک لمحے کے لئے رُکی تو میں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور اُچھل کر ایک درخت کی آڑ میں چھپ گیا، لیکن فائرنگ دوبارہ شروع ہوگئی۔ مجھے پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں......؟ کہاں چھپے ہوئے ہیں......؟ اور ان کی تعداد کتنی ہے......؟ ان میں سے کوئی میرے ہاتھ لگ جائے تو پھر میں بھی اپنی قوتوں کو آزماؤں۔

اگرچہ درخت کی دوسری طرف جانے میں خطرہ تھا لیکن خطرہ مول لئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ کانٹے دار جھاڑیاں میرے ہاتھ پیروں میں خراشیں لگا رہی تھیں۔ مگر میں آگے بڑھتا رہا اور کچھ دیر کے بعد فائرنگ بند ہوگئی۔

میں نے سر اُبھار کر دیکھا، کافی فاصلے پر ایک شخص رائفل سنبھالے متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اس نے مجھے دیکھ لیا اور دوسرے ہی لمحے رائفل سنبھالے میری طرف لپکا۔ رائفل کے

آگے لگی ہوئی سنگین دُھوپ میں چمک رہی تھی۔ رائفل یا تو خالی ہوچکی تھی یا پھر بدحواسی میں فائر کرنے کی بجائے مجھے سنگین کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ وہ جیسے ہی میرے قریب پہنچا، میں نے جھٹکے سے اپنے آپ کو فضاء میں بلند کیا اور اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے سنگین سے مجھ پر وار کرنے کی کوشش کی لیکن میں صاف بچ گیا اور دوسرے ہی لمحے میں نے عقب سے اس کا نرخرہ پکڑ لیا۔ رائفل اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی، لیکن میں نے اس کی گردن دبائی ہوئی تھی اور پوری قوت صرف کر رہا تھا، وہ پلٹ نہیں سکا۔

''زینو کا کہاں ہے......؟''

میں نے غرائی ہوئی آواز میں سوال کیا، لیکن اس نے جواب دینے کی بجائے ایک بار پھر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ میں نے پھرتی سے اس کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا۔ اب ہم دونوں میں رائفل کے لئے کش مکش ہونے لگی۔ میری کوشش تھی کہ رائفل کا رُخ آسمان کی جانب رہے۔ پھر میں نے اس کے گھٹنے پر ایک زوردار ضرب لگائی اور وہ بلبلا اُٹھا۔ مگر رائفل پر اس کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔ ہم دونوں لڑکھڑاتے ہوئے نیچے گر گئے۔

نیچے گرتے ہی مجھے رائفل پر دونوں ہاتھ جمانے کا موقع مل گیا۔ سنگین اس کے نرخرے کو چھو رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر غرا کر زینو کا کے بارے میں پوچھا۔ وہ رائفل چھوڑ چکا تھا، لیکن وہ میری بات کا جواب دینے کی بجائے اس نے چاقو نکال لیا۔ میں ایک لمحے میں ہوشیار ہوچکا تھا۔ اس کو حملے کا موقع دینے سے پہلے ہی میں نے رائفل پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ بڑھا دیا اور سنگین اس کے نرخرے کو کاٹتے ہوئے اس کے اندر گھس گئی۔ خون کا فوارہ بہہ نکلا تھا۔ میں پھرتی سے اسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔ خون بری طرح اس کی گردن سے اُچھل کر باہر نکل رہا تھا اور وہ زمین پر تڑپ رہا تھا۔

چند ہی لحوں میں اس کی آنکھیں بے نور ہوگئیں۔ چاقو اب بھی اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلائی اور اس کے ہاتھ سے چاقو نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا۔

''میں کیا کروں......؟''

بے گناہوں کا خون میرے ہاتھوں سے ہو رہا تھا، اور وہ بھی غلط فہمی کی بنیاد پر۔ میں وہ بن چکا تھا جو قیامت تک نہیں بننا چاہتا تھا، لیکن کیا کرتا......؟ تقدیر مجھے اچھا انسان بننے نہیں دے رہی تھی۔

میں ان ہی خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ عقب سے آہٹ سنائی دی اور میں نے دو انسانوں کو دیکھا جو میرے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ مجھے زندہ کیوں چھوڑیں گے......؟ ان کی نگاہیں اپنے ساتھی کی لاش کو بھی دیکھ رہی تھیں اور ان کے چہرے پر خون کی سرخی نظر آرہی تھی۔ موت اب مجھے اپنے بالکل قریب نظر آرہی تھی۔ بس یہی چاہ رہا تھا کہ آنکھیں بند کر کے زمین پر لیٹ جاؤں، اس کے سوا چارہ کار بھی کیا تھا۔

وہ دونوں مجھ سے تھوڑے سے فاصلے پر رُک گئے۔ اچانک ہی میں نے آہستہ سے کہا۔

"سنو......! یہ لوگ آپ کی جنگ کا شکار ہوئے ہیں۔ میرا ان کی موت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں زینوکا سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس اس کے لئے اہم اطلاع ہے۔ جس مکان میں مجھے رکھا گیا تھا، اس سے مجھے نکالنے والے یہی لوگ ہیں۔"

میرے ان الفاظ پر ان لوگوں کے چہروں پر اُلجھن کے آثار نظر آئے لیکن مجھے لگا کہ ان کا غصہ کم ہوگیا ہے۔ تب ان میں سے ایک نے اپنی رائفل پر سنگین چڑھائی اور مجھ سے رُخ بدلنے کے لئے کہا۔ میں فوراً اس کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوگیا۔ رائفل کی سنگین میری پیٹھ میں چبھی تو میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ لوگ مجھے آگے بڑھنے کا ہی اشارہ کررہے تھے۔ میری رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ کیونکہ جس راستے پر میں چل رہا تھا، وہ خاصا مشکل تھا۔ پہاڑیوں پر سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی پگ ڈنڈی دُور تک چلی جاتی تھی اور راستے میں جگہ جگہ پتھروں کی رکاوٹ تھی۔ کئی بار مجھے موقع ملا کہ چالاکی سے کام لے کر ان لوگوں کو اپنا شکار بناؤں لیکن بے مقصد بات تھی۔ ان دونوں کو بھی ہلاک کردیتا تو اس سے کیا فائدہ ہوتا......؟

چنانچہ میں خاموشی سے چلتا رہا۔ پھر اونچی اور گھنی جھاڑیوں سے گزرنے کے بعد انہوں نے مجھے ایک جگہ رُکنے کا اشارہ کیا۔ یہاں بھی چٹانیں گھنی جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھیں اور ان ہی جھاڑیوں کے پیچھے اس غار کا دہانہ تھا جس میں سرنگ کافی اندر تک چلی گئی تھی۔ سرنگ کے اختتام پر مدہم روشنی تھی۔ میرے دونوں محافظوں میں سے اسی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد وہ واپس آیا اور مجھے آگے بڑھنا پڑا۔

غار میں ایک ہلکی سی گونج سنائی دے رہی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ روشنی کے لئے جنریٹر استعمال کیا جارہا ہے۔ سرنگ کے اندر ایک بلب لٹکا ہوا تھا، جس کی روشنی میں لکڑیوں کی پیٹیوں کے انبار نظر آرہے تھے۔ پھر میری نگاہ زینوکا پر پڑی جو ایک میز کے پیچھے بیٹھی غار کے دہانے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ میں اس کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ چند لمحے مجھے گھورتی رہی، پھر اس نے کہا۔

"تمہارا خیال ہے کہ تم چالاکی سے کام لے کر مجھے شکست دے دوگے لیکن ایسا نہیں ہوگا میری جان......! ایسا نہیں ہوگا۔ بے شک وہ لوگ میرے قبضے سے نکل گئے لیکن میں بہت جلد دوبارہ انہیں گرفتار کرلوں گی اور اس کے بعد انہیں رہا کرانے والا کوئی نہ ہوگا۔"

"تم ضرور ایسا کرنا زینوکا......! لیکن میرے سلسلے میں تم غلط فہمی کا شکار ہو۔ میں نے تمہیں اصل فائل ہی دیا تھا۔ البتہ میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔"

"کیا......؟"

"میں نہیں مانتا کہ اس شخص سے تمہارا کوئی تعلق ہے، جس نے اپنا نام ایڈی گرادو بتایا تھا......؟ اگر تمہارا کوئی بہت ہی قابل اعتماد آدمی ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ فائل کا نقلی ہونا میری بدقسمتی ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ میں صرف ایک اشارہ کروں گا کہ تم اسے بھی نگاہ میں رکھو تو میرے خیال میں نہ صرف تمہارے لئے بلکہ میرے لئے

بھی بہتر ہوگا۔"

زینوکا میرے ان الفاظ پر چونک پڑی۔ پھر اس نے تعجب سے پوچھا۔

"لیکن تم ایڈی گرادو کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو......؟"

"یہ وہی شخص ہے جس نے فائل کے اصلی ہونے کی تصدیق کی تھی اور اس کے بعد آپ نے مجھے رہائی کا پروانہ جاری کیا تھا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہوسکتا کہ اس شخص کی نیت بدل گئی ہو۔ ممکن ہے فائل اس نے خود تبدیل کی ہو۔ بہرحال میں تو اس وقت آپ کے رحم وکرم پر ہوں۔"

میرے ان الفاظ نے اس پر خاطر خواہ اثر کیا۔ دوسرے لمحے وہ کھڑی ہوگئی۔ اس نے گھنٹی بجائی اور وہ دونوں آدمی اندر آگئے۔

"فوراً ایڈی گرادو کو چیک کرو، وہ کہاں ہے......؟ مجھے چند منٹ کے اندر اس کے بارے میں اطلاع درکار ہے۔"

وہ لوگ باہر نکل گئے۔ زینوکا بے چینی سے ٹہلنے لگی، لیکن اس وقت ایسا موقع نہیں تھا کہ میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کرسکتا۔ وہ دونوں آدمی جو مجھے یہاں لے کر آئے تھے، غار کے دہانے پر جمے ہوئے تھے اور ان کے جوتوں کی آہٹ مجھے صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس کے اشارے پر میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

پانچ منٹ کے بعد ان ہی لوگوں میں سے ایک شخص اندر داخل ہوا اور اس کے چہرے پر وحشت طاری ہوگئی تھی۔

"ایڈی گرادو کا کہیں پتا نہیں چل رہا۔ بلکہ اطلاع ملی ہے کہ وہ اپنا سامان اُٹھا کر وہاں سے لے گئے ہیں۔"

"اوہ......! چاروں طرف آدمی لگادو۔ اسے گرفتار کرلو۔ نکل کر نہیں جانا چاہئے۔ وہ مجھے دھوکہ دے کر گیا ہے۔ جاؤ سب لوگ اس کی تلاش میں جاؤ۔ ایڈی گرادو......! اگر تم نے یہ سب کچھ کیا ہے تو تم نے نہ صرف اپنی، بلکہ اپنے خاندان کی تقدیر بھی سیاہ کرلی ہے۔ نہیں بچ سکو گے تم......! ہاں، نہیں بچ سکو گے۔"

پھر اچانک وہ مجھے گھورنے لگی۔

"اور اگر تم نے یہ غلط اطلاع دی ہے تو تم بھی نقصان اُٹھاؤ گے۔"

"حالانکہ زینوکا......! یہ بات ظاہر ہوچکی ہے کہ گرادو نے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر آپ مجھے دھمکی دے کر خود کو پرسکون محسوس کرتی ہیں تو آپ کی مرضی ہے۔"

زینوکا مجھ پر پہرے لگا کر باہر چلی گئی اور میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے......؟ میں نے ایک تکا لگایا تھا، جو کام کر گیا تھا۔ ممکن ہے ایڈی گرادو انہیں کسی جگہ سے حاصل ہوجائے۔ پھر اس کے بعد کیا ہوگا......؟ یہ تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ میں نے اچانک زور سے آواز لگائی۔

"سنو......! تم جو کوئی بھی ہو، اندر آؤ......!"

ایک شخص اندر داخل ہوا، لیکن میں اس کا استقبال کرنے کے لئے تیار تھا۔ میری ٹھوکر اس کے پیٹ پر پڑی اور وہ تکلیف کی شدت سے دُہرا ہو گیا۔ اس نے جلدی سے رائفل سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن جبڑے پر لگنے والی دوسری ٹھوکر نے اسے پلٹ دیا۔ یہ ٹھوکر اتنی زور سے لگی تھی کہ اس کا جبڑہ ٹوٹ گیا اور منہ سے خون کی دھار بہنے لگی۔ اس نے دو تین بار ہاتھ پاؤں مارے اور اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔

میں دوسرے آدمی کا منتظر تھا، لیکن پتا نہیں وہ کیوں اندر نہیں آیا تھا......؟ جبکہ اس شخص کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ بہر حال میں نے برق رفتاری سے فرش پر پڑی ہوئی رائفل اُٹھائی اور غار سے باہر نکل آیا۔ سرنگ سنسان پڑی ہوئی تھی، زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ پیچھے سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور میں تاریکی میں ایک دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔

پھر ایک انسانی ہیولہ دکھائی دیا۔ یہ زینو کا ہی تھی۔ میں نے سانس روک لیا اور اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا، لیکن وہ چالاک تھی، جوں ہی میں نے رائفل کا کندا اس کے سر پر مارنے کی کوشش کی، اس نے انتہائی تیزی سے گھوم کر پھرتی سے میرے گھٹنے پر اس زور سے ٹھوکر رسید کی کہ میں کراہ کر رہ گیا۔

"بے وقوف کے بچے......! کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ میں اتنی ہی پاگل ہوں......؟"

اس کے حلق سے غراہٹ نکلی۔ میں نے خود کو سنبھال کر اس پر رائفل کی سنگین سے حملہ کر دیا، لیکن وہ مارشل آرٹ کی بہترین ماہر تھی۔ کیونکہ اس کے بغیر انتہائی پھرتی کا مظاہرہ ممکن نہیں ہے۔ اس نے میرا وار بچایا اور اس کے ساتھ ہی اُچھل کر مجھ پر فلائنگ کِک لگانی چاہی۔ میں نے سنبھلنے کے لئے جگہ بدلی لیکن ٹھوکر میرے ہاتھ پر لگی، رائفل میرے ہاتھ سے نکل کر دُور جا گری اور وہ وحشیانہ انداز میں چیختی ہوئی میری طرف بڑھی۔ اس نے میرے پیٹ پر ٹھوکر ماری۔ میں شدتِ کرب سے کراہ اُٹھا تھا۔ لیکن زینو کا نے وقت ضائع نہ کیا۔ اس نے کراٹے کا ایک اور ہاتھ میرے شانے پر جمایا اور مجھے یوں لگا جیسے شانے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو، لیکن تکلیف سے میں دیوانہ ہو گیا۔

میں نے کسی گینڈے کی طرح اس کے سینے پر ٹکر ماری اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی دیوار کے ساتھ جا لگی، لیکن میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس جیسی پھرتیلی اور بہادر عورت میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ کم بخت بہترین جنگجو تھی۔ اس نے اپنے سینے کی تکلیف کو بھول کر ایک بار پھر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس بار میں نے ایک تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا۔ سینے کی تکلیف کی وجہ سے وہ اپنا داؤ ٹھیک طور پر نہیں لگا سکی تھی۔ میرا تھپڑ بہر طور ایک طاقت ور مرد کا تھپڑ تھا۔

چنانچہ ایک بار پھر وہ پیچھے ہٹ کر دیوار سے ٹکرائی اور اب میں نے اسے موقع نہیں دیا اور اس پر پل پڑا۔ میں نے دوسرا گھونسہ اس کی ناک پر رسید کیا، اس کی ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی۔ وہ تکلیف سے کراہنے لگی

تھی لیکن اس نے فوراً ہی اپنی اُنگلیوں سے میری گردن کو دبوچ لیا۔ اس میں اب بھی اتنا دم خم باقی تھا کہ اگر میں ایک لمحے کے لئے بھی ڈھیلا پڑ جاتا تو وہ مجھے ٹھکانے لگا دیتی۔ لیکن میں نے یہ بھول کر کہ وہ عورت ہے، اس سے باقاعدہ مقابلہ شروع کر دیا۔ میں نے اس کے بال پکڑ کر اس کا سر دیوار سے مارنے کی کوشش کی، لیکن اس نے اپنا گھٹنا اوپر اُٹھا لیا۔ اس نے مجھے زور سے دھکا دیا اور میں نیچے جا پڑا، اس کی ٹھوکر ایک بار پھر میری پسلیوں پر پڑی تھی، لیکن جوں ہی اس نے دوبارہ ٹھوکر مارنے کی کوشش کی تو میں نے اس کا پاؤں پکڑ کر موڑ دیا اور وہ منہ کے بل گری۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے مقابلہ نہیں کیا، لیکن پھرتی سے اُٹھ کر سرنگ کے اندرونی حصے میں دوڑنے لگی۔

میں دیوانوں کی طرح اس کے پیچھے دوڑا۔ اگر وہ بچ جاتی تو میرے لئے بچنا مشکل ہو جاتا۔ وہ مجھ سے چند گز کے فاصلے پر دوڑ رہی تھی اور پھر وہ غار کے دہانے پر اندر داخل ہو گئی۔ اس کا رُخ اپنی میز کی طرف تھا، لیکن میز پر پہنچنے سے پہلے ہی میں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور پوری طرح اس پر چھا گیا۔ اس نے مجھے اپنی پشت پر لاد کر پٹخنے کی کوشش کی لیکن یہ اس کے لئے آسان نہ ہوا۔

میں نے ایک بار پھر اس کا سر میز پر دے مارا لیکن مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کا سر میز کے بالکل کونے پر پڑے گا۔ چٹاخ کی آواز آئی اور اس کی پیشانی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ دماغ میں چوٹ لگی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ میز پر پھیلے رہ گئے اور جب میں نے اس کے خون میں ڈوبے ہوئے چہرے کا رُخ اپنی جانب کیا تو اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ یہ دُنیا چھوڑ چکی ہے۔

اچانک ہی میرے دل میں اپنے لئے نفرت سی پیدا ہو گئی۔

"یہ کیا کر رہا ہوں میں......؟ ایک اور زندگی میرے ہاتھوں ختم ہو گئی......؟"

"کیوں......؟"

"آخر کیوں......؟"

لیکن یہ کیوں خود میرے سوال کا جواب تھی۔ اگر میں اسے نہ مارتا تو یہ مجھے مار ڈالتی۔ یقیناً ایسا ہی ہوتا۔ گویا میں بے قصور ہوں، بے کار ہے سب کچھ، بے کار ہے۔ بے مقصد، بے فائدہ۔ میں سرنگ میں دوڑنے لگا اور سرنگ سے باہر نکل آیا۔ سامنے ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ میں آگے بڑھتا رہا۔ پتا نہیں یہ جزیرہ تھا بھی یا نہیں......؟

پھر مجھے ایک بلند جگہ نظر آئی اور میں اس پر پہنچ کر چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا۔ مجھے ایک سڑک نظر آئی اور میں نے اس طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ سڑک زیادہ دُور نہیں تھی۔ اس پر ہلکی ٹریفک چل رہی تھی۔ میں سڑک کے کنارے پر کھڑا ہو گیا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد مجھے ایک کمپنی کا ٹرک نظر آیا۔ میں نے اسے روکا تو وہ رُک گیا۔ ڈرائیور نے کھڑکی سے گردن باہر نکال کر مجھے دیکھا تو میں نے اس سے درخواست کی کہ مجھے کسی آبادی میں اُتار دے۔

ٹرک نے زیادہ سفر نہیں طے کیا تھا کہ شہر کی روشنیاں نظر آنے لگیں اور پھر ایک جگہ ٹرک رک کر میں ڈرائیور کا شکریہ ادا کر کے نیچے اُتر گیا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ اس کے بعد ہوٹل کے علاوہ اور کہاں کا رُخ کر سکتا تھا......؟ لیکن یہ ہوٹل اب میرے لئے بہت خطرناک تھا۔ کیونکہ زینو کا کے آدمی مجھے یہیں تلاش کریں گے۔ چنانچہ ضروری سامان سمیٹ کر میں ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ البتہ اس بار میں نے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔

ہوٹل بہت مہنگا تھا لیکن بے حد شاندار تھا۔ میں آٹھویں منزل کے ایک کمرے میں منتقل ہو گیا اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنی تقدیر پر لعنت بھیجنے کا عمل شروع کر دیا۔ کافی دیر گزرنے کے بعد طبیعت پر بے زاری سوار ہوئی تو غسل وغیرہ کر کے ایک عمدہ سوٹ پہنا اور باہر نکل آیا۔ ہوٹل شاندار تھا اور یہاں جینٹری نظر آ رہی تھی۔

میں نے بھی اپنی میز سنبھال لی اور کرسی پر بیٹھ کر طائرانہ نگاہوں سے ماحول اور یہاں موجود انسانوں کا جائزہ لینے لگا۔ لیکن...... لیکن حالات میرا پیچھا کہاں چھوڑتے......؟ میری نگاہ ایک جوڑے پر پڑی۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ وہی دونوں افراد تھے جنہیں میں نے زینو کا کی قید سے آزادی دلائی تھی۔ مجھ سے زیادہ سر پھرے معلوم ہوتے ہیں۔ دُشمن کی قید سے نکلنے کے باوجود وہ اس طرح آزادی سے کسی ہوٹل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ بات بہت ہی حیرت انگیز تھی۔

''کہیں وہ مجھے دیکھ کر پہچان نہ لیں......؟''

اس تصور سے میں نے رُخ تبدیل کرنے کی کوشش کی، لیکن دیر ہو چکی تھی۔ معمر خاتون کی نگاہیں بہت تیز تھیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے اُٹھ گئی تھیں، غالباً انہوں نے معمر شخص سے میرے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا تھا، وہ تیر کی طرح میری میز کی طرف ہی آئی تھیں اور پھر میز کی سطح پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھکیں اور کہنے لگیں۔

''میرے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اگر کسی کو ایک بار دیکھ لیتی ہوں تو زندگی بھر نہیں بھولتی۔''

میں نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''لیکن اگر آپ مجھے بھول جائیں تو عنایت ہوگی۔''

معمر عورت ہلکے سے ہنس پڑی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''محسنوں کو کون بھول سکتا ہے......؟ میرے پیارے بچے......! تم پہلے بھی ہم سے بے زار نظر آئے تھے اور اب بھی اسی بے زاری کا مظاہرہ کر رہے ہو......؟ لیکن یہ تمہارا فعل ہے۔ اُٹھو......! اگر تم میرے ساتھ میری میز پر نہ گئے تو ہم دونوں تمہاری میز پر آ بیٹھیں گے اور بلا وجہ تمہارے اخراجات بڑھ جائیں گے۔''

میں بوکھلائے ہوئے انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اخراجات تو ویسے ہی میرے حلق میں اٹکے ہوئے

تھے۔ واقعی اگر یہ دونوں یہاں نازل ہو گئے تو اچھا خاصا بل بن جائے گا۔ پکڑا گیا تھا تو اب کیا کرتا......؟ چنانچہ میں معمر خاتن کے ساتھ اس میز پر پہنچ گیا جہاں حضرت بھی بیٹھے ہوئے تھے اور معمر خاتون کے اس طرح چلے جانے پر حیران تھے۔ پھر انہوں نے بھی مجھے پہچان لیا اور پُر تپاک لہجے میں بولے۔

''اوہو......! تم......؟ تم پُراسرار انسان......تم خوب مارگریٹ تم نے انہیں خوب پکڑا۔''

''یہ اس وقت بھی اسی کیفیت کا مظاہرہ کر رہے تھے، لیکن ٹھیک بھی ہے، بھلا ایک اجنبی کسی پر اس سے زیادہ کیا احسانات کر سکتا ہے......؟''

''اس کے باوجود ہم اپنے محسن کو نظر انداز تو نہیں کر سکتے۔''

معمر شخص نے مجھ سے زبردستی مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور پھر مجھے اپنی میز پر بیٹھنے کی پیش کش کر دی۔

''درحقیقت میں جن حالات کا شکار ہوں، اگر کوئی مجھے ایک بار یقین دلائے کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نکال لے گا تو شاید میں زندگی بھر اس کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہو جاؤں۔ میں زندگی سے بے زار ہو کر یہاں آ بیٹھا تھا، یہ سوچ کر کہ اب جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔ لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ نیس میں تنہا میں ہی پاگل نہیں ہوں، آپ لوگ تو مجھ سے بھی زیادہ خطرناک حالات کا شکار ہیں۔ پھر بھی اس طرح کھلے عام اس ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''ہمارا خطرہ تو تم نے دُور کر دیا ہے ڈیئر......! اب بھلا میں کیا خطرہ ہو سکتا ہے......؟''

معمر شخص نے پوچھا۔

''اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیجئے محترم......! آپ اب پہلے سے بھی زیادہ خطرے میں ہیں۔''

''کک......کیوں......؟''

عورت نے حیرت سے میری صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

''تفصیل مختصر نہیں ہے، تاہم میں مختصر الفاظ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں۔''

''نہیں......! اتنے اختصار کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ پہلے ہم لوگوں کے درمیان تعارف ہو جائے۔ تم نے اس وقت بھی مجھے کچھ نہیں بتایا تھا اور اس وقت بھی یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے تم یہاں سے بھاگ جانے کے چکر میں ہو۔ کیا نام ہے تمہارا دوست......؟''

''آپ نے مجھے یوسف عارض کے نام سے پکارا تھا۔''

میں نے مرد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''بے شک پکارا تھا، لیکن اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ تم یوسف عارض نہیں ہو، کیوں......؟ کیا میں نے غلط کہا......؟''

"جی نہیں......! اس وقت میں ہر ایک سے چیخ چیخ کر یہ کہتا پھر رہا تھا کہ بھائیو......! میں یوسف عارض نہیں ہوں، لیکن کوئی نہیں مان رہا تھا، اور اب جب میں نے خود کو یوسف عارض سمجھنا شروع کر دیا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ میں یوسف عارض نہیں ہوں......؟"

دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے، میں جلے کٹے انداز میں ان کی صورت دیکھتا رہا، پھر مرد نے کہا۔

"بہر طور تم مجھے ڈینس پال کہہ سکتے ہو، یہ خاتون میری بیوی ہیں، مارگریٹ پال......!"

"آپ حضرات سے مل کر سمجھ میں نہیں آتا کہ خوشی ہونی چاہئے یا خوف زدہ ہونا چاہئے......؟ بہر طور اخلاقاً میں یہی کہوں گا کہ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

"اور ہم سچے دل سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ تم سے دوبارہ ملاقات ہمارے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہوگی اور یقیناً اب مسز پال اتنی بد اخلاق نہیں ہیں کہ تمہیں اپنی رہائش گاہ پر مدعو نہ کریں۔"

"رہائش گاہ......؟ کیا آپ لوگ ہیں وینس میں رہتے ہیں......؟"

میں نے سوال کیا۔

"فی الحال وینس ہی میں ہیں، لیکن بہت جلد یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"تب مسٹر ڈینس پال......! آپ کے لئے یہ اطلاع باعث دلچسپی ہوگی کہ جن لوگوں نے آپ کو قیدی بنایا تھا، وہ دوبارہ آپ کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔"

"یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو......؟"

ڈینس پال نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اس لئے کہ انہوں نے مجھے دوبارہ گرفتار کر لیا تھا، آپ کا پتہ شاید انہیں معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ چنانچہ میں تنہا ہی ان کے چنگل میں جا پھنسا تھا۔"

"اوہ......! پھر اس کے بعد تمہیں رہائی کس طرح حاصل ہوئی......؟ اور انہیں دوبارہ تمہاری ضرورت کیوں پیش آئی......؟"

"آپ بہت پُرسکون ہیں، میرا خیال ہے آپ کو یہاں سے نکلنے کی کوئی جلدی نہیں ہے، اور دوبارہ گرفتار ہونے کا بھی کوئی خدشہ نہیں ہے۔"

"نہیں......! یہ بات نہیں ہے۔ دراصل ہمارا خیال تھا کہ ابھی کچھ عرصے تک وہ لوگ ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکیں گے۔ چند اہم اُمور تھے جن کی وجہ سے ہم یہاں رُکے ہوئے تھے، لیکن تمہارا انکشاف واقعی خطرناک حیثیت رکھتا ہے، تم یہ بتاؤ کہ تم ان کے چنگل سے کس طرح فرار ہوئے......؟"

"جس طرح بھی نکلا، یہ ایک لمبی داستان ہے۔ لیکن یوں سمجھ لیجئے کہ میری زندگی مسلسل خطرے میں ہے۔ کیا آپ کسی ایڈی گرادو نامی شخص کو جانتے ہیں......؟"

"یہ اسی گروہ یا افراد کا ایک ساتھی ہے، جنہوں نے آپ کو اور مجھے قید کیا تھا اور یہ خطرناک شخص ہماری تلاش میں نکل پڑا ہے۔"

"میرا خیال ہے ڈینس......! ہم سے غلطی ہوئی ہے، حالات ابھی ہمارے موافق نہیں ہیں، ہماری سوچ غلط بھی تو ہو سکتی ہے......؟"

مسز پال نے کہا۔

"ہاں......! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں، کیا خیال ہے یوسف عارض......؟ میرا مطلب ہے، آپ کا جو بھی نام ہو، کیا آپ ہمارے ساتھ چلنا پسند کریں گے......؟"

"میں......؟"

میں نے تعجب سے کہا۔

"ہاں......! آپ......!"

"مگر کہاں......؟"

"ہماری رہائش گاہ پر، بشرطیکہ آپ ہم پر بھروسہ کر سکیں۔"

میں چند لمحات سوچتا رہا، پھر میں نے کہا۔

"اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں میرا قیام ہے اور بلاشبہ میں اس جگہ کو اپنے لئے مخدوش سمجھتا ہوں، لیکن آپ لوگ......"

"ایک بات پر یقین کرو ڈیئر......! کہ ہمارے ذریعے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں تمہیں اپنی ٹھیک پوزیشن سے آگاہ کر دوں گا، اس کے بعد اگر تم میرے ساتھ قیام نہ کرنے کا ارادہ رکھو گے، مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ ویسے بھی ہمیں تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا اور اس کے لئے ہماری خواہش تھی کہ کاش ایک بار پھر تم سے ملاقات ہو جائے۔"

میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا، زینو کا میرے ہاتھوں قتل ہو گئی تھی، لیکن اس کے ساتھ ایڈی گرادو کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے، ہر چند کہ میں نے وقتی طور پر زینو کا ک ایڈی گرادو کے فرار کی طلاع دے کر چکر میں ڈال دیا تھا اور اس نے اپنے آدمیوں کو ایڈی گرادو کی تلاش میں دوڑا دیا تھا، یہ بھی اتفاق تھا کہ ایڈی گرادو اپنے ٹھکانوں پر نہیں ملا تھا، لیکن ظاہر ہے، یہ ممکن نہیں تھا کہ ایڈی گرادو انہیں مل ہی نہ سکے۔ وہ لوگ اس جگہ واپس جائیں گے جہاں زینو کا موجود تھی، زینو کا کے قتل کا علم ہوگا تو وہ لوگ اس کے علاوہ اور کیا سوچیں گے کہ میں نے اسے قتل کیا اور فرار ہو گیا......؟

سی ایک شخص کو استنبول میں تلاش کرنا بلاشبہ آسان کام نہیں تھا، لیکن جس قسم کے وہ لوگ تھے، اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ پورا وینس چھان ماریں گے اور ممکن ہے مجھ تک پہنچ ہی جائیں۔ ہاں......! اگر یہ

بوڑھا جوڑا واقعی میرا احسان مند ہے جیسا کہ اسے ہونا چاہئے تھا، تو ممکن ہے مجھے اس سے کچھ مدد مل جائے۔ چنانچہ میں نے صرف ایک لمحہ غور کر کے ان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا، کم از کم یہ اندازہ ضرور تھا کہ یہ لوگ میرے دُشمن نہیں ہو سکتے۔

میں نے جب اس بات پر آمادگی کا اظہار کیا تو مسٹر ڈینس پال نے مسز مارگریٹ پال سے کہا۔

''میرا خیال ہے ہمیں اُٹھ جانا چاہئے، اب زیادہ دیر یہاں رُکنا مناسب نہیں ہوگا۔ مسٹر......! کم از کم اپنا نام تو بتا دو، تاکہ تمہیں تمہارے اصل نام سے مخاطب کرنے میں آسانی ہو۔''

''آپ مجھے شامی کہہ سکتے ہیں۔''

''اوکے......!''

بوڑھے نے کہا۔

ہوٹل کا کمرہ چھوڑنے کے سلسلے میں مختصر سی کارروائی ہوئی اور اس کے بعد میں مسٹر ڈینس پال اور مسز پال کے ساتھ باہر نکل آیا، باہر ایک لمبی سی خوب صورت کار ڈرائیور سمیت موجود تھی جو ہمیں لے کر چل پڑی۔ میں خاموشی سے مسٹر اور مسز پالؔ کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔

راستہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کار ایک خوب صورت رہائش گاہ میں داخل ہوگئی اور وہاں ان دونوں نے بڑی خوش اخلاقی سے مجھے اندر چلنے کے لئے کہا۔ عمارت زیادہ وسیع نہیں تھی، لیکن خوب صورت طرزِ تعمیر کا نمونہ تھی۔ وہ لوگ مجھے لئے ہوئے ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ عمارت میں شاید دو تین ملازمین کے علاہ اور کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ مسز پال نے عمارت کے ایک گوشے میں ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''فی الحال تمہارے قیام کے لئے یہ کمرہ تمہیں پیش کیا جا سکتا ہے، ویسے ہم بہت مختصر وقت کے لئے یہاں رُکیں گے۔ اس کے بعد ہمیں چلنا ہے۔ پروگرام یہ تھا کہ ہم ہوٹل ہی میں ڈِنر کریں گے، لیکن تم نے جو انکشاف کیا ہے، اس کے بعد ہمارا وہاں رُکنا مناسب نہیں تھا۔ میں اپنے کسی ملازم کو بھیج کر کھانا یہیں منگوا لیتی ہوں۔ تم نے کھانا تو نہیں کھایا ہوگا......؟''

''نہیں......!''

میں نے جواب دیا۔ مسز پال مجھے کمرے میں چھوڑ کر چلی گی۔ کمرہ بہت مختصر اور آرام دہ تھا اور ملحقہ باتھ روم بھی تھا، بہرطور میرے لئے یہ گوشہ پرسکون تھا تو اس کے علاوہ اور کیا چاہئے تھا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ کر حالات پر غور کرنے لگا۔ یہ دونوں کون تھے......؟ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اچھی شخصیت کے مالک ہوں، لیکن میرے لئے یہ کیا ثابت ہوں گے......؟ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ دونوں ان خطرناک لوگوں کی قید میں کیوں تھے......؟ فائل کی کیا حیثیت تھی......؟

بہرطور یہ تمام سوالات میرے ذہن میں ضرور مچلے تھے، لیکن میری تو حیثیت ہی مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔

واقعات اس طرح پے در پے پیش آ رہے تھے میری زندگی میں کہ کسی بھی ایک واقعے کے بارے میں سوچنا عجیب سا لگتا تھا۔ اس دوران کیا کیا ہنگامہ خیزیاں نہیں ہوئی تھیں......؟ ہر جگہ میرے دُشمن آن کی آن میں بڑھ جاتے تھے اور اس کے بعد میرے لئے زندگی گزارنا دوبھر ہو رہا تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہاں کیوں قید کئے گئے تھے......؟ میں خوامخواہ ہی اس چکر میں پھنس گیا تھا اور اس کی وجہ بھی مجھے معلوم تھی، لیکن تقدیر کے فیصلے انسان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے۔ میں لاکھ کوشش کرتا رہوں، لیکن جو کچھ ہونا ہے، ہو کر رہے گا۔ یہاں آنے کو بھی میں بہت زیادہ نقصان دہ نہیں سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے، آنا ہی تھا اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ بھی تقدیر ہی میں لکھا ہوگا۔ چنانچہ پریشانی کا شکار کیوں ہوا جائے......؟

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد مسز پال پھر مجھے بلانے آئیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ کھانا لگوا دیا گیا ہے۔ چنانچہ میں ایک معزز مہمان کی حیثیت سے ڈائننگ ہال میں پہنچا جہاں مسز پال نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا اور میرے لئے کرسی سرکا دی۔ مسٹر پال اور میں بھی بیٹھ گئے۔ مسٹر پال نے مجھ سے درخواست کی اور ہم کھانے میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی، سوائے پا کی اس مہمان نوازی کے جو وہ مختصر جملوں سے کر رہے تھے، اور پھر میرے لئے بھلا تکلف کی کیا گنجائش تھی......؟

بہرطور میں ان لوگوں کا مہمان تھا۔ کھانے کے بعد ہم ڈائننگ روم سے باہر نکل آئے۔ طے یہ کیا گیا کہ عمارت کے عقبی حصے کے چھوٹے سے لان میں کافی پی جائے گی۔ مسز پال نے اس دوران تین بار کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا تھا، غالباً انہیں کسی کا انتظار تھا، پھر وہ مجھ سے بولے۔

''مسٹر شامی......! آپ کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ آپ کس طرح ان لوگوں کے جال میں پھنس گئے تھے اور کیسے انہوں نے آپ کو یوسف عارض سمجھ لیا۔''

''میرے بارے میں آپ کو جان کر کوئی خوشی نہیں ہوگی مسٹر پال......! اس کے علاوہ میں آپ کو جو کہانی سناؤں گا، اسے سن کر زیادہ سے زیادہ آپ یہی تصور کریں گے کہ میں کوئی کہانی نویس ہوں، جو فوری طور پر آپ کو کوئی کہانی گھڑ کر سنا رہا ہے۔''

''آپ کی شخصیت ہمارے لئے باعث دلچسپی ہے، میری خواہش ہے کہ میں آپ کے بارے میں کچھ جانوں، ویسے بھی آپ نے نادانستہ طور پر ہی ہم پر احسان کیا ہے......''

ابھی مسٹر پال اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ کسی کار کے ہارن کی آواز سنائی دی اور انہوں نے مسز پال سے کہا۔

''اوہ......! دیکھو شاید وہ آ گیا ہے۔''

مسز پال اپنی جگہ سے اُٹھ گئیں اور عمارت کے گرد گھوم کر سامنے والے حصے میں پہنچ گئیں۔ تھوڑی دیر

کے بعد وہ جس شخص کے ساتھ واپس آئی تھیں، وہ ایک دراز قامت آدمی تھا، پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی، ایک ہاتھ گلے میں لٹکا ہوا تھا جس پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا، اپنی چال اور انداز سے وہ خاصا پھرتیلا اور مستعد نظر آتا تھا، عمر بھی تیس بتیس سے زیادہ نہیں ہوگی، آنکھیں روشن تھیں، بالائی لب پر بھوری بھوری مونچھیں بکھری ہوئی تھیں، ایک نگاہ دیکھنے میں کافی پرکشش اور حسین آدمی نظر آتا تھا۔

مسز پال اسے لئے ہوئے ہمارے قریب پہنچ گئیں۔ اس نے گہری نگاہوں نے مجھے دیکھا اور اس کے سرخ سرخ ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''معاف کیجئے گا مسٹر شامی......! بعض اوقات مجبوری کے عالم میں اُلٹا ہاتھ بھی ملا لیا جاتا ہے، آپ اسی پر اکتفا کیجئے کیونکہ میرا سیدھا ہاتھ شدید زخمی ہے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا تھا، لیکن یہ نہیں جان سکا تھا کہ وہ کون ہے......؟ البتہ اس شخص نے مجھے میرے نام ہی سے پکارا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ میرا اس سے تعارف کرا دیا گیا ہے۔ میں نے مسٹر پال کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو مسٹر پال مسکرا کر بولے۔

''مسٹر یوسف عارض......!''

میں نے تھوڑی سی گردن خم کی، لیکن دوسرے لمحے اُچھل پڑا اور نوجوان کی صورت دیکھنے لگا۔

''کک...... کیا...... کیا نام بتایا آپ نے......؟''

''میں یوسف عارض ہوں، مسٹر شامی......!''

دراز قامت شخص نے کہا اور میرا منہ حیرت سے کھل گیا، نوجوان شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہوں......! میرے ہی دھوکے میں آپ کو ان لوگوں کی قید میں جانا پڑا تھا، لیکن بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آسکی، آخر ان لوگوں کو آپ پر شبہ کیوں ہوا......؟''

''یہ پہلا موقع ہے کہ میری صورت آپ کی صورت سے نہیں مل رہی مسٹر یوسف عارض......! ورنہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''میں سمجھ نہیں سکا۔''

مسٹر یوسف عارض نے بدستور مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سمجھانے کے لئے وہی کہانی دُہرانی پڑے گی جس کے لئے مسٹر پال سے معذرت کر چکا ہوں۔''

''ویسے کیا وہ لوگ آپ کو پہچانتے نہیں تھے......؟''

''ہاں......! ان میں سے کوئی میرا صورت آشنا نہیں تھا۔''

''کاش ایسا ہوتا تو شاید اس بار میں بچ جاتا۔''

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''میں اب بھی نہیں سمجھ سکا، براہِ کرم کچھ تو بتایئے......!''

یوسف عارض نے کہا۔

''کچھ نہیں بھائی......! بس یہاں کی حسین راتوں کی بات نکلی تھی اور چونکہ اس وقت رات نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے شام کا تذکرہ کر دیا اور کہا کہ شام بھی حسین ہوتی ہے۔''

یوسف عارض کا گرج دار قہقہہ فضاء میں گونج اُٹھا تھا۔ اس نے بے تحاشہ ہنستے ہوئے کہا۔

''بعض اوقات رسمی گفتگو بھی عذاب بن جاتی ہے۔ دراصل پہچاننے کے لئے یہی کوڈ طے ہوا تھا، اس خطے کی حسین رات، اور جواب میں حسین شام کا تذکرہ جو عموماً عام گفتگو جیسا ہے، لیکن درحقیقت یہ ہمارے درمیان شناخت کا ایک ذریعہ تھا۔''

''لعنت ہے ان راتوں اور شاموں پر، یہ شناخت میرے لئے عذاب بن گئی۔''

''کون تھا وہ جس نے تم سے ملاقات کی تھی......؟''

''مس زینوکا، ایک حسین و جمیل خاتون جو افسوس، میرے ہاتھوں ماری گئی اور وہ بھی انتہائی بدترین طریقے سے۔ اس کے علاوہ چارہ کار ہی نہیں تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو میں خود ان کا شکار ہو جاتا۔''

اس بار ان کا روّیہ بے حد سخت تھا اور وہ مجھے معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

''لیکن مسٹر پال، کیا مسٹر یوسف عارض......''

''ہاں......! درست، میں چاہتا تھا کہ شامی کی موجودگی ہی میں تمہیں پوری تفصیل بتا دوں، ویسے یوسف عارض بھی تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے کیونکہ تم نے اس کے لئے بے پناہ آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اتنی آسانیاں جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ڈیئر یوسف عارض......! میرا خیال ہے مسٹر شامل کو تفصیل بتا دینی چاہئے۔''

''اس کے لئے آپ ہی موزوں ہیں مسٹر پال......!''

یوسف عارض نے جواب دیا اور اپنی کافی کی پیالی اپنے سامنے سرکالی۔ میں کافی کے چھوٹے گھونٹ لیتا ہوا مسٹر پال کی صورت دیکھتا رہا، تب مسٹر پال نے کہا۔

''ہم لوگ سوئٹزرلینڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں سوئس بینکنگ کونسل کا چیئرمین ڈینس پال ہوں، تم یقیناً یہ بات جانتے ہوگے مسٹر شامی......! کہ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں دُنیا بھر کے سرمایہ دار اپنی دولت رکھتے ہیں۔ ان میں بے شمار ممالک کے افراد ہیں اور سوئس طریقہ کار کے مطابق ان کے تمام اثاثوں کو خفیہ رکھا جاتا ہے اور اس کے لئے مناسب انتظامات کئے گئے ہیں۔ دُنیا کے بے شمار بڑے بڑے افراد کے اکاؤنٹ ہمارے یہاں کے بینکوں میں ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک باقاعدہ نظام رائج ہے۔

یہ آرگنائزیشن جس کے بارے میں کوئی خاص تفصیل مجھے معلوم نہیں، پچھلے چھ ماہ سے کوشش کر رہی تھی کہ سوئس بینکوں کے بڑے بڑے افراد کو اپنے دام میں پھانس کر کچھ لوگوں کے اثاثوں کی تفصیلات معلوم کی جائیں۔ یہ لوگ دُنیا کے بڑے بڑے لوگ ہیں۔ مختلف ملکوں سے ان کا تعلق ہے اور ان کے اثاثے دوسروں کی مانند خفیہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا حق نہیں ہے کہ ہم کسی بھی قیمت پر ان اثاثوں کی تفصیل کسی غیر متعلقہ شخص کو بتائیں۔ میرے پاس مسلسل رپورٹیں پہنچ رہی تھیں اور بینکوں کے افسران اس بات کا اظہار کر رہے تھے کہ کچھ پُر اسرار لوگ مختلف طریقوں سے انہیں پریشان کر رہے ہیں۔

درحقیقت یہ ایک خطرناک بات تھی۔ ان اثاثوں کی تفصیلات معلوم کر کے ان لوگوں کو بلیک میل بھی کیا جا سکتا تھا اور اس کے نتیجے میں بہت سی اُلجھنیں بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ اس کے لئے خصوصی انتظامات کئے گئے جن کی وجہ سے ان لوگوں کو کچھ نقصانات بھی پہنچے اور اس کے بعد انہوں نے مجھے اور میری بیوی کو اغواء کر لیا۔ اس کے لئے انہوں نے ایک شاندار منصوبہ بندی کی تھی۔ اغواء کرنے کے بعد وہ کم بخت ہم دونوں کو نہ جانے کہاں کہاں لئے پھرے......؟ خوب گھما پھرا کر یہاں لے آئے۔ مجھے اپنے اس قید خانے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

ڈیئر شامی......! جہاں تم نے مجھے پہلی بار دیکھا تھا، بہرحال ہم لوگوں کو یہاں قید کر دیا گیا اور پھر میرے ذریعے سوئس بینکنگ کونسل کے دوسرے ارکان سے رابطہ قائم کر کے انہیں دھمکی دی گئی کہ اگر انہوں نے ان کی مطلوبہ معلومات فراہم نہ کیں تو ہم دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ بینکنگ کونسل کے خصوصی اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ بالآخر ان لوگوں کے نام اور ان کے اثاثوں کی تفصیلات ان جرائم پیشہ افراد کو فراہم کر دی جائیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ان تمام لوگوں کو اطلاعات بھی دے دی جائیں اور انہیں ہوشیار کر دیا جائے کہ وہ اس سلسلے میں محتاط رہیں۔

یہ فیصلہ بینکنگ کونسل کے ان ارکان نے کیا تھا جو بیچارے میرا احترام کرتے تھے اور میری رہائی کے خواہاں تھے۔ مجھ سے رابطہ قائم کیا گیا تو میں نے ان کی تحویل میں ہونے کے باوجود اس بات کی شدت سے مخالفت کی کہ سوئس قوانین کی خلاف ورزی نہ کی جائے، لیکن انہیں میری زندگی عزیز تھی۔ بحالت مجبوری وہ یہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے جو کہ قانوناً بھی اور اُصولاً بھی کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ ویسے اپنے طور پر ان لوگوں نے بھی کچھ انتظامات کئے تھے جن کی مختصر تفصیل یہ تھی کہ یہ معلومات انہیں فراہم کرنے کے بعد جب مجھے آزاد کرا لیا جائے تو ان لوگوں کو بھی نہ چھوڑا جائے اور اس سلسلے میں جب متعلقہ افراد کو یہ پتا چلا کہ میں انہیں یہاں اس جگہ سے حاصل ہو سکتا ہوں تو انہوں نے مقامی طور پر انتہائی خفیہ انتظامات کئے تاکہ ان لوگوں پر قابو پا کر ان سے وہ فائل واپس لے لی جائے جو ان کی ضرورت کے مطابق تیار کی گئی تھی۔ لیکن اتفاقیہ طور پر مسٹر یوسف عارض کو جنہیں اس سلسلے میں مقرر کیا گیا تھا، ایک حادثہ پیش آ گیا اور وہ اس حادثے کا شکار ہو کر ایک بالکل ہی گمنام جگہ

جا پڑے اور وہاں تک نہیں پہنچ سکے۔

یہ تھی صورتِ حال اور اس کے بعد ڈیئر شامی......! تم ان لوگوں کے ہاتھوں حسین رات اور حسین شام کا شکار ہو گئے اور انہوں نے تمہیں یوسف عارض سمجھ لیا، لیکن میرے دوست......! کچھ سوالات ایسے بھی ہیں جو تم سے کرنے ہیں۔ تم نے یقیناً ان سے کہا ہوگا کہ تم یوسف عارض نہیں ہو، اس کے بعد ایک دم تم یوسف عارض کیسے بن گئے......؟ اور تم نے وہ فائل انہیں دے کر ہماری آزادی کیسے حاصل کی......؟ فائل کے بارے میں تمہیں تفصیلات کس طرح فراہم ہوئیں......؟ اور ان لوگوں کی قید میں رہ کر تم نے اس کی تیاری کیسے کی......؟''

''بس......! یوں سمجھ لیجئے کہ یہ سب کچھ میں نے اپنی جان بچانے کے لئے کیا تھا، کیونکہ ناگہانی طور پر پھنس گیا تھا۔ پہلے تو میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ میں یوسف عارض نہیں ہوں اور کسی فائل وغیرہ سے میرا تعلق نہیں ہے، لیکن انہوں نے یہ بات تسلیم نہیں کی اور مجھے اپنی قید میں رکھ کر مسلسل تشدد کا نشانہ بنایا۔ جان بچانے کے لئے میں نے بہتر یہی سمجھا کہ ان سے تھوڑی بہت معلومات حاصل کرنے کے بعد کوئی کارروائی کی جائے۔

بس......! اتفاقیہ طور پر ہی مجھے کچھ ایسے کاغذات دستیاب ہو گئے تھے جنہیں میں نے ان کے بیانات کی روشنی میں ترتیب دے لیا اور وقتی طور پر انہیں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔''

''بہرطور، یہ کام معمولی ذہانت کا نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈیئر شامی......! تم کس قدر ذہین انسان ہو۔ ورنہ اتنے چالاک لوگوں کو عارضی طور پر ہی سہی اسی طرح دھوکہ دے دینا آسان کام نہیں تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں انہیں حقیقت کا علم ہو گیا۔ بہرطور تم نے نادانستہ ہی جس طرح ہماری مدد کی ہے، ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے اور شکر گزاری کے طور پر وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہیں جس کے تم خواہش مند ہو۔''

''محترم مسٹر پال......! جیسا کہ میں نے آپ کو مختصراً بتایا کہ میں صرف ایک سیاح ہوں اور سیاحت میری زندگی ہے، لیکن اس زندگی میں ایک عجیب وغریب چیز شامل ہے، وہ یہ کہ نادانستہ طور پر ہی سہی، میں ہر جگہ کسی نہ کسی مصیبت کا شکار ہو جاتا ہوں۔ یہاں کچھ اور نہیں تھا تو وہ ایک رنگین رات ہی میری گردن میں پھانسی کا پھندہ بن گئی اور اب میں سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

''اس کے لئے تمہیں قطعی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ تم اب یہ جگہ چھوڑ دو۔''

''چھوڑ دوں......؟''

میں نے سوالیہ انداز میں مسٹر پال کو دیکھا۔

''ہم سوئٹزرلینڈ میں تمہیں خوش آمدید کہہ کر دلی مسرت محسوس کریں گے، تم نے مجھے اور میری بیوی کو جس عذاب سے نکالا ہے، وہ معمولی بات نہیں ہے۔ ان کا تشدد برداشت کرنا پڑا ہے تمہیں، اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ تم نے ہماری ایک ایسی مشکل حل کی ہے جس کے لئے ہم زبردست جدوجہد کر رہے تھے۔ چنانچہ تم

ہمارے لئے قابلِ احترام ہو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ سوئٹزر لینڈ چلنے کی پیش کش کرتا ہوں۔''

مسٹر پال نے کہا۔ اسی وقت یوسف عارض مسکراتا ہوا بولا۔

''ہاں......! اگر میں ایک اتفاقیہ حادثے کا شکار نہ ہو جاتا تو نہیں کہہ سکتا کہ بذاتِ خود مجھے کتنی اُلجھنوں سے گزرنا پڑتا......؟ ان لوگوں سے میں اتنے سکون کے ساتھ نبرد آزما ہو سکتا تھا یا نہیں، چنانچہ میں خود بھی اپنی طرف سے تمہیں سوئٹزر لینڈ کی سیاحت کی پیش کش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم انکار نہیں کرو گے۔''

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ یہ حضرت انکار کی بات کر رہے تھے، میں تو فوراً ہی یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا اور یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہاں اب موت میرے لئے آسان تر ہو گئی ہے اور ایڈی گرادو، زینوکا کی موت کے بعد یقیناً میرا تعاقب کرے گا اور مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ سوئٹزر لینڈ کی بینکنگ کونسل کا یہ سربراہ یقیناً ایسے ذرائع رکھتا ہوگا جن سے وہ بآسانی یہاں سے نکل سکے گا۔ چنانچہ کیوں نہ اس شخص کی اس حیثیت سے فائدہ اُٹھایا جائے......؟ سوئٹزر لینڈ پہنچ کر کوشش کروں گا کہ میری زندگی کسی نئے حادثے سے دوچار نہ ہو سکے۔

ان تینوں کا رویّہ میرے ساتھ بے حد محبت آمیز تھا اور وہ مسلسل میری خاطر مدارات کر رہے تھے۔ یوسف عارض البتہ ان لوگوں کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔ اس کا قیام کہیں اور تھا اور وہ اپنے طور پر یہاں سے روانگی کا انتظام کر رہا تھا، کام تو بس اتنا ہی تھا کہ ان دونوں کو ان خطرناک لوگوں کے چنگل سے رہائی دلائی جائے۔

تیسری رات یوسف عارض ڈنر میں شریک تھا۔ اس نے کہا۔

''مسٹر پال......! ہم زیادہ سے زیادہ کل یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ بظاہر کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکا، لیکن میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے ہر طرح کے ذرائع آمدورفت پر کڑی نگرانی کر رکھی ہے اور ہم کسی بہتر طریقے سے یہ جگہ نہیں چھوڑ سکتے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم عام لوگوں کی مانند سوئٹزر لینڈ تک کا سفر کریں گے۔ وہ لوگ آپ کی شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ حکومت کا سہارا لئے بغیر اپنے طور پر یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ یقیناً وہ ہر اس ذریعے پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں گے جن سے آپ سفر کر سکتے ہیں اور ان کا دائرہ کار ایسی ہی جگہوں تک محدود ہوگا۔''

مسٹر پال نے اس بات سے اتفاق کیا۔ چنانچہ یوسف عارض سے اس منصوبے کے بارے میں مزید کچھ گفتگو ہوئی اور بالآخر طے پا گیا کہ یہ سفر بذریعہ ٹرین ہی کیا جائے گا۔ میں اپنا مختصر سا سامان ساتھ لے آیا تھا۔ یوسف عارض نے مجھ سے میرا پاسپورٹ اور کاغذات وغیرہ طلب کر لئے اور میں نے یہ چیزیں اس کے حوالے کر دیں۔ کم از کم اس طرف سے سکون تھا۔

دوسرے دن یوسف عارض نے تیاریاں مکمل کر لیں اور ہمیں اطلاع دے دی کہ فلاں وقت ہمیں اسٹیشن جانا ہے۔ چنانچہ میں، مسٹر اور مسز پال سمیت احتیاط کے ساتھ اسٹیشن پہنچ گیا۔ کوئی اُلجھن پیش نہیں آئی۔ ایک برقی ٹرین ہمیں لے کر سوئٹزر لینڈ کی طرف چل پڑی۔ ٹرین بے حد تیز رفتار لیکن پُرسکون تھی۔ میں مسٹر پال

سے سوئٹزر لینڈ کے بارے میں گفتگو کرتا جا رہا تھا۔ مسز پال ایک خوش مزاج خاتون تھیں۔ اس دن انہوں نے اپنی قید کے دوران کے واقعات سنائے تھے اور ان کے سلسلے میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا، ان کے خیال میں یہ بہت ہی سنسنی خیز لمحات تھے اور انہیں یہ خدشہ تھا کہ اگر صورتِ حال بگڑ گئی تو ممکن ہے انہیں زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں۔

ٹرین میں وہ مجھ سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتی جا رہی تھیں، کبھی کبھی مسٹر پال بھی ہماری گفتگو میں حصہ لے لیتے تھے۔ مسز پال نے اپنی بھتیجی نیلس کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے کہا کہ نیلس ایک ایڈونچر پسند اور بے باک لڑکی ہے۔ چونکہ وہ خود صاحب اولاد نہیں ہیں، اس لئے ایک فضائی حادثے میں نیلس کے والدین کا انتقال ہو جانے کے بعد اس وقت جب وہ صرف گیارہ سال کی تھی، انہوں نے نیلس کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا اور اس وقت سے وہ ان کے ساتھ ہی ہے۔ نیلس کے بارے میں مسز پال نے جس انداز میں گفتگو کی تھی، اس سے پتا چلتا تھا کہ وہ نیلس کو بہت زیادہ چاہتی ہیں۔ انہوں نے محبت بھرے انداز میں کہا تھا۔

''قید کے دوران مجھے جس چیز کی سب سے زیادہ پریشانی لاحق تھی، وہ نیلس تھی۔ ہماری گمشدگی سے اس نے نہ جانے کیا اثر لیا ہوگا......؟ پتا نہیں اسے ہماری آزادی کے بارے میں اطلاع ملی یا نہیں، اس سلسلے میں یوسف عارض سے سوال کیا جا سکتا تھا، لیکن یوسف عارض احتیاطاً ہم سے الگ رہا تھا تاکہ دُور رہ کر ہماری نگرانی کی جا سکے۔

سفر جاری رہا اور اس کے بعد ٹرین دُھند میں لپٹے ہوئے ایک خوب صورت شہر کے پلیٹ فارم پر کھڑی ہو گئی۔ مسز پال نے بتایا کہ کی برگ ہے، سوئٹزر لینڈ کا پہلا قصبہ اور اس کے بعد ہمیں برن کی جانب سفر کرنا تھا۔ برن جو سوئٹزر لینڈ کا دارالخلافہ کہلاتا ہے، برگ سے آگے بلند و بالا برف پوش پہاڑی چوٹیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ سنا گیا تھا کہ کوہ پیمائی کے لئے کوہ پیما اپنی مہموں کا آغاز اسی قصبے سے کرتے ہیں۔

تیز ہوا کے تھپیڑے پہاڑوں پر جے گلیشیر پر سے پھسلتے نیچے آتے تو ان کے ساتھ ہی برف کے تودے بھی گرنے لگتے۔

یہاں سردی کافی بڑھ گئی تھی لیکن الیکٹرک ٹرین میں اس کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ میں دلچسپی سے سوئٹزر لینڈ کے اس روایتی حسن کو دیکھتا ہوا سفر کرتا رہا۔ سیبوں کے باغات بکھرے ہوئے تھے اور ہوائیں چل رہی تھیں۔ برگ سے برن تک کا سفر جیسا کہ مجھے بتایا گیا تھا، کافی طویل تھا، لیکن یہ طوالت اتنی لگتی نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے کا سفر کیا ہوگا، گاڑی اس وقت ایک سرسبز اور شاداب وادی سے گزر رہی تھی۔ وادی کے آخری کناروں پر برف پوش پہاڑوں کی قطاریں کھڑی تھیں اور ان کے ساتھ ہی پُرسکون نیلی جھیلیں دکھائی دیتی تھیں۔ شیشے کی بڑی کھڑکی سے پرے نیلے، سفید اور سبز رنگ بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔

اس دوران راستے میں تھن اور انٹرلاکن جیسے خوب صورت شہر نظر آئے۔ جھرنوں، آبشاروں اور

چاندی کی مانند چمکتی ندیوں کا تو حساب ہی نہیں تھا۔ زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر قدرتی نظاروں کی بہتات تھی، اور بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی تھی کہ سوئٹزرلینڈ کا حسن ناقابل بیان ہے۔

برن کے اسٹیشن پر ٹرین رُکی تو چاروں طرف رش لگا ہوا تھا لیکن اس رش میں تھوڑا سا ٹھہراؤ تھا، تھوڑا سا وقار تھا۔ وہ ہنگامہ خیزیاں نہیں تھیں جو اپنے وطن میں پائی جاتی تھیں۔ سروں پر ٹرنک رکھے، شانوں پر گٹھڑیاں لٹکائے، بغل میں سوٹ کیس یا کنستر دبائے لوگ اِدھر اُدھر جاتے نظر نہیں آرہے تھے، بلکہ اس میں ایک دوسروں کی تکلیف کے خیال کا احساس تھا اور کوئی کسی سے اگر ہلکا سا چھو بھی جاتا تو معافی مانگے بغیر نہیں رہتا تھا۔

ہم اسٹیشن سے باہر نکلے۔ ٹیکسیاں بڑی تعداد میں موجود تھیں اور ان میں ایسی کاریں تھیں جو دیکھنے کے قابل تھیں۔ یوسف عارض نے اپنی احتیاطی تدابیر ترک کردی تھیں۔ کیونکہ سفر بہت ہی پُرسکون گزرا تھا اور یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ کوئی ہمیں نگاہوں میں رکھنے میں کامیاب ہوا ہے۔ چند لمحوں کے بعد یوسف عارض ہمارا سامان ایک ٹیکسی کی ڈگی میں رکھوا رہا تھا اور پھر ٹیکسی ہمیں لے کر چل پڑی۔

رات ہوچکی تھی۔ اس لئے نظاروں کا اندازہ مشکل تھا اور پھر جلدی بھی نہیں تھی۔ میں حالات پر غور کررہا تھا۔ ممکن ہے جنت نظیر سوئٹزرلینڈ میں آنے کے بعد میری تقدیر کے ستارے گردش سے نکل آئیں اور یہاں سکون کے کچھ لمحات گزارنے کا موقع مل جائے۔ خاہش تو تھی دل میں، لیکن کسی بھی خواہش کی تکمیل میرے لئے ممکن نہیں تھی۔ کیونکہ میری ذات سے چند بلائیں چمٹی ہوئی تھیں۔ جیسے ابرانوس۔

یہ تصور میرا ایمان تھا کہ میرا یہ منحوس چہرہ مجھے کہیں بھی سکون نہیں لینے دے گا۔ ہاں......! اگر ان خدوخال سے نجات مل جائے تو یقیناً میری تقدیر کا سورج چمک جائے گا۔

بہرحال تھوڑے سے سفر کے بعد ٹیکسی ایک پُرفضاء مقام پر ایک خوب صورت عمارت کے سامنے رُک گئی۔ دروازہ بند تھا۔ یوسف عارض نے نیچے اُتر کر کال بیل دبائی اور چند لمحات کے بعد ایک دراز قد آدمی نے دروازہ کھول دیا۔ ٹیکسی بجری کی روش سے گزرتی ہوئی ایک خوب صورت عمارت کے صدر دروازے کے سامنے رُک گی اور مسٹر ڈینس پال اپنی بیگم کے ساتھ نیچے اُتر آئے۔ میں بھی نیچے اُتر گیا تھا۔

مارگریٹ ڈینس نے فوراً ہی دراز قامت آدمی سے نیلس کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ نیلس اپنی خواب گاہ میں موجود ہے۔ مارگریٹ نے مسکراتے ہوئے مسٹر ڈینس پال کی طرف دیکھا اور بولی۔

''ہم دونوں خاموشی سے اس کی خواب گاہ تک چلیں گے۔''

یوسف عارض کہنے لگا۔

''اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں اسی ٹیکسی سے واپس چلا جاؤں......؟''

''اوہ......! ڈیئر یوسف......! اگر تم مناسب سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے۔''

یوسف اسی ٹیکسی سے واپس چلا گیا۔ مسز ڈینس پال مجھے لیتے ہوئے اندر داخل ہوگئی تھیں۔ ہمارا مختصر

سامان اس دراز قامت شخص نے اُٹھا لیا تھا اور پھر ہم اندر داخل ہوگئے۔

دو راہ داریوں سے گزرنے کے بعد مسز ڈینس پال نے دراز قامت شخص سے کہا۔

''معزز مہمان کو نچلی منزل کے کمرے میں لے جاؤ۔ ہم لوگ ابھی پہنچتے ہیں۔ پلیز مسٹر شامی......!''

''ٹھیک ہے......!''

میں نے جواب دیا۔ مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا جو خاصا کشادہ اور آراستہ تھا۔ زندگی کے وہ تمام لوازمات یہاں بھی موجود تھے جن کی ضرورت ہوتی ہے۔

بہرطور میں سوئٹزرلینڈ پہنچ چکا تھا اور دیکھنا یہ تھا کہ دُنیا کا یہ حسین ترین ملک اور یہ خوب صورت شہر میری پذیرائی کس طرح کرتا ہے......؟

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد مسٹر ڈینس پال، مسز ڈینس ایک بھرے بھرے بدن کی بے حد خوب صورت لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس کی آنکھوں کی بناوٹ عام آنکھوں سے کافی مختلف تھی۔ دونوں طرف سے اوپر کو اُٹھی ہوئی یہ آنکھیں خوب صورت بھی تھیں اور پُراسرار بھی۔ ان میں بلیوں جیسی چمک تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے ہاتھ ملایا اور بالکل مردانہ انداز میں میرے ہاتھ کو کئی جھٹکے دیتے ہوئے بولی۔

''مختصر الفاظ میں مجھے یہ بات معلوم ہوچکی ہے مسٹر شامی......! کہ آپ نے کس طرح میرے انکل اور میری آنٹی کی مدد کی ہے۔ یو آر گریٹ مسٹر شامی......! میں آپ کو اپنی رہائش گاہ پر خوش آمدید کہتی ہوں اور آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں۔''

''شکریہ مس نیلس......!''

میں نے مختصراً کہا۔ اس کے بعد مسٹر ڈینس پال نے مجھے ڈنر کی پیش کش کی۔ ڈنر ٹیبل پر ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نیلس مجھ سے میرے بارے میں گفتگو کرتی رہی۔ وہ سیاحت کی بے حد شوقین معلوم ہوتی تھی۔ ہنستے ہوئے اس نے مجھ سے سوال کیا کہ میں نے اس وقت کیا محسوس کیا تھا جب دفعتہً ہی مجھے یوسف عارض کہہ کا پکارا گیا تھا......؟

''لیکن آپ نے اتنی ذہانت سے وہ فائل کیسے ترتیب دی......؟''

''بس......! یوں سمجھئے کہ جان بچانے کا تصور ذہن میں تھا۔''

میں نے کہا، نیلس ہنس پڑی۔ وہ بات بات پر ہنسنے کی عادی تھی۔ ڈنر ٹیبل سے اُٹھ کر ہم باہر لان میں آگئے، جہاں تھوڑی دیر چہل قدمی کی گئی اور اس کے بعد مسٹر ڈینس پال نے نیلس سے کہا۔

''مسٹر شامی اب تمہارے مہمان ہیں نیلس......! لیکن براہِ کرم انہیں اپنے ایڈونچر سے محفوظ [illegible] ور کسی خطرے میں مت ڈال دینا۔ میں تو کل صبح سے بے حد مصروف ہو جاؤں گا۔ ان کی تمام ذمہ داریاں [illegible] ہی

سنبھالتی ہیں۔ مارگریٹ کافی تھکن محسوس کر رہی ہے۔ چنانچہ میرا خیال ہے، اسے چند روز کے لئے اسپتال میں داخل کرا دیا جائے، تاکہ وہ فٹ ہو جائے۔''

''او کے انکل......! آپ مسٹر شامی کی تو فکر ہی نہ کریں۔ ایسے شاندار آدمی کو میں سوئٹزر لینڈ کی ایک ایک چیز دکھاتے ہوئے فخر محسوس کروں گی۔ بس، آپ مطمئن رہیں۔''

مسٹر ڈینس پال اور مسز ڈینس اپنی خواب گاہ میں چلے گئے۔ نیلس مجھے میرے بیڈ روم میں چھوڑنے آئی تھی لیکن وہ بے تکلفی سے اندر گھس آئی تھی اور اطمینان سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''جوان آدمی......! مجھے یقین ہے کہ میرے بوڑھے انکل اور آنٹی کی طرح تم تھکن محسوس نہیں کر رہے ہو گے۔ چنانچہ کیوں نہ تھوڑی دیر تم سے گفتگو کر لی جائے......؟''

''ضرور مس نیلس......!''

میں نے جواب دیا۔

''وہ لوگ معمولی نہیں ہوتے، جو کسی اتنی بڑی آرگنائزیشن کو جو سوئٹزر لینڈ کی معزز ترین ہستی کو اغواء کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، بے وقوف بنا دیں۔ تمہاری زندگی میں ایسے بہت سے واقعات آئے ہوں گے۔ کیا تم مجھے ان کے بارے میں بتانا پسند کرو گے......؟''

''تفصیل پھر کبھی مس نیلس......! لیکن یہ حقیقت ہے کہ میری زندگی میں نہ چاہنے کے باوجود بھی ایسے لوگ عموماً داخل ہوتے رہے ہیں۔''

''تم نے ان سے فائٹ بھی کی ہو گی......؟ ویسے تمہارے اپنے ملک میں تمہارے کیا مشاغل تھے......؟''

میرے ذہن میں اپنا ملک آ گیا، جہاں میری زندگی میں بہت دلچسپیاں تھیں۔

''کوئی خاص نہیں مس نیلس......! میں درمیانے گھرانے کا آدمی ہوں، بہت زیادہ دولت نہیں تھی میرے پاس، لیکن سیاحت کا شوق مجھے میرے وطن سے نکال لایا اور اس کے بعد میں نے آوارہ گردی کرنا شروع کر دی۔''

میں نے بات بنائی۔

''کون کون سے ملک دیکھ چکے ہو......؟''

''ابھی زیادہ نہیں، مصر گیا تھا، اس کے بعد ایران، پھر ترکی اور آخر میں وینس، جہاں یہ واقعات پیش آئے۔ اب میری نئی منزل سوئٹزر لینڈ ہے۔''

''گڈ......! ویری گڈ......! میں تمہیں برن ہی نہیں، بلکہ اطراف کے علاقے بھی دکھاؤں گی۔ مجھے لمبی ڈرائیونگ کا شوق ہے اور خطرناک ترین حالات میں زندگی بسر کرنے میں لطف آتا ہے۔ انکل ڈینس اگر میری

بھرپور نگرانی نہ کریں اور مجھ پر پابندیاں نہ عائد کرتے رہیں تو درحقیقت میں کسی جرائم پیشہ گروہ میں شامل ہو جاؤں۔ کیا لائف ہوتی ہے، ہنگامے، دھائیں دھوں اور بس، مزے ہی مزے۔''

میں گہری نگاہوں سے اس جنگ و جدل کی رسیا کو دیکھتا رہا اور ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ اس کے برعکس میں بلندیوں سے گرتے ہوئے آبشاروں اور ان سے بہنے والی ندیوں کا شیدائی ہوں اور کسی ایسی ہی جگہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں پُرسکون زندگی گزارنے کا خواہاں ہوں۔ جہاں ایک احاطے میں سفید سفید بھیڑیں بندھی ہوں، دوسری طرف گھوڑے ہوں، سامنے کھیت پھیلے ہوں اور جھونپڑے کے پہلو میں گنگناتی ندی، جس کی تہہ میں لڑھکتے ہوئے پتھر صاف شفاف نظر آتے ہوں لیکن دُنیا سے یہ سیکھ چکا تھا کہ سامنے جو شخص ہو، اگر اس کی پسند کی باتیں نہ کی جائیں تو وہ تم میں دلچسپی کھو بیٹھے گا، اور بہرطور سوئٹزر لینڈ میں یہ لوگ میرا سہارا تھے اور نیلس کی حیثیت میں پہچان چکا تھا۔ چنانچہ یہ الفاظ میں اس سے نہ کہہ سکا۔

نیلس بہت دیر تک مجھ سے گفتگو کرتی رہی۔ پھر اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور اُٹھتی ہوئی بولی۔

''اب تم سو جاؤ، صبح ہم برن کی سیر کو چلیں گے۔''

اس کے بعد میں نے دروازہ بند کیا۔ اپنے پاس موجود کرنسی کا جائزہ لیا، جسے ابھی تبدیل نہیں کرایا جا سکا تھا لیکن بہرطور اسے تبدیل کرا لینا ضروری تھا۔ دوسری صبح ناشتے کی میز پر صرف نیلس سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ انکل ڈینس اسے آ کر ہی ہدایات دینے کے بعد آنٹی کو لے کر چلے گئے ہیں اور اب ان کی واپسی کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس نے کہا۔

''بہتر ہے کہ ہم لوگ تھوڑی دیر کے بعد ہی یہاں سے نکل چلیں۔ باہر جا کر سوچیں گے کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔ تمہیں اور تو کوئی کام نہیں ہے۔''

''نہیں نیلس......! بس تھوڑی سی کرنسی تبدیل کرانی ہے اور کچھ نہیں۔''

''اس کی ضرورت جب پیش آئے گی تو اسے تبدیل کرا لیا جائے گا۔''

نیلس نے جواب دیا اور میرے لباس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''براہِ کرم دوسرا لباس تبدیل کر لو۔ بلکہ مجھے بتاؤ، تمہارے پاس کون کون سے کپڑے ہیں......؟ میں ان میں سے خود انتخاب کروں گی۔''

میں نے شانے ہلا دیئے۔ زیادہ کپڑے نہیں تھے میرے پاس، تاہم نیلس نے ان ہی میں سے ایک سوٹ نکال کر میرے حوالے کر دیا اور پھر جب میں لباس تبدیل کر کے باہر نکلا تو وہ ناقدانہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ونڈر فل......! ویری اسمارٹ......!''

جب وہ میرے ساتھ بیرونی حصے میں آئی تو میں نے گہرے نیلے رنگ کی ایک بہت ہی عجیب ساخت کی کار دیکھی جسے بلاشبہ شاندار کاروں میں تصور کیا جا سکتا تھا۔ چوڑے چوڑے ٹائروں والی اسپورٹس کار میں دروازے نہیں تھے، بلکہ انہیں پھلانگ کر اندر داخل ہوا جا سکتا تھا۔

نیلس اطمینان سے اُچک کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی اور پھر اس نے مجھے بھی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہی راستہ اختیار کرنا پڑا تھا، جو نیلس نے کیا تھا، اور اس کے بعد کار بے آواز اسٹارٹ ہو کر بڑی سست روی سے باہر نکل آئی۔

دن نکلا ہوا تھا، لیکن کہر چھائی ہوئی تھی، اور دن کی روشنی پر شام کے دُھندلکے کا گمان ہوتا تھا۔ نیلس نے خود بھی ایک انتہائی خوب صورت لباس پہن رکھا تھا لیکن اس لباس میں مردانہ جھلکیاں تھیں۔ پھر اس نے کار تیز رفتاری سے دوڑانی شروع کر دی لیکن یہ رفتار قابل اعتراض نہ تھی۔ میں اطراف کے مناظر دیکھنے لگا۔ یہاں ریچھ کا نشان امتیازی سمجھا جاتا تھا۔

ہوٹلوں، دُکانوں اور بڑے بڑے چوکوں میں جھنڈے لٹک رہے تھے اور ان پر ریچھ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ دریا کے کنارے کلیسا کے فوارے کے گرد، اور پھر نائیڈک پل کے پاس ایک گڑھے میں سچ مچ کے جیتے جاگتے درجنوں ریچھ، جنہیں اہلِ شہر دن رات الا بلا کھلاتے رہتے تھے، غرض یہاں ریچھوں کو کافی اہمیت حاصل تھی۔

شہر کی حدود پر نگاہ جمائیں تو بلند و بالا عمارتیں بہت کم نظر آتی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ملک کے صدر مقام کی بجائے کسی پُرسکون پہاڑی قصبے میں سفر کر رہے ہوں۔ چوک میں پرانی وضع کے خوب صورت فوارے اور نل لگے ہوئے تھے اور پرانے بازاروں میں دُکانیں سڑک سے اونچی اور ان کے ساتھ لمبے برآمدے، جن کے بارے میں بتایا گیا کہ کسی زمانے میں یہاں صرف شاہی خاندان کے افراد کو چلنے پھرنے کی اجازت تھی اور عوام کے لئے نشیبی سڑک تھی۔

پورے سوئٹزرلینڈ میں اور خاص طور پر برن میں یہ رواج ہے کہ ہر مکان یا فلیٹ کی کھڑکی میں لکڑی کی سفید چوکھٹوں میں مٹی اور کھاد ڈال کر سرخ پھول اُگائے جاتے ہیں۔ ان سرخ پھولوں کے بغیر کوئی سوئس مکان مکمل نہیں قرار پاتا۔

موسم بہار میں یہ پھول صرف گھریلو باغیچوں یا باغوں ہی میں نہیں کھلتے بلکہ شہر کی ہر کھڑکی میں سے جھانک رہے ہوتے ہیں۔ میں کافی لطف اندوز ہوا تھا ان تمام چیزوں کو دیکھ کر۔ نیلس مجھے ان کے بارے میں تفصیلات بتاتی جا رہی تھی۔

دوپہر کا کھانا ہم نے ایک عمدہ سے ریسٹورنٹ میں کھایا اور اس کے بعد برن کے نواحی علاقوں کی سیر کے لئے نکل آئے۔ نیلس کافی گفتگو کر رہی تھی۔ اس کے انداز میں بچپنا پایا جاتا تھا۔ نواحی علاقوں میں اس نے کافی

تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی اسپورٹس کار بے مثال تھی، پانی کی طرح رواں دواں۔

پھر شام ہو گئی، پورا دن فضاء پر ابر اور کہر چھائی رہی تھی اور اس کہریلے موسم میں یہ سفر کافی دلچسپ رہا تھا۔ پھر شام کا کھانا برن سے چند میل کے فاصلے پر ایک ریسٹورنٹ میں کھایا گیا۔ دریا کے کنارے لگی ہوئی میزوں کے گرد شام کے لباس میں ملبوس، بے شمار مرد اور عورتیں کھانا کھا رہے تھے۔ ماحول پر ایک سنجیدگی اور اُکتاہٹ طاری تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہاں لوگ صرف کھانے کی خاطر آتے ہیں اور انہیں دریا اور ساتھ والے گھنے جنگل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ عجیب سا ماحول تھا۔ نیلس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ بوڑھوں کے آنے کی جگہ ہے اور روایتی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے میں تمہیں یہاں لے آئی، البتہ یہاں کھانا بہت عمدہ ہوتا ہے۔“

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب ہم واپسی کے لئے پلٹے تو نیلس نے مجھ سے آج کی سیاحت کے بارے میں سوال کیا۔

”سوئٹزرلینڈ بہت سے لوگوں کی آرزو ہے اور اسی طرح میرے دل میں بھی اسے دیکھنے کی خواہش تھی اور اسے دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا ہے کہ یہ خواہش غلط نہیں تھی۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تمہیں ہمارا برن بہت پسند آیا......؟“

”بے حد......!“

”اور میں......؟“

نیلس نے شوخ نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ایک بہت اچھی دوست......! ایک بہت پیاری ساتھی......!“

”شکریہ......!“

اس نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے میرے شانے سے سر ٹکا دیا اور میں بوکھلا کر سیدھا ہو گیا۔ کیونکہ اظہار موت کا باعث بھی بن سکتا تھا۔

واپس رہائش گاہ پر پہنچے تو نہ تو مسٹر ڈینس موجود تھے اور نہ ہی میڈم مارگریٹ ڈینس۔ یہاں صرف نیلس تھی۔ وہ میری خواب گاہ میں آ گئی اور چند لمحات مجھ سے باتیں کرتی رہی، پھر بولی۔

”ابھی سونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، میں آتی ہوں، ذرا لباس تبدیل کر لوں۔ اس دوران تم بھی اپنے کپڑے تبدیل کر لو۔“

وہ چلی گئی، میں اس کی بے تکلفی کے بارے میں سوچنے لگا۔ بہر طور ایک اچھا خاصا دن گزرا تھا۔

نیلس واپس آئی تو ایک چھوٹی سی خوب صورت نازک ٹرالی ساتھ دھکیلتی ہوئی آئی تھی۔ ٹرالی پر بہت ہی نفیس ڈیزائن کی چند خوب صورت شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔

دو بہت ہی چھوٹے سائز کے گلاس بھی تھے۔ میں نے کسی قدر متعجبانہ انداز میں ان چیزوں کو دیکھا اور اس کے ساتھ ہی نیلس کے لباس پر بھی نگاہ پڑی تو میرے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ یہ لباس قابل اعتراض قسم کا تھا۔

نیلس اطمینان سے ٹرالی صوفے کے قریب لے کر بیٹھ گئی اور پھر اس نے چھوٹے چھوٹے گلاسوں میں شیشی کے مختلف رنگ کے سیال اُنڈیلے اور انہیں مکس کرنے کے بعد ایک گلاس میری طرف بڑھا دیا۔

"اسے لو، لطف آجائے گا۔ سمجھ لو کہ یہ ہمارا خاندانی نسخہ ہے اور اگر اس کی صحیح مقدار شامل کر کے کاک ٹیل نہ بنائی جائے تو وہ چیزیں پیدا ہی نہیں ہو پاتیں جو اس کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔"

"یہ شراب ہے مس نیلس......!"

"تم اسے آبِ حیات کہہ سکتے ہو۔"

نیلس نے مسکراتے ہوئے اپنا گلاس اُٹھالیا۔

"افسوس......! میں اپنی زندگی سے زیادہ جینا نہیں چاہتا، اس لئے آبِ حیات پینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کیا مطلب......؟"

"سوری ڈیئر......! میں اس سے محروم ہوں۔"

"تم شراب نہیں پیتے......؟"

نیلس نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں......! کیونکہ اس کے بعد میری کھوپڑی اُلٹی ہو جاتی ہے اور میں سر کے بل چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اب دیکھو ناں کہ یہ خوب صورت بال، اگر سر کے بل چلتے ہوئے گھس گئے تو میری صورت کیا رہے گی......؟"

"اوہو......! کیا بور باتیں کر رہے ہو......؟ موسم کہر آلو ہے اور فضاء کی ٹھنڈک اس کے بغیر دُور ہی نہیں ہوسکتی۔"

"میں گرم کمبل اوڑھ لوں گا، لیکن براہِ کرم مجھے اس سے محروم ہی سمجھو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو شامی......؟ مجھے بہت عجیب لگ رہی ہیں۔"

"یقیناً لگ رہی ہوں گی۔ میں کچھ ایسا ہی عجیب آدمی ہوں۔"

میں نے جواب دیا۔ وہ اپنا گلاس ہاتھ میں لئے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور خود چھوٹی چھوٹی چسکیاں لینے لگی۔ اس کے بعد اس نے خمار آلود نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے......؟"

"پُرسکون نیند......! جو دن بھر کی تھکن دُور کرے۔"

"او کے......! پھر میں چلتی ہوں۔"

وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں اپنے سینے پر پھونکیں مارنے لگا تھا حالانکہ موسم کافی سرد تھا۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر وہ نکھری نکھری نظر آرہی تھی۔ اس نے کہا۔

"میں نے گرافن میں ایلی کو فون کیا تھا۔ ایلی کا کہنا ہے کہ موسم بے حد خوش گوار ہے اور گرافن کے اطراف میں سفید لومڑیوں کا شکار ہو رہا ہے۔ کیا تمہیں شکار سے کوئی دلچسپی ہے مسٹر شامی......؟ بینگ بینگ سے......؟"

اس نے عجیب سے انداز میں کہا اور میں نے شانے ہلا دیئے۔

"میں تمہارا مہمان ہوں، جیسے پسند کرو گی، لیکن گرافن کیا یہاں سے زیادہ فاصلے پر ہے......؟"

"ہاں......! کافی فاصلے پر، لمبی ڈرائیونگ کا لطف آجائے گا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ رات کو میرے شراب پینے سے انکار نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔

بہرطور اس نے اپنے طور پر سوچ لیا ہوگا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ چنانچہ وہ اب ٹھیک ٹھاک تھی۔ اس نے بتایا کہ گرافن سے واپسی پر ایک یا دو دن ضرور لگ جائیں گے اور پھر ایلی ہمیں شکار کرائے بغیر نہیں چھوڑے گی۔ چنانچہ تھوڑے سے لباس بھی رکھ لئے جائیں تو بہتر ہے۔ یہ تمام انتظامات کئے لیتی ہوں۔ ہم دوپہر کے بعد نکلیں گے۔

اس لڑکی کا انداز بعض اوقات مجھے بہت خوف ناک لگنے لگا تھا۔ پچھلے دن کی رپورٹ تو بہتر تھی لیکن رات کو اس کا موڈ ٹھیک نظر نہیں آیا تھا۔ بہرطور مجھے کھا تو نہیں جائے گی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

میں نے دوپہر کا کھانا ہلکا سا کھایا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد گرافن تک کا سفر کرنا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ گرافن یہاں سے کتنی دُور ہے......؟ لیکن کوئی حل بھی نہیں تھا۔ بہت عرصے کے بعد یہ موقع نصیب ہوا تھا کہ کسی سخت ذہنی اُلجھن کے بغیر صرف سیاحت کر رہا تھا لیکن دل کو ہمیشہ ایک خدشہ لاحق رہتا تھا۔ تقدیر اتنی پُرسکون نہیں ہے کہ مجھے اطمینان سے بیٹھا رہنے دے۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا اور اس ہونے سے پہلے جو کچھ کرلیا جائے، وہ بہتر ہی ہوگا۔

چنانچہ جب ہم نے اس سفر کا آغاز کیا اور نیلی سپورٹ کار برن کے شہری علاقے کو چھوڑ کر لمبی چوڑی سڑک پر پہنچی تو میں اچھے موڈ کا مظاہرہ کرنے لگا۔ راستے کی ایک ایک چیز کے بارے میں نیلس سے سوالات کرتا جا رہا تھا اور وہ مجھے جواب دے رہی تھی۔

جوں جوں ہم آگے بڑھتے رہے، مناظر میں تبدیلی رونما ہوتی رہی۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں، قصبے

سامنے آتے رہے۔ بعض جگہ اسکول کے بچے چمڑے کی نیکروں اور بھاری بھاری اونی سویٹروں میں ملبوس بستے کندھوں پر اُٹھائے چلتے ہوئے نظر آئے۔

دیہاتی کسان چھکڑوں پر دودھ کے کنستر اور سبزیوں کی ٹوکریاں لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے ہوئے نظر آئے۔ ان چھکڑوں کو پستہ قد موٹے گھوڑے کھینچ رہے تھے، جن کے نتھنوں سے سردی کی وجہ سے بھاپ خارج ہو رہی تھی۔ موسم پہلے سے بھی سرد ہو گیا تھا۔

پھر لینی وس نامی قصبے کے کنارے نیلس نے اسپورٹس کار روک دی اور کہنے لگی۔

''یہاں ہم لوگ چائے پئیں گے۔ وقت ہو گیا ہے۔''

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آس پاس کوئی ریستوران یا ہوٹل وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا، لیکن نیلس نے کسی ہوٹل کو دیکھ کر گاڑی نہیں روکی تھی۔ اس نے سائیڈ کے ایک حصے میں پہنچ کر دو گلاس برآمد کئے اور پھر وہیں سے ایک فلاسک نکالا۔

☆......☆......☆

میں نے متحیرانہ انداز میں یہ جدید سسٹم دیکھا۔ اس نے کافی کا ایک گلاس مجھے دیتے ہوئے کہا۔

''پی لو، اس میں کوئی نشہ آور چیز شامل نہیں ہے۔''

وہ مجھ پر طنز کر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کافی اس کے ہاتھ سے لے لی اور پھر نیچے اُتر کر تعجب سے گاڑی کے اس حصے کو دیکھنے لگا۔

''کیا یہ کافی اسی میں تیار ہوتی ہے......؟''

''نہیں......! تیار کر کے اس میں بھری جاتی ہے، لیکن ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔''

اس نے جواب دیا۔ بلاشبہ انتہائی نفیس کافی تھی۔ میں نے ایک اور گلاس بھرا اور اسے خالی کرنے کے بعد نیلس کے طریقے پر اسے دُور پھینک دیا۔ اطراف کا منظر دُھند میں بھی حسین نظر آ رہا تھا۔ بائیں ہاتھ پہاڑوں کا ایک بلند سلسلہ تھا، جس کی چوٹیاں دُھند میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ داہنی سمت کھیت نظر آ رہے تھے، جن میں بھوسے کی بڑی بڑی گانٹھیں ترتیب سے پڑی ہوئی تھیں۔ رنگ برنگے پروں والا ہیٹ پہنے ایک کسان گانٹھوں کو اُٹھا اُٹھا کر لکڑی کے بنے ہوئے گودام میں لے جا رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک نوجوان لڑکا ہاتھ میں پانی کی بالٹی لئے ہوئے بھورے رنگ کے ایک گھوڑے کو نہلانے میں مصروف تھا۔ میں نے نیلس سے پوچھا۔

''گرافن ابھی کتنی دُور ہے......؟''

''ابھی کافی دُور ہے اور راستہ بھی کافی پُرخطر ہے۔''

اس نے ہونٹ سکیڑ کر کہا۔ میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

''اس کے باوجود تم اطمینان سے کھڑی یہاں کافی پی رہی ہو......؟''

''تو پھر کیا پُرخطر راستوں پر موت سے خوف زدہ ہونا ضروری ہے......؟ اور اگر ہے بھی تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟ زندگی ایک ایڈونچر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔''

میرا دل ہول کر رہ گیا کہ یہ ایڈونچر پسند لڑکی کہیں کوئی لمبا ہی ایڈونچر نہ کر ڈالے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا، لیکن اس کا اظہار ممکن نہیں تھا۔ نیلس واقعی پُرسکون نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنے بالوں کو سمیٹ کر پیچھے

باندھنے لگی اوراس کے بعد گاڑی کے بونٹ پر چڑھ کر بیٹھ گئی، یا تو وہ مجھے زِچ کر رہی تھی یا پھر میرے خوف سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ خوف کا اظہار کر کے میں اسے خوش ہونے کا موقع نہیں دوں گا۔ چنانچہ میں خود بھی دوسری طرف سے گھوم کر بونٹ کے دوسرے حصے پر بیٹھ گیا۔

نیلس کی نگاہیں دُھند میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ کافی پرے ایک وادی میں سوئٹزر لینڈ کے دیہی وضع کے مکانات بکھرے پڑے تھے۔ یہ مکانات ایک دسرے سے کافی فاصلے پر تھے۔نیلس کہنے لگی۔

''پرانے زمانے میں ان گھروں کے رہنے والے وادی کے پار اپنے ساتھیوں کو ایک خاص طریقے سے پیغام پہنچایا کرتے تھے۔لکڑی کے بنے ہوئے کئی کئی فٹ لمبے قرنے زور سے پھونکے جاتے تھے اور پوری وادی میں ان کی بھیانک آواز گونجتی تھی۔ وادیوں میں رہنے والے ان قرنوں کی آوازوں کے زیر و بم سے پیغام پڑھ لیا کرتے تھے۔ برف باری اور شدید طوفانوں کے دوران جب پیغام رسانی کے دوسرے وسائل ختم ہو جاتے تھے، تو وادی کے لوگ ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے اسی طریقے سے کام لیا کرتے تھے اور اسے یوڈلنگ کہا جاتا تھا۔''

''فنٹاسٹک......! کیا زندگی ہوگی ان لوگوں کی۔ کیوں نہ ہم یہ رات یہیں بسر کریں ڈیئر نیلس......؟''

میں نے ایک خاص خیال کے تحت کہا۔ وہ چند لمحے میری صورت دیکھتی رہی اور پھر جلدی سے بونٹ سے نیچے اُتر گئی۔

''نہیں......! ہمیں گرافن تک پہنچنا ہی ہوگا۔''

میں نے دل ہی دل میں اپنی اس ترکیب کی کامیابی پر خود کو سراہا تھا۔شاید میں اس لڑکی کی فطرت سے واقف ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے اس کے اندر یہ انحراف نہیں تھا۔ بلکہ وہ مجھ سے مکمل تعاون کر رہی تھی لیکن اب اس کے انداز میں ایک ہلکی سی جھنجلاہٹ پائی جاتی تھی، اور جو کچھ میں کہہ رہا تھا، اس سے بعض اوقات وہ انحراف بھی کر لیتی تھی۔ اس کی وجہ میں بخوبی سمجھ رہا تھا۔ یہ پچھلی رات اس کی خاندانی کاک ٹیل قبول نہ کرنے کا شاخسانہ تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر اُچھل کر بیٹھ گئی اور میں اس انداز میں سیٹ کی طرف بڑھا، جیسے بحالت مجبوری آگے کا سفر کرنا چاہتا ہوں، لیکن میری دلی خواہش تھی کہ جلد از جلد اس کہر آلود راستے کو طے کر کے کسی بہتر جگہ قیام کیا جائے تا کہ راستے کے خطرات سے نمٹنا پڑے

جس سڑک پر ہم جا رہے تھے، اس کے گرد پہاڑوں پر بے پناہ دُھند تھی۔ کسی جگہ دُھند صاف ہوئی تو قصبوں کے دیدہ زیب کلیاؤں کے سرخ گنبد نظر آ جاتے۔ بلندی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ دُھند میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ہم خود بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ونڈ اسکرین کے سامنے دُھند کی لہریں اُٹھ رہی تھیں اور مجبوراً نیلس کو کار کی روشنیاں آن کرنی پڑیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ کار کی رفتار بھی سست کر دی تھی۔ موسم کی شدت دیکھ کر میرے اعصاب کشیدہ ہوتے جا رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں گرافن تک پہنچتے پہنچتے کیا صورتِ حال

پیش آئے......؟

پھر کار نے ایک موڑ کاٹا تو دوسری جانب سڑک کے بیچ میں خطرے کے سرخ نشان کا تختہ لگا ہوا نظر آیا۔ تختے کے ساتھ ساتھ دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں رُکنے کا اشارہ کیا اور نیلس نے کار ان کے قریب لے جا کر روک دی۔

''سوری میڈم......! آپ آگے نہیں جا سکتیں۔ برف کا ایک تودہ پھسلنے کی وجہ سے سڑک بالکل بند ہے۔آپ واپس چلی جائیں۔''

ان میں سے ایک نے کھڑکی کے قریب آ کر کہا۔نیلس نے پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور کہنے لگی۔

''میں گاڑی نکال لے جاؤں گی۔ رات ہو چکی ہے۔ واپسی بھی ہمارے لئے خطرناک ہوگی۔''

''براہِ کرم ضد نہ کیجئے۔ آگے بڑھنا بالکل ممنوع قرار دیا جا چکا ہے اور ہم اس سے پہلے بھی اس طرف آنے والے لوگوں کو واپس بھیج چکے ہیں۔''

''تعجب ہے، راستے میں ہمیں کئی بھی واپس جاتا ہوا نظر نہیں آیا۔''

''تاہم آگے بڑھنا آپ کے لئے ممکن نہیں ہے۔''

''اوہ......! ٹھیک ہے......! کیوں ڈیئر شامی......! اگر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے تو پھر زیادہ پیچھے ہٹنا بھی ہمارے لئے مناسب نہیں ہوگا۔''

''کیا مطلب......؟''

میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آؤ......! مطلب بعد میں سمجھاؤں گی۔''

نیلس بولی اور پھر اس نے کافی تیز رفتاری سے کار کو ریورس کیا اور پھر ایسی جگہ آ کر جہاں سے وہ ٹرن لے سکتی تھی، کار واپس موڑ دی۔ وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتی جا رہی تھی۔ میں ابھی اس سے کوئی سوال بھی نہیں کر پایا تھا کہ دفعتہً اس نے کار سڑک کے دائیں سمت نشیب میں اُتار دی اور میرے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی۔

مجھے ایسا ہی محسوس ہوا تھا، جیسے اسٹیئرنگ اس کے کنٹرول سے باہر ہو گیا ہو لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔ کار نشیب میں اُتر کر ایک کھلی جگہ پر رُک گی اور نیلس نے اس کا سوئچ آف کر دیا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا اور وہ سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ پھر میں نے اطراف میں نگاہیں دوڑائیں، چاروں طرف دُھند ہی دُھند تھی۔ تھوڑے فاصلے کی چیزیں بھی اب صاف نظر نہیں آ رہی تھیں۔

''یہ...... یہ کیا ہوا نیلس......؟''

''جو ہونا چاہئے تھا۔''

وہ سرد لہجے میں بولی۔

''میں سمجھا نہیں......!''

دفعتہً میرے ذہن میں ایک بجلی سی کوندی۔

''کیا نہیں سمجھے......؟''

''تم......تم کیا چاہتی ہو......؟ کیا چاہتی ہو تم آخر......؟''

''ارے ارے......! تمہارے لہجے سے تو خوف جھانک رہا ہے۔ ڈر رہے ہو اس ماحول سے......؟''

دفعتہً نیلس کے لہجے میں ایک شوخی سی پیدا ہوگئی۔

''نہیں......! لیکن کار یہاں اُتارنے کا کیا مطلب ہے......؟''

''میرے خیال میں قیام کے لئے یہ بہترین جگہ ہے۔ کل دن کی روشنی میں جب راستہ صاف ہو جائے گا تو ہم گرافن چلیں گے۔ تمہیں کون سی واپس جانے کی جلدی ہے......؟''

''لیکن یہ بھیانک جگہ......''

''اوہ......! کوئی جگہ بھیانک نہیں ہوتی۔ یہ تو ایڈونچر ہے۔ کیا لطف آئے گا یہاں رات گزار کر، لیکن تم فکر مت کرو۔ اس کھلی چھت کی کار میں تمہیں یہ رات بسر نہیں کرنی پڑے گی۔ میں ہر طرح کے انتظامات رکھتی ہوں۔''

وہ چھلانگ لگا کر کار سے نیچے اُتر گئی اور پھر اس کے عقبی حصے میں پہنچ کر اس نے ایک بٹن دبایا۔ کار کے پچھلے حصے کا ڈھکن کسی وہیل مچھلی کے منہ کی مانند کھل گیا تھا۔ اس نے اس میں سے ایک بڑا سا بنڈل نکالا اور اس کے بند کھولنے لگی۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی لیکن جب نیلس نے اس بنڈل کو پوری طرح کھول کر زمین پر پھیلایا تو میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔

یہ ایک باقاعدہ بڑا خیمہ تھا، جو انتہائی جدید ساخت کا تھا۔ چند ہی لمحوں میں نیلس نے اسے کھڑا کر کے وہاں ایک باقاعدہ کمرہ سا بنا دیا۔ خیمے کی طنابیں اس نے ایک مخصوص قسم کے راڈ میں پھنسا کر زمین میں گاڑھی تھیں۔ کینوس یا نائیلون ملی ہوئی کسی چیز کا یہ خیمہ بظاہر کافی مضبوط نظر آتا تھا۔ نیلس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ دوبارہ ڈگی کی طرف متوجہ ہوگئی اور اس بار اس نے ایک اور بنڈل نکال لیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا پمپ بھی جو سائیکلوں میں ہوا بھرنے کے کام آتا تھا، بنڈل کو نیل کھول کر اس نے پمپ سے ہوا بھرنی شروع کر دی اور تھوڑی دیر کے بعد ایک لمبا چوڑا گدا تیار ہوگیا۔

اس گدے کو خیمے کے اندر بچھانے کے بعد اس نے میری طرف دیکھا اور ایک بار پھر ڈگی کی جانب بڑھ گئی۔ اب اس نے ایک بڑا سا کمبل نکال لیا تھا۔

''ایک پوری رہائش گاہ، تم نے کافی کا تھرماس دیکھ لیا ہے۔ اس تھرماس میں تقریباً ایک گیلن کافی ہے

اور میرا خیال ہے، یہ ہمارے لئے بہت ہوگی۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی اشیاء بھی موجود ہیں۔ یہ گرم کمبل ہمیں سردی کا احساس بھی نہیں ہونے دے گا۔ اب کیا کیا جائے......؟ زندگی کے یہ لوازمات تو ضروری ہوتے ہیں اور ان کا خیال رکھنا چاہئے۔

ویسے ڈیئر شامی......! ایڈونچر پسند بنو، اسی میں مزہ ہے۔ زندگی اپنے کمرے میں بہترین بستروں پر بھی گزرتی ہے، لیکن اگر کبھی ایسے ہولناک ویرانوں میں بھی بسر کرنی پڑ جائے تو ان سے لطف اندوز ہونا چاہئے۔''

میں خاموش ہی رہا تھا۔ وہ اطمینان سے ربڑ کے گدے پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گئی اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کسی خیال کے تحت باہر نکل کر گاڑی کو لاک کیا۔ اگنیشن سے چابی نکال لائی اور ساتھ ہی ایک چھوٹا سا لیمپ بھی جو غالباً بیٹری سے چلتا تھا۔ تاریکی ہر طرف پھیل گئی تھی۔ مدہم لیمپ خیمے کے اندر کی فضاء کو روشن کرنے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر باہر نکل کر ڈگی میں سے ایک پیکٹ نکالا اور اسے کھول کر میرے سامنے کر دیا۔

''ڈنر......!''

''خدا کی پناہ......! نیلس......! یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تمہیں ان ساری چیزوں کا پہلے ہی سے علم تھا۔''

''یہ بات تمہارے علم میں آ چکی ہے کہ میں ایڈونچر پسند ہوں اور زندگی میں ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتی ہوں۔ پتا نہیں کیسے انسان ہو تم شامی......؟ حقیقت یہ ہے کہ زندگی اسی کا نام ہے۔ یکسانیت تو انسان کو چند سال سے زیادہ زندہ بھی نہ رہنے دے۔''

میں ایک گہری سانس لے کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اب بہت زیادہ بے زاری کا مظاہرہ بھی حماقت تھی۔ یہ بات میں بھی جانتا تھا کہ واپسی کا سفر اس وقت ممکن نہیں تھا اور پھر واپس جا کر کون سا تیر مارنا تھا......؟ نیلس کے ساتھ ہی کوٹھی میں رہنا تھا۔ مسٹر اور مسز ڈینس تو کنارہ کش ہوگئے تھے۔ عجیب سی بات تھی۔

بہر طور وہ لوگ میرے احسان مند تھے اور اس احسان کے صلے میں مجھے آزادی ملی تھی۔ چنانچہ اب اُصولاً مجھے بھی ان پر بار نہیں بننا چاہئے تھا۔ مہمان نوازی اور احسان کے بارے میں یہ سوچتے ہوئے مجھے خود بھی مضحکہ خیز لگا تھا۔ بھلا میں اپنے لئے کیا کر سکتا تھا......؟ سوائے اس کے کہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح فضاء میں چکراتا رہتا۔

نیلس کھانے پینے کا سامان اور کافی کے گلاس لے آئی۔ پھر اس نے مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تکلف نہیں ڈیئر......! بہت ہلکا پھلکا سا کھانا ہے۔ تمہیں پسند آئے گا۔''

انتہائی نفیس سینڈوچز جو مختلف چیزوں سے بنے ہوئے تھے، اور کافی۔ یہی ہمارا کھانا تھا، لیکن اس سے زیادہ کھانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ سردی بدن میں اُترتی جا رہی تھی اور اب اندر ہی اندر کچھ کپکپاہٹ سی محسوس

ہورہی تھی۔ میں نے کافی حلق میں اُنڈیلنے کے بعد کمبل اپنے اوپر کھینچ لیا۔ نیلس نے پچھلے حصے کو ذرا سا اوپر اُٹھایا اور اس سے تکیے برآمد ہوگئے۔ اس کے بعد اس نے کافی کے گلاس خیمے کے دروازے سے باہر پھینکے۔ دروازے کی زِپ بند کی اور اطمینان سے گدے پر آکر لیٹ گئی۔

''سردی واقعی ضرورت سے کچھ زیادہ ہوتی جارہی ہے۔''

''ہاں......! مجھے تو حیرت ہے کہ تم سردی سے اتنی زیادہ متاثر نظر نہیں آرہی ہو، جتنا میں ہوں۔''

''نہیں......! یہ بات نہیں ہے۔ سردی تو مجھے بھی لگ رہی ہے، لیکن میں کسی بھی چیز کو مسلط کرنے کی عادی نہیں ہوں۔''

''تب تم عورت نہیں ہو۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو......؟''

نیلس نے برا ماننے والے انداز میں کہا۔

''عورت کے تصور کے ساتھ نزاکتوں اور لطافتوں کا تصور بھی اُبھرتا ہے، جو تم میں موجود نہیں ہے۔''

''بدصورت ہوں میں......؟''

اس نے سوال کیا۔

''نہیں نہیں......! شکل وصورت تو تمہاری بہت اچھی ہے، لیکن تمہاری طبیعت میں مردانہ پن زیادہ جھلکتا ہے۔''

وہ چند لمحات مجھے دیکھتی رہی اور پھر بے اختیار ہنس پڑی۔

''نہیں......! یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ اب ایسی بھی بات نہیں......''

وہ جملہ اُدھورا چھوڑ کر خاموش ہوگئی اور اس کے بعد اس نے کمبل کا ایک سرا بے تکلفی سے اپنے اوپر کھینچ لیا۔ ظاہر ہے کہ کمبل تھا، کوئی قالین نہیں تھا، جو لمبا چوڑا ہوتا۔ میں اس کی فطرت پر غور کرنے لگا۔ نیلس بے تکلف لڑکی تھی۔ ان تمام اخلاقی فضولیات سے دُور جو خواتین کے نام سے منسوب ہوتی ہیں۔ پھر ویسے بھی اس کا تعلق ایک ایسی جگہ سے تھا جہاں کی سوچ ذرا مختلف تھی۔ لیکن میں اپنی سوچ کو کس طرح بدل سکتا تھا......؟ پتا نہیں کیوں ذہن کو ایک عجیب سا احساس ہورہا تھا......؟

پھر سردی کی شدت سے ہر طرح کا احساس دل سے نکال دیا۔ انتہائی خنکی پیدا ہوگئی تھی فضاء میں، یہ اندازہ نہیں تھا کہ سردی آن کی آن میں اس طرح آسمان سے اُتر کر زمین پر پھیل جائے گی۔ بلاشبہ جب ہم برن سے نکلے تھے تو موسم سرد تھا اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد دُھند اور کہر نے آلیا تھا، لیکن اس میں اتنی سردی تو نہیں تھی۔ اب تو یوں محسوس ہورہا تھا جیسے چاروں طرف برف ہو اور ہم اس کے درمیان ہوں۔ بدن کے اندر ایک عجیب سی اینٹھن پیدا ہوگئی اور ہلکا ہلکا درد بھی محسوس ہونے لگا۔ کمبل کو میں نے اپنی ایک سائیڈ سے اچھی طرح لپیٹ

لیا، دوسری سائیڈ البتہ میرے بس میں نہیں تھی۔ دفعتہً نیلس نے میری طرف دیکھا اور میری پیشانی پر اُلٹا ہاتھ رکھ کر بولی۔

''کیا بات ہے......؟ شاید تم بہت زیادہ سردی محسوس کررہے ہو......؟''

''ہاں......! ایسی ہی بات ہے۔''

میرے حلق سے بمشکل تمام نکلا۔ نیلس کہنیاں ٹکا کر بیٹھ گئی اور پھر کمبل پھینک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک بار پھر وہ خیمے کی زِپ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ اس بار جب خیمے کا دروازہ کھلا تو یوں محسوس ہوا جیسے برف کا برادہ اُڑ کر میرے بدن سے چپک گیا ہو۔ میں نے جلدی سے کمبل میں منہ ڈھک لیا تھا۔ پتا نہیں اب وہ کیا کرنے لگی تھی......؟

لیکن چند لمحات کے بعد وہ واپس آگئی۔ میری اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ کمبل سے منہ نکال کر دیکھتا۔ ویسے اس نے دروازے کی زِپ بند کردی تھی۔ پھر اس نے میری پیشانی کو تھپتھپایا۔

''اُٹھو شامی......! اُٹھو پلیز......!''

''کک...... کیا بات ہے......؟''

میں نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لو یہ پی لو......! تمہاری سادی بہت کم ہوجائے گی۔''

''کک...... کیا چیز ہے یہ......؟''

میں نے کہا۔

''منہ تو کھولو......! ہٹاؤ یہ کمبل چہرے سے، یہ کیا حرکتیں کررہے ہو......؟''

اس نے جھنجلائے ہوئے سے انداز میں کہا اور میں نے ڈرتے ڈرتے کمبل چہرے سے ہٹا لیا۔ نیلس کا ہاتھ میرے چہرے کے قریب تھا۔ اس نے جلدی سے کوئی چیز میرے ہونٹوں سے لگادی۔ غیر اختیاری طور پر بھی میں نے اپنا منہ کھول دیا۔ ایک کڑوی، بدذائقہ اور عجیب سی شئے میرے حلق سے نیچے اُتر گئی۔ سینے میں ایک ہلکی سی لکیر بنتی چلی گئی تھی۔ میں جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اور ابکائیاں سی لینے لگا۔

''ارے یار......! یہ کیا حماقت ہے......؟ خود کو سنبھالو......!''

نیلس نے کہا اور خود بھی اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس سے چسکیاں لینے لگی۔ میں نے دُھندلی روشنی میں دیکھا۔ یہ اس کا خاندانی نسخہ تھا، وہی نسخہ جو اس نے مجھے پہلے بھی پلانے کی کوشش کی تھی۔

''شش...... شراب......؟''

''حماقت کی باتیں کروگے تو خیمے کا دروازہ کھول کر باہر نکال دوں گی۔ پتا نہیں کس قسم کے آدمی ہو......؟ لو، یہ ایک اور بھی پیئو اور محسوس کرو کہ اب اندر کی کیفیت کیا ہے......؟''

میں نے اپنے آپ پر غور کیا تو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ بلاشبہ ایک ہی گلاس میں اندر کی سردی تو نکل گئی تھی اور اب وہ کیفیت نہیں تھی جو چند ہی لمحات قبل میں نے محسوس کی تھی۔ اس نے دوبارہ میرے گلاس میں وہ رنگین چیز انڈیل دی جو کئی رنگ سے مل کر بنی تھی اور گلاس میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

"نیلس......! پلیز۔"

"کوئی چیز اگر دوا کے طور پر استعمال کی جائے تو وہ اتنی بری بھی نہیں ہوتی۔ آخر ڈاکٹر تمہیں دوائیاں دیتا ہے، پتا نہیں کس ٹائپ کے آدمی ہو......؟ میں نے تو ایسا کوئی مرد اس سے پہلے نہیں دیکھا۔"

"اوہ......! اب تم مجھے طعنے دے رہی ہو......؟"

میں نے آہستہ سے کہا اور گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"آہستہ آہستہ چسکیاں لے لے کر پیو......! لطف آجائے گا۔"

اس نے کہا۔ میں ابھی تک اس بدذائقہ چیز کو اپنے منہ میں محسوس کر رہا تھا لیکن اس نے مجھے جو فائدہ پہنچایا تھا، وہ نظرانداز کرنے کے قابل نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی ایک چھوٹی سی چسکی لی۔ دوسری، تیسری، اور پھر چوتھی، اور اس کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا ذائقہ ختم ہو گیا ہو، بلکہ اب ایک عجیب سی خوشبو مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ یہ دوسرا گلاس بھی خالی ہوا تو اس نے تیسرا گلاس بھر دیا۔

"نقصان تو نہیں دے گی......؟"

میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"ایک گلاس اور پی لو۔ اس کے بعد مجھے بتانا کہ اس نے تمہیں کتنا نقصان پہنچایا ہے......؟"

نیلس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ اسی دوران وہ اپنے لئے بھی تیسرا گلاس بھر چکی تھی۔ ہر چند کہ یہ گلاس بہت چھوٹے چھوٹے تھے لیکن بہرطور، میرے لئے کافی تھے۔ تیسرا گلاس پینے کے بعد میں نے اپنا گلاس رکھ دیا۔

دفعتہً ہی مجھے یوں محسوس ہوا تھا، جیسے فضاء میں گرمی پھیلتی جا رہی تھی۔ میرے اندر کی سردی نکل گئی تھی۔ باہر کی فضاء بھی نارمل سی محسوس ہونے لگی، لیکن رفتہ رفتہ حدت کچھ اور بڑھی اور میری کنپٹیوں سے ہلکی ہلکی آنچ نکلنے لگی۔ آنکھوں میں بھی عجیب سی جلن پیدا ہو گئی تھی۔ ذہن کچھ بھٹکنے سا لگا تھا۔ میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نیلس......! کیا ایک گلاس اور مل سکتا ہے......؟"

نیلس ہنس پڑی۔

"ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ لیکن میرا خاندانی نسخہ یہ بھی ہے کہ چوتھے کے بعد پانچویں گلاس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے بعد انسان اوندھا ہی ہو سکتا ہے۔"

اس نے مجھے چوتھا گلاس بھی دے دیا اور یہ گلاس معدے میں اُتارنے کے بعد دُنیا ہی تبدیل ہو گئی۔

مجھے اپنے چاروں طرف روشنیاں سی جلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ مدھم مدھم رنگین روشنیاں، جو میرے چاروں طرف ٹمٹما رہی تھیں، کبھی جلتیں اور کبھی بجھ جاتیں۔ فضاؤں میں ایک عجیب سی سرمستی پھیلی ہوئی تھی۔ میں چندھیائی ہوئی نگاہوں سے ان روشنیوں کو دیکھنے لگا۔ آسمان سے براہِ راست رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ میں فضاء میں تیر رہا تھا۔ ستارے میرے بالکل قریب تھے، مجھے دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ پھر ان ستاروں نے اپنے بازو پھیلا کر مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں پانی کی گہرائیوں میں اُترتا جا رہا ہوں۔ بہت ہی لطافت بکھری ہوئی تھی چاروں طرف، اور میں ستاروں کے درمیان کھیلتا رہا۔ پھر تھکن سے چور ہو گیا اور وہیں کسی ستارے کی گود میں سر رکھ کر سو گیا۔

آنکھ اس وقت کھلی تھی، جب صبح کی روشنی نمودار ہو گئی۔ میں نے حیرت بھری نگاہوں سے اپنے اطراف میں دیکھا۔ نیلے رنگ کی چھولداری کی چھت نظر آ رہی تھی اور میں اس کے اندر تھا۔ زپ بند تھی اور میرے بالکل قریب نیلس موجود تھی، لیکن وہ جس حالت میں تھی، اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ میں نے اپنے آپ پر بھی غور کیا، اور میرے حواس چند لمحات کے لئے معطل ہو گئے۔

ایک لمحے کے لئے تو جی چاہا کہ اُٹھ کر باہر بھاگ جاؤں لیکن پھر سردی کے تصور نے باز رکھا۔ باہر نکلنے کا مطلب ہے کہ براہِ راست نمونیا۔ میں پریشانی کے عالم میں نیلس کو دیکھتا رہا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔ ہونٹوں پر ایک گہری سی مسکراہٹ، نقوش میں ایک عجیب سی کیفیت۔ نہ جانے کیوں میری نگاہ اس پر جمی رہ گئی اور گزارے ہوئے واقعات ایک ایک کر کے میرے ذہن سے گزرنے لگے اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کمینی کہیں کی......!"

میں نے دل ہی دل میں سوچا اور کمبل سے باہر نکل آیا۔ نیلس جب جاگی تو میں چھولداری کے باہر کھڑا تھا اور ان حسین نظاروں کو دیکھ رہا تھا، جو اطراف میں بکھرے ہوئے تھے۔ طبیعت پر ایک عجیب سی شگفتگی اور ایک عجیب سی نفرت طاری تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل آئی اور میں نے شکایتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ہیلو شامی......! کہو، اب تو سردی کا احساس نہیں ہے......؟"

"کیا کہوں تم سے نیلس......! کیا کہوں......؟"

"اوہ ڈیئر......! کچھ مت کہو۔ بس......! کچھ بھی مت کہو۔ پلیز......! کچھ مت کہو......!"

اس نے عجیب سے انداز میں کہا اور میرے قریب آ کھڑی ہوئی۔ پھر چونک کر بولی۔

"کافی پی تم نے......؟"

"نہیں......!"

"تو پھر آؤ، ایک ایک کپ کافی پئیں۔"

میں نے انکار نہیں کیا تھا۔ حیرت انگیز بات تھی، کافی اس وقت بھی بالکل گرم اور تازہ تھی۔ یہ حیرت انگیز چیز نیلس نے اپنی گاڑی میں لگا رکھی تھی۔ کافی کے دو دو کپ پینے کے بعد ہم تازہ دم ہوگئے۔ نیلس کہنے لگی۔

"بس......! ایک چیز کی کمی رہ گئی ہے اور وہ ہے پانی، جس سے ہم غسل کر سکیں۔"

"غسل......؟"

میں نے پھریری لیتے ہوئے کہا اور نیلس ہنس پڑی۔

"ہاں......! یہاں غسل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیا خیال ہے، چلیں......؟"

"ظاہر ہے، ہم یہاں قیام کے لئے تو نہیں آئے تھے۔ ویسے تمہاری دوست ایلی تمہارے نہ پہنچنے سے پریشان نہیں ہوگی......؟ یا پھر راستہ بند ہونے کی اطلاع اسے مل گئی ہوگی......؟"

میں نے سوالیہ انداز میں کہا اور نیلس کا قہقہہ گونج اُٹھا۔

"میری دوست ایلی......؟"

اس نے شوخ انداز میں کہا، لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

"کیوں......؟ کیا مطلب ہے اس بات کا......؟"

"اس نام کی کوئی لڑکی میں نے کبھی دوست نہیں بنائی، اور گرافن...... گرافن سے زیادہ واہیات علاقہ سوئٹزرلینڈ میں اور کوئی نہیں ہے۔ ایک بھدا اور بدنما قصبہ جہاں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

میں تعجب سے نیلس کو دیکھنے لگا، کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے چھولداری کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"اب اس سامان کو سمیٹیں۔"

میں نے خیمہ اُتارنے میں اس کی مدد کی تھی۔ بہت ہی عجیب و غریب خیمہ تھا۔ لپیٹنے کے بعد ایک چھوٹے سے بنڈل کی شکل میں رہ جاتا تھا۔ ویسے کافی کشادہ تھا۔ گدے کی ہوا نکالی گئی۔ تمام سامان ڈگی میں منتقل کر دیا گیا۔ پھر کار میں بیٹھتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا۔

"تو کیا تم گرافن نہیں چلو گی......؟"

"نہیں بھئی......! ہمیں گرافن سے کیا دلچسپی ہے......؟ وہاں واقعی دیکھنے کو کوئی چیز نہیں ہے۔"

"تو پھر...... تو پھر......"

میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"بس......! تمہیں اس کاک ٹیل کے چند گلاس پلانا چاہتی تھی، تم وہاں قبول کر لیتے تو یہ رات اس سردی میں نہ گزارنا پڑتی۔"

نیلس نے کہا اور کار اسٹارٹ کر کے ریورس کر دی۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس دیکھ رہا تھا اور جب میری سمجھ میں آئی تو میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ لی۔ وہ آہستہ سے چیخ کر ہنس پڑی تھی۔

کار نے سڑک کی ڈھلان عبور کی تو میں نے خود ہی گھبرا کر اس کی گردن چھوڑ دی۔ کیونکہ رفتار بہت تیز تھی، لیکن اس کا رُخ واقعی گرافن کی جانب نہیں تھا، بلکہ وہ واپس شہر کی جانب جا رہی تھی۔

"تم...... تم کمینی لڑکی......! تم واقعی بے حد کمینی ہو۔"

"شکریہ ڈیئر......! دراصل میں ایڈونچر پسند ہوں اور میری زندگی ایسے ہی گزر رہی ہے۔"

اس نے کہا اور ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ اسپورٹس کار کی رفتار یک دم بڑھ گئی اور میں نے خود کو سنبھالنے کے لئے جلدی سے سائیڈوں میں لگی ہوئی بیلٹ اپنے پیٹ پر باندھ لی۔ نیلس کی حرکت مجھے عجیب و غریب لگی تھی، لیکن نہ جانے کیوں گزری ہوئی رات اب بری نہیں محسوس ہو رہی تھی۔

برن کے اسی خوب صورت علاقے میں اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو کر نیلس نے مجھے خدا حافظ کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں واپس اپنے کمرے میں آیا، باتھ روم میں جا کر گرم پانی سے شاور کے نیچے جا بیٹھا۔ غسل کر کے باہر نکلا تو نیلس میرا انتظار کر رہی تھی۔ وہ بھی غسل کر کے آگئی تھی۔

"میں نے ملازم سے ناشتہ لانے کے لئے کہہ دیا ہے۔ وقت زیادہ ہوگیا ہے، لیکن ناشتے کے بغیر کیسے کام چلے گا......؟ کیا خیال ہے......؟"

میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تو وہ بھی مسکرانے لگی۔

"ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہیں میری خاندانی شراب پسند آئی ہوگی۔"

"نیلس......! بس، کیا کہوں تم سے......؟"

"کمال کے انسان ہو۔ پتا نہیں کیا ٹائپ ہے تمہارا......؟ میں تو واقعی تمہیں سمجھ نہیں سکی۔"

"بہتر ہے نہ سمجھو......!"

"آؤ......! ناشتے کے کمرے میں چل کر باتیں کریں گے۔"

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور میں اس کے ساتھ ناشتے کے کمرے میں پہنچ گیا۔ عمدہ قسم کا ناشتہ میز پر سجا دیا گیا تھا۔ میں نے مسز ڈینس پال کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگی۔

"ملازم کو فون ملا تھا۔ انکل مارسلز جا رہے ہیں اور یقیناً وہاں بھی انہیں دو چار روز لگ جائیں گے۔ البتہ آنٹی کل تک اسپتال سے واپس آجائیں گی۔ تاہم آنٹی بہت اچھی طبیعت کی مالک ہیں۔ ہمارے مشاغل میں وہ کبھی دخل نہیں دیں گی۔"

"ہوں......! لیکن میں سوچ رہا ہوں نیلس......! کہ اب مجھے یہاں کب تک تمہارا مہمان رہنا چاہئے......؟"

"کیوں......! اُکتا گئے کیا......؟ ابھی تو سوئٹزر لینڈ بہت وسیع ہے۔"

"یقیناً ہے، لیکن تم نے مجھے فطرتاً عجیب کہا ہے، اور یہ بھی میری عجیب فطرت کا ایک پہلو ہے کہ میں اس سے زیادہ تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔"

"لیکن احمق آدمی......! اس کی وجہ تو بتاؤ۔"

"بس بھئی......! ایک چھوٹا سا کام کر دیا تھا تمہارے انکل کے لئے، اور وہ بھی اتفاقی طور پر۔ میں نے کم از کم تم لوگوں سے جھوٹ نہیں بولا۔ جان بوجھ کر میں نے یہ سب کچھ نہیں کیا تھا تو پھر اب اس کا اور کتنا معاوضہ وصول کروں......؟"

"نہیں ڈیئر......! ہر چیز کا معاوضہ نہیں ہوتا اور یہ تو تمہاری اچھی فطرت کی دلیل ہے کہ تم اتنے بڑے کام کو چھوٹا سا سمجھتے ہو۔ آنٹی اور انکل ان کے چنگل میں جا پھنسے تھے۔ یوسف عارض زخمی ہو کر ناکارہ ہو گیا تھا اور پھر باقی جو کچھ ہونا تھا، اگر اس انداز میں ہو جاتا تو انکل کا کیریئر خطرے میں پڑ جاتا۔ تم نے نہ صرف انہیں اس مصیبت سے نکال لیا، بلکہ کسی بدنامی کا شکار بھی نہ ہونے دیا اور اس کے بعد تم اس کام کو چھوٹا سا کہتے ہو......؟ چلو، ہم اسے مان لیں تو کیا ایک دوست کی حیثیت سے تم کچھ عرصے ہمارے ساتھ قیام نہیں کر سکتے......؟ یا پھر میری پلائی ہوئی کاک ٹیل سے خوف زدہ ہو گئے ہو......؟"

میں مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ ابھی خود میرے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا اور نہ جانے کیوں اب نیلس مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔ یوں تو میری زندگی کی کتاب آپ کے سامنے ہے۔ ایک طویل سفر میں نے کینلس کے ساتھ تنہا طے کیا تھا۔ اس کے بعد زینوکا بھی میری زندگی میں آئی تھی، لیکن یہ کاک ٹیل پینے کے بعد میرے ذہن میں کچھ نئے احساسات جاگ اُٹھے تھے۔

میری خواہش تھی کہ اب میں تھوڑی دیر آرام کروں۔ طبیعت پر ایک ہلکا سا سرور اس وقت بھی طاری تھا لیکن نیلس نچلا بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھی۔ لنچ کے بعد ہی اس نے مجھ سے تقاضہ کر دیا تھا کہ باہر گھومنے پھرنے کے لئے تیاریاں کر لی جائیں۔ میرے منع کرنے کے باوجود اس نے مجھے معاف نہیں کیا تھا۔ برن کا موسم اتنا ہی حسین تھا اور نیلس کی اسپورٹس کار مختلف علاقوں میں چکراتی پھر رہی تھی۔

رات کا کھانا دریا کے کنارے اسی ہوٹل میں کھایا گیا اور جب کافی رات ہو گئی تو نیلس نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ فضاء میں اس وقت کافی دُھند تھی، کوٹھی پہنچ کر نیلس مجھے خدا حافظ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں پہنچ کر لباس وغیرہ تبدیل کرنے لگا۔ ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ سوچنے کے لئے بہت کچھ تھا، لیکن اب سوچ کی اس یلغار سے بچنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں کچھ سوچنے کو دل نہیں چاہتا تھا......؟

میں اپنی مسہری پر دراز ہو گیا اور نہ جانے کیا کیا خیالات میرے سینے میں مچلنے لگے......؟ بدن کو ایک نئی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا۔ دفعتہً دروازے پر دستک ہوئی اور میں اُچھل پڑا۔ مسرت کی ایک لہر میرے رگ و

پے میں دوڑ گئی تھی۔ دروازہ کھولا تو نیلس کھڑی تھی اور وہی خوب صورت سی نازک سی ٹرالی اس کے سامنے تھی، جس پر چند شیشیاں اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ نیلس کی آنکھوں میں شرارت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے ٹرالی اندر داخل کر دی اور آہستہ سے بولی۔

"میرا خاندانی نسخہ......!"

مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ پچھلی رات اس خاندانی نسخے کی کرامات دیکھ چکا تھا اور اس سے برے اثرات مرتب نہیں ہوئے تھے، بلکہ ایک طرح سے مجھے ذہنی سکون ملا تھا۔ چنانچہ میں نے آج بھی اس کا یہ خاندانی نسخہ قبول کر لیا اور آج یہ تلخ اور بدذائقہ کاک ٹیل مجھے پچھلی رات کی مانند بری نہیں محسوس ہوئی تھی۔

دوسری صبح جاگا تو کاک ٹیل کے اثرات ذہن پر موجود تھے اور اس کی خرافات میرے قریب۔ میں نے جھنجوڑ کر نیلس کو جگایا تو وہ آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی، پھر اس نے مجھے دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"تم مجھے قتل کرائے بغیر نہیں چھوڑو گی۔ اگر مسز ڈینس یہاں آ جائیں اور انہیں ان ساری باتوں کا علم ہو جائے تو......"

"تو کیا......؟"

وہ تعجب سے بولی اور میں گہری سانس لے کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔ اس کا کہنا درست تھا۔ یہاں سب کچھ جائز تھا۔ کوئی کسی کے معاملات میں مداخلت کا حق نہیں رکھتا تھا۔ ہر شخص کو اپنے طور پر جینے کی آزادی تھی۔

نیلس کمرے سے باہر نکل گئی اور میں غسل خانے کے اندر چلا گیا۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی تھے کہ باہر کچھ آوازیں سنائی دیں اور نیلس چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"اوہ......! آنٹی واپس آ گئی ہیں۔"

میں سمجھنے بھی نہیں پایا تھا کہ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر مسز ڈینس پال اندر آ گئیں۔ سفید اسکرٹ میں وہ پہلے سے زیادہ خوش گوار نظر آ رہی تھیں۔ رسمی سلام دُعا کے بعد وہ اپنے لئے بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں اور بولیں۔

"نیلس......! مجھے بھی ناشتہ دو۔ میں سوچ کر چلی تھی کہ کہیں لیٹ نہ ہو گئی ہوں۔"

"ضرور آنٹی......! ویسے آپ کی صحت پہلے سے بہت بہتر نظر آ رہی ہے۔"

"ہاں......! میں فٹ ہو کر آئی ہوں۔"

مسز ڈینس پال نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ ناشتے میں مصروف ہو گئیں۔ ناشتے کے دوران وہ مجھ سے بھی گفتگو کرتی جا رہی تھیں۔

"تم سناؤ مسٹر شامی......! ہم دونوں کی غیر موجودگی میں تم بور تو نہیں ہوئے......؟ کیوں نیلس......؟"

مسٹر شامی کو تم نے برن کی سیر کرائی......؟"

"ہاں آنٹی......! میں نے کوشش تو کی ہے انہیں خوش رکھنے کی، اب پتا نہیں اس میں کامیاب ہوئی ہوں یا نہیں......؟"

نیلس نے بدستور شرارت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میں بوکھلا گیا۔ اس کا انداز معنی خیز تھا۔ بہر طور میں ناشتے کے دوران ان کے ساتھ ہی رہا اور پھر ہم تینوں باہر نکل آئے۔ مسز ڈینس پال نے نیلس سے کہا کہ انہیں اس سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔ چنانچہ وہ شامی کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر ان کے پاس آجائے۔ نیلس ان کی ہدایت کے مطابق مجھے میرے کمرے تک چھوڑنے آئی تھی۔ واپس پلٹتے ہوئے اس نے کہا۔

"کاک ٹیل کے لئے تم بالکل فکر مندمت ہونا شامی......! اس کی بہت بڑی مقدار میرے پاس موجود ہے، اوکے......!"

وہ واپس چلی گئی۔ مجھے اب اس تفریح سے کافی دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ ذہن پر وہ بے زاری طاری نہیں تھی جو میری فطرت کا خاصا بن چکی تھی۔ اب ذرا فرحت کا احساس ہو رہا تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے سوچا کہ بہر طور یہاں اقدار کا کوئی تعین نہیں تھا اور یہ لوگ میرے احسان کا صلہ کچھ طویل عرصے تک ادا کرنا چاہتے ہیں۔

"چنانچہ کیوں نہ یہاں اس وقت تک قیام کروں، جب تک یہ لوگ خود ہی مجھ سے اجازت نہ مانگ لیں......؟"

مجھے اپنی اس سوچ پر ہنسی آگئی تھی، لیکن دُنیاداری یہی چیز ہے۔ لوگ اسی انداز میں جینے کے عادی ہیں اور اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ ان تمام آداب سے ناواقفیت ہی آج تک میرے لئے جھٹکنے کا باعث رہی ہو۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ نیلس کسی کام میں مصروف ہوگئی تھی، اس لئے واپس نہیں آئی تھی۔ تقریباً پونے بارہ بجے مسز ڈینس پال نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اجازت ملنے پر اندر آگئیں۔ میں سمجھا تھا کہ نیلس ہوگی، یا پھر کوئی ملازم۔ میں مسز ڈینس کو دیکھ کر تعظیم کے انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو بیٹھو......! پلیز شامی......! میں دیکھنے آئی تھی کہ تم کیا کر رہے ہو......؟ تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ساڑھے بارہ بجے مسٹر ڈینس آنے والے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر قبل مارسیلز سے فون آیا تھا ان کا۔"

"گڈ......!"

میں نے خوامخواہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ حالانکہ مسٹر ڈینس کی واپسی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مسز ڈینس دیر تک مجھ سے گفتگو کرتی رہیں۔ دورانِ گفتگو میں نے نیلس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ نیلس ائیرپورٹ گئی ہوئی ہے، مسٹر ڈینس کو لے کر آئے گی۔

"میں نے اسے خود ہی منع کر دیا تھا کہ تمہیں ساتھ نہ لے جائے۔"

"ٹھیک کیا آنٹی......!"

"ویسے نیلس تمہیں پسند آئی ہوگی۔ وہ بہت ہی خوش مزاج لڑکی ہے۔"

"یقیناً......! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

ٹھیک ساڑھے بارہ بجے باہر ہارن کی آواز سنائی دی تو مسز ڈینس میرے ساتھ دروازے کی جانب اپنے شوہر کے استقبال کے لئے چل پڑیں۔ میں بھی ساتھ تھا۔ نیلس کی سپورٹس کار پورٹیکو میں رُکی ہوئی تھی۔ مسٹر ڈینس پال کے ساتھ گولڈن کلر کے خوب صورت پھولوں والے اسکرٹ میں ملبوس ایک حسین سی لڑکی بھی نیچے اُتری تھی۔ اس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ بچوں کے سے اسٹائل میں ربن لگا ہوا تھا اور اس کی چال میں بڑی اٹھلاہٹ تھی۔ جیسے ہی وہ چند قدم آگے بڑھی، دفعتہً میرا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔

یہ صورت میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ ہر چند کہ اس سے ملاقات بہت مختصر رہی تھی، لیکن بہر طور میری نگاہ اسے پہچان سکتی تھی۔ ایک لمحے میں میرے ذہن کی کیفیت خراب ہوگئی۔

مسٹر ڈینس پال مسکراتے ہوئے میرے قریب پہنچے تھے۔ انہوں نے میری طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اوہ......! میں تمہیں بہت خوش وخرم دیکھ رہا ہوں شامی......! اس کا مطلب ہے کہ میری غیر موجودگی میں تمہارا بہترین خیال رکھا گیا ہے۔"

میں اس قدر بوکھلایا ہوا تھا کہ مسٹر ڈینس پال کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکا اور جس بات کا مجھے خدشہ تھا، وہی ہوا۔ مسٹر ڈینس پال نے لڑکی سے میرا تعارف بھی نہیں کرایا تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑی۔ چند لمحات اسی طرح پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے گھورتی رہی اور پھر تیزی سے آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچ گئی۔

"اوہ مائی گاڈ......! اوہ مائی گاڈ......! تم......؟ تم یہاں......؟"

نیلس چونک کر لڑکی کو دیکھنے لگی تھی۔ مسٹر ڈینس بھی چونک پڑے تھے۔ مسٹر ڈینس نے متعجب انداز میں لڑکی سے پوچھا۔

"کیا تم انہیں پہچانتی ہو ایلن......؟"

ایلن کی آنکھوں میں بچوں کی سی خوشی اُبھر آئی تھی۔ اس نے زور زور سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں انکل ڈینس......! کیوں نہیں......؟ آہ......! آپ نہیں جانتے کہ آپ کے سامنے کیا چیز کھڑی ہے......؟ قدیم دور کا فرعون، جسے مصر سے لایا گیا تھا اور جس کے تابوت کی حفاظت میں نے کی تھی۔ آپ نہیں جانتے انکل......! میں نے جو کارنامہ انجام دیا تھا، اگر اس کے بارے میں دُنیا کو معلوم ہو جائے تو دُنیا مجھے کیا حیثیت دے......؟ ان سے پوچھو انکل......! ان سے پوچھو، یہ صرف میری خواہش پر زندہ ہوئے تھے۔

ورنہ یہ صدیوں سے مردہ تھے اور ایک تابوت میں لیٹے ہوئے تھے۔ میں انہیں پہچان سکتی ہوں انکل......! یہ فرعون ہے، قدیم مصر کا فرعون، جس نے ہزار ہا سال ایک تابوت کے اندر بسر کئے ہیں۔

آہ......! تم......تم یہاں مل جاؤ گے، میں نے سوچا بھی نہیں تھا، لیکن تم فرار کیوں ہو گئے تھے......؟ تم مجھے دھوکہ دے کر فرار کیوں ہو گئے تھے......؟ میں نے تمہاری خدمت کی تھی۔ بولو......! تم چلے کیوں آئے تھے......؟"

حالت تو میری کافی خراب ہو گئی تھی لیکن ان لوگوں کے سامنے خود کو سنبھالنا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے بوکھلائی ہوئی نظروں سے نیلس، مسز ڈینس اور مسٹر ڈینس پال کو دیکھا۔ میرے چہرے کے نقوش دیکھ کر مسٹر ڈینس کو کچھ احساس ہوا اور وہ جلدی سے ایلین کے قریب پہنچ گئے۔

"اوہ بے بی......! آؤ اندر چلو۔ اگر یہ تمہیں مل گئے ہیں تو یہ تمہاری خوش بختی ہے۔ دُنیا کے سامنے تم اپنے اس کارنامے کا اظہار بعد میں بھی کر سکتی ہو۔ ابھی کچھ نہیں گیا۔"

"انہیں گرفتار کر لیجئے انکل......! پاپا کا کہنا ہے کہ یہ بہت عجیب و غریب شخصیت ہے اور پاپا اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر تحقیق کی دُنیا میں اس شخص کی مدد حاصل ہو جائے تو وہ قدیم فراعنہ کی سرزمین کا ایک ایک راز کھول کر رکھ دیں گے اور انہیں ساری دُنیا میں ایک عظیم محقق کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے گا۔ آپ نہیں جانتے انکل......! کہ پاپا ان کے لئے کتنا پریشان ہیں......؟ میں نے ان کی بے لوث مدد کی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ یہ میرے کہنے پر زندہ ہو جائیں گے۔ میں نے ان سے درخواست کی تو یہ زندہ ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے انہیں بہت ساری چیزیں لا کر دیں، لیکن یہ مجھے دھوکہ دے کر فرار ہو گئے تھے۔ میرے علم میں بھی نہیں تھا کہ یہ یہاں موجود ہیں۔ پاپا آئیں گے تو آپ انہیں ان کے سامنے پیش کیجئے گا۔ دیکھئے گا، پاپا کتنا خوش ہوں گے۔"

"ہاں......! یقیناً، آؤ اندر چلو......! یہ بھی ہمارے ساتھ ہیں اور ہم انہیں کہیں جانے نہیں دیں گے۔"

مسٹر ڈینس پال نے کہا۔ نیلس عجیب سی نگاہوں سے لڑکی کو دیکھ رہی تھی اور کبھی کبھار اس کی نگاہیں میرے چہرے کی طرف بھی اُٹھ رہی تھیں۔ لیکن اب میں اداکاری کرنے لگا تھا۔ میرے چہرے پر ایسے ہی تاثرات پیدا ہو گئے تھے، جیسے لڑکی کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی ہو اور میں اس کے الفاظ پر حیران ہوں۔

اندر داخل ہونے کے بعد مسٹر ڈینس پال نے نیلس سے کہا۔

"بے بی......! ایلین کو تم اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اسے اپنا گھر دکھاؤ، کچھ دن یہ ہماری مہمان رہے گی۔ میں اس کا مختصر تعارف تم سے کرا چکا ہوں، لیکن تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ جاؤ بے بی......! نیلس تمہاری دوست ہے۔"

"لل......لیکن میں......لیکن میں ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ ہم دونوں کو تھوڑی دیر کے لئے تنہائی مہیا کر دیں گے......؟"

"ابھی نہیں......! ابھی مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے ان سے۔ تم جاؤ، یہ تھوڑی دیر کے بعد تم سے ملاقات کریں گے اور ویسے بھی اب لنچ کا وقت ہونے والا ہے۔ نیلس تمہیں تیار کرا دے گی۔ ملازمین تمہارا سامان اندر پہنچا دیں گے۔ جاؤ بے بی......! پلیز......!"

مسٹر ڈینس نے کہا اور نیلس، ایلین کا ہاتھ پکڑ کر آگے لے گئی۔

ایلین، ڈاکٹر جین کی بیٹی تھی اور جین وہی شخص تھا جس نے مجھے ایک تہہ خانے میں رکھا تھا۔ اگر ایلین کی مدد مجھے حاصل نہ ہو جاتی تو اس وقت ڈاکٹر جین کے تہہ خانے سے فرار ہونا آسان کام نہیں تھا۔ اس معصوم لڑکی نے مجھے لباس مہیا کیا تھا اور اس کے بعد میرے نکلنے کے راستے فراہم کئے تھے۔ ورنہ پتا نہیں ابتدائی صورتِ حال کیا ہوتی......؟

حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ مجھے ایک نگاہ میں ہی پہچان گئی تھی۔ ویسے میں نے بھی اسے پہچان لیا تھا اور ظاہر ہے، یہ بہت زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ مسٹر ڈینس آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

"یہ بلاشبہ ایک بڑے محقق کی بیٹی ہے۔ سرزمین ایران پر رہنے والا ڈاکٹر جین اپنی ذات میں منفرد انسان ہے۔ قدیم ادوار پر اس کی تحقیقات ایک مستند حیثیت رکھتی ہیں۔ اس نے یونان، بال اور مصر کے بارے میں بہت انوکھے انکشافات کئے ہیں۔ بڑی پُراسرار شخصیت کا مالک ہے۔ میرا دوست ہے، حالانکہ زیادہ قدیم نہیں، لیکن فطرتاً بہت اچھا انسان ہے۔ ایلین ذہنی خلل کا شکار ہے۔ ڈاکٹر جین کا خیال ہے کہ اس کا یہاں علاج کرایا جائے اور اس غرض سے مارسیلز میں اس نے اسے میرے حوالے کر دیا ہے۔ کچھ عرصے اسے وہاں کام تھا اور اس کے بعد وہ بھی یہاں پہنچ جائے گا۔ پھر ہم ایلین کو کسی اعلیٰ قسم کے اسپتال میں داخل کر کے اس کا ذہنی معائنہ کرائیں گے۔

درحقیقت اس کی ذہنی سطح، عام سطح سے ہلکی ہے۔ تم اس کی باتوں کا خیال مت کرنا۔ ظاہر ہے، ایک محقق کی بیٹی ہے، پتا نہیں اس کے ذہن میں کیا سما گیا ہے......؟"

"اوہ......! میں تو حیران ہی ہو گیا تھا مسٹر ڈینس......! اس نے مجھے قدیم فرعون بنا دیا، حالانکہ...... حالانکہ......"

مسٹر ڈینس پال آہستہ سے ہنس پڑے تھے۔ پھر وہ افسوس بھرے انداز میں بولے۔

"کتنی پیاری بچی ہے، لیکن ذہنی طور پر پسماندگی کا شکار۔ ہم لوگ کوشش کریں گے کہ یہاں اس کا بہتر علاج ہو سکے، اور ہاں......! اگر وہ تمہیں فرعون ہی کہنے پر مصر ہو تو پلیز......! برداشت کر لینا۔ یہ ایک انسانی مسئلہ ہے۔"

میں نے گردن ہلا دی۔ مسٹر ڈینس پال اپنی بیگم کو لے کر اپنے کمرے کی جانب چلے گئے اور میں اپنے کمرے میں آکر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہی ہوا تھا جس کا خطرہ تھا۔ آج ہی سوچا تھا کہ نیلس کے ساتھ کچھ وقت

گزار دوں گا اور زندگی پُرسکون ہو جائے گی۔ لیکن تمام پروگرام غارت ہو گئے۔

''بھلا اب کیا ہو سکتا ہے......؟ مسٹر ڈینس پال نے بتایا تھا کہ ڈاکٹر جین بھی یہاں پہنچنے والا ہے۔ لڑکی کو تو دماغی مریض قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن ڈاکٹر جین کو دماغی مریض قرار دینا آسان کام نہیں ہوگا۔ وہ کم بخت فوراً ہی کہے گا کہ میں فرعون ہی ہوں اور کسی بھی قیمت پر میری بات تسلیم نہیں کرے گا۔''

یہ بات میں جانتا تھا کہ ڈاکٹر جین ایسے معاملات میں مجرمانہ کارروائی پر بھی اُتر آتا ہے۔ پہلے بھی اس نے یہی کوشش کی تھی اور اب...... اب تو یہاں میرا کوئی ایسا دوست بھی نہیں تھا جو کسی طرح میری مدد کر سکتا۔ بے چارے مسٹر ڈینس پال اس سلسلے میں کیا کر سکتے تھے......؟

بہت پریشان ہو گیا تھا میں۔ اس پریشانی کے عالم میں نہ جانے کتنا وقت گزر گیا کہ ملازم نے مجھے ڈرائنگ روم میں چلنے کو کہا۔ یہ ہدایت اسے مسز ڈینس سے موصول ہوئی تھی۔ میں ایلن کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے دل میں یہی فیصلہ کیا تھا کہ فی الحال تو کچھ وقت گزارا جائے، بعد میں کوئی فیصلہ کیا جائے۔

ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ایلن، نیلس کے ساتھ موجود تھی۔ نیلس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔ غالباً اسے بھی یہ بات بتا دی گئی تھی کہ ایلن ذہنی مریضہ ہے۔ مسٹر اور مسز ڈینس بھی وہیں موجود تھے۔ خوش دلی سے میرا استقبال کیا گیا۔ مسٹر ڈینس کہنے لگے۔

''حقیقت یہ ہے کہ اپنی اس مصروفیت نے مجھے شرمندہ بھی کیا ہے۔ اُصولاً تو مجھے خود تمہارے ساتھ ہونا چاہئے تھا، لیکن بہرطور شامی......! مجبوریاں بھی بعض اوقات پتا نہیں کیا کیا کرا لیتی ہیں......؟ اب یوسف عارض کو دیکھو، زخمی ہونے کے باوجود اسے چھٹی نہیں مل سکی اور وہ ایک کام سے مغربی جرمنی گیا ہوا ہے۔''

میں نے رسمی انداز میں مسٹر ڈینس سے کہا کہ ان کی غیر موجودگی میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ایلن کہنے لگی۔

''لیکن انکل......! یہ آپ کے پاس کیسے پہنچے......؟ کیا تابوت سے نکلنے کے بعد یہ سیدھے آپ کے پاس آ گئے تھے......؟ انکل......! آپ نے ان سے قدیم مصر کے بارے میں گفتگو کی کیا......؟''

''نہیں بے بی......! اب ڈاکٹر جین آ جائیں گے تو ہم ان سے مصر کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔''

''یہ کام میں کروں گی اور پاپا پر انکشاف کروں گی کہ جو کام وہ نہیں کر سکے تھے، میں نے کر ڈالا۔ کیوں مسٹر......! کیا کہنا ہے آپ کا......؟''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں مس ایلن......!''

میں نے شانے ہلا کر جواب دیا اور نیلس کی ہلکی سی ہنسی گونج اُٹھی۔ مسٹر ڈینس نے سرزنش کرنے والے انداز میں نیلس کو دیکھا تھا، لیکن ایلن نے نیلس کی ہنسی کی جانب توجہ ہی نہیں دی تھی۔ کھانے کے بعد ایلن

کہنے لگی۔

''کیا آپ مجھے کچھ وقت دے سکیں گے مسٹر......؟''

میں نے امداد طلب نگاہوں سے نیلس کی طرف دیکھا تو نیلس جلدی سے بولی۔

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے......؟ آپ انہیں اپنے کمرے میں لے جائیے ایلن......!''

وہ شرارت آمیز انداز میں بولی اور میں گہری سانس لے کر اسے گھورنے لگا۔ نیلس نے رُخ تبدیل کر لیا تھا۔

''آیئے......! آپ میرے کمرے میں آیئے۔ میرا کمرہ بہت خوب صورت ہے۔''

میں ایلن کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ ایلن مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

''آپ یقین کیجئے، آپ کے اس طرح چلے آنے کے بعد میں کس قدر مضطرب رہی تھی، کتنی پریشانی ہوگئی تھی میں۔ میں نے تو پاپا کو یہ بھی نہیں بتایا کہ آپ کو میں نے آزاد کیا تھا۔ پاپا کو شاید خود ہی پتا چل گیا۔ وہ کئی دن مجھ سے ناراض رہے تھے۔ ایک طرف تو آپ کا معاملہ تھا، آپ کے چلے آنے سے مجھے جو دُکھ ہوا تھا، میں اس کا شکار تھی اور دوسری طرف پاپا بھی مجھ سے ناراض ہو گئے تھے۔ مجھے واقعی یہ نہیں کرنا چاہئے تھا اور اب آپ کو بھی نہیں۔''

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''وہاں سے نکلنے کے بعد آخر آپ کہاں چلے گئے تھے......؟ اور ان لوگوں کے ہاتھ کیسے لگ گئے......؟ کیا ہماری کوٹھی سے باہر نکلتے ہی یہ لوگ آپ کو مل گئے تھے......؟''

''ہاں شاید......!''

میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

''لیکن یہ آپ کو یہاں کیوں لے آئے......؟ ان لوگوں کا تو قدیم مصر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہیں آپ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے......؟ ویسے میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ یہاں بہت خوش ہیں، لیکن پاپا آ جائیں تو ہم آپ کو واپس لے چلیں گے۔ پاپا آپ کو کسی قیمت پر یہاں نہیں چھوڑیں گے۔ وہ آپ کے بہت قدردان ہیں۔''

''شاید......!''

میں نے جواب دیا اور دروازے پر پھر ہلکی سی ہنسی گونجی۔ نیلس یقیناً ہماری گفتگو سن رہی تھی۔ میں نے دروازے کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"باہر کیوں کھڑی ہو نیلس......؟ اندر آجاؤ......!"

اس نے دروازہ کھولا اور اندر آگئی۔

"درحقیقت میں یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں اس وقت مسٹر شامی کو کاک ٹیل کی ضرورت تو نہیں ہے......؟"

"شرارت نہیں نیلس......! پلیز بیٹھ جاؤ۔"

"لیکن میں تنہائی میں آپ سے گفتگو کرتے رہنا چاہتی ہوں۔ مس نیلس......! پلیز، کیا آپ ہمیں تنہائی نہیں دیں گی......؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں......؟ یہ مسٹر فرعون اگر چاہیں تو تنہا رہ سکتے ہیں۔"

"نہیں......! مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔ کیوں نہ ہم اپنی اس گفتگو کو رات تک کے لئے ملتوی کردیں مس ایلن......؟"

"ہاں ہاں......! بالکل......! رات کو کاک ٹیل پینے کے بعد گفتگو کرنے میں بہت لطف آئے گا مس ایلن......! آپ ہمارے ساتھ شریک ہونا پسند کریں گی......؟"

"مگر میں تنہائی میں......"

"دیکھا جائے گا، دیکھا جائے گا۔"

میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ نیلس کے قہقہے نے میرا تعاقب کیا تھا۔ بہرطور مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ صورتِ حال اس شکل میں سنبھل گئی ہے کہ ایلن کی ذہنی صحت پر شبہ کیا جارہا ہے۔ ممکن ہے، ایسی کوئی بات ہو لیکن کم از کم میرے مسئلے میں وہ بے چاری صحیح دماغ رکھتی تھی اور کوئی بات غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ اپنے کمرے میں آکر ایک بار پھر مجھ پر وحشت سوار ہوگئی۔

"کیا کروں......؟ کیا کرنا چاہئے......؟"

اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ اب اس خوب صورت زندگی کو خیر باد کہہ دوں۔ یہاں بھی میرا گزارہ ممکن نہیں تھا۔ یہاں ہی کیا، اگر ڈاکٹر جین برن آگیا تو اسے یقیناً اس بات کی اطلاع مل جائے گی کہ میں یہاں موجود ہوں۔ ایلن کی بات کو تو خیر اس کے دماغ کی خرابی سمجھ لیا گیا تھا، لیکن ڈاکٹر جین تو پاگل نہیں ہوگا۔ جب ایلن اس سے فرعون کا تذکرہ کرے گی تو وہ ایلن سے زیادہ پاگل ہوجائے گا اور اس کے بعد بھلا وہ میری گردن کہاں چھوڑنے والا تھا......؟

مسٹر ڈینس یقیناً اس سلسلے میں میری مدد کرسکتے تھے، لیکن اس کے لئے انہیں اپنی تمام کہانی سنانی ہوگی اور میں خواہ مخواہ ایک بار پھر منظر عام پر آجاؤں گا۔

"بات کہاں سے کہاں پہنچ جائے گی......؟ اس لئے بیٹے شامی......! بہتر یہی ہے کہ یہاں سے بھی

رفو چکر ہوجاؤ اور اس کے بعد یہ سوچو کہ اب کیا کروگے......؟"

اس عمارت میں رہنا میرے لئے قطعی ممکن نہیں ہے۔ کہیں اور ہی بندوبست کرنا پڑے گا۔ کسی ایسی جگہ منہ چھپا کر بیٹھ جانا پڑے گا، جہاں نیلس یا اور کوئی مجھے تلاش نہ کرسکے۔ دل خون خون ہورہا تھا۔ نیلس کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات یاد آرہے تھے۔ بلاشبہ اس لڑکی نے وہ کر دکھایا تھا، جو میرے لئے ممکن نہیں تھا۔

"شاید......شاید میں اس حد تک کبھی آگے نہ بڑھ سکتا۔"

بہت سے منصوبے میرے ذہن میں آتے رہے اور اسی چکر میں شام ہوگئی۔ ڈنر پر میرا سامنا ایک بار پھر ان لوگوں سے ہوا۔ نیلس آج دن میں میرے پاس بالکل نہیں آئی تھی۔ وہ ایلن سے کافی ملی جلی نظر آتی تھی۔ پتا نہیں کس ٹائپ کی لڑکی تھی......؟ میں نے بھی اس پر کوئی تعرض نہیں کیا۔ ڈنر کے بعد کافی دیر تک چہل قدمی ہوتی رہی۔ ایلن نے پھر ہی تذکرے چھیڑ دیئے تھے۔ بھلا وہ بے چاری اس بات کو کیسے نظر انداز کرسکتی تھی کہ اس کا باپ مجھے سرزمین مصر سے لایا تھا اور میں قدیم فرعون تھا۔ یہ بات ڈاکٹر جین نے اسے بتائی ہوگی اور اس کے بعد ڈاکٹر جین کی کارروائیاں اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہوں گی، لیکن خوشی کی بات یہ تھی کہ اس کے ساتھ خلل دماغ کا دم چھلا لگا ہوا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید مسٹر ڈینس پال بھی سوچنے پر مجبور ہوجاتے۔

بہرطور اس کے بعد گلوخلاصی ہوگئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید آج نیلس میرے کمرے کا رُخ نہ کرے، لیکن نیلس کے بارے میں شاید صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ وہ بہت تیز و طرار لڑکی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میرا دل اُچھل پڑا۔ دروازہ کھولا تو نیلس معمول مطابق کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اسے جلدی سے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ آج میں خود بھی اس کے لئے مضطرب ہورہا تھا۔ پتا نہیں کیسے کیسے خیالات تھے میرے دل میں......؟

رات کو تقریباً دو بجے نیلس واپس چلی گئی اور اس کے جانے کے بعد میں اپنا بوریا بستر باندھنے لگا۔ فیصلہ یہی کیا تھا کہ رات کی تاریکیوں میں یہاں سے نکل جاؤں۔ سامان بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیونکہ اس میں کئی چیزیں ایسی تھیں جو آئندہ کے لئے بہت ضروری تھیں، ورنہ شاید ویسے ہی بھاگ چکا ہوتا۔ دو بجے چوروں کی طرح اپنا سامان لے کر کسی کی کوٹھی سے نکلنا خطرناک بھی ہوسکتا تھا، لیکن بہرطور یہ اس سے زیادہ خطرناک نہیں تھا کہ ڈاکٹر جین یہاں پہنچ جائے۔ چنانچہ میں نے خطرہ مول لے لیا۔

اس دوران چونکہ نیلس کے ساتھ کئی بار کوٹھی سے نکل کر مختلف علاقوں میں جاچکا تھا، اس لئے بعض جگہیں میرے لئے اجنبی نہیں رہی تھیں۔ البتہ چلنے پھرنے والوں کی نگاہوں سے بچنا تھا۔ سڑکیں بے شک سنسان پڑی ہوئی تھیں، لیکن کہیں بھی مجھے دیکھا جاسکتا تھا۔

بمشکل تمام یہ لمبا سفر طے کرکے ایک سڑک پر پہنچ گیا۔ یہ مارک گاسے تھی۔ سڑک مارک گاسے برن کے اچھے علاقوں میں شمار ہوتی تھی۔ یہاں عمدہ درجے کے ہوٹل وغیرہ بھی تھے۔ چنانچہ میں نے ایک ہوٹل کا رُخ

کیا۔ رات کی سروس سے میں نے ایک کمرہ طلب کیا اور مجھے عارضی طور پر فوراً ہی کمرہ حاصل ہوگیا۔ کسی نے مجھے مشتبہ نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ہوٹل بہت اعلیٰ نہیں تھا، لیکن بہرطور کمرہ مناسب تھا۔ کم از کم بقیہ رات گزارنے کے لئے ایک قیام گاہ مل گئی تھی۔ سونے کا تصور بھی ذہن میں نہیں اُبھرا۔

میں اپنی عجیب وغریب قسمت کو کوس رہا تھا اور اس وقت میرے اوپر شدید جھنجلاہٹ سوار تھی۔ بہرطور اس جھنجلاہٹ کو دُور کرنے کے لئے بہتر یہی تھا کہ غسل خانے میں جا گھسوں اور بلاشبہ تقریباً ایک گھنٹے تک میں اپنے اوپر پانی بہاتا رہا تھا۔ ہلکا گرم پانی بڑی فرحت دے رہا تھا، لیکن ذہن وسوسوں سے آزاد نہیں تھا۔

البتہ نہانے کے بعد سوچنے کی قوتوں میں اضافہ ہوگیا۔ میں نے سوچا کہ کوئی بھی ہوٹل میرے لئے مخدوش ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مجھے ہوٹلوں ہی میں تلاش کیا جائے گا۔ نیلس وغیرہ پر میرے اس انوکھے فرار سے نہ جانے کیا گزرے گی......؟ ویسے وہ خود بھی مجھ سے کافی مانوس ہوگئی تھی اور میرے اس طرح غائب ہو جانے سے اسے یقیناً دلی دُکھ ہوگا، لیکن کیا کیا جاسکتا تھا......؟ پتا نہیں کتنے لوگوں کو میری وجہ سے دُکھ ہوا تھا اور میں کتنے لوگوں سے دُکھی تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں جو اپنے چہرے کے خدوخال تبدیل کرانے کے لئے کوشاں ہوں، اس سلسلے میں مجھے کیسے کامیابی حاصل ہوسکتی ہے......؟ کم از کم برن میں میرے لئے یہ کام مشکل ہوگا۔ کیونکہ چالاک نیلس سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ کہیں نہ کہیں ضرور پکڑا جاؤں گا اور اس کے بعد اگر ڈاکٹر جین نے ان لوگوں کو یہی حقیقت بتائی کہ ایلن کا کہنا غلط نہیں ہے اور ایسی ایک شخصیت جین کے پاس سے فرار ہوگئی ہے تو یہ لوگ دلچسپی کی غرض سے ہی مجھے پکڑنے کی کوشش کریں گے۔

''کیوں نہ یہاں سے نکل جاؤں......؟ برن چھوڑ دوں......؟ سوئٹزر لینڈ کے کسی چھوٹے سے قصبے یا کسی دیہات میں پناہ لے لوں......؟ لیکن وہاں کیا جھک ماروں گا......؟''

دوسری صبح میں نے ایک بار پھر غسل کر کے ناشتہ کیا اور رات کی تھکن ذہن سے دُور کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ آنکھیں جل رہی تھیں، ذہن سلگ رہا تھا، لیکن بہرطور اپنے آپ کو پُرسکون رکھنا بھی ضروری تھا۔ میں نے ہوٹل کے نچلے حصے میں پہنچنے کے بعد اندر ہی بنے ہوئے کاؤنٹر سے اخبارات اور قرب و جوار کے نقشے خریدے اور اپنے کمرے میں آگھسا۔

اخبار میں کوئی ایسی خبر نہیں تھی جو میرے لئے قابل توجہ ہوتی۔ پھر میں نے نقشے پھیلا لئے اور اس کے بعد دل میں یہ طے کیا کہ برن سے فرینکفرٹ چلا جاؤں۔ کم از کم وہاں کوئی شناسا تو نہیں ہوگا۔ مجھے اس سفر میں کوئی خاص مشکل پیش نہیں آسکتی تھی۔

چنانچہ ذہن میں اس سوال کو پوری طرح ترتیب دے کر میں باہر نکل آیا اور اس کے بعد تیاریاں کرنے میں مجھے بہت زیادہ مشکل نہیں ہوئی۔ متعلقہ اداروں سے سارا کام منٹوں میں ہوگیا تھا۔ میں نے برن سے

فرائی برگ تک کا ٹکٹ خرید لیا تھا۔ فرائی برگ کے بارے میں جس قدر معلومات حاصل ہوسکتی تھیں، ان سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ جرمنی کے خوب صورت ترین علاقے بلیک فارسٹ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ میں کچھ وقت بلیک فارسٹ کے کسی چھوٹے سے قصبے میں گزاردوں گا اور پھر وہاں سے فرینکفرٹ نکل جاؤں گا۔

گاڑی سوئٹزر لینڈ کی سرحد عبور کر کے اب جرمنی اور فرانس کی سرحد پر جاری تھی۔ یہاں گاڑی کی پٹری کئی میل تک دونوں ملکوں کی سرحد کا کام دیتی ہے۔ میں نے گاڑی کے کمپارٹمنٹ میں سفر کرنے والے مسافروں کو دیکھا۔ زیادہ تر جرمن باشندے تھے۔ اِکا دُکا ہی دوسرے ملکوں کے لوگ نظر آرہے تھے۔ ایک گوشے میں ذرا مختلف قسم کا ایک جوڑ نظر آیا، جوان لوگوں سے بے نیاز اپنی دُھن میں مست بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بین الاقوامی آوارہ گرد تھے، ج لباس اور زندگی کے دوسرے لوازمات سے بے پرواہ صرف اپنی دُھن میں مگن رہتے تھے۔ جرمن طالب علموں کا ایک گروہ ان کی طرف متوجہ تھا لیکن وہ ان کی باتوں پر توجہ نہیں دے رہے تھے۔

نہ جانے میرے ذہن میں کیا خیال آیا اور میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان کے قریب آگیا۔ لڑکی نے چونک کر مجھے دیکھا اور خفیف سے انداز میں مسکرادی۔ پھر اس نے آہستہ سے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور وہ بھی اونگھتے اونگھتے چونک پڑا۔ اس نے میری طرف دیکھ کر اپنے پیلے دانت جو کہ بہت بھدے بھی تھے، نکال دیئے اور پھر شستہ انگریزی میں بولا۔

''انگریزی بول سکتے ہو......؟''

''ہاں......! کیوں نہیں......؟''

میں نے جواب دیا۔

''تم جرمن ہو......؟''

''میں ایشیائی ہوں۔''

میں نے کہا۔

''انڈین......؟''

''نہیں، پاکستانی......!''

''اوہ پاکستانی......؟ پاکستانی......!''

نوجوان نے مسکراتے ہوئے اپنی ساتھی لڑکی کی طرف دیکھ کر گردن ہلائی اور وہ بھی مسکرادی۔

''ہاں، پاکستانی......! کیا آپ لوگ پاکستان گئے ہیں......؟''

''نہیں......! صرف کھٹمنڈو تک جاسکے ہیں ہم لوگ۔ ارادہ تھا کہ وہاں سے پشاور جائیں گے، لیکن نہیں جاسکے۔''

''اس وقت کہاں جارہے ہو......؟''

میں نے سوال کیا اور نوجوان اپنی ساتھی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے ہنس پڑا۔ اس کے ہنسنے کا انداز نہایت بھونڈا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کے تمام دانت باہر جھانکنے لگے تھے اور یہ غلیظ دانت دل میں کراہیت پیدا کرتے تھے۔ لڑکی نے کہا۔

''کوئی فیصلہ نہیں کر سکے ہم لوگ۔ ویسے شاید ٹروتھ چلے جائیں۔ ٹروتھ، فرائی برگ سے بارہ میل کے فاصلے پر بہت ہی خوب صورت جگہ ہے، زندگی سے بھرپور، جرمن علاقوں کا حسین ترین قصبہ۔''

''گڈ......! فرائی برگ سے ٹروتھ جانے کے لئے کیا ٹرین تبدیل کرنی پڑتی ہے......؟ یا وہ راستے میں ہی پڑتا ہے......؟''

''نہیں......! فرائی برگ اسٹیشن پر اُترنا پڑتا ہے۔ وہاں سے تم ٹرام کے ذریعے قصبے میں پہنچ سکتے ہو۔''

''تو پھر کیوں ناں میں بھی تم لوگوں کے ساتھ ہی چلوں......؟ ویسے مجھے تمہارا نام نہیں معلوم ہوسکا۔''

''میرا نام ٹونی ہے اور یہ ہیلن ہیں۔ بڑے مختصر سے نام ہیں ہمارے، جو کوئی بھی یاد کر سکتا ہے۔''

''بڑی خوشی ہوئی تم دونوں سے مل کر۔ میں بھی سیاح ہوں۔ میرا مطلب ہے ٹورسٹ...... ٹورسٹ۔''

''گڈ......! ہم آپ کو کس نام سے پکاریں مسٹر......؟''

''شامی......!''

میں نے جواب دیا اور وہ دونوں منہ ٹیڑھا کر کے میرا نام دُہرانے لگے لیکن صحیح تلفظ ادا کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ تاہم کسی انسان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا تھا۔ چنانچہ میں ان سے باتیں کرتا رہا۔ ان کا تعلق برطانیہ سے تھا۔ وہ دونوں آپس میں رشتے دار تھے۔ شادی وغیرہ کا تصور ان لوگوں کے ہاں مضحکہ خیز ہی سمجھا جاتا تھا۔

میں ان لوگوں کے ساتھ فرائی برگ اسٹیشن پر اُتر گیا اور پھر ان لوگوں کے مشورے کے مطابق ٹرام پر سوار ہو کر اس قصبے میں پہنچ گیا۔

ٹروتھ بلاشبہ خوب صورت جگہ تھی، بے حد پُرسکون۔ عمارت کے گرد باغیچے نظر آرہے تھے اور ان کی سجاوٹ میں نفاست تھی۔ آبادی کے بیچوں بیچ ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی جس پر لوہے کی سلاخوں کے پل بنے ہوئے تھے۔ پلوں کے ساتھ ساتھ پانی کی سطح کے قریب پن چکیاں چل رہی تھیں۔ قصبے کی آبادی جہاں پر ختم ہو جاتی تھی، وہاں سے جو کے کھیت شروع ہو جاتے تھے۔ کھیتوں کے دوسری جانب بلیک فارسٹ تھا۔ ٹونی اور ہیلن کو میں نے قصبے میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ انہیں کوئی ٹھکانہ تلاش کرنا تھا۔ بلاوجہ کسی کے پیچھے لگے رہنا اچھی بات نہیں ہے۔

میں ایک تنگ پگ ڈنڈی پر چل پڑا۔ رُخ جنگل کی جانب تھا، جو کے پودے کا سنہری رنگ، جنگل

کے سیاہ پس منظر سے اور بھرپور ہو گیا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ میں جنگل کے کنارے پہنچا تو بارش شروع ہوگئی اور میں نے بھاگ کر ایک اونچے درخت کے نیچے پناہ لی۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر دو افراد اور بھی ایک درخت کے نیچے پناہ لیے ہوئے تھے۔ مرد خوب صورت سوٹ میں ملبوس تھا اور شاید اس کے ساتھ کوئی عورت تھی۔ دونوں ہی دلچسپی سے مجھے دیکھنے لگے۔ چہرے مہرے سے اچھے خاصے پُروقار معلوم ہوتے تھے۔ میں ایسے ہی شناسائی کے طور پر ان کے قریب پہنچ گیا اور انہوں نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

''ہیلو بلیک بوائے......!''

عورت بولی۔

''ہیلو......!''

میں نے اس کے الفاظ کا برا منائے بغیر کہا۔

''بارش اچانک ہی شروع ہوگئی ہے۔ ہمیں اس کی اُمید نہیں تھی۔''

''ہاں......! آپ لوگ شاید پہلے سے یہاں موجود تھے......؟''

میں نے کہا۔

''ہاں......! بلیک فارسٹ دیکھنے آئے تھے۔ یہاں آکر اندازہ ہوا کہ اسے کالا جنگل کیوں کہا جاتا ہے......؟ درختوں سے روشنی نیچے آتی ہی نہیں کہ جنگل روشن ہو۔ اس مناسبت سے اس کا نام بلیک فارسٹ بالکل درست ہے۔''

مرد نے کہا۔

''یقیناً میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔''

''تم ٹورسٹ ہو......؟''

اس نے سوال کیا۔

''ہاں......! اور ٹروتھ دیکھنے کے لئے فرائی برگ سے یہاں آیا ہوں۔''

''ٹروتھ بلاشبہ حسین ہے، لیکن یہاں رہنا آسان نہیں ہے۔ قیام کے لئے اپنی گاڑی کے علاوہ اور کوئی جگہ موزوں ہی نظر نہیں آئی۔ چنانچہ یہاں کے قیام کو ہم نے مختصر کر دیا۔''

''بدقسمتی سے میرے پاس تو گاڑی بھی نہیں ہے۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا اور پُروقار شخص کے چہرے پر ہمدردی کے آثار پھیل گئے۔

''کوئی بات نہیں......! اگر تم چاہو تو عارضی طور پر ہمارے ساتھ پناہ لے سکتے ہو۔ میرے پاس بڑی گاڑی ہے۔''

میں نے شکر گزار نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔ مرد نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میرا نام راک ہڈسن ہے اور یہ میری بیوی ایلورا۔ میں ایک سرکاری محکمے میں کام کرتا ہوں اور ایلورا اپنا الگ کام کرتی ہے۔''

''آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ میرا نام شامی ہے اور میں پاکستانی ہوں۔''

''اوہ......! واقعی تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ میں نے تقریباً چھ سال پاکستان میں گزارے ہیں اور تھوڑی بہت تمہاری زبان بھی جانتا ہوں۔ لیکن بہت تھوڑی سی، صرف چند الفاظ۔''

راک ہڈسن نے گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور ایلورا نے بھی ہاتھ ملا دیا تھا۔

''بارش تو ابھی دیر تک نہ رُکے گی۔ کیا خیال ہے، گاڑی تک چلیں......؟ ہم لوگوں کو اُمید نہیں تھی کہ اچانک ہی بارش شروع ہو جائے گی۔ ورنہ شاید گاڑی ہی میں یہاں تک آتے۔''

''بہرطور ان درختوں کے نیچے سے نکلنے کے بعد تو بھیگنا ہی پڑے گا۔''

میں نے کہا اور اس کے بعد ہم تینوں درختوں کے نیچے سے نکل آئے۔ راک ہڈسن کی گاڑی کافی فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی، لیکن اسے دیکھ کر میری آنکھیں خوشی سے پھیل گئیں۔ بہت کشادہ اور لمبے سفر کی گاڑی تھی۔ جس کا پچھلا حصہ بہت وسیع تھا اور اگر یہ دونوں تنہا ہی ہیں تو یقیناً مجھے بھی ان کے ساتھ جگہ مل سکے گی۔

میں گاڑی کے قریب پہنچا تو راک ہڈسن نے پہلے عقبی دروازہ کھولا۔ جرمن مہمان نوازی کا یہ پہلا مظاہرہ مجھے پسند آیا تھا۔ اس کے بعد راک ہڈسن نے اپنی بیوی ایلورا کو بھی پیچھے ہی گھسیڑ دیا اور خود اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر جا بیٹھا۔ اتنے ہی فاصلے پر دوڑتے ہوئے ہمارے لباس بھیگ گئے تھے لیکن یہاں ان حالات میں لباس تبدیل کرنا ممکن ہی نہیں تھا اور پھر میرا سامان تو پیک تھا۔

راک ہڈسن نے اخلاقاً کہا۔

''اگر تم لباس تبدیل کرنا چاہو تو ہم دونوں نیچے اُتر جائیں......؟''

''یہی پیش کش میں آپ کو کرنے والا تھا مسٹر ہڈسن......!''

''نہیں......! ہم لوگ ایڈونچر پسند ہیں اور پھر یہ لباس تھوڑی ہی دیر کے بعد خود بخود سوکھ جائیں گے۔ ہم انہیں بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔''

ایلورا پچھلے ہی حصے میں بے تکلفی سے سائیڈ میں لگی ہوئی ایک برتھ کھول کر لیٹ گئی۔ راک ہڈسن میرے سامنے چہرہ کئے مجھ سے باتیں کرتا رہا اور دورانِ گفتگو اس نے بتایا کہ ایلورا نے اپنا ایک چھوٹا سا کلینک کھول رکھا ہے، جہاں وہ پلاسٹک سرجری کا کام کرتی ہے۔ یہ انکشاف میرے لئے جتنا حیرت انگیز اور سنسنی خیز ہو سکتا تھا، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ میں راک ہڈسن کے الفاظ بھول گیا تھا۔ بس تعجب سے یہ سوچے جا رہا تھا کہ کیا اس جوڑے کا مل جانا میرے لئے ایک نیک فال نہیں ہے......؟ اپنے چہرے کے خدوخال تبدیل کرانے کا ارادہ تو میں نہ جانے کب سے رکھتا تھا، لیکن اس کے لئے کوئی ذریعہ نہیں تھا میرے پاس۔ معلومات بھی حاصل نہیں تھیں اس

بارے میں۔

اچانک ہی ان لوگوں کا مل جانا میرے مقصد کی تکمیل کر سکتا تھا۔ چنانچہ اب میری پوری توجہ ان لوگوں کی جانب ہوگئی اور میں نے اپنی گفتگو میں مٹھاس اور اپنائیت اپنا لی، بالآخر وہ دونوں مجھ سے متاثر ہو ہی گئے۔ میں نے رات کا کھانا بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی کھایا اور اس کے بعد گفتگو کے دوران میں نے ان سے یہی کہا کہ میں صرف جرمن علاقے کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔

''دراصل سال کے اس ماہ ہم لوگ تقریباً پندرہ دن کی چھٹیاں ایسے ہی لمبی ڈرائیونگ کر کے گزارتے ہیں اور ہر بار ایک نئی جگہ دیکھنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ٹروتھ کے بارے میں بہت دن سے ہمارے ذہن میں پروگرام تھا۔ چنانچہ ہم اس طرف آ نکلے۔ ویسے تم اگر چاہو تو برلن تک ہمارے ساتھ جا سکتے ہو۔ فرینکفرٹ وغیرہ سے گزرتے ہوئے ہم برلن تک جائیں گے۔''

میں نے ایک بار پھر گردن ہلا دی تھی۔ ایلورا کہنے لگی۔

''اس کے علاوہ برلن کے سفر میں بھی تمہاری مدد کی جا سکتی ہے، مسٹر شامی......!''

ایلورا کا تلفظ بہت بہتر تھا۔ جبکہ اس کی نسبت راک ہڈسن میرا نام لیتے ہوئے تھوڑا سا اٹکتا تھا۔ بہرحال ان لوگوں سے خوب دوستی ہوگئی اور یہ بات میرے لئے زیادہ فرحت بخش تھی کہ ایلورا پلاسٹک سرجری جانتی ہے۔ اگر میں ان لوگوں کی پوری توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو شاید یہی میری مشکل کا حل بن جائیں۔

دوسری صبح ہم ٹروتھ سے باہر نکل آئے۔ فرائی برگ پہنچے اور وہاں سے فرینکفرٹ جانے والی عظیم شاہراہ آٹوبہان پر چل پڑے۔ ایلورا مجھے راستے کے بارے میں بتاتی جا رہی تھی۔ ہائیڈل برگ پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی۔ دریائے نیکر کے دیدہ زیب پل پر سے گزرے تو وہاں نیچے پانی میں شفق کی سرخی اُتری ہوئی تھی۔ دریا کے کنارے کافی رَش تھا۔ اس شہر کو کافی خوب صورت شہر سمجھا جاتا ہے۔ یہاں سے نکلے تو ایلورا نے بتایا کہ اب فرینکفرٹ کا راستہ آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں ہے۔

راک ہڈسن کہنے لگا۔

''شامی......! اگر تم فرینکفرٹ کو ایک نگاہ دیکھنا چاہتے ہو تو ہم ایک رات یہاں قیام کر سکتے ہیں۔''

''میری وجہ سے آپ لوگوں کو کافی تکلیف اُٹھانی پڑی۔''

''سنا ہے کہ تم لوگ بے کار الفاظ کا استعمال بہت زیادہ کرتے ہو۔ بہرطور ہم اسے پسند نہیں کرتے، جب میں نے ایک بار تم سے کہہ دیا کہ میں تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے خوش آمدید کہتا ہوں تو اس کے بعد یہ ساری باتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ مغربی جرمنی کے ساتھ ساتھ تم مشرقی جرمنی بھی دیکھ لو گے۔ جبکہ عام حالات میں شاید تمہارے لئے یہ اتنا آسان نہ ہوتا۔''

''اوہ ہاں......! بے شک......! لیکن کیا مغربی جرمنی کی سرحد عبور کرنے میں کوئی مشکل تو درپیش نہیں

ہوگی۔"

"اگر تمہارے کاغذات درست ہیں تو تمہیں برلن کے لئے عارضی ویزہ مل سکتا ہے۔"

"تب میں دوسری جنگ عظیم کا یہ عظیم شہر ضرور دیکھنا پسند کروں گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"برلن ہر سال پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو جاتا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد ہم فرینکفرٹ پہنچ گئے۔ دن بہت زیادہ باقی نہیں تھا۔ گاڑی ہی میں راک ہڈسن نے مجھے تھوڑی سی سیر کرائی۔ قیصر اسٹریٹ دکھائی اور اس کے بعد ہم دریائے مائین کے کنارے یوتھ ہاسٹل کے قریب فروکش ہو گئے۔ یوتھ ہاسٹل، جس کا شمار دُنیا کے بہترین ہوٹلوں میں ہوتا ہے۔

شام جھک آئی تھی۔ سامنے دریائے مائین کے مٹیالے پانی میں سامان بردار کشتیاں اور سٹیمر چل رہے تھے۔ دوسرے کنارے پر سیاہ کاتی ذرہ کلیسا کھڑا تھا جو اس شہر کا علامتی نشان ہے۔ ہڈسن سے زیادہ ایلورا مجھ میں دلچسپی لے رہی تھی۔

بہت رات گئے تک ہم فرینکفرٹ کے بارے میں گفتگو کرتے رہے اور پھر معمول کے مطابق گاڑی ہی میں سو گئے۔ گاڑی کی اگلی سیٹیں آرام دہ بستر کی حیثیت سے کھل جاتی تھیں۔ عقبی سائیڈ میں بھی دو سائیڈ برتھیں لگی ہوئی تھیں۔ گویا ابھی ایک آدمی کی مزید گنجائش تھی۔ کافی رات گئے ہم لوگ سونے کے لئے لیٹ گئے۔

دوسری صبح آنکھ جلد ہی کھل گئی۔ ہڈسن اور ایلورا مجھ سے پہلے ہی جاگ گئے تھے اور کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو ہوا میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں نیچے اُترا تو انہوں نے دریائے مائین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ پہلے میں منہ ہاتھ دھولوں، اس کے بعد مجھے کافی دی جائے گی۔ کافی کا ایک ایک کپ پینے کے بعد ہم لوگوں نے سفر کی تیاری کی۔ مسٹر راک ہڈسن کہنے لگے کہ علی الصبح سفر شروع کر دیا گیا تو آرام سے برلن پہنچ جائیں گے۔ ناشتے کے لئے انہوں نے کہا تھا کہ گاڑی ہی میں کیا جائے گا۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

چنانچہ ہم چوڑی سڑک آٹو بیان پر نوے میل فی گھنٹے کی رفتار سے برلن کی طرف روانہ ہو گئے۔ بے حد نفیس سڑک تھی۔ لہٰذا یہ سفر جاری رہا اور پھر شام سے کچھ پہلے ہم مشرقی جرمنی کی سرحد پر پہنچ گئے۔ سرحدی محافظوں نے ہمارے پاسپورٹ چیک کئے اور ہمیں ہدایت کی کہ کار یہیں کھڑی کر کے کسٹم ہاؤس سے مشرقی جرمنی عبور کرنے کے لئے ویزہ لگوالیں۔

کسٹم ہاؤس میں پہنچے تو ویزہ افسر میز کے پیچھے بیٹھا ہوا سگار پی رہا تھا۔ اس نے پاسپورٹ پر موجود تصویریں دیکھ کر، ہماری شناخت کی اور پھر چند فارم پُر کروا کر ویزے کی مہر لگا دی۔ اس کے بعد ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

مغربی اور مشرقی جرمنی کے درمیان ایک قلعہ نما سرحد پھیلی ہوئی تھی، جس کی عمارتیں بے حد ہیبت

ناک تھیں۔ ہر سو گز کے فاصلے پر حفاظتی مینار نظر آ رہے تھے جن پر مشین گنوں سے مسلح محافظ پہرہ دے رہے تھے۔ ان میناروں کے نیچے سڑک پر لوہے کے پھاٹک لگے ہوئے تھے جہاں کاغذات بار بار چیک کئے جاتے تھے۔ کئی جگہوں پر سڑک کے کنارے سیمنٹ اور لوہے کے ستون ڈھلوان سطح پر اس طرح لگے ہوئے تھے کہ اگر کوئی کار وغیرہ کسٹم ہاؤس اور آہنی پھاٹکوں پر رُکے بغیر تیز رفتاری سے سرحد عبور کرنا چاہے تو ان ستونوں کی مدد سے ان کو روکا جا سکے۔

ہم برلن کے نواح میں پہنچے تو خاصی رات ہو چکی تھی۔ شہر کے وسط میں پہنچ کر راک ہڈسن نے کار کا رُخ ایک خوب صورت علاقے کی جانب کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے رُک گیا۔ گاڑی عمارت کے باہر ہی ایک مخصوص جگہ کھڑی کر دی گئی اور راک ہڈسن نے مسکراتے ہوئے پُر تپاک انداز میں کہا۔

☆.....☆.....☆

''آیئے مسٹر شامی......! آپ اس طرح کیوں کھڑے ہوئے ہیں......؟''

''کیا اس سے زیادہ مراعات حاصل کی جاسکتی ہیں مسٹر ہڈسن......؟''

''نہیں ڈیئر......! ایک جرمن بداخلاق نہیں ہوسکتا۔ آؤ، تمہیں کچھ وقت ہمارا مہمان رہنا پڑے گا۔ ایلورا......! تم بھی مسٹر شامی کو دعوت دو۔''

''مجھے تو یہ حیرت ہے کہ یہاں تک آنے کے بعد مسٹر شامی نے یہ کیوں سوچا کہ وہ کہیں اور قیام کریں گے......؟ جبکہ برلن میں ہمارا اپنا گھر ہے۔''

ایلورا نے مسکراتے ہوئے کہا اور دونوں پُراخلاق جرمن باشندے مجھے لئے ہوئے عمارت میں داخل ہوگئے۔ عمارت میں ایک بوڑھی جرمن ملازمہ موجود تھی جس نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ راک ہڈسن نے ایلورا سے کہا کہ اس کا کمرہ معزز مہمان کو دے دیا جائے۔ وہ خود ایلورا کے کمرے میں قیام کرے گا۔

اگر ان لوگوں سے ایک اہم مسئلہ وابستہ نہ ہوتا تو شاید میں ان شریف لوگوں کو تکلیف دینا پسند نہ کرتا۔ بلاوجہ کسی کی ذات پر بوجھ بننا اچھی بات تو نہیں تھی، لیکن ایلورا سے میرا مستقبل وابستہ تھا۔ چنانچہ میں نے ان کی یہ پیش کش شکریہ کے ساتھ قبول کرلی۔ ایلورا اور راک ہڈسن کافی خوش اخلاق ثابت ہوئے تھے۔ رات کا کھانا بوڑھی ملازمہ نے بڑی پھرتی سے تیار کیا، جو وقت سے ذرا دیر میں کھایا گیا تھا۔ اس کے بعد راک ہڈسن نے کہا۔

''اصول کے مطابق میری چھٹی کل ختم ہورہی ہے۔ چنانچہ صبح مجھے اپنی ڈیوٹی جوائن کرنا ہوگی۔ ایلورا بھی اپنے کلینک جائے گی۔ کیونکہ اس نے جو اپائنٹمنٹ دیئے ہوئے ہیں، ان لوگوں کو خوش آمدید کہے گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا مسٹر شامی......! کہ آپ ایلورا کے ساتھ اس کے کلینک چلے جائیں۔ اچھا وقت گزرے گا۔ اس کے بعد شام کی چائے پر میری آپ سے ملاقات ہوگی۔''

''یقیناً مسٹر راک ہڈسن......! میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کے مشاغل میں کوئی فرق نہ پیدا ہو۔''

''بالکل اطمینان رکھو، ہم کوئی فرق پیدا نہیں کریں گے۔''

رات کو دونوں نے مجھے میرے کمرے میں خدا حافظ کہا اور میں مشرقی برلن کے اس مکان میں رہ کر ان گزرے ہوئے واقعات کو یاد کرنے لگا جن کا تعلق دوسری جنگ عظیم میں تھا۔ برلن کی تاریخ تو بے حد بھیانک تھی اور اس کے نقوش آج تک برلن کے در و دیوار پر ثبت تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ دوسری جنگ عظیم کے اس شہر کو ذرا تفصیل سے دیکھوں گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ اگر ایلورا مجھے اپنے کلینک لے گئی تو کل ہی میں اس سے اپنی خواہش کا اظہار کردوں گا۔ کرنسی اب بھی میرے پاس کافی مقدار میں موجود تھی اور میں ان لوگوں کا کم از کم یہ احسان نہیں لینا چاہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ایلورا کو اس سلسلے میں کوئی خاص اعتراض نہیں ہوگا، لیکن اسے ذرا سمجھانا پڑے گا اور اس کے لئے مختلف منصوبے بناتا ہوا میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

دوسرے دن آٹھ بجے ایلورا نے میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دیا تھا۔ میں جاگا تو اس نے مجھ سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ درحقیقت اس سے زیادہ انتظار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہڈسن اپنی ڈیوٹی پر جاچکا ہے اور وہ ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکل جائے گی کیونکہ نو بجے اس کا پہلا اپائنٹمنٹ ہے۔

میں نے برق رفتاری سے تیاری کی۔ ناشتے کی میز پر بھی ہم دونوں نے زیادہ وقت صرف نہیں کیا تھا۔ پھر ایلورا مجھے ساتھ لے کر ایک چھوٹی کار میں آبیٹھی اور کار اسٹارٹ ہوکر چل پڑی۔

میں نے راستے میں ایلورا سے پلاسٹک سرجری کے بارے میں معلومات حاصل کیں لیکن فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا کہ وہ مجھے بہت کچھ بتاسکتی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے کلینک میں پہنچ گئی۔ ایک خوب صورت عمارت کی دوسری منزل پر یہ کلینک واقع تھا اور اسے اندر سے دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ ایلورا معمولی حیثیت کی مالک نہیں تھی۔ اسٹاف کے کچھ افراد نے اس کا استقبال کیا اور وہ اپنے کمرے میں جابیٹھی۔ مجھے اس نے ایک برابر کی کرسی پر جگہ دی تھی۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک بھاری تن و توش کا آدمی اندر داخل ہوگیا۔ اس کے داہنے گال پر گہرے زخم کا نشان تھا، چہرے سے کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ یہ ایلورا کا پہلا مریض تھا۔ ایلورا نے مختلف ذرائع سے اس کے زخم کا معائنہ کیا جواب صرف نشان کی حیثیت رکھتا تھا اور پھر اس نے اسے ہدایت دے کر کہا کہ اس کی پلاسٹک سرجری کا کام آج سے ٹھیک چوتھے روز شروع ہوجائے گا۔ میں اس دوران بالکل خاموش رہا تھا۔

پونے دس بجے دوسرا اپائنٹمنٹ تھا اور گیارہ بجے تیسرا۔ ایلورا کی ایک سیکریٹری نے ایلورا کو تین اپائنٹمنٹس کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں اور کہا تھا کہ اس نے مزید کوئی اپائنٹمنٹ نہیں لیا۔ ایلورا نے گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے......! اب تم جو بھی اپائنٹمنٹ لو، کل کے لئے لینا۔ زیادہ سے زیادہ میں کسی کا ابتدائی

معائنہ کرسکتی ہوں لیکن وہ بھی ٹھیک ایک بجے تک، اس کے بعد میں کام نہیں کروں گی۔''

''او کے میڈم.....!؟''

سیکریٹری نے جواب دیا اور باہر نکل گئی۔ ایلورا میری طرف دیکھتی رہی، پھر مسکرا کر بولی۔

''آؤ میں تمہیں اپنے کلینک کے شعبے دکھاؤں۔''

میں دلچسپی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ ایلورا مجھے پلاسٹک سرجری کے بارے میں بہت کچھ بتاتی رہی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ تقریباً سات سال سے یہاں کام کر رہی ہے اور بہت سے چہرے تبدیل کر چکی ہے۔

آفس میں آنے کے بعد میں اس نے اس سلسلے میں مزید تفصیلات معلوم کرتا رہا اور پھر میں نے اپنا مقصد بیان کرنا شروع کر دیا۔

''میڈم ایلورا.....! جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر قبل میں نے مختلف لوگوں کے چہرے دیکھے، ان کے نقوش میں کوئی نقص تھا، لیکن اگر کوئی ایسا شخص جو بالکل درست چہرہ رکھتا ہو۔ صرف اپنے خدوخال تبدیل کرانا چاہے تو کیا یہ ممکن ہوگا.....؟''

''کیوں نہیں.....؟ فرض کرو، تم اپنے چہرے کو مزید حسن دینا چاہو تو میرا خیال ہے، تمہارے اس بیضوی چہرے کے رُخساروں میں تھوڑا سا اُبھار پیدا کیا جا سکتا ہے۔ تمہارے ہونٹ ذرا سے پتلے ہیں۔ اگر انہیں تھوڑا سا موٹا کر دیا جائے تو تمہارے چہرے کی اس دلکشی میں بے پناہ اضافہ ہو سکتا ہے۔ آنکھوں کے پپوٹوں کے نیچے یہ ہلکے نشانات صاف کر کے انہیں شفاف شکل دی جا سکتی ہے۔ پیشانی اور ناک کے درمیان اس چھوٹی سی گہرائی کو پُر کر کے تمہاری پیشانی کو مزید کشادہ کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ یہ کام بہت زیادہ مشکل نہیں ہے۔''

''اس سلسلے میں آپ اپنے ایک مریض سے زیادہ سے زیادہ کیا رقم وصول کرتی ہیں میڈم ایلورا.....؟''

ایلورا نے مجھے رقم بتائی تو میں نے اپنی جیب سے نکال کر نوٹوں کی ایک گڈی اس کے سامنے رکھ دی اور ایلورا مجھے چونک کر دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب.....؟''

''وہ جو کچھ آپ نے کہا ہے میڈم ایلورا.....! میں وہی چاہتا ہوں۔''

''ارے نہیں نہیں.....! کیا فضول بات ہے.....؟ انسان کا اصل چہرہ اس کی اصلیت کا شناخت ہوتا ہے۔ اس بدلے ہوئے چہرے سے تم خود ہی اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرنے لگو گے۔ دراصل پلاسٹک سرجری ان لوگوں کے لئے ہے، جن کے چہرے کسی حادثے کی بنا پر بدنما ہو گئے ہوں اور پھر تم تو ایک خوب صورت آدمی ہو۔ میں تمہاری اس دلکشی کو کبھی نہیں چھینوں گی۔''

''اور اگر میں آپ سے درخواست کروں میڈم ایلورا.....! کہ یہ سب کچھ میری خواہش ہے اور میں

اسے اپنے لئے ضروری سمجھتا ہوں تو کیا آپ اس سے انکار کر دیں گی.....؟''

''اُصولاً تو مجھے انکار نہیں کرنا چاہئے، لیکن کیا تمہارے لئے مشکلات نہیں پیدا ہو جائیں گی.....؟ مشرقی برلن سے واپس جاؤ گے تو تمہاری تصویر بدل چکی ہوگی، اس کے لئے تم کیا کرو گے.....؟''

''آپ مجھے اس کا سرٹیفکیٹ جاری کریں گی میڈم ایلورا.....! اور میں پاسپورٹ پر نئی تصویر آویزاں کرا لوں گا۔ آپ میرے کاغذات چیک کر سکتی ہیں۔ کسی بھی طرح کی کوئی گڑبڑ میرے کاغذات میں نہیں ہے۔ یہ کام میں صرف اپنے شوق کی تکمیل کے لئے چاہتا ہوں اور پھر یہاں سے جانے کے بعد جب بھی جرمنی کا خیال آئے گا تو میرا بدلا ہوا چہرہ مجھے آپ لوگوں کی یاد دلائے گا۔''

''بڑی عجیب سی خواہش ہے لیکن میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو صرف شوق کی تکمیل کے لئے اپنے آپ کو پتا نہیں کیا سے کیا بنا لیتے ہیں.....؟ تاہم بہتر یہ ہوگا کہ میں راک ہڈسن سے اس بارے میں مشورہ کر لوں۔ دیکھو ناں، تھوڑی سی ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے۔''

''آپ ضرور مشورہ کر لیجئے میڈم.....! لیکن میری اس خواہش کی تکمیل آپ کو کرنا ہوگی۔''

میں نے ضد کرتے ہوئے کہا اور ایلورا خاموش ہوگئی۔ شام کو چائے پر راک ہڈسن ساتھ تھا۔ ایلورا نے اس سے میری خواہش کا اظہار کیا تو راک ہڈسن پُرخیال انداز میں سر ہلانے لگا اور پھر بولا۔

''یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اگر اسے تفریحاً کیا جائے تو میرے خیال میں کوئی بڑی اُلجھن پیش نہیں آئے گی، لیکن میرا مشورہ یہی ہے شامی.....! کہ ایسا کوئی کام نہ کرو، ج تمہارے لئے اُلجھن کا باعث بن جائے۔ ممکن ہے بعد میں تم اپنے اس بدلے ہوئے چہرے کو قبول نہ کرو۔''

''خیر.....! اس کا انتظام میں کر سکتی ہوں۔ پلاسٹک سرجری کے مختلف مراحل ہیں۔ میں شامی کی خواہش بھی پوری کر دوں گی، لیکن سال، دو سال یا پانچ سال کے بعد، اگر ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ انہیں ان کا اصل چہرہ واپس مل جائے تو انہیں صرف تھوڑی سی کارروائی کرنا ہوگی اور ان کا چہرہ پھر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جائے گا۔''

ایلورا نے کہا۔

''اگر شامی کی یہ خواہش ہے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔''

راک ہڈسن نے اجازت دے دی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے خصوصی اختیارات سے کام لے کر پاسپورٹ پر میری تصویر تبدیل کرا دے گا۔ اس طرح وہ تصور جو میرے ذہن میں بہت دن سے تھا، پایۂ تکمیل کو پہنچنے کے قریب آ گیا تھا۔

ایلورا دوسرے دن بھی مجھے اپنے کلینک لے گئی اور میری خواہش پر اس نے اپنے کام کا آغاز کر دیا اور خصوصی وقت مجھے دیا، اس نے میرے چہرے پر ایک لوشن لگا دیا تھا اور اس کے بعد مجھ سے کہا تھا کہ اب دو دن

کے بعد وہ میرے چہرے کو پہلا ٹریٹمنٹ دے گی۔ اس دوران اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں چاہوں تو برلن کی سیر کرسکتا ہوں۔ میں نے خوشی سے یہ پیش کش قبول کرلی تھی۔ راک ہڈسن نے مجھے ایک کار مہیا کردی تھی، جس کے ذریعے میں برلن کی سیر کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

میں نے دیوار برلن دیکھی جس نے اس شہر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ امریکی اس دیوار کو جیل کی دیوار کہتے تھے اور مشرقی جرمنی والے اسے حفاظتی دیوار کا نام دیتے تھے، جو ان کے خیال کے مطابق ان کے ملک کو لٹیروں سے بچائے ہوئے تھی۔ ہر چند کہ مشرقی برلن میں کافی کام ہو رہا تھا، لیکن دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کے نشانات اب بھی اس کی سڑکوں اور بازاروں میں نظر آجاتے تھے۔ کھنڈرات میں چھوٹے بچے کھیلتے پھرتے یا پھر بوڑھے آوارہ گرد قیمتی اشیاء کی تلاش میں راکھ کریدتے رہتے۔ شہر پر گرائے گئے کئی وزنی بم ابھی تک ملبے میں دبے ہوئے تھے۔ بعض اوقات یہ بم پھٹ بھی جاتے تھے۔

دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کی دن رات کی بمباری نے برلن کو بھوتوں کے شہر میں تبدیل کردیا تھا۔ رہی سہی کسر روسیوں نے پوری کردی۔ مارشل ژوخوف نے برلن پر حملے کا آغاز بیس ہزار توپوں سے کیا تھا، جن کی ایک ہی باڑ سے پورے گاؤں اور گھنے جنگل ملیامیٹ ہو جاتے تھے۔ کرفرسٹن ڈام کے سر قیصر ولیم میموریل چرچ کا جلا ہوا ڈھانچہ آج بھی نظر آتا تھا۔ کلیسا کے گھڑیال کی سوئیاں ساڑھے سات کے ہندسوں پر نومبر 1943ء سے رُکی ہوئی ہیں۔ اسی شام برلن پر سینکڑوں من آگ برسائی گئی تھی۔ ایک بم کلیسا کے گھڑیال پر بھی گرا تھا اور وقت کی رفتار تھم گئی تھی حالانکہ جلے ہوئے ڈھانچے کو بطور یادگار جوں کا توں رہنے دیا گیا تھا۔

یہاں سے ڈاہلیم میوزیم کا سفر کیا جہاں دُنیا کے عظیم مصوروں کی تصاویر آویزاں تھیں اور اس کے بعد وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ میں نے برلن کے چڑیا گھر کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا تھا۔ یہ چڑیا گھر ریلوے اسٹیشن کے سامنے تھا۔ سنا ہے کہ جنگ سے پیشتر اس چڑیا گھر میں چودہ ہزار سے زائد مختلف جنگلی جانور موجود تھے لیکن ان میں سے تقریباً تین چوتھائی جانور ہوائی حملوں کا شکار ہوگئے۔ اتحادی بمبار طیارے اس چڑیا گھر کو نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے کیونکہ اس میں جی ٹاور نامی حفاظتی مینار تھا جس کے بارے میں یہ سنا گیا تھا کہ ہوائی حملے کے دوران اس کے وسیع تہہ خانے میں پندرہ ہزار سے زائد افراد پناہ لے سکتے تھے۔

حفاظتی مینار ایک سو بتیس فٹ بلند تھا اور اس کی دیواریں آٹھ فٹ سے زیادہ موٹی تھیں۔ اس کی چھت پر دورانِ جنگ سینکڑوں اینٹی ائیر کرافٹ مشین گنیں نصب تھیں۔ نیچے اسلحہ بارود اور خوراک کا اتنا ذخیرہ موجود تھا کہ کم از کم ایک سال تک وہاں محفوظ رہا جاسکے۔

بہرطور جنگ کے واقعات ذہن میں آئے تھے اور میں اس خوف ناک دور کے بارے میں دیر تک سوچتا رہا تھا۔ پھر شام کو میں واپس پہنچ گیا۔

وہ دونوں چائے پر میرا انتظار کر رہے تھے۔ برلن کی سیر کے بارے میں وہ مجھے دوران جنگ کی

باتیں بتاتے رہے جو ایک روایت کی صورت میں آج بھی مشرقی برلن میں زندہ تھیں۔ ان لوگوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا اور ابھی تک مجھے کسی ذہنی کوفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا بلکہ ایک طرح سے میں مسرور تھا کہ اب وہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ جو ممکن ہے، مجھے سکون بخش دے۔ ویسے تو میری زندگی میں تشویش تھی اور یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ آنے والا وقت میرے لئے کیا ہوگا......؟ لیکن کم از کم اس منحوس چہرے سے تو نجات مل جائے گی جس نے میری زندگی تلخ کرکے رکھ دی تھی۔

پھر مقررہ وقت پر ایلورا نے میرے چہرے کی مرمت شروع کردی۔ مختلف دنوں میں یہ کام تقریباً چودہ دن جاری رہا اور اس دوران ان لوگوں نے دوستی کا حق نبھا دیا۔ کسی بھی طرح مجھے وہاں اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ حالانکہ میں غیر متعلق آدمی تھا۔ کام مکمل ہونے کے بعد میں نے ایلورا کو وہ رقم پیش کردی جو اُصولی طور پر بنتی تھی۔ ایلورا نے اس میں سے پچیس فیصد مجھے واپس کردیا تھا اور اس کی وجہ اس نے یہی بتائی تھی جو کام اس نے کیا ہے، اس کی اصل قیمت یہی بنتی ہے۔

میں نے کام مکمل ہونے کے بعد اپنے چہرے کا جائزہ لیا، اور سچ کہتا ہوں کہ سرور سے میری آنکھیں بند ہوگئیں۔ میرا چہرہ بلاشبہ پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت بنا دیا گیا تھا، اس کے بعد مزید کارروائیاں ہوئیں اور میری خواہش پر صرف تین دن کے اندر اندر مسٹر راک ہڈسن نے میرا نیا پاسپورٹ بنوا دیا۔ پرانی تصویر بھی پاسپورٹ کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے نوٹ کے ساتھ رکھی گئی تھی کہ اگر کسی طرح سے یہ معاملہ پولیس کی دخل اندازی کے قابل ہو تو اس چہرے کو چیک کیا جاسکتا تھا۔ یہ بات میرے پاسپورٹ میں بھی درج کردی گئی تھی اور اب جب میں نے یہ نوٹ پڑھا تھا تو میرا سانس رُک گیا تھا۔

یہ صورتِ حال واقعی خطرناک تھی لیکن پاسپورٹ کی حد تک البتہ میں نے سوچا کہ مشرقی جرمنی سے نکل کر مغربی جرمنی پہنچ جاؤں تو اس کے بعد نئے پاسپورٹ کے لئے کوشش کروں گا۔ ظاہر ہے کہ اپنے نام کے ساتھ یہ نوٹ لئے پھرنا میرے لئے کسی بھی وقت نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔

بہرحال ان لوگوں کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میں نے ان سے واپسی کی اجازت مانگی اور راک ہڈسن نے مجھے ایک مخصوص حصے تک پہنچانے کی پیش کش کردی، جسے میں نے قبول کرلیا۔

وہ اپنی اسی گاڑی میں مجھے اسی مخصوص سڑک کے ذریعے سرحد تک لے آیا، جو صرف مغربی جرمنی سے برلن کے مغربی حصے تک جانے والی ٹریفک کے لئے مخصوص تھی اور کسی بھی قصبے یا شہر سے نہیں گزرتی تھی، یہاں انہوں نے مجھے خدا حافظ کہا اور بالآخر میں سرحد کے اس حصے میں پہنچ گیا جہاں کاغذات وغیرہ کی چیکنگ کے بعد مجھے مغربی جرمنی میں داخل ہو جانا تھا۔

محافظ حسب معمول مستعد تھے۔ میرا پاسپورٹ دیکھا گیا اور اس پر لکھے ہوئے نوٹ کو پڑھا گیا اور دفعتہً میں نے محافظوں کو چونکتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک محافظ نے مؤدبانہ انداز میں مجھ سے درخواست کی

کہ میں اس کے ساتھ آؤں اور پھر وہ مجھے لئے ہوئے ایک چھوٹی سی عمارت میں داخل ہو گیا جو سرحد کے دوسرے حصے میں بنی ہوئی تھی۔ یہاں اس نے مجھے ایک بینچ پر بیٹھنے کے لئے کہا اور معذرت آمیز انداز میں بولا کہ چونکہ میرے پاسپورٹ میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، اس لئے مجھے چند منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔

پتا نہیں کیوں میرے دل میں خوف کا احساس ہو رہا تھا۔ بہرطور یہ بات تشویش ناک تو تھی، اس اُلجھن سے گزر جاؤں تو پھر اسے باقی نہیں رہنے دوں گا، میں نے دل میں سوچا تھا، لیکن اُلجھن سے گزرے بغیر غالباً میری تقدیر میں ہی نہیں تھا کیونکہ چند ہی لمحات کے بعد دو مسلح محافظ اسٹین گنیں سنبھالے ہوئے اندر داخل ہوئے اور برق رفتاری سے دروازے سے اندر آ کر میری دونوں سمت کھڑے ہو گئے۔ اسٹین گن کی نالیں میری ہی طرف اُٹھی ہوئی تھیں اور ان کے چہرے پر خشونت نظر آ رہی تھی۔

پھر ان کے عقب سے تین آدمی اندر داخت ہوئے۔ ان میں سب سے آگے ایک دراز قامت جرمن تھا جس کے باریک باریک ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں میرے لئے سخت نفرت کے آثار تھے۔ میرا دل سینے میں بری طرح پھڑ پھڑانے لگا۔ اندر سے یہی آوازیں اُبھر رہی تھیں کہ میں پھر کسی مصیبت میں پھنس گیا، یقیناً میں پھر کسی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

میں سہمی ہوئی نظروں سے دراز قد جرمن کو دیکھنے لگا۔ میری چھٹی حس مجھے وقت سے پہلے خطرے سے آگاہ کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہو رہا تھا۔ دراز قد آدمی میرے نزدیک آ کر جھکا۔ بقیہ مسلح افراد مستعد کھڑے ہوئے اس طرح میری جانب نگران تھے کہ اگر میں نے جوں ہی کوئی جنبش کی تو وہ اسٹین گنوں کے دہانے مجھ پر کھول دیں گے۔ مگر میری تو اس تصور سے ہی جان جا رہی تھی کہ اگر ان کم بختوں کو کوئی غلط فہمی ہو گئی تو پھر وہ غلط فہمی میں ہی میری زندگی کا چراغ نہ بجھا دیں۔

بدن کا خون گویا خشک ہو گیا تھا۔ ٹانگوں میں جان نہیں رہی تھی۔ دراز قد آدمی کی خونخوار نگاہیں مجھ پر جمی رہیں اور پھر اس نے جرمن زبان میں کچھ کہا اور سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اُنگلی کنپٹی پر رکھ کر اس انداز میں گردن ہلائی جیسے کہہ رہا ہوں، میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔

جرمن افسر نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر انہیں کچھ ہدایت کی اور پھر میرے چاروں طرف جرمن بکھر گئے اور مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا گیا۔ اندازہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا کہ تقدیر نے پھر بازی پلٹ دی ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، ان لوگس کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے نہایت لجاجت سے سوال کیا۔

’’جناب والا......! اگر میرا جرم بتا دیا جاتا تو کیا بہتر نہ ہوتا......؟‘‘

لیکن جواب میں ایک زوردار لات میری کمر پر پڑی تھی اور میں کئی قدم آگے دوڑتا ہوا چلا گیا تھا، لیکن وہ لوگ جو میرے پیچھے رہ گئے تھے، دوڑ کر پھر میرے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے سوچا کہیں میں اس انداز میں فرار ہونے کی کوشش نہ کروں۔ اس بار مجھے زیادہ مضبوطی سے جکڑ لیا گیا تھا۔ اس شاندار پذیرائی پر بھلا دوبارہ

پوچھنے کی جرأت کیسے کی جا سکتی تھی......؟ اور یوں میں نے صبر کر لیا۔

سرحد پر مسلح افراد اپنے کاموں میں مصروف رہے۔ مجھے ایک ٹرک کے قریب لے جایا گیا جو کافی اونچا تھا۔ پھر انہوں نے میرے ٹرک پر چڑھنے کا انتظار نہیں کیا بلکہ چند آدمیوں نے بڑے اطمینان سے مجھے اُٹھا کر ٹرک میں اُچھال دیا۔ ان کی یہ بے رحمانہ کارروائی اس بات کا پتا دیتی تھی کہ انہیں جو بھی غلط فہمی ہوئی ہے، نہایت شدید ہے اور وہ میرے ساتھ کسی قسم کا رحم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

فریاد اور واویلا بے کار تھا کیونکہ میرے نزدیک بیٹھے ہوئے لوگ مجھے خون خوار نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور ان کے روّیے ایسے ہی تھے جیسے صرف زبان کھولنے کی سزا بھی موت ہی ہو اور اس خودی موت سے بچنے کے لئے مجھے اپنی زبان پر اس وقت تک قابو رکھنا تھا جب تک کوئی شریف آدمی میرے سامنے نہ آئے۔

سوچنے سمجھنے کی قوتیں ختم ہو گئی تھیں۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کمر پر جو ٹھوکر پڑی تھی، اس نے ریڑھ کی ہڈی میں دُکھن پیدا کر دی تھی۔ میں خاموش بیٹھا اِدھر اُدھر کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتہً میرے محافظوں نے میری پنڈلی پر ٹھوکریں مار مار کر مجھے اشارہ کیا کہ میں گردن جھکائے رکھوں۔

گویا وہ لوگ میری نگاہوں کو بھی خطرناک سمجھ رہے تھے۔

یہ سفر تقریباً پونے گھنٹے جاری رہا اور بالآخر ٹرک ایک کھنڈر نما عمارت میں داخل ہو گیا جو باہر سے جتنی خراب نظر آتی تھی، اندر سے اتنی خراب نہیں تھی۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے مجھے اسی انداز میں ٹرک سے باہر پھینک دیا، لیکن نیچے بھی میرے استقبال کے لئے مسلح افراد موجود تھے۔

عمارت فوجی بیرک کی طرز پر بنی ہوئی تھی۔ مجھے دھکے دے دے کر بارہ سیڑھیاں عبور کرائی گئیں اور اس کے بعد ستون نما دروازے سے گزار کر سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی ایک چوڑی راہ داری میں پہنچا دیا گیا۔ راہ داری کے اختتام پر ایک دروازہ تھا، جس کے پٹ ادھ کھلے تھے۔ دروازے کی دوسری طرف ایک ٹھنڈی اور پُرسکون جگہ تھی، جہاں دو میزیں پڑی ہوئی تھیں اور ان میزوں پر چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔

مجھے یہاں لانے والے اب صرف دو افراد تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنی زبان میں اندر موجود لوگوں کو کچھ بتایا اور وہ سب کے سب بری طرح اُچھل پڑے۔ میں نے اس دوران ان کے منہ سے صرف ایک نام سنا تھا اور یہ نام تھا، ڈان پر سیلے۔

اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ لوگ مجھے ڈان پر سیلے سمجھ رہے تھے۔ کم بختوں کو مجھ سے پوچھے بغیر اتنا یقین نہیں کر لینا چاہئے تھا، مجھے اُمید تھی کہ اندر موجود لوگوں میں تے کوئی نہ کوئی تو مجھ سے میرے بارے میں سوالات کرے گا اور میں انہیں اس بات کی تصدیق کرا دوں گا کہ وہ میرے سلسلے میں غلط فہمی کا شکار ہیں، لیکن وہ بھوکے کتوں کی طرح مجھے دیکھ رہے تھے اور پھر ان میں سے ایک نے جرمنی زبان میں مجھے ساتھ لانے والوں سے کچھ سوالات کئے اور وہ آپس ہی میں چہ مگوئیاں کرتے رہے۔ بمشکل تمام ہمت کر کے میں نے کہا۔

''جناب والا......! میں نے ان لوگوں کو بھی بتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ میرے سلسلے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اگر میرے چہرے کی تبدیلی آپ لوگوں کے لئے ناقابل قبول ہے تو میرے خیال میں مسٹر......''

ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر میرے شانے پر اس زور سے اسٹین گن کا بٹ مارا کہ میرے حلق سے چیخ نکل گئی اور میں اوندھا ایک میز پر جا گرا۔ میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ اُچھل کر کھڑے ہوگئے تھے۔ ان سب کا انداز نہایت وحشیانہ تھا، اور پھر میرے بارے میں دوسرا حکم صادر کر دیا گیا۔

وہ لوگ مجھے گریبان سے پکڑ کر دھکیلتے ہوئے آگے لے چلے اور پھر ایک چھوٹی سی کوٹھری میں مجھے دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں زمین پر گرا تھا۔ ریڑھ کی ہڈی کی تکلیف ابھی کم نہیں ہوئی تھی کہ شانے میں تکلیف شروع ہوگئی۔ اسٹین گن کی ضرب شانے پر ہی پڑی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شانہ سن ہو کر رہ گیا ہو۔

میں زمین پر لیٹ کر درد سے کراہنے لگا۔ بہت ہی خوف ناک صورتِ حال درپیش تھی۔ اس سے پہلے بھی میرے بلاوجہ کے دُشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، لیکن کسی نے مجھ پر اس قدر تشدد نہیں کیا تھا۔ نہ جانے یہ جنگلی جانور کس حماقت کا شکار ہوگئے تھے......؟ کوئی کم بخت کچھ سننے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔

''آخر یہ کون سی دُنیا کی مخلوق ہیں......؟ کیا مہذب دُنیا میں بھی کسی انسان کے ساتھ اتنا وحشیانہ سلوک کیا جاسکتا ہے......؟''

لیکن اب صورت حال میرے قابو سے باہر ہوگئی تھی۔ میری آنکھ کے گوشوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔ چہرہ تبدیل کیا تھا اس اُمید پر کہ اب مصیبتوں سے نکل جاؤں گا، لیکن نہ جانے کیا ہوگیا تھا......؟ یا تو جان بوجھ کر مجھے ایسا چہرہ دیا گیا تھا جس کی بناء پر وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہوگئے تھے یا پھر میری تقدیر ہی میں یہ خواری لکھی ہوئی تھی......؟

''کیا کروں......؟''

کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں جان کنی کے سے انداز میں پڑا رہا اور اس طرح پڑے پڑے نہ جانے کتنے گھنٹے گزر گئے۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ رات ہوگئی ہے۔ پیٹ میں آنتیں بھوک سے بلبلا کر فاتحہ پڑھ رہی تھیں اور ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ کم بختوں نے پلٹ کر خبر بھی نہیں لی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں......؟

ایسے حالات میں ابرانوس اکثر میری مدد کرتا تھا۔ ذہن کے ایک گوشے میں اس کا تصور اُبھرا۔ ہر چند کہ میری نفرت اپنی جگہ برقرار تھی، لیکن اس وقت میں نے اسے دل سے پکارا۔

''ابرانوس......! اگر تم معمول کے مطابق میرے قریب ہو تو میری مدد کرو اور مجھے ان بھیڑیوں کے چنگل سے نکالو۔ ورنہ ان لوگوں کی وحشت بتاتی ہے کہ یہ مجھے ہلاک کر دیں گے۔''

ابرانوس کی موجودگی ہمیشہ ٹھنڈک کا باعث بن جاتی تھی اور بدن پر ایک عجیب سی کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ میں اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا، لیکن جب تقدیر روٹھتی ہے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ میرے بدن پر کوئی کپکپی طاری نہ ہوئی۔ اس کا مطلب تھا کہ ابرانوس اس وقت میرے پاس موجود نہیں ہے۔

''آہ......! کیا ہوگا......؟ نہ جانے کیا ہوگا......؟''

میں تھوڑی دیر تک اسی طرح زمین پر لیٹا رہا۔ پھر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایک بار پھر ہمت کی اور دروازہ پیٹ کر ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ جواب میں باہر کچھ آہٹیں سنائی دیں۔ دو آدمیوں نے دروازہ کھولا تھا۔ ان کے پاس اس وقت رائفلیں نہیں تھیں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ دیا جائے۔ غالباً میرے الفاظ تو وہ نہیں سمجھ پائے تھے، لیکن انہیں اس بات پر غصہ آیا تھا کہ اتنی رات گئے میں نے انہیں ڈسٹرب کرنے کی کوشش کیوں کی ہے......؟

ان میں سے ایک نے جرمن زبان میں گالیاں بکتے ہوئے میرے پیٹ پر ٹھوکر مارنے کی کوشش کی لیکن میں نے لپک کر اس کی ٹانگ پکڑ لی اور اس زور سے جھٹکا دیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر جا گرا۔ میری دو تین ٹھوکروں نے اس کی طبیعت صاف کر دی۔ اپنے ساتھی کو پٹتے دیکھ کر دوسرا محافظ مجھ پر حملہ آور ہوا، لیکن میری لات کی ایک ہی ضرب سے وہ بھی بری طرح اُچھل کر دیوار سے جاٹکرایا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ دونوں بے ہوش ہوگئے تھے۔ حالانکہ میرے ذہن میں ایسا کوئی تصور بھی نہیں تھا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کروں۔

میں نے ان سے کچھ کھانے کے لئے مانگا تھا اور جواب میں وہ لوگ میری مرمت کرنے پر تُل گئے تھے تو ظاہر ہے، اب میں اس طرح تو ان کے ہاتھوں نہیں پٹ سکتا تھا۔

چند لمحوں کے اندر اندر میں نے اپنے حواس درست کئے اور راہ داری کا جائزہ لیا۔ راہ داری سنسان تھی۔ اس کا اختتام ایک دروازے پر ہوتا تھا۔

''دروازے کے دوسری طرف ممکن ہے، باہر جانے کا راستہ ہو۔ اگر میں کسی طرح یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاؤں، تب ہی کچھ کام بنے گا۔ خواہ کسی طرف جا نکلوں۔ کم از کم ان کی قید سے تو رہائی مل جائے گی۔ تقدیر میں اگر مفرور مجرم ہی بننا ہے تو یہی سہی۔''

میں نے ان دونوں کا جائزہ لیا۔ ایک کا سر پھٹ گیا تھا، دوسرے کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ بہرطور میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ راہ داری تاریک اور سنسان تھی۔ میں دبے پاؤں آگے بڑھتا ہوا اس دروازے کے قریب پہنچ گیا۔

''پتا نہیں دروازے کی دوسری طرف کوئی موجود ہے یا نہیں......؟''

میں نے بڑی احتیاط سے دروازے کے اندر دھکیلا تو وہ کھلتا ہوا محسوس ہوا، لیکن دوسری طرف بھی

میرے لئے عذاب کے فرشتے موجود تھے۔ غالباً چیخ کی آواز سن لی گئی تھی اور کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ مستعد ہوگئے تھے۔ جیسے ہی میں نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا، چند افراد بیک وقت مجھ پر ٹوٹ پڑے، اور بھوکے درندوں کی مانند مجھے بھنبھوڑنا شروع کردیا۔ گھونسے اتنے پڑے کہ طبیعت صاف ہوگئی۔ میں ادھ موا زمین پر پڑا ہوا تھا۔ باچھوں سے خون بہہ رہا تھا اور مجھے یہ یقین تھا کہ چہرے کا ڈیزائن بھی یقیناً تبدیل ہوگیا ہوگا۔

انہوں نے مجھے اُٹھایا اور واپس راہ داری میں لے چلے اور اس کے بعد مجھے اسی کمرے میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کردیا گیا۔ میں بے بسی سے فرش پر پڑا اندھی آنکھوں سے چھت کو گھور رہا تھا۔ اب بدن میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کھڑا بھی ہوسکوں۔ سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں سلب ہوگئی تھیں۔

رات گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔ پتا نہیں، نیند آئی تھی یا نہیں......؟ بے ہوشی کی کیفیت طاری رہی تھی۔ صبح کا نہ جانے کون سا وقت تھا کہ دروازہ کھلا اور مجھے کچھ لوگوں نے سہارا دے کر اُٹھایا اور اسی بڑے کمرے میں لے گئے جس میں میری مرمت ہوچکی تھی اور جسے میں باہر جانے کا راستہ سمجھا تھا۔

کمرے میں اس وقت وہی پتلے اور بھنچے ہوئے ہونٹوں والا افسر موجود تھا، جس نے سرحد تک مجھے گرفتار کیا تھا اور جس کی آنکھوں میں، میں نے شدید نفرت کے آثار دیکھے تھے۔ چند دوسرے افراد بھی تھے جو وہیں موجود تھے اور اس شخص کے سامنے مؤدب نظر آرہے تھے۔ تب وہ آدمی آگے بڑھا اور اس نے بغور میرا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے پہچانتے ہو مسٹر ڈان پرسیلے......؟''

میں نے بے بسی سے آنکھیں اُٹھائیں اور اس شخص کے چہرے کو دیکھتا ہوا بولا۔

''کاش تم یہ جاننے کی کوشش بھی کرتے کہ میں ڈان پرسیلے ہوں یا نہیں......؟''

جرمن افسر کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

''ڈیئر ڈان پرسیلے......! میرے لئے یہ جاننے کی کوشش کیا معنی رکھتی ہے......؟ میرا، تمہارا ایک طویل ساتھ رہا ہے اور بہت سے حسابات باقی ہیں تم پر، کیا سمجھے......؟ مجھے بتاؤ، جیمس ہولڈن کہاں ہے......؟ براؤن جیک فائل کا کیا بنا......؟ ایک دو باتیں ہوں تو کہوں میری جان ڈان پرسیلے......! تم پر تو اتنے حسابات ہیں کہ بیان نہیں کرسکتا۔''

اس کی آنکھوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی، اس نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ڈان پرسیلے......! تمہاری تلاش میں میں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا، لیکن اس کی اُمید نہیں تھی کہ تم اس طرح میرے ہاتھ آجاؤ گے۔ یہاں کیا کرنے آئے تھے......؟ یقیناً تمہاری آمد بلاوجہ نہیں ہوگی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے اپنی موت کا ڈرامہ کیا تھا۔ ممکن ہے، اس ڈرامے پر دوسرے لوگوں کو یقین آگیا ہو لیکن میں آج تک اس پر یقین نہیں کرسکا تھا اور آج میں بڑے فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں ان لوگوں سے زیادہ ذہین

ہوں، جو تمہارے سلسلے میں کام کررہے ہیں۔

ڈیئر ڈان پرسیلے......! میں تم سے وہ تمام معلومات حاصل کرکے دم لوں گا جن کا حساب میرے اور تمہارے درمیان ہے۔''

''اور میں تم سے صرف ایک بات کہوں گا مسٹر آفیسر......! وہ یہ کہ میں ڈان پرسیلے نہیں ہوں۔ میں تو ایک بدنصیب ہوں......''

میں اتنا کہہ پایا تھا کہ دفعتہً اس کم بخت افسر نے آگے بڑھ کر ایک گھونسا میرے منہ پر رسید کیا اور میں چیخ مار کر فرش پر گر گیا۔ بھوک کی شدت نے اب چوٹ برداشت کرنے کی قوت بھی ختم کردی تھی۔ میں نیچے گرا ہی تھا کہ اس بے ہودہ افسر نے میرے پیٹ پر لات مار کر رہی سہی کسر پوری کردی اور میں تقریباً نیم جان ہوگیا۔ آفیسر کی آواز میرے کان سے ٹکرائی۔

''ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم چیخ چیخ کر اپنے بارے میں بتاؤ گے۔ ایک ایک لفظ بتاؤ گے۔ کیا سمجھے......؟''

میں اس کے ان الفاظ سے اس کے ارادوں کو سمجھتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں......؟ ہوش وحواس رُخصت ہوئے جارہے تھے لیکن جب زندگی پر بن آتی ہے تو تمام قوتیں تیز ہوجاتی ہیں۔ نہ جانے کون سی قوت میرے بدن میں اُبھر آئی اور میں اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ جس کیفیت کا اظہار میں نے اب سے چند لمحات قبل کیا تھا، اس کے بعد میرا اس طرح اچانک کھڑا ہوجانا وہاں موجود لوگوں کے لئے تعجب خیز تھا۔ میرے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔ میں نے دایاں ہاتھ اُٹھایا اور اس آفیسر سے کہا۔

''جیمس ہولڈن کے بارے میں کچھ معلومات کرنا چاہتے ہو۔ براؤن جیک فائل کی تفصیل جاننا چاہتے ہو۔ تو کیا اس کا طریقہ کار یہی ہوگا مائی ڈیئر آفیسر......؟''

وہ آفیسر بھی چونک کر مجھے دیکھنے لگا تھا، جواب تک مجھ پر حاوی چلا آرہا تھا۔

''مطلب......؟''

اس نے غرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اب جب کہ یہ بات کھل چکی ہے کہ میں ڈان پرسیلے ہوں تو کم از کم تمہیں میرے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہئے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس کے بدلے میں تمہارے ساتھ کیا کچھ کرسکتا ہوں......؟''

''لیکن مجھے جو معلومات درکار ہیں، اگر تم نے ان سے انکار کیا ڈان پرسیلے......! تو میں اپنی زندگی کی بازی بھی لگا سکتا ہوں۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ میں ڈیڑھ دن سے بھوکا ہوں۔ کیا معلومات حاصل کرنے کے لئے بھوکا رکھنا ضروری ہے......؟ اور کیا اس طرح تم میری زبان کھلوا سکو گے......؟ یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے درمیان

سمجھوتہ ہو جائے۔''

میرے چہرے کی اور لہجے کی کرختگی اور بدلے ہوئے انداز نے ان سب لوگوں کو متاثر کر دیا تھا۔ آفیسر نے پلٹ کر اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا اور ایک پستہ بھاری بدن کا شخص بولا۔

''ٹھیک ہے......! انسانی ضرورتوں کو نظر انداز مت کرو۔''

''او کے......!''

جرمن آفیسر نے کہا اور اس کمرے میں مجھے ایک میز پر بیٹھ جانے کے لئے کہا گیا۔ اس کے بعد اس نے جرمن زبان میں اپنے چند افراد کو کچھ ہدایات دیں۔ میں سمجھ گیا تھا کہ کام بن گیا۔ چنانچہ وہ لوگ باہر نکل گئے۔ باقی افراد اس طرح خاموش کھڑے تھے جیسے ابھی تھوڑی دیر کے بعد عمدہ قسم کا تماشہ ہونے والا ہے۔

میں انتظار کرتا رہا۔ تقریباً دس بارہ منٹ کے بعد ایک ٹرے میں ناشتے کے لوازمات لائے گئے جو پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے۔ یہ تمام چیزیں میرے سامنے رکھ دی گئیں اور میں نے ان میں سے ہر پلیٹ خالی کر دی۔ یہاں تک کہ وہ کافی کا برتن بھی جس میں سے تقریباً ساڑھے تین پیالی کافی نکلی تھی۔ پیٹ بہت وزنی ہو گیا تھا اور کافی دیر کے بعد کھانے کو ملا تھا۔ اس لئے آنکھوں میں بوجھل پن پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن موت کے فرشتے سامنے کھڑے تھے۔ میں نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ جرمن آفیسر ایک بار پھر میرے سامنے آ گیا تھا۔

''میرا خیال ہے اب تم پُرسکون ہو ڈان پرسیلے......! مجھے بتاؤ جیمس ہولڈن کہاں ہے......؟ لیکن تمہاری معلومات بالکل درست ہونی چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے براؤن جیک فائل کی تفصیل بھی بتا دو۔ اپنے گروہ کے افراد پر پورا بھروسہ مت کرنا۔ یہاں کوئی تمہاری مدد کے لئے نہیں پہنچ سکے گا۔''

''آہ......! تم نے میرے ساتھ جو انسانیت کا سلوک کیا ہے مائی ڈیئر آفیسر......! اس کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ بھوک، پیاس انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورتیں ہیں۔ اگر یہ پوری نہ ہو تو زندگی ممکن نہیں ہے۔ موت اگر مقدر ہی ہے تو کھا پی کر کیوں نہ مرا جائے......؟ ویسے میرے خیال میں تم بالکل گدھے ہو، جب میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا کہ میں ڈان پرسیلے نہیں ہوں، تم نہ جانے کیوں مجھے وہی سمجھنے کی کوشش میں مصروف ہو......؟ سنو گدھے......! میں ڈان پرسیلے نہیں ہوں۔ اگر میری صورت اس سے ملتی جلتی ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

آفیسر غصے کی شدت سے پاگل ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ سب مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ چاروں طرف سے لاتیں، گھونسے اور تھپڑ پڑ رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک تو میں برداشت کرتا رہا، پھر بے ہوش ہو گیا۔ لیکن وہ پانی اُنڈیل اُنڈیل کر مجھے ہوش میں لانے لگے اور مرمت کرتے رہے۔ یہ کام انہوں نے تقریباً پورا دن کیا تھا۔ میرے بدن میں کیا کچھ باقی رہ گیا تھا......؟ اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بس یہی لگ رہا تھا جیسے پورا بدن پکے ہوئے پھوڑے میں تبدیل ہو گیا ہو۔ اس کے بعد ان کی وہ کوششیں بھی بے مقصد ہو گئیں جو

وہ پانی ڈال ڈال کر مجھے ہوش میں لانے کے لئے کرتے رہے تھے۔ میں ایسا بے ہوش ہوا کہ پھر دُنیا کی خبر نہ رہی اور تمام تکلیفوں سے عارضی طور پر نجات مل گئی۔

یہ عارضی وقفہ کتنا طویل تھا......؟ اس کا مجھے صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ زندگی بعض اوقات کتنی بڑی لعنت بن جاتی ہے، اس کا احساس مجھے ان دنوں ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیا وقت تھا......؟ کون سا لمحہ تھا......؟ اور کون سی جگہ تھی......؟ جب آنکھ کھلی تو نگاہوں کے سامنے دُھندلاہٹیں ختم ہونے لگیں اور دیواریں نظر آنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ماحول نگاہوں میں واضح ہو گیا۔ لوہے کا ایک پلنگ تھا جس پر پتلا سا ایک گدا بچھا ہوا تھا اور پلنگ کے اسپرنگ کے گدے پر نقش و نگار بن گئے تھے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ کسی اسپتال کے کمرے میں ہوں۔

میں لیٹا لیٹا حالات پر غور کرتا رہا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر میری تقدیر میں یہ سب کچھ کیوں لکھا ہے......؟ ایلورا اور اس کے شوہر کے تعلقات ایسے برے بھی نہیں تھے۔ ان لوگوں نے تو بہت اچھا سلوک کیا تھا میرے ساتھ، اور بلاشبہ ایک اچھے میزبان کے فرائض انجام دیئے تھے اور پھر ایلورا اسے چہرے کی تبدیلی کی بات میں نے خود ہی کی تھی اور اگر اس کے ذہن میں کوئی انتقامی جذبہ تھا یا وہ میرے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتی تو خود ہی مجھے اپنے کلینک میں داخل ہونے کی پیش کش نہ کرتی......؟

یہ سارے اتفاقات خود بخود ہی ہوئے تھے۔ اس نے جو چہرہ مجھے دیا تھا، آخر وہ ڈان پرسیلے سے کیسے جا ملا......؟ بہت غور کرنے کے بعد بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بدلا ہوا چہرہ اگر ڈان پرسیلے کا نہ ہوتا تو کیا میں مغربی جرمنی میں پُرسکون وقت نہیں گزار سکتا تھا......؟ ہر جگہ کوئی نہ کوئی مصیبت میرے سامنے کھڑی ہوتی تھی۔

''کیا ہے......؟ کیا ہے آخر یہ سب کچھ......؟''

بہت دیر گزر گئی اور میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ اسپتال کہاں واقع ہے......؟ اسپتال تک پہنچنے کی وجہ تو مجھے یاد تھی، جس طرح میری مرمت کی گئی تھی، اس کے بعد تو میری جگہ تین گز کی قبر تھی، لیکن بہر طور موت بھی اتنی آسانی سے نہیں آتی، جتنی تصور کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ موت نے میری کہانی ختم نہیں کی تھی۔

بعد میں حالات واضح ہوتے چلے گئے۔ یہ مشرقی جرمنی کے کسی دُور دراز علاقے میں واقع قیدیوں کا کیمپ تھا اور اس کیمپ میں یہ اسپتال بنا ہوا تھا۔ نہ جانے یہاں کس قسم کے قیدی رکھے جاتے تھے......؟ میری حالت کے پیش نظر انہوں نے مجھے اسپتال میں داخل کیا تھا اور جب میری حالت کچھ بہتر ہو جائے گی، تو اس کے بعد وہی تشدد مجھ پر دوبارہ شروع کر دیا جائے گا۔

میں ابرانوس کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ وہ بدبخت اب میرا ساتھ نہیں دے گا۔ ورنہ میری آواز پر ضرور میرے پاس پہنچتا۔ میرے اندر تو اتنی سکت نہیں تھی کہ میں یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر سکوں۔ صورت حال کا بھی کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا۔

بہرطور اسپتال میں کم از کم کھانے پینے کی سہولتیں تھیں۔ دیکھ بھال بھی صحیح طور پر ہو رہی تھی، لیکن اس اسپتال میں تمام مرد ہی تھے۔ میل نرس میری خدمت پر مامور تھے لیکن ان کے انداز میں کوئی خاص بات نہیں ہوتی تھی۔

بھوری داڑھی والا ایک درمیانی عمر کا ڈاکٹر میرے پاس آتا رہا تھا اور اس کا رویّہ دوسرے ڈاکٹروں سے ذرا مختلف ہوتا تھا۔ نرم لہجے اور شستہ انگریزی میں مجھ سے بات کرتا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ نسلاً جرمنی نہیں ہے۔ اس شام جب وہ کمرے میں آیا تو تنہا تھا اور اتفاق سے اس وقت میرے پاس بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ اس نے کمرے کا ماحول دیکھا۔ پھر ایک اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے سے باہر جھانکا اور پھر برق رفتاری سے میرے قریب پہنچ گیا۔

''مسٹر پرسیلے...... ! مجھے اب تک موقع نہیں ملا تھا کہ میں صورتِ حال سے آپ کو آگاہ کروں۔ لیکن اس وقت موقع مل گیا ہے۔ ہم سب صرف آپ کے زخموں کے ٹھیک ہو جانے کا انتظار کر رہے ہیں تا کہ آپ اپنے قدموں پر چل کر یہاں سے نکل سکیں۔ تیاریاں مکمل ہیں۔ مادام ڈی پارک پوری طرح سے اس علاقے پر اپنا تسلط جما چکی ہیں۔ آپ کی چوٹیں ٹھیک ہو رہی ہیں اور میرا خیال ہے، مزید ایک ہفتے کے اندر اندر آپ بالکل فٹ ہو جائیں گے۔ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ ہم آپ کو یہاں سے نکالنے کی تمام تیاریاں مکمل کر چکے ہیں۔ میں آپ کو یہی اطلاع دینا چاہتا تھا۔''

میں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا لیکن عقل نے ساتھ نہ دیا۔ بھلا کیا ضروری تھا کہ ایسے شخص کو، جو مجھے ڈان پرسیلے سمجھ کر یہاں سے نکالنے کی کارروائیوں میں مصروف ہے، اپنے بارے میں حقیقت بتاؤں......؟ چنانچہ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسی وقت باہر سے میل نرس کے قدموں کی آواز سنائی دی اور ڈاکٹر میرا معائنہ کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ میل نرس کاموں میں مصروف ہوئے لیکن میں آنکھیں بند کئے ڈاکٹر کے الفاظ پر غور کر رہا تھا۔ ڈان پرسیلے کی حیثیت سے کچھ لوگ مجھے یہاں سے نکالنے کی فکر میں سرگرداں تھے اور اس کے لئے کسی میڈم ڈی پارک نے یہاں انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ اگر میں ان لوگوں کو یہ بتانے کی کوشش کروں کہ درحقیقت میں ڈان پرسیلے نہیں ہوں، تو ظاہر ہے، پھر ان کی تمام دلچسپیاں ختم ہو جائیں گی۔ میں یہاں سے نکل بھی نہیں پاؤں گا اور وہ جرمن آفیسر مجھ سے یہ کہلوائے گا اور کہلوائے بغیر نہیں رہے گا کہ میں ڈان پرسیلے ہی ہوں۔ براؤن جیک فائل اور جیمس ہولڈن پتا نہیں کیا بلا تھے......؟

بہرحال دل میں یہی فیصلہ کیا کہ خاموشی اختیار کر کے حالات کا انتظار کیا جائے۔ اگر یہ لوگ مجھے ڈان پرسیلے کی حیثیت سے یہاں سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں تو انہیں مایوس کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں سے نکلنے کے بعد انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ میں ڈان پرسیلے نہیں ہوں اور وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اب یہی

PAKISTANIPOINT

سب کچھ زندگی میں رہ گیا تھا تو ہی سہی۔ میں کر بھی کیا سکتا تھا......؟

دن گزرتے رہے، کیمپ کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکی تھیں۔ اس شام ایک بار پھر ڈاکٹر میرے پاس آیا اور اس نے مسکراتے ہوئے زیرلب کہا۔

''آج کی رات خوشیوں کی رات ہے۔''

اس سے زیادہ اس نے اور کچھ نہیں کہا تھا۔ کیونکہ دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ موجود تھے لیکن میں اس کے الفاظ پر غور کرتا رہا اور پھر مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ خوشیوں کی رات کیا تھی......؟

رات کا دوسرا پہر تھا اور میں اپنے بستر پر نیم غنودگی کی کیفیت میں لیٹا ہوا تھا کہ پے در پے تین زوردار دھماکے ہوئے اور اس کے بعد اسٹین گنوں سے گولیاں برسنے کی آوازیں فضاء میں منتشر ہونے لگیں۔ میں بے اختیار اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ خوشیوں کی یہ رات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ اسٹین گنوں کے چلنے کی آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

پھر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ دفعتہً میرے کمرے کے دروازے پر زوردار ٹھوکر پڑی اور دروازہ پوری قوت سے کھل گیا۔ اندر داخل ہونے والی شخصیت ایک عجیب و غریب لباس میں ملبوس تھی۔ سیاہ چمکدار لباس، آنکھوں پر چوڑی پٹیوں کی نقاب سی چڑھی ہوئی تھی۔ لباس بدن پر منڈھا ہوا تھا اور اس سے بدن کی صحیح کیفیت کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ ایک انتہائی خوب صورت پیکر نسوانیت تھا جو اپنی فطرت کے خلاف اسٹین گن اُٹھائے ہوئے اندر گھسا تھا۔ اس کے ہمراہ پانچ افراد تھے جو خود بھی مسلح تھے اور ایسے ہی چست لباسوں میں ملبوس تھے۔ ان لوگوں نے جلدی سے آ کر مجھے سہارا دیا اور پھر کچھ کہے بغیر مجھے اُٹھائے ہوئے باہر لے چلے۔ میں نے منہ سے ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ کیونکہ صورتِ حال میری سمجھ میں آ گئی تھی۔

باہر باقاعدہ مقابلہ جاری تھا، لیکن یہ لوگ اپنے لئے صحیح راستہ منتخب کر چکے تھے۔ سیاہ رنگ کا ایک بڑا سا ٹرک وہاں کھڑا ہوا تھا۔ مجھے احتیاط سے اس ٹرک میں پہنچا دیا گیا۔ ٹرک میں اسٹریچر نما بستر بھی پڑا ہوا تھا جس پر مجھ سے لیٹ جانے کے لئے کہا گیا۔ وہ عجیب و غریب عورت، جو غالباً ان لوگوں کی سربراہ تھی، میرے بارے میں ہدایت جاری کر کے ٹرک سے واپس کود پڑی اور ٹرک چل پڑا تھا۔ میں نے اس دوران بولنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ کیونکہ اسی میں عافیت تھی۔

ٹرک کا یہ سفر بڑا پریشان کن تھا۔ کیونکہ وہ سیدھی سڑک پر سفر نہیں کر رہا تھا، بلکہ تھوڑی دُور چلنے کے بعد تو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ پہاڑی چٹانوں پر سفر کر رہا ہو۔ اسٹریچر بری طرح ہل رہا تھا، لیکن میرے دونوں طرف بیٹھے ہوئے لوگ مجھے سنبھالے ہوئے تھے۔ حالانکہ اب میری کیفیت ایسی نہیں تھی کہ میں اُٹھ کر بیٹھ سکتا اور اپنی حفاظت خود نہ کر سکتا، لیکن اتنی عقل آ گئی تھی کہ وہی ظاہر کروں، جو یہ لوگ چاہتے ہیں۔

چنانچہ میں اُچھل کود کو برداشت کرتا رہا۔ سفر بھی کم بخت کم نہیں تھا۔ حالانکہ ناہموار راستے تھے، لیکن

انہوں نے ٹرک کی رفتار تیز کر رکھی تھی اور بڑی مہارت سے ڈرائیونگ کی جا رہی تھی۔

دو یا ڈھائی گھنٹے صرف ہوئے اس سفر میں، لیکن اس دوران جسم کے تمام اندرونی اعضاء کی اوور ہالنگ ہوگئی تھی، بلکہ ممکن ہے، آنتوں نے اپنی جگہ تبدیل کر لی ہو۔ دل پھیپھڑوں میں گھس گیا ہو اور گردے حلق میں آگئے ہوں۔ بس ایسا ہی سفر تھا یہ، لیکن پھر یوں محسوس ہوا جیسے مصیبت کی رات کٹ گئی ہو اور سکون کا دن نمودار ہوتا جا رہا ہو۔

ٹرک اب چکنی اور ہموار سڑک پر تھا اور ٹرک کی رفتار کافی سبک ہوگئی تھی۔ میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ وہ لوگ جو ایک ایک ہاتھ سے مجھے سنبھالے ہوئے تھے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے آپ کو، اب پُرسکون ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ میں جانتا تھا کہ ان کی کیفیت بھی کافی خراب ہوگی، بلکہ شاید مجھ سے کچھ زیادہ ہی خراب ہو۔

مزید تیس بتیس منٹ تک ٹرک کا یہ سفر جاری رہا اور اس کے بعد وہ رُک گیا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اب مجھے کہاں لایا گیا ہے۔ بہرطور مجھے اسٹریچر سمیت ہی ٹرک سے اُتار کر ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ کمرہ دیکھ کر روح خوش ہوگئی۔ قالین بچھا ہوا، ایئر کنڈیشنڈ کمرہ تھا، جس مسہری پر مجھے لٹایا گیا تھا، اس کا گدا اتنا نرم تھا کہ میں اپنے آپ کو اس میں دھنستے ہوئے محسوس کرنے لگا۔ ٹمپریچر اتنا نفیس رکھا گیا تھا کہ نہ بدن کو سردی کا احساس ہو اور نہ ہلکی سی گرمی کا۔

فوراً ہی چند ڈاکٹروں نے میرا مکمل معائنہ کر کے دو انجکشن دیئے اور ایک ڈاکٹر نے میرے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ حیرت انگیز طور پر بالکل فٹ ہیں چیف......!''

میں نے اپنے ان ماتحتوں سے کوئی بات نہیں کی۔ بس، خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک حسین لڑکی اندر آئی۔ اس نے دودھ سے بنی ہوئی کوئی چیز مجھے کھلانی شروع کر دی۔ میں نے اس پر بھی تعرض نہیں کیا تھا۔ وہ اس طرح میرے بدن سے جڑی ہوئی بیٹھی تھی کہ مجھے ان حالات کے باوجود نیلس کی خاندانی کاک ٹیل یاد آگئی تھی۔

بہرحال یہاں ان سب لوگوں کا رویہ میرے ساتھ بہت ہی شاندار تھا لیکن میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ صرف اس وقت تک ہے جب تک یہ لوگ مجھے ڈان پرسیلے سمجھ رہے ہیں۔ جب حقیقت کا اندازہ ہوگا تو ان لوگوں کے رویے بھی بدل جائیں گے۔

اس سلسلے میں بہت کچھ سوچتا تھا اور کافی غور کرنے کے بعد میں نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ میں درحقیقت ڈان پرسیلے ہی ہوں، لیکن اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں اور غالباً اس کی وجہ مجھ پر ٹوٹنے والی مصیبتیں ہیں۔ کم از کم اس وقت تک تو گزارہ کروں جب تک پوری طرح ماحول سے روشناس نہ ہو جاؤں۔ فی الحال ڈان پرسیلے بن کر ان لوگوں کی مہمان نوازی حاصل کیے رہوں اور اس کے بعد اگر انہیں وقت سے پہلے یہ حقیقت معلوم نہ ہو

جائے کہ میں ڈان پرسیلے نہیں ہوں تو یہاں سے فرار ہونے کی کوشش ضرور کروں گا۔

اب تو مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں......؟ لیکن مشرقی جرمنی سے ٹرک کے ذریعے جتنا فاصلہ طے کیا گیا تھا، وہ اتنا طویل نہیں تھا کہ میں اپنے آپ کو جرمن علاقے سے دُور سمجھوں۔

یقیناً اب میں مغربی جرمنی میں ہوں۔ کاغذات وغیرہ تو نہ جانے کہاں رہ گئے تھے......؟ اب تو کچھ بھی نہیں رہا میرے پاس، لیکن ڈان پرسیلے کی حیثیت اگر برقرار رہے تو یہ مشکلات بھی حل ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس فیصلے کے بعد میں مطمئن ہو گیا اور خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔

ابھی تک مجھے ڈی پارک کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہیں ہو سکی تھیں۔ یہ بھی پتا نہیں چل سکا تھا کہ ڈان پرسیلے ہے کیا چیز......؟

''بہرحال پتا چل جائے گا۔ یوسف عارض کے بارے میں مجھے کون سا پتا تھا......؟ اور اس سے پہلے نہ جانے کون کون سے کردار مجھے مل چکے تھے۔ لعنت ہے ایسی شخصیت پر، جس کا اپنا کوئی وجود نہ ہو۔''

اور یہ لعنت مجھ پر مسلط تھی۔

دوسرے دن ناشتے سے فارغ ہو کر میں نرس کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک دراز قامت اور انتہائی حسین عورت جس کے سنہرے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور جس کے بدن کا تناسب پاگل کر دینے والا تھا، چند لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ عمر اٹھائیس انتیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ آنکھیں اتنی شفاف تھیں کہ اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آئی تھیں۔ ہونٹوں پر لگاوٹ کی مسکراہٹ تھی۔ وہ اندر داخل ہوئی اور میرے قریب پہنچ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ میرے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اس محبت کے جواب میں کیا کہوں......؟ لیکن فوراً ہی اپنے کردار کا احساس ہو گیا اور میں کھوئی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''اوہ میرے خدا......! مجھے اُمید نہیں تھی ڈیئر پرسیلے......! کہ اس طرح تمہیں اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ سکوں گی۔ ہم لوگ تو مایوس ہو گئے تھے لیکن نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ بات چھپی ہوئی تھی کہ ڈان پرسیلے ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو وقت کے ہاتھوں شکار ہو جاتے ہیں۔ ڈان پرسیلے عام انسانوں سے بہت مختلف چیز ہے اور پرسیلے......! میری جان......! تم جس سے دل چاہے پوچھ لو کہ میں نے تمہاری موت کا یقین نہیں کیا تھا۔ یہ اطلاع پہلے مجھ پر بجلی کی طرح گری تھی کہ تمہارا طیارہ حادثے کا شکار ہو کر نامعلوم مقام پر گر پڑا ہے۔ اس کی تصدیق بے شمار افراد نے کی۔ میں نے اپنی تمام تر کوششیں اس بات پر صرف کیں کہ طیارے کو تلاش کیا جا سکے۔ لیکن دوسروں کی طرح میں بھی ناکام رہی۔ کیونکہ وہ علاقے ناقابل گزر ہیں۔

البتہ کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال ضرور آتا تھا کہ کیا ڈان پرسیلے ایسے ہی کسی حادثے کا شکار ہونے کے لئے پیدا ہوا تھا......؟ وہ کسی بھی ایسے حادثے سے اپنے آپ کو بچانے کی قوت رکھتا تھا......؟ یہ احساس مجھے ہمیشہ رہا ڈان پرسیلے......! اور میں نے کبھی دل سے تمہاری موت کو تسلیم نہیں کیا۔

بالآخر میرے دل کی بات سچ ثابت ہوگئی اور وہ ذہین جرمن افسر بالآخر میرے ہاتھوں موت کا شکار ہوگیا جس نے اپنی دانست میں بہت بڑا تیر مارا تھا۔ تمہیں گرفتار کرکے وہ کم بخت جیمس ہولڈن کو حاصل کرنا چاہتا تھا جس کے بارے میں اسے معلوم نہیں کہ وہ سمندر کی گہرائیوں میں مچھلی کے پیٹ میں پہنچ چکا ہے اور اب کبھی روئے زمین پر برآمد نہیں ہوگا۔ براؤن جیک یہاں سے نہ جانے کہاں منتقل ہو چکا ہے لیکن ڈیئر پرسیلے......! تم مجھے اپنے بچنے کی داستان سناؤ۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اب تم جسمانی طور پر بالکل فٹ ہو۔''

لڑکی نے یا عورت نے محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا، لیکن میں نے اپنے چہرے کا کھویا کھویا انداز برقرار رکھا۔ وہ تھوڑی دیر تک دیکھتی رہی اور پھر دفعتاً اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔ برابر ہی ایک ڈاکٹر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا تو ڈاکٹر نے مغموم لہجے میں کہا۔

''ہاں میڈم ڈی پارک......! میں نے اپنی رپورٹ میں یہ بات تحریر کی ہے کہ مسٹر ڈان پرسیلے اس حادثے کے بعد ذہنی صدمے کا شکار بھی ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے، یہ کچھ عرصے کے لئے اپنی یادداشت کھو بیٹھیں اور یہ عرصہ زیادہ طویل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان کی ذہنی قوتیں عام لوگوں سے کہیں زیادہ ہیں، یہ خود اپنے آپ کو تلاش کر لیں گے۔ ویسے ہمارا علاج بھی جاری رہے گا۔''

''اوہ......! نہیں......!''

ڈی پارک نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ بہت بڑا المیہ ہے ڈاکٹر......! نہیں، پلیز نہیں......! کیا تم پورے بھروسے سے یہ بات کہتے ہو......؟''

''ہاں میڈم ڈی پارک......! اس کا خدشہ ہمیں پہلے ہی تھا۔''

ڈاکٹر نے جواب دیا اور ڈی پارک میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ یہ بھی نیلس کی خاندانی کاک ٹیل تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کاک ٹیل مجھ پر کیوں سوار ہوگئی تھی......؟ کم بخت نیلس نے مجھے دھوکے سے برباد کر دیا تھا اور اب میرے صاف ستھرے ذہن پر کالک لگ گئی تھی۔

ڈی پاک کے انداز میں بے پناہ محبت تھی اور مجھے یہ اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہوئی کہ وہ ڈان پرسیلے کو چاہتی تھی۔

بہرطور میرے لئے مشکلیں ہی مشکلیں تھیں۔ صرف کاک ٹیل ہی کے سہارے تو زندگی نہیں گزاری جا سکتی تھی۔ کیا کروں......؟ اس وقت مجھے کیا کرنا چاہئے......؟ اگر ان لوگوں کو حقیقت بتاؤں تو ممکن ہے اس سے بھی بڑی مصیبت میں پھنس جاؤں۔ چنانچہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہی جاری رہنے دیا جائے۔ ابھی حالات میرے موافق ہیں۔

ڈی پارک مجھ سے اظہارِ ہمدردی کرتی رہی۔ اس کے انداز میں دلجوئی تھی۔ پھر اس نے تمام لوگوں کو واپس چلے جانے کے لئے کہا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر بھی باہر نکل گیا۔ ڈی پارک بالکل ہی میرے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے جسم سے کاک ٹیل کی خوشبو اڑ رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کرکے دو تین بار سر کو زور سے جھٹکا، تاکہ اس احمقانہ سوچ سے نجات حاصل کرسکوں۔ لیکن بات صرف ذہن سے نکل جانے کی نہیں تھی۔ کم بخت ڈی پارک مجھے تحلیل کر رہی تھی اور اس وقت یہ دُہری اداکاری کرنا میرے لئے انتہائی مشکل کام تھا۔ ایک سمت تو ڈی پارک کی گرم جوشی، دوسری سمت ذہنی کیفیت بحال نہ ہونے کی اداکاری، اور پھر اپنے آپ کو ڈی پارک کی دسترس سے محفوظ رکھنا کہ کہیں حقیقت نہ کھل جائے، ڈی پارک نے کہا۔

''پرسیلے......! اپنے آپ کو پہچانو پرسیلے......! تم......تم بہت بڑے انسان ہو۔ تم وہ ہو، جس کے نام سے حکومتیں کانپتی ہیں۔ تم وہ ہو جو اپنی صلاحیتوں میں یکتا ہے۔ ڈان پرسیلے......! گریٹ ڈان پرسیلے......! اپنے آپ کو سنبھالو۔ اپنی ذہنی قوتوں کو واپس لے آؤ اور ان لوگوں کی خوشیوں کو پامال کردو جو تمہاری موت پر جشن منا رہے ہیں۔ انہوں نے تمہاری موت پر باقاعدہ تقاریب کی ہیں۔ خوشیوں کا اظہار کیا ہے، اور نہ جانے کیا کیا سوچ لیا ہے......؟ دُنیا کا بہت بڑا آدمی ڈان پرسیلے اس طرح ہراساں نہیں ہوسکتا۔ تمہیں اپنی ذہنی قوتوں کو واپس لانا پڑے گا۔''

وہ کہتی رہی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کے والہانہ جذبات کا اظہار بھی جاری رہا۔ میں نے اپنے آپ کو بالکل مردہ کر لیا تھا۔ یہی اس وقت ضروری تھا۔ ورنہ جرمنوں کی قید میں اگر دوبارہ ان لوگوں کو مجھ سے مشق آزمائی کا موقع مل جاتا تو اس کے بعد شاید میری یہ ہڈیاں ان کی ستم ظریفی کو برداشت نہ کر پاتیں اور کہانی ختم ہو جاتی۔

لیکن کہانی جاری رہنی چاہئے اور اسے جاری رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اب میں دل و جان سے اپنے آپ کو ڈان پرسیلے تسلیم کرلوں اور بعد کے جو اقدامات بھی ہوں، وہ ڈان پرسیلے کی حیثیت سے ہوں۔ اگر میں تھوڑی سی ذہانت سے کام لوں تو اس کردار کو اس وقت تک جاری رکھ سکتا ہوں جب تک کہ ڈان پرسیلے منظرِ عام پر نہ آجائے، جس طرح میری ملاقات یوسف عارض سے ہوئی تھی۔

کیسی عجیب بات تھی کہ اگر میں اپنی زندگی پر نگاہ دوڑاتا تو میرا سفر تقریباً یکساں تھا۔ اب تک یہی کیفیت رہی تھی کہ میری اپنی شخصیت کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جس کا دل چاہتا تھا، مجھے جس حیثیت سے چاہتا تھا، پکڑ کر لے جاتا اور اس اعتماد کے ساتھ کہ میں وہی ہوں۔ ایلورا سے چہرہ تبدیل کرایا، تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

ڈی پارک کی محبت آمیز باتیں جاری رہیں اور اس کے بعد اس نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''تمہیں تمہاری اصل حیثیت میں واپس لانا اب میری زندگی کا سب سے بڑا مشن ہے ڈان پرسیلے......! اتنا بڑا انسان ضائع نہیں ہوسکتا، کسی قیمت پر بھی نہیں۔''

میں نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈی پارک وہاں سے چلی گئی تو میں آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹ گیا اور نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا......؟

حالاتِ زندگی ایک نئی شکل میں دوبارہ جاری ہو گئے۔ مجھے اسپتال کے اس کمرے سے نکال لیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اسپتال کا نہیں، بلکہ ایک خوب صورت عمارت کا کمرہ ہے جو بون ہی میں ہے۔ بہت سے لوگ اس عمارت میں بکھرے ہوئے تھے۔ میں ڈان پرسیلے کے نام پر ان کی جانب متوجہ ہوتا تھا اور ڈاکٹروں کے مطابق یہ بات اُمید افزا تھی۔ کیونکہ میرے ذہن میں وہ قوتیں موجود تھیں جو بالآخر میری یادداشت واپس لانے میں معاون ہو سکتی تھیں۔

ڈی پارک شاید بہت مصروف عورت تھی۔ کیونکہ وہ زیادہ تر باہر ہی رہتی تھی، لیکن جب بھی آتی، اس کی محبتیں میرے لئے وقف ہوتیں اور میں جونیلس کی وجہ سے زندگی کی ایک اور لعنت کا شکار ہو گیا تھا۔ ڈی پارک کے آنے کے بعد اس لعنت میں مبتلا ہو جاتا۔ ڈی پارک کے لئے میں بہت کچھ تھا اور اب وہ میرے لئے بھی بہت کچھ تھی۔

آہستہ آہستہ اپنی حقیقتیں مجھ پر منکشف ہوتی جا رہی تھیں۔ ڈان پرسیلے دُنیا کا ایک بہت بڑا دہشت گرد تھا۔ کئی ملکوں میں اس کی فائلیں کھلی رہتی تھیں۔ ایک مشن سے خصوصی طیارے میں واپس لوٹ رہا تھا کہ دُشمنوں کی سازش کا شکار ہو گیا۔ طیار فضاء میں پھٹ گیا اور اس کا ملبہ کسی ناقابل عبور علاقے میں جا پڑا اور ڈان پرسیل کی موت کو تسلیم کر لیا گیا۔ ماتمی کارروائیاں ہوئیں اور پرسیلے کی محبوبہ ڈی پارک نے گروہ کا انتظام سنبھال لیا اور اسے ڈان پرسیلے کے نام پر ہی چلانے لگی۔

گروہ کے سپرد دُنیا کے بہت سے ممالک کی بہت سی ذمہ داریاں تھیں، جنہیں ڈی پارک اپنے طور پر انجام دے رہی تھی۔ لیکن ڈان پرسیلے کی کمی کو آج تک پورا نہیں کیا جا سکا تھا۔ پھر ان لوگوں کو اطلاع ملی کہ پرسیلے زندہ ہے اور مشرقی جرمنی کے قصبے میں ہے۔ چنانچہ ڈی پارک نے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر کے ڈان پرسیلے کا پتا چلایا اور بالآخر اسے مشرقی جرمنی کی قید سے آزاد کرا لیا گیا۔

اب تک کی کہانی یہ تھی۔ اس کہانی کو سننے کے بعد میں نے اپنے ذہن کو ان لائنوں پر منتقل کر دیا کہ ڈان پرسیلے کی حیثیت سے میں اپنی زندگی کو آگے بڑھا سکتا ہوں۔ کیا میں اس حیثیت کو برقرار رکھ سکوں گا......؟ کم از کم ایک حیثیت تو ملے......؟ یہاں تو مصیبت یہ تھی کہ میں ہر شخص کا رشتے دار تھا اور ہر شخص میرا دُشمن تھا۔ آج کسی کی آغوش میں تو کل کسی کے پہلو میں، کبھی اذیتوں کا شکار، کبھی عیش گاہوں میں۔ کتنے ہی ایسے تھے جو میری تاک میں تھے اور ایسے ابھی کتنے ہوں گے، جن کے ہاتھوں میں نہ جانے کیسی کیسی مصیبتوں کا شکار رہوں گا۔

زندگی میں بارہا یہ سوچا تھا کہ کوئی تو ایسی حیثیت ملے جو برقرار رہ سکے، لیکن میری زندگی کچھ زیادہ ہی متحرک تھی۔ میں نے دل میں ایک فیصلہ کیا کہ اب چاہے کچھ بھی ہو جائے، ڈان پرسیلے ہی بن کر جیوں گا اور اگر

کبھی اصلی ڈان پرسیلے آ جائے اور خود مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دے تو دوسری بات ہے۔ بلکہ اس سے بھی یہی کہوں گا کہ اصلی ڈان پرسیلے میں ہی ہوں۔ اگر نہیں ہوں تو وہ خود بتا دے کہ میں کیا ہوں......؟ لیکن اس راستے پر قدم بڑھانے کے لئے کیا میری ذہنی صلاحیتیں کارآمد ہوں گی......؟

تب دل میں سوچا کہ اس دُنیا کا کاروبار ایسے ہی چل رہا ہے۔ بعض اعلیٰ انتہائی صلاحیتوں کے لوگ اپنی صلاحیتوں کو کام میں نہیں لا سکتے اور بعض انٹرنیشنل گدھے، واقعی انٹرنیشنل بن گئے ہیں، تو پھر میں بھی کیوں نہ ان گدھوں کی صف میں شامل ہو جاؤں......؟

ڈی پارک، باعمل ہے اور میں اس کی محبتوں کا مرکز۔ اپنے آپ کو ڈی پارک کی پذیرائی کے لئے تیار رکھوں۔ باقی کام وہ خود سنبھالتی رہے گی۔ دُنیا کا عظیم دہشت گرد فی الحال کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ہے۔ جہاز کے حادثے میں وہ اس قدر حواس باختہ ہو چکا ہے کہ اپنے آپ کو تو جانتا ہے لیکن اس کی ذات سے کیا کچھ وابستہ ہے......؟ وہ اسے یاد نہیں رہا۔

میں اب تک کی دیکھی ہوئی ان تمام فلموں کا ذہنی تجزیہ کرنے لگا جن میں کھوئی ہوئی یادداشتیں کے مریضوں کو دکھایا جاتا ہے۔ میں ان تمام قصے کہانیوں پر غور کرنے کے لگا جو اس سلسلے میں پڑھی تھیں۔ مختلف اداکاروں نے اپنے آپ کو کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ظاہر کرنے کے لئے جو پرفارمنس دی تھی، اسے بھی ذہن میں دُہرانے لگا۔ اپنی طرف کی فلموں میں تو کوئی ایکسیڈنٹ یادداشت کھو دیتا تھا، پھر سر میں لگنے والی کوئی چوٹ یا کسی حسینہ کا رقص یا کوئی خاندانی گانا یاد دلا دیتا تھا، لیکن ان فلموں پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

ہاں......! گریگوری پیک کی ایک فلم ''پرپل پلین'' دیکھی تھی جس میں گریگوری پیک کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض تھا اور اس نے لاجواب اداکاری کی تھی۔ کم از کم اس معیار کی اداکاری میرے لئے کارآمد ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اب تک جو کچھ کرتا رہا ہوں، اس میں سب سے اہم کام یہی ہے کہ ڈی پارک اور اپنے ساتھیوں کے سامنے اپنے آپ کو بہترین کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ثابت کروں، لیکن یہ بھی ثابت نہ ہونے دوں کہ میں اپنا نام تک نہیں پہچانتا۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

بون کے اس پُرفضاء مقام پر میری جسمانی قوتیں تو بحال ہو گئی تھیں، مجھے تھوڑی سی چہل قدمی کی اجازت بھی دے دی گئی تھی۔ ڈی پارک یہاں اتنی مضبوط تھی کہ اسے اس بات کا قطعی خدشہ نہیں تھا کہ برلن میں وہ جو کچھ کر کے آئی ہے، اس کے نتائج یہاں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ میں نے اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ میری حفاظت کے لئے کیا کچھ کیا گیا ہے......؟ کچھ نے ڈاکٹروں کو مختلف علاقوں سے بلایا گیا تھا، جن پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ میرا مکمل تجزیہ کرنے کے بعد میرا علاج کریں۔ ان میں سب سے نمایاں شخصیت ڈاکٹر برائن کی تھی۔ بلند و بالا قد و قامت کے مالک ڈاکٹر برائن، بہت ہی نفیس شخصیت رکھتے تھے اور مجھے ان کے سامنے بے لباس ہونا پڑا۔

میرے ایک ایک عضو کی جانچ پڑتال کی گئی لیکن ڈاکٹر برائن کو شاید میرے لئے کچھ پریشان ہونا پڑا

تھا۔ کیونکہ میری دماغی تصویر یہ ثابت کرتی تھی کہ میرے ذہن میں کوئی خرابی نہیں ہے، لیکن میں ڈان پر سیلے کی حیثیت سے ان ساری باتوں کو بھول گیا تھا جو مجھ سے متعلق تھیں۔ اس کے لئے ڈی پارک سے بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر برائن نے کہا۔

''بعض اوقات کوئی ایسا حادثہ جو غیر متوقع ہو، انسانی ذہن کو نامحسوس گرد میں چھپا لیتا ہے اور بے شمار چیزیں عارضی طور پر اوجھل ہو جاتی ہیں۔ وہ حادثہ جو فضائی سفر میں پیش آیا، مسٹر ڈان پر سیلے کے لئے بالکل غیر متوقع تھا اور ان کا ذہن اس دُھند میں لپٹ گیا ہے، یہ دُھند رفتہ رفتہ ہی چھٹے گی اور اگر جلد بازی کر کے اس دُھند کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو دماغ کے دوسرے خلیے بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔''

پتا نہیں یہ بات ڈاکٹر برائن نے اپنی جان چھڑانے کے لئے کہی تھی یا پھر واقعی اس میں کوئی طبی نکتہ تھا۔ ڈی پارک نے ڈاکٹر برائن سے درخواست کی کہ وہ اپنا کام شروع کر دیں۔ رفتہ رفتہ ہی سہی، لیکن ڈان پر سیلے کا ذہن اسے واپس ملنا چاہئے اور اس کے لئے ڈاکٹر برائن نے ایک تجویز پیش کر دی، انہوں نے کہا۔

''اس کے لئے ضروری ہے میڈم ڈی پارک......! کہ مسٹر ڈان پر سیلے کو ایک ہی جگہ قید نہ رکھا جائے۔ میں مشورہ دیتا ہوں کہ آپ انہیں اپنے بحری جہاز میں لے چلیں۔ علاج کے لئے اس سے عمدہ جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ ہم جہاز ہی میں ایک عمدہ اسپتال قائم کر لیں گے۔ یہاں جدید ترین ذرائع سے ڈان پر سیلے کا علاج کیا جائے گا۔ میں وہ تمام چیزیں اس جہاز میں منگوالوں گا جس کی مجھے ضرورت ہوگی اور اس وقت تک یہ علاج جاری رکھوں گا جب تک کہ ڈان پر سیلے ذہنی طور پر مکمل صحت یاب نہ ہو جائیں۔''

ڈی پارک نے اپنی تجویز کو پسند کیا تھا اور اب مجھے علم ہوا تھا کہ ہمارا اپنا کوئی بحری جہاز بھی ہے۔ ویسے تو میں بحری جہاز میں بہت عمدہ سفر کر چکا تھا، جس میں میرے ہمراہ گینس بھی تھی، لیکن اب میں جس حیثیت سے بحری سفر کرنے والا تھا، وہ بالکل مختلف ہوگا۔

زندگی کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ کتنی طویل ہے اور پھر مجھ جیسے انسان کے لئے، جسے اس دُنیا میں کسی کی حاجت نہیں تھی، جسے علم تھا کہ دُنیا کے کسی گوشے میں کوئی اس کا انتظار نہیں کر رہا ہوگا۔ اگر ضرورت تھی تو صرف اس بات کی کہ میری زندگی پُرسکون اور اطمینان بخش گزرے، اور اس کے لئے ہی میں سرگرداں تھا۔

چنانچہ اگر بغیر کسی دِقت کے ڈان پر سیلے کی حیثیت سے مجھے یہ زندگی حاصل ہو رہی تھی، تو کیا حرج تھا......؟ میں دل میں مسرور تھا کہ چلئے کوئی تبدیلی تو ہوئی۔ ماضی کے بہت سے نقوش ذہن کے خانوں پر بنتے بگڑتے رہتے تھے، لیکن انسان کے لئے بہتر یہی ہوتا ہے کہ حالات میں مست ہو جائے۔ ماضی کی یادیں صرف یادیں ہوتی ہیں۔ ان سے اگر رابطہ رکھا جائے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اب میں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر ڈان پر سیلے سمجھ لیا تھا اور ضروری نہیں تھا کہ ماضی کی یادوں میں کھونے کی کوشش کروں۔

میرے لاتعداد ہمدرد، میرے گرد بکھرے ہوئے تھے۔ نیلس نے جو اپنی خاندانی کاک ٹیل پلائی تھی،

اس نے آج تک مجھے اپنی گرفت میں جکڑا ہوا تھا اور بہر طور زندگی کا یہ رُخ ہر چند کہ اس سے پہلے کبھی میری زندگی میں شامل نہیں ہوا تھا لیکن ایک انسان کی حیثیت سے میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ سب کچھ بھی ضروری ہے۔

بحری جہاز کا مسئلہ شاید ابھی کسی اُلجھن میں تھا، لیکن میں نے اس کے لئے کبھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔ ڈاکٹر برائن میرے مستقل ڈاکٹر تھے۔ پتا نہیں ڈان پر سیلے کے گروہ میں ان کی کیا حیثیت تھی......؟ لیکن کم از کم مجھے اس مسئلے پر ہنسی آتی تھی۔ کیونکہ وہ بے چارے مسلسل میرے معالج بنے ہوئے تھے اور میرے علاج کے لئے مختلف طریقے دریافت کرتے رہتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انہیں اپنی حیثیت اور زندگی برقرار رکھنی تھی۔

ڈی پارک سے میری تنہا ملاقاتیں جاری رہیں۔ عجیب وغریب خاتون تھی یہ، پتا نہیں ڈان پر سیلے سے اسے کیا عقیدت تھی......؟ میری ہر بات کو اس طرح سراہتی تھی جیسے ان کے لئے کسی دیوتا کا فرمان ہو۔ بذاتِ خود بہت زیرک و ذہین عورت تھی لیکن میرے سلسلے میں شاید اس نے عقل کی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

پھر ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔

''سوری ڈیئر......! جب تک تم صحت مند نہیں ہو جاتے، میں تمہاری ذمہ داریاں اسی طرح نبھاتی رہوں گی، جس طرح تم خود۔ شاید یہ بات ابھی تمہارے ذہن میں صحیح طور پر نہ آئے ڈان پر سیلے......! کہ فضائی حادثے کے بعد بہت سے لوگ اس بات کے لئے تشویش کا شکار ہو گئے تھے کہ جو ذمہ داریاں انہوں نے تمہارے سپرد کی ہیں، اب ان کا کیا ہوگا......؟

لیکن میں نے تمہارے نام پر بے شمار معاملات نمٹا دیئے ہیں اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ڈان پر سیلے اب اس گروہ کی سربراہی نہیں کر رہا اور اس وقت تک ڈان پر سیلے......! جب تک تم یہ ساری ذمہ داریاں نہیں سنبھال لیتے، میں تمہارا کام انجام دیتی ہوں گی۔

چنانچہ میں زندگی میں کچھ عرصے کے لئے تم سے جدا ہو رہی ہوں۔ کچھ ایسے ہی کام کرنے ہیں۔ تمہاری نگہداشت کے لئے میں نے ایک پینل بنا دیا ہے جس میں مختلف لوگوں کو تمہاری دیکھ بھال کے لئے مختلف ذمہ داریاں سونپ دی گئی ہیں۔ میں ان سب سے تمہارا تعارف کرا دوں گی اور اس کے بعد تم بحری جہاز پر پہنچ جاؤ گے۔ وہاں برائن کی نگرانی میں تمہارے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس تھکے تھکے سے انداز میں کرسی پر بیٹھا ڈی پارک کی صورت دیکھتا رہا۔ یہی مستقل انداز میں نے اختیار کر رکھا تھا۔ ڈی پارک مجھے اس کیفیت میں دیکھ کر آزردہ ہو جاتی تھی۔ اب تک کی تمام کاوشیں اس کی اپنی تھیں۔ میں نے اپنے آپ کو ایک ڈمی کی حیثیت سے رکھا تھا، جس سے جو کام بھی لیا جاتا ہو، اپنے طور پر لے لیا جائے۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے سر کے بالوں کو بکھیرا اور پھر وہاں سے چلی گئی۔

اسی شام پانچ حسین وخوب صورت لڑکیاں میرے سامنے پہنچ گئیں۔ ان کے انداز میں ادب و احترام تھا۔ ڈی پارک نے ان میں سے ایک کا تعارف کراتے ہوئے مجھ سے کہا کہ یہ میرے لباس اور کھانے کا

خیال رکھے گی۔ دوسری لڑکی جو چہرے سے فلسفی معلوم ہوتی تھی اور آنکھوں پر موٹے فریم کا چشمہ لگائے ہوئے تھی، میری ذہنی تربیت پر متعین کی گئی تھی۔ اسی طرح باقی تین لڑکیاں بھی میری جسمانی محافظ تھیں اور انہیں ڈاکٹر برائن کی زیر ہدایت کام کرنا تھا۔ میں نے ان لڑکیوں کے نام وغیرہ یاد کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

ڈی پارک نے ڈاکٹر برائن کو بلا کر آخر ہدایات جاری کیں اور پھر ان سب کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کر دیا اور پھر رات کے تقریباً ایک بجے تک وہ میری دلجوئی اور محبت کا اظہار کرتی رہی۔ اسے دو بجے اپنی کسی مہم پر روانہ ہونا تھا۔ میں ایسی مہمات پر لعنت بھیجتا تھا۔ ڈی پارک، جب تک مجھے اس حیثیت سے دھکیلتی رہے، ٹھیک ہے، مجھے کیا ضرورت پڑی تھی کہ میں اپنا ذہنی توازن درست کرنے کی کوشش کرتا......؟ حماقت کی بات تھی، جب یہ خاتون ڈی پارک، اس بات سے مایوس ہو جائے گی کہ ڈان پر سیلے کسی طور ٹھیک ہونے میں نہیں آتا تو پھر یہ جو بھی فیصلہ کرے گی، اسے قبول کر لوں گا۔ گویا یہ مفت خوری کی ابتداء تھی۔

تقریباً ڈیڑھ یا پونے دو بجے ہوں گے۔ ڈی پارک مجھ سے رُخصت ہو کر چلی گئی اور اس کے بعد میں آرام سے گہری نیند سو گیا۔

دوسرے دن تقریباً نو بجے آنکھ کھلی تھی۔ میرے کھانے پینے کا خیال رکھنے والی لڑکی جس کا نام نوئیل تھا، میرے پاس پہنچ گئی۔

غسل کے لئے مجھے غسل خانے میں بھیجا گیا اور پھر سلک کے ایک حسین گاؤن میں ملبوس کر کے ناشتے کی میز پر لے جایا گیا، جس کے گرد تین چار افراد مؤدب کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے ناشتہ کرایا گیا۔ اس وقت جو حیثیت مجھے حاصل ہو چکی تھی، وہ کسی بھی طرح دُنیا کے دولت مند ترین لوگوں سے کم نہیں تھی۔

مجھے اوناسس یاد آ رہا تھا جس کی امارت کی داستانیں زمانے بھر میں مشہور تھیں۔ میرے خیال میں اپنی ذاتی زندگی میں اسے بھی اس سے زیادہ آسائشیں حاصل نہیں ہوں گی۔

پورا دن مختلف قسم کے ڈراموں میں گزر گیا۔ لباس کا انتخاب، دس بجے سے لے کر ایک بجے تک کی مصروفیات، جن میں چہل قدمی شامل تھی، پھر لنچ، لنچ کے بعد دو گھنٹے کا آرام، شام کو ایک خوب صورت علاقے میں چہل قدمی، رات کو بون کے ایک نائٹ کلب میں خوب صورت پروگرام اور اس کے بعد واپسی اور آرام۔ بستر پر لیٹ کر میں بہت دیر تک ہنستا رہا تھا۔ خواہ مخواہ ہی بدن میں گدگدیاں سی ہو رہی تھیں۔

دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹر برائن نے مجھ سے کہا کہ میں بحری جہاز پر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤں۔ بے چارہ ڈاکٹر برائن بہر طور اپنا فرض نبھا رہا تھا اور میرے لئے ہر وہ کوشش کر رہا تھا، جو کر سکتا تھا۔

سمندر تک جانے کے لئے مجھے ایک شاندار کار مہیا کی گئی، جس کا سفر کافی طویل تھا۔ میرے ساتھ

تین لڑکیاں تھیں جو میری جسمانی محافظ تھیں۔ بندرگاہ پر جس جگہ ایک انتہائی خوب صورت اور عظیم الشان جہاز لنگر انداز تھا، عام لوگ موجود نہیں تھے۔ یہ کوئی الگ تھلگ جگہ تھی، جہاں سے مجھے اس جہاز پر لے جایا گیا۔ جہاز کا کپتان ایک بلند و بالا قد کا نوجوان آدمی تھا۔ مجھے بڑے اہتمام سے جہاز پر خوش آمدید کہا گیا۔ کپتان نے آگے بڑھ کر میرے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔

’’ڈان پر سیلے کو دوبارہ زندہ اور صحت یاب دیکھ کر مجھے کس قدر خوشی ہوئی ہے، اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔‘‘

جہاز کے عملے کے افراد قطار کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر برائن کی رہنمائی اور کپتان کی سرگردی میں جہاز کا اندرونی سفر طے کرتا ہوا میں اس شاندار کیبن میں پہنچ گیا، جو میری آرام گاہ کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔

اس کیبن کے اطراف میں میری نگرانی خواتین کے کیبن تھے۔ دماغ ہوا میں اُڑا جا رہا تھا۔ کئی بار اپنے بدن پر چٹکیاں بھر کر دیکھ چکا تھا کہ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا، ورنہ یہ عیش اور عشرت، یہ شہزادوں جیسی شان، بلکہ شہزادوں کی ایسی تیسی، میں تو شہنشاہوں کی مانند اس جہاز پر پہنچا تھا۔ کہیں یہ سب کچھ کوئی خواب تو نہیں ہے......؟

لیکن کیبن کا حسین اور آرام دہ بستر، اطراف میں سجاوٹ کی اشیاء، سب کچھ ایک ٹھوس حقیقت تھی اور کہیں بھی خواب کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے ان حقیقتوں کو تسلیم کر لیا اور اب انہیں برقرار رکھنے کے لئے کوشش کرنا تھی۔

بحری جہاز کا سفر شروع ہو گیا۔ میرے معمولات، میری ان پانچ نگرانوں نے طے کر لئے تھے اور انہی کے مطابق مجھے اس جہاز پر زندگی بسر کرنی تھی۔ نہ جانے کب تک......؟ لیکن اس بار میں ہمیشہ سے زیادہ خوش تھا۔ زندگی میں اگر یہ عیش مل جائیں اور زندگی مختصر ہو جائے تو گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اس اُصول کے تحت ذہنی طور پر آزاد کر دیا تھا۔

نوئیل بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ اسے میری تربیت کا کام سونپا گیا تھا۔ یعنی صبح کو جگانا، غسل کرنا، لباس کا انتخاب کرنا اور اس کے بعد ناشتہ تیار کر کے دینا۔ یہ اس کی ذمہ داریاں تھیں۔ معمولات سے فارغ ہو کر میرے لئے وقت کا لباس مہیا کرنا اور رات کو تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد لباس تبدیل کر کے بستر تک پہنچا دینا۔

جہاز پر میرا پہلا ہی دن تھا اور دن کا آغاز خاصا دلچسپ رہا تھا۔ شام کو چھ بجے کے قریب عرشے پر کھڑے ہو کر میں نے سمندر کا نظارہ کیا اور بے کراں وسعتوں میں نہ جانے کیا تلاش کرنے لگا......؟ یہ جہاز میرے لئے سفر کر رہا تھا۔ اگر اپنے پرانے دوست پاؤں اور دیگر لوگوں سے مُلاقات کر کے اپنی زندگی کی یہ کہانی

سناؤں تو شاید سب یہی سمجھیں گے کہ میں نے اپنی عادت کے مطابق کوئی احمقانہ خواب دیکھا ہے۔ کاش یہ میری زندگی کی انتہاء تک جاری رہے۔

جہاز کا سفر بے حد دلکش تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے مجھے کھانے کے لئے جہاز کے ایک گوشے میں لے جایا گیا۔ جہاں انتہائی نفاست سے لان بنایا گیا تھا۔

خوش نما پھول اور نیچے موجود گھاس، جسے دیکھ کر تعجب ہوا تھا کہ سمندر کے سینے پر رواں دواں اس جہاز کو زمینی شکل کیسے دی گئی کہ اس پر گھاس اُبھر آئی، لیکن جدید دور کے لوگ شاید خلاء میں بھی روئیدگی پیدا کر لیں اور انہیں اس میں کوئی دقت نہ ہو۔

آرکسٹرا مسحور کن دھیمی دھیمی موسیقی بکھیر رہا تھا۔ جس خاتون کے سپرد کھانے پینے کی ذمہ داریاں عائد کی گئی تھیں، وہ اپنی نگرانی میں انتظامات کرا رہی تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد موسیقی کا ہلکا پھلکا پروگرام رہا اور اس کے بعد نوئیل نے مجھے میرے کیبن میں پہنچا دیا۔ اس نے پیار بھرے انداز میں میرے لئے سلیپنگ ڈریس نکالا اور اس کی کوشش میں مصروف ہوگئی کہ خود ہی مجھے وہ لباس پہنا بھی دے۔ جہاز پر میں اس لڑکی کی بدلی ہوئی کیفیات کو محسوس کر رہا تھا۔

غالباً اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس کیبن سے واپس چلی جائے لیکن اب میں اتنا احمق بھی نہیں تھا۔ عورتوں کے بارے میں میری معلومات وسیع نہیں تھیں، لیکن اتنا جانتا تھا کہ ڈی پارک کی قیمت پر یہ نہیں پسند کرے گی کہ اس نے جن لڑکیوں کو میرا محافظ مقرر کیا ہے، وہ محافظ سے زیادہ کوئی حیثیت اختیار کر جائیں۔ چنانچہ میں نے نوئیل کی پذیرائی نہیں کی اور وہ شرمندہ سی واپس چلی گئی۔ غالباً اس کو اس کی توقع نہیں تھی کہ میں اتنا خشک ثابت ہوں گا۔

دوسرے دن سے میرا علاج بھی شروع ہوگیا۔ بے چارے ڈاکٹر برائن کے بارے میں، میں جانتا تھا کہ علاج کرنے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ وہ ڈاکٹر کی حیثیت سے میرا ذہنی تجزیہ کر چکا تھا اور یقیناً اسے جو طبی رپورٹ موصول ہوئی ہوگی، وہ اسے یہ بتاتی ہوگی کہ میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے، لیکن بہرحال اسے اپنی حیثیت بھی برقرار رکھنی تھی۔ میرے علاج کے ساتھ ساتھ میرا ذہنی علاج بھی ہونے لگا تھا۔ چنانچہ آج گیارہ بجے مجھے ایک ایسی جگہ لے جایا گیا جو ایک لائبریری کی حیثیت رکھتی تھی اور اس کے بعد کیبن کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔

یہ بات کچھ دیر تک تو میری سمجھ میں نہیں آئی تھی، لیکن پھر آہستہ آہستہ میں حقیقت حال کو سمجھ گیا۔ اس کیبن میں میری زندگی سے متعلق یعنی ڈان پر سیلے کی زندگی سے متعلق بہت سے کاغذات، دستاویزات، کتابیں وغیرہ تھیں۔

میں نے نیم دلچسپی سے میز پر رکھے ہوئے فائل کی ورق گردانی شروع کر دی اور اس کے بعد میری

دلچسپی کچھ اور بڑھ گئی۔ اس فائل میں میرے ایک کیس کی تفصیل تھی اور اس کی تکمیل کے بعد ایک عظیم الشان معاوضے کے کاغذات تھے جو میں نے وصول کیا تھا۔

ایک ارب ڈالر......! میری آنکھیں حیرت کے باعث پھیل گئیں۔ اگر ایک کیس کی تکمیل کے لئے ڈان پر سیلے نے ایک حکومت سے اتنی بڑی رقم حاصل کی تھی تو اس کی مالی حیثیت کیا ہو سکتی ہے......؟ یہ تو صرف ایک فائل تھا۔ میں نے انتہائی دلچسپی سے ان فائلوں کی ورق گردانی شروع کر دی اور مجھے ایک ایسی فائل دستیاب ہوگئی جس میں ڈان پر سیلے کی تمام حقیقت درج تھی۔

ڈان پر سیلے کے واقعات زندگی پڑھتے ہوئے میں نے اس قدر محو ہوگیا کہ مجھے کسی کے آنے کی خبر تک نہیں ہوئی۔ پھر میں اس وقت چونکا جب میرے کھانے پینے کا خیال رکھنے والی لڑکی نے انتہائی حسین ترین برتن میں کافی میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے ایک نگاہ کافی کی طرف دیکھا۔ بڑے اطمینان سے کافی کی پیالی اُٹھائی، ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور دوبارہ فائل کی ورق گردانی میں مصروف ہوگیا۔ لڑکی مسرور انداز میں واپس چلی گئی تھی۔

میں ڈان پر سیلے کے واقعات زندگی، اس کی شخصیت، قومیت، عمر، تصریحات اور دلچسپیوں سے اس قدر روشناس ہوگیا کہ اب میں اپنے آپ کو ڈان پر سیلے کی حیثیت سے ساری زندگی قائم رکھ سکتا تھا۔ میرے دوستوں نے میری اتنی بڑی مشکل خود ہی حل کر دی تھی۔ اب میں یہ جان گیا تھا کہ کون سی حکومت کے وزیر خارجہ سے میرے تعلقات کیسے ہیں......؟

کون سی حکومت کے صدرِ مملکت میرے ساتھ مہینوں چھپتے پھرے ہیں......؟

کون سے ملک میں میری قائم کی ہوئی حکومت ہے......؟

اور کون سے ملک میں کہاں میرے ایسے دُشمن موجود ہیں جو میری زندگی کے حصول کے لئے اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہیں......؟

یہ معلومات معمولی نہیں تھیں اور ان معلومات سے دہشت گرد ڈان پر سیلے کی حقیقت معلوم ہوتی تھی۔ بلاشبہ میں جس آدمی کا کردار ادا کر رہا تھا، وہ دُنیا کا خطرناک ترین آدمی تھا۔ دہشت اور بربریت میں بے مثال، ذہانت میں اعلیٰ ترین، جسمانی کارکردگی میں ہزاروں افراد کا مجموعہ، دُنیا میں بے مثال، وہ تمام انسانی خوبیاں اس میں جمع ہوگئی تھیں جو کسی ایک انسان میں کبھی نہیں پائی جا سکتی تھیں۔ مجھے ہنسی آنے لگی۔

میں اگر ڈان پر سیلے کی حیثیت سے کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں تو رونے پیٹنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں......؟ کم از کم ایسے کسی موقع پر ان لوگوں کو بہت مایوسی ہوگی، لیکن دماغ درست کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے......؟ ڈاکٹر برائن یا دُنیا کا کوئی بھی بڑے سے بڑا ماہر امراض دماغ کم از کم میرا دماغ درست نہیں کر سکتا تھا۔

بہت دلچسپ صورتِ حال تھی۔ بشرطیکہ ڈی پارک مجھ سے بددل اور مایوس نہ ہو جائے۔ مایوس ہو کر

اگر وہ ایک محبت کرنے والی کی حیثیت سے مجھے سنبھال لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

"لیکن اگر بددل ہو کر اس نے اُٹھا کر مجھے سمندر میں پھینک دیا تو کیا ہوگا......؟"

لیکن خوف کے اس خیال کو میں نے فوراً ہی ذہن سے نکال پھینکا تھا۔

"کیا حماقت ہے......؟ جب کچھ حاصل ہو جاتا ہے تو ہم کھو جانے کے خوف کا شکار رہتے ہیں۔ اس حاصل سے کیوں نہ لطف اُٹھایا جائے۔ کھوئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

چنانچہ اس مقولے کے مترادف میں زندگی گزارنے لگا۔ کچھ چیزوں کی کمی محسوس ہوتی تھی، جیسے نیلس کی خاندانی کاک ٹیل، لیکن اس کے بغیر گزارہ کیا جا سکتا تھا۔ میرے معمولات اس جہاز پر متعین ہو گئے تھے اور میری خادمائیں انہیں بڑے اہتمام سے سرانجام دے رہی تھیں۔

☆......☆......☆

جہاز سمندر کے سینے پر رواں دواں تھا۔ اس کا سفر کس نوعیت کا تھا......؟ اور اس کا رُخ کس سمت تھا......؟ اس کے بارے میں کسی نے مجھے نہیں بتایا اور نہ ہی میں نے جاننے کی کوشش کی۔ کپتان جانے اور اس کا کام......! اور میرا خیال ہے، جہاز کو کوئی ایسی ہدایت بھی نہیں تھی۔ یہ میرے علاج کا ایک سلسلہ تھا جو سمندر کے سینے پر جاری تھا۔

آئینہ دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ میری صحت بہت عمدہ ہوتی جا رہی ہے۔ ویسے بھی میں بہت خوش و خرم تھا۔ اعلیٰ خوراک، بہترین ورزش اور اس کے ساتھ ہی میری یادداشت کو واپس لانے کی کوشش، جس میں، میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ سب کچھ جاننے کے باوجود کم از کم ڈان پرسیلے کی حیثیت سے اپنے آپ کو کبھی تسلیم نہیں کروں گا۔ اس میں دُہرا فائدہ تھا۔ اوّل تو یہ کہ مجھے ہنگامہ خیزیوں سے بچنے کا موقع ملتا اور ڈان پرسیلے کی حیثیت سے براہِ راست کسی جھگڑے میں حصہ لینا نہیں پڑتا۔ دوئم یہ کہ اگر کبھی اصل ڈان پرسیلے واپس آ بھی جائے تو میں ایک پاگل آدمی کی حیثیت اختیار کر کے ان لوگوں کے عتاب سے بچ جاؤں گا۔

یہ تصور میرے ذہن میں موجود تھا لیکن صاحب......! یہ جو اپنی عمارت کی بلندی پر کھوپڑی قسم کی کوئی چیز ہوتی ہے ناں......! اور آنکھوں کے اوپر ایک سپاٹ میدان پھیلا ہوا ہوتا ہے، جسے پیٹ کی تقدیر کا رونا رویا جاتا ہے، اور اس سے ذہن میں یہ تصور قائم ہو جاتا ہے کہ تقدیر اس پیشانی پر بھی تحریر ہے، یہ بڑی نامعقول چیز ہوتی ہے۔ کبھی اس کا بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ حالات اگر واقعی طور پر کوئی بہت ہی حسین رُخ اختیار کر جائیں تو انسان کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ بس اب اس کی زندگی میں صرف حسن ہی حسن بکھرا ہوا ہے۔

مصیبت اور راحت ہم قافیہ لفظ ہیں اور بدل بدل کر موسموں کی طرح آتے رہتے ہیں۔ چنانچہ راحت کا موسم ختم ہوا اور مصیبت کی رات آ گئی۔

جہاز اس وقت ایک ایسے علاقے سے گزر رہا تھا جہاں سے کچھ فاصلے پر خشکی نظر آ رہی تھی۔ شاید کوئی جزیرہ تھا یا پھر کوئی ملک، یہاں سے صرف اُفق میں ان بھوری اور مدہم دُھندلائی ہوئی چٹانوں کو دیکھا جا سکتا تھا، جو خشکی کا پتا دیتی تھیں۔ میں بھی اس وقت عرشے پر کھڑا اسی سمت دیکھ رہا تھا۔ اپنے روّیے کا خاص طور سے خیال

رکھا تھا۔ ایسی باتیں کبھی کسی سے نہیں پوچھتا تھا، جن سے تجسس کا اظہار ہو۔ کیونکہ میں ڈاکٹر برائن کی گفتگو سن چکا تھا۔ وہ میری طرف سے بہت مطمئن نظر آتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ رفتہ رفتہ میری ذہنی قوتیں واپس آ رہی ہیں۔

لائبریری میں اپنے کاغذات سے دلچسپی لینا اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ میرے ذہن میں اپنی ذات کے لئے تجسس پیدا ہو چکا تھا۔ بات اپنی ذات تک رہے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اگر یہ تجسس وسیع حیثیت اختیار کر جائے تو ڈاکٹر برائن یہ اعلان بھی کر سکتے ہیں کہ میں صحت یاب ہو گیا ہوں اور میں یہ کبھی نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ خاموشی سے کھڑا افق پر نظر آتی ہوئی چٹانوں کو دیکھتا رہا۔ پھر ان چٹانوں سے کچھ پرندوں نے پرواز کی اور فضاء کی بلندیوں میں اُڑ کر جہاز کی طرف آنے لگے تو جہاز پر افراتفری پھیل گئی۔

کپتان اپنے کیبن سے اطلاعات نشر کرنے لگا، جن میں کہا جا رہا تھا کہ بائیس ہیلی کاپٹروں کا ایک بیڑہ جہاز کی طرف آ رہا ہے۔ ریڈیو آپریٹر ہوشیار ہو گیا تھا۔ جہاز میں مدھم آواز میں سائرن بجنے لگا تھا اور اب میری تشویش برحق تھی۔

''کیا پھر کوئی مصیبت نازل ہو رہی ہے......؟''

میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ ہیلی کاپٹر واقعی اب سامنے نظر آ رہے تھے اور میں جس نے یہ سمجھا تھا کہ خشکی سے پرندوں نے پرواز کی ہے، اب ان ہیلی کاپٹروں کو بآسانی دیکھ سکتا تھا۔

میرے محافظوں نے جلدی سے مجھے عرشے سے ہٹا کر میرے کیبن میں پہنچا دیا۔ میں نے اعتراض نہیں کیا تھا، لیکن جہاز کی ہنگامہ آرائی کی آوازیں میرے کانوں تک مسلسل پہنچ رہی تھیں اور میں ان سے لاعلم نہیں رہ سکتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں......؟ نوئیل میرے کیبن میں آ گئی اور اس نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''براہ کرم چیف......! میرے ساتھ آیئے......!''

میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جہاز میں میرے علاج کے لئے جو اسپتال قائم کیا گیا تھا، مجھے اس میں لے جایا گیا۔ یہاں دو آدمی کسی کام کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ مجھے ان کے سامنے بٹھا دیا گیا اور وہ ایک بکس کھول کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ میرے چہرے پر میک اَپ کیا جا رہا تھا۔ نوئیل میرے پاس موجود تھی۔ ڈاکٹر برائن بھی آ گئے تھے۔ میں نے اس سلسلے میں ان سے کچھ نہ پوچھا۔

میک اَپ کر کے میری شکل تبدیل کر دی گئی اور اس کے بعد نوئیل نے مجھے خلاصیوں کا لباس پہننے کے لئے دیا۔ ڈاکٹر برائن کہنے لگے۔

''سوری چیف......! یوں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نامعلوم لوگوں نے جہاز کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ آپ کو ہم آپ کی اصل شکل میں ان کے سامنے نہیں لا سکتے۔ کیونکہ آپ کے لئے خطرناک ہوگا۔ براہِ کرم اپنے آپ کو تھوڑی دیر کے لئے خلاصیوں میں شامل کر لیں، یہ ضروری ہے۔''

میں نے پہلی بار برائن سے سوال کیا۔

''یہ کون لوگ ہیں......؟''

''چیف......! ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ ریڈیو آپریٹر کو پیغامات ملے ہیں کہ اگر جہاز سے ایک بھی گولی چلائی گئی تو ہیلی کاپٹر بمباری کر کے جہاز کو تباہ کر دیں گے، نیچے آبدوز موجود ہے جو جہاز کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہماری طرف سے کوئی بھی مدافعتی کوشش، جہاز کے ٹکڑے اُڑا دے گی۔ ہمیں خشکی کی سمت سفر کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔

چیف......! میرا خیال ہے کہ یہ ہمارے کسی دشمن ملک کی کارروائی ہے۔ کسی ایسے ملک کی، جو ہماری تاک میں ہو اور جیسے ہمارے ہاتھوں نقصان پہنچا ہو۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کون لوگ ہیں......؟ لیکن ہم کوئی جوابی کارروائی کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم اس وقت بری طرح خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔''

میرے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر کا شہزادہ اب ہاتھ میں عرشہ صاف کرنے والی جھاڑو لئے ہوئے باہر نکل آیا تھا۔ نوئیل نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''چیف......! ممکن ہے آپ ان لوگوں کی قید میں چلے جائیں، لیکن ہم میں سے کوئی آپ سے زیادہ دُور نہیں رہے گا۔ براہ کرم آپ بالکل مطمئن رہیں۔''

میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے نوئیل کو دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر جھاڑو سنبھالے ایک طرف بڑھ گیا۔ ہیلی کاپٹر، جہاز کے اوپر پرواز کر رہے تھے اور اوپر سے نگرانی کی جا رہی تھی۔ میری آنکھوں میں مایوسی کی لکیریں واضح ہو گئی تھیں۔

''تو یہ تھی ایک دن کی بادشاہت......! اور اس کے بعد...... اس کے بات کیا ہونے والا ہے......؟ اس کا بھی کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا......؟''

ریڈیو آپریٹر سے مسلسل رابطہ قائم تھا اور اوپر سے ملنے والی ہدایات کے مطابق عمل کیا جا رہا تھا۔

خشکی تک کا یہ سفر کافی طویل تھا اور ہم تیز رفتاری سے خشکی کی طرف جا رہے تھے۔ ہدایات کے مطابق جہاز کو ایک لمبا چکر کاٹنا پڑا اور اس کے بعد ایک عارضی جگہ نظر آئی، جہاں دو چھوٹے فریگیٹ لنگر انداز تھے۔ ان پر کوئی فلیگ نہیں لگا ہوا تھا۔ لیکن وہ بہترین جنگی ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ طیارہ شکن توپیں نصب تھیں۔ ہمارے جہاز کو ان سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز ہونے کے لئے کہا گیا اور اس کے بعد جہاز نے لنگر ڈال دیئے۔ تین ہیلی کاپٹر جہاز کے ایک حصے میں اُتر گئے تھے اور ان میں سے دو دو مسلح افراد برآمد ہوئے تھے، جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں اسٹین گنیں سنبھالی ہوئی تھیں۔ سب کے سب خونخوار نظر آ رہے تھے اور ان کی نگاہیں ہم پر جمی ہوئی تھیں۔

میں گہری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ سفید رنگت کے لوگ تھے، لیکن ان کی قومیت کے بارے میں

کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ساحل کی طرف سے چند اسٹیمر آتے ہوئے نظر آئے جو دیکھتے ہی دیکھتے جہاز کے قریب پہنچ گئے۔ سیڑھیاں ڈالی گئیں اور اس کے بعد لاتعداد افراد عرشے پر پہنچ گئے، جو بہترین اور جدید ہتھیاروں سے مسلح اور مخصوص قسم کی وردی پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے دوڑ کر پوزیشن سنبھال لی۔ دوسرے اسٹیمروں کے لوگ بھی اوپر آ رہے تھے۔ عرشے اور جہاز کے دوسرے حصوں میں پوری طرح پوزیشنیں سنبھالنے کے بعد انہوں نے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اس سلسلے میں کپتان وغیرہ سے کوئی بات نہیں کی گئی تھی۔ کپتان، ڈاکٹر برائن اور دوسرے تمام افراد کے ہاتھوں میں بھی ہتھ کڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔ اسٹین گنوں کی نالوں سے وہ لوگ انہیں ہدایات دے رہے تھے۔ پتا نہیں کون لوگ تھے اور مجھے اپنا انجام پھر خراب محسوس ہونے لگا تھا۔ ویسے ان لوگوں نے ذہانت سے کام لیا تھا اور اپنی دانست میں ڈان پر سیلے کو ان کی نگاہوں سے محفوظ کر دیا تھا لیکن کیا فرق پڑتا ہے......؟

اب میرے ساتھ عام لوگوں کا سا سلوک ہوگا۔

ہمارے قید کرنے کرنے والوں کے تیور اچھے نظر نہیں آ رہے تھے، اور ذرا سی غلطی پر سٹین گنوں کے بٹ مار مار کر غلطی کرنے والوں کو سیدھا کیا جا رہا تھا۔ میرے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ وہ جرمن یاد آ رہے تھے، جنہوں نے برلن میں میری بہترین خاطر تواضع کی تھی، اور صرف تقدیر ہی تھی کہ ہڈیاں اور پسلیاں ٹوٹنے سے بچ گئی تھیں۔ صرف چوٹ ہی آئی تھی، جس کے اثرات آج تک موجود تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بہترین نگہداشت نے حالت درست کر دی تھی۔

گرفتار شدگان کو سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اُتارا گیا اور اسٹیمروں پر لاد لاد کر خشکی کی جانب بھیجا جانے لگا۔ بے چاری نوئیل اور جہاز پر جتنی لڑکیاں موجود تھیں، وہ بھی اسی مصیبت کا شکار تھیں۔ ان کے ساتھ ذرا رعایت برتی گئی تھی کہ انہیں ہتھ کڑیوں میں نہیں جکڑا گیا تھا۔ باقی ان کے ساتھ بھی وہی کیفیت تھی۔ خلاصیوں کی باری بھی آئی۔ میرے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے اور نیچے اُتارنے کے لئے بھی مجھے ایک شخص نے سہارا دیا۔ نیچے اُترتے ہوئے دو بار بلندی سے اسٹیمر میں گرتے گرتے بچا۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

''آہ......! یہ بادشاہت چند روز بھی تو جاری نہ رہی۔''

یہ لوگ بھی میری بدقسمتی کا شکار ہو گئے تھے، لیکن بہر حال میں آج تک اپنے لئے ہی کچھ نہ کر سکا تھا تو کسی اور کے لئے کیا کرتا......؟ مجھے دوسرے خلاصیوں کے ساتھ اسٹیمر کے ذریعے خشکی تک پہنچا دیا گیا۔ چٹانیں یہاں سے دُور تھیں۔ قدموں کے نیچے نرم ریتلا ساحل تھا۔ جہاز کے تمام قیدیوں کو جمع کیا جا رہا تھا۔ اسٹیمر ان قیدیوں کو چھوڑ چھوڑ کر واپس آ رہے تھے اور نئے قیدیوں کو لے کر جا رہے تھے۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر نوئیل اور تمام

ساتھی لڑکیاں موجود تھیں، لیکن سب کی سب ذہین تھیں۔ انہوں نے ایک بار بھی مجھ پر توجہ نہیں دی تھی کہ کسی کو شبہ نہ ہو جائے۔

مسلح باوردی افراد ان قیدیوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ جہاز کے تمام لوگوں کو خشکی پر منتقل کر دیا گیا اور اس کے بعد انہیں ایک قطار کی شکل میں آگے لے جایا جانے لگا۔ جہاز اب پوری طرح ان باوردی افراد کے کنٹرول میں تھا۔ ڈاکٹر برائن، جہاز کا کپتان اور دوسرے تمام افراد الگ رکھے گئے تھے اور ان کی دوسری قطار بنا دی گئی تھی۔ خلاصیوں کو جن کی تعداد پچاس پچپن کے قریب تھی، الگ لے جایا جا رہا تھا۔ فاصلہ کافی طویل تھا اور ہمیں تقریباً پینتالیس منٹ تک ریت پر سفر کرنا پڑا تھا۔ تب ہم چٹانوں کے درمیان ایک رُخنے کے قریب پہنچے، جہاں سے گزر کر دوسری طرف جایا جا سکتا تھا۔

یہ کوئی ساحلی شہر معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے لوگوں کی مانند میں نے بھی اس شہر کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی، یہ کوئی چھاؤنی تھی۔ مکانات بھی اس طرح کے بنے ہوئے تھے، لکڑی کی بے شمار بیرکیں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں، جن کی چھتیں کھپریل کی بنی ہوئی تھیں۔ ہمیں ایسی ہی ایک بیرک میں لے جایا گیا۔ اس عظیم الشان بیرک میں جہاز کے تمام لوگ پریشان نظر آ رہے تھے۔ یہی شکر تھا کہ انہوں نے ہم سب کو یکجا رکھا تھا، ورنہ بڑی مشکلات پیش آتیں۔

کپتان اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس نے بیرک کی لکڑیوں کے رُخنے سے باہر جھانکنا شروع کر دیا۔ چاروں طرف کا ایک چکر لگانے کے بعد وہ ڈاکٹر برائن کے قریب پہنچا اور پھر دونوں اُٹھ کر میرے نزدیک آ گئے۔ میں ایک دیوار سے پشت لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ کیپٹن کہنے لگا۔

''چیف......! صورتِ حال بہت خوف ناک ہے۔ آپ کی طرف سے ہمارے لئے کوئی ہدایت......؟''

میں نے بس نگاہوں سے ڈاکٹر برائن کی طرف دیکھا تو ڈاکٹر برائن مایوسی سے بولا۔

''ابھی نہیں کیپٹن......! بدقسمتی سے چیف ابھی تک اپنی ذہنی قوتوں کے حصول میں کامیاب نہیں ہوئے تھے اور پھر وقت بھی کون سا زیادہ گزرا ہے......؟ میرا خیال ہے، چیف کے ذہن پر دباؤ ڈالنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''لیکن چیف کو حالات سے آگاہ رکھنا تو ضروری ہے۔ میڈم ڈی پارک ہم سے اس سلسلے میں جواب طلبی بھی کر سکتی ہیں۔''

''چیف......! آپ کی طرف سے کوئی سوال......؟ کوئی ہدایت......؟''

ڈاکٹر برائن نے کہا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے ذہن کو زور سے جھٹکا اور پھر ڈاکٹر برائن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''لیکن یہ کون لوگ ہیں......؟ کیا وردی اور اس علاقے کی نوعیت سے تم اندازہ نہیں لگا سکتے......؟''

ڈاکٹر برائن کی آنکھوں میں مسرت ناچنے لگی۔ اس نے مسرت بھرے انداز میں کیپٹن کی طرف دیکھا اور پھر خوشی بھرے لہجے میں بولا۔

''یہ سوال ظاہر کرتا ہے کہ چیف کا ذہن سوچنے سمجھنے کی قوتیں حاصل کر رہا ہے، لیکن چیف......! ابھی اس میں وقت لگے گا۔ ان لوگوں کی وردی پر کوئی نشان نہیں ہے۔ میں نے گہری نگاہوں سے ان کے ہتھیاروں کا جائزہ لیا ہے۔ ان کی ساخت کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ البتہ بہت جلد ان کی تفصیل آپ کو پیش کر دی جائے گی۔ اس وقت ایک غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا ہے، وہ یہ کہ جہاز کی لائبریری میں ڈان پر سیلے سے متعلق اتنی تفصیلات موجود ہیں جو ہمارے لئے انتہائی خطرناک ہو سکتی ہیں۔ یہ تفصیلات صرف آپ کے لئے مہیا کی گئی تھیں چیف......! کیونکہ اس کی قطعی اُمید نہیں تھی کہ جہاز اس طرح دوسروں کے قبضے میں چلا جائے گا۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اگر کسی کو ڈان پر سیلے کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں تو بھلا مجھے اس سے کیا پریشانی لاحق ہو سکتی ہے......؟

اس کے بعد کسی نے کچھ نہیں کہا اور کافی وقت گزر گیا۔ پھر چند افراد اندر داخل ہوئے اور انہوں نے قیدیوں کو باہر نکلنے کے لئے کہا۔ اس سلسلے میں انہوں نے نرم انداز میں ہدایات جاری کی تھیں۔ ایک دراز قامت اور لمبوترے چہرے والے شخص نے کہا۔

''آپ لوگ ہمارے قیدی ہیں، لیکن ہم آپ کے ساتھ کوئی غیر انسانی سلوک نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں جس مقصد کے لئے آپ کو قید کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کی تکمیل درکار ہے۔ اس سے زیادہ ہم آپ سے کچھ نہیں چاہتے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سب تعاون کریں اور کسی بھی قسم کی کارروائی سے گریز کریں، ورنہ دوسری صورت میں آپ لوگوں میں سے کسی کی بھی موت پر ہمیں افسوس ہوگا۔ ایک ایک کر کے تمام افراد نیچے اُتر جائیں اور باہر آپ کو جو ہدایات دی جائیں، ان پر عمل کریں۔''

تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ ان میں، میں بھی شامل تھا، اور پھر ہم بیرک کے دروازے سے باہر نکلنے لگے۔ ہمیں کچھ فاصلے پر بنی ہوئی ایک دوسری بیرک میں لے جایا گیا، جہاں بہت سے مسلح افراد موجود تھے۔ پھر ہم میں سے ایک ایک شخص کی تلاشی لی گئی اور جس کے پاس سے جو کچھ برآمد ہوا، اسے ایک طرف ڈھیر کیا جانے لگا۔ کسی کو بھی نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اس کے بعد چند افراد کے درمیان ایک ایک شخص کو گزارا جانے لگا۔ یہ لوگ اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تصویروں سے ہمارے چہرے ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پہلے ان تمام افراد کو شناخت کیا گیا، جو جہاز میں کوئی نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے بعد خلاصیوں کی باری آئی اور جہاز کے عملے کے دوسرے افراد کو پرکھا جانے لگا۔ میرے لئے یہی بہتر تھا کہ جیسے دوسرے لوگ عمل کر رہے ہیں، خود بھی ہی سب کچھ کروں۔ چنانچہ میں بھی ان کے درمیان سے بغیر کسی دقت کے نکل گیا۔ جب تمام افراد چیک کئے جا چکے تو

انجینئر عملے اور خلاصیوں کو اسی بیرک میں پہنچا دیا گیا۔ لڑکیاں، کیپٹن اور ڈاکٹر برائن وغیرہ وہیں رُک گئے تھے۔ یقیناً انہیں اس کی ہدایت کی گئی تھی۔

بیرک میں آنے کے بعد میں ایک گوشے میں لیٹ گیا۔ ذہن کو ہر قسم کی سوچ سے آزاد کر دیا تھا۔

''سوچ سوچ کر ذہن تھکانے سے کیا فائدہ......؟''

دو گھنٹے کے بعد سب واپس آ گئے اور اندر آ کر بیرک میں بیٹھ گے۔ ڈاکٹر برائن اور کیپٹن اس وقت لیڈنگ رول ادا کر رہے تھے۔ چند لوگوں کو انہوں نے سرگوشیوں کے انداز میں ہدایات دیں اور وہ بیرک کی دیواروں کے قریب متعین ہو گئے۔ غالبًا باہر کے معاملات کا اندازہ لگا رہے تھے۔ ڈاکٹر برائن اور کیپٹن میرے پاس پہنچ گئے اور ڈاکٹر برائن نے آہستہ سے کہا۔

''چیف......! ان گدھوں کو ڈان پر سیلے کی موت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ وہ لوگ کسی ایسے ملک سے تعلق رکھتے ہیں، جسے ہمارے ذریعے کوئی نقصان پہنچا تھا۔ چند اعلیٰ افسروں نے، جن کم بختوں کی قومیت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکا، ہم سے مختلف سوالات کئے اور ڈان پر سیلے کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ انہوں نے کہا کہ باقی لوگوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ صرف ڈان پر سیلے کا حصول چاہتے ہیں۔

چیف...... ! ان دنوں بہت سے حلقوں میں اس ہوائی حادثے کی اطلاع عام ہو چکی ہے اور لاتعداد لوگ یہ جاننے کے خواہاں ہیں کہ ڈان پر سیلے کی موت کی تصدیق ہو سکی یا نہیں......؟ لیکن یہ لوگ اس سے ناوقف ہیں اور مسلسل یہی سوالات کئے جا رہے ہیں کہ ڈان پر سیلے کہاں ہے......؟ کیا وہ اس جہاز سے سفر نہیں کر رہا تھا......؟ وغیرہ وغیرہ۔''

''تو پھر تم نے انہیں یہ کیوں نہ بتا دیا کہ ڈان پر سیلے ہوائی حادثے کا شکار ہو چکا ہے......؟''

''مصلحتاً چیف......! مصلحتاً، اس وقت اگر انہیں یہ بات بتا دی جاتی تو ان کا روّیہ تبدیل بھی ہو سکتا تھا۔ اب کم از کم وہ اس خوف کا شکار تو رہیں گے کہ ڈان پر سیلے کی طرف سے ان کے خلاف کوئی کارروائی ہو سکتی ہے۔''

''میرے خیال میں تو یہ مناسب نہیں تھا۔''

''یقیناً چیف......! کم از کم انہیں ہماری زبانی آپ کی موت کی اطلاع نہیں ملنی چاہئے تھی۔ ورنہ یہ لوگ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ہم آپ کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ کو تکلیف تو ضرور ہو رہی ہو گی چیف......! لیکن زیادہ مناسب یہی ہے کہ آپ اسی حلیے میں رہیں تاکہ ان کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہ اختیار کرنے پائیں۔''

''لائبریری کے سلسلے میں تم لوگوں نے کیا کیا......؟''

''کچھ نہیں کیا اس سلسلے میں چیف......! اگر آپ کی طرف سے کوئی ہدایت ہو تو......''

لیکن اوّل تو میں ہدایات جاری کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا، اور اگر کچھ سوچتا بھی تو مناسب نہیں

تھا۔ ورنہ پھر مجھے باعمل ہونا پڑتا اور میں ایسی احمقانہ حرکتوں کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں خاموش ہوگیا۔ ہمیں قید تو کر دیا گیا تھا، لیکن زندگی کی ضروریات سے محروم نہیں رکھا گیا۔

دوسرے دن ہمیں بیرک کے باہر چہل قدمی کرنے کی اجازت بھی دے دی گئی، تاکہ ہمارے بدن فٹ رہیں۔ ہمیں شیو وغیرہ کا سامان بھی مہیا کر دیا گیا تھا۔ تیسرے دن ہم سب کو مختلف ٹولیوں میں مختلف بیرکوں میں منتقل کر دیا گیا۔ پتا نہیں اس میں کیا مصلحت سمجھی گئی تھی......؟ خلاصیوں کی بیرک میں اب میں خلاصیوں کے ساتھ تھا اور اس طرح کوفت سے دوچار ہوگیا تھا۔

چوتھا اور پانچواں دن بھی گزر گیا۔ اس دوران ان لوگوں سے بس اس وقت ملاقات ہوتی تھی، جب ہم چہل قدمی کرنے کے لئے نکلتے تھے۔ ویسے اس دوران ہماری باقاعدہ نگرانی کی جاتی تھی اور مسلح افراد ہم پر نگاہ رکھتے تھے۔

چھٹے روز چہل قدمی کے دوران نوئیل میرے ساتھ سفر کرنے لگی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں کہنا شروع کیا۔

''چیف......! آج آپ ان لوگوں کے درمیان برائن اور کیپٹن کو نہیں دیکھ رہے۔ جہاز کی لائبریری دریافت ہوچکی ہے اور ان دونوں کو معلومات حاصل کرنے کے لئے گرفتار کر کے کہیں اور لے جایا گیا ہے۔ اب حالات خطرناک ہوگئے ہیں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے......؟''

میں نے نوئیل کو کوئی جواب نہیں دیا۔ خطرناک صورتِ حال کا تو مجھے بھی احساس تھا۔ ہرچند کہ یہاں گزرنے والا وقت بھی برا نہیں تھا۔ اچھا کھانا ملتا تھا اور باقاعدگی سے ملتا تھا۔ چہل قدمی کا وقت بھی تھا اور اس کے بعد بیروں میں آرام کے لئے جگہ، جس حال میں بھی زندگی گزر جائے، بہتر ہے۔ لیکن ایک خوف ہمیشہ جاں گزیں رہتا تھا۔ اگر میری شناخت ڈان پر سیلے کی حیثیت سے ہوگئی تو پھر میرا کیا بنے گا......؟

اگلے دن چہل قدمی کے وقت نوئیل نے ایک پرچہ میرے ہاتھ میں تھما دیا اور آہستہ سے کہا کہ میں اسے اپنے لباس میں رکھ لوں اور بیرک میں جا کر دیکھوں۔

سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا لیکن جب چہل قدمی کا وقت ختم ہوگیا، اور ہم لوگ بیرک میں پہنچ گئے تو میں نے پرچہ کھول کر دیکھا۔ انگریزی زبان میں تحریر تھا۔

''چیف......! مسٹر برائن نے انتہائی خفیہ انداز میں ایک پیغام آپ کے لئے بھیجا ہے۔ ہرچند کہ وہ ان کی قید میں ہیں، لیکن شاید کچھ کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ آپ کے لئے پیغام یہ ہے چیف......! کہ صبح کچھ لوگ بیرکوں کی صفائی کرنے کے لئے آتے ہیں۔ کل صبح بھی ایک آدمی آپ کی بیرک کی صفائی کرنے آئے گا۔ وہ میک اَپ کا ماہر ہے۔ اپنے ساتھ میک اَپ کا سامان لائے گا۔ آپ اپنا حلیہ تبدیل کر

لیں اور صفائی کرنے والے کی حیثیت سے اس بیرک سے نکل جائیں۔ صفائی کرنے والا آپ کو بتا دے گا کہ آپ کو کہاں جانا ہے......؟ اور کیا کرنا ہے......؟ براہِ کرم اس سے تعاون کیجئے گا۔ آگے کے معاملات دوسرے لوگ سنبھال لیں گے۔ اس پرچے کو فوراً ہی ضائع کر دیجئے۔ اس کا نام ونشان تک نہیں ملنا چاہئے۔''

میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ کافی دیر تک میں پرچے کو مٹھی میں دبائے سوچتا رہا کہ مجھے اس کے جواب میں کیا کرنا چاہئے......؟

''بلاوجہ کی مصیبت پڑ گئی تھی۔ جب سب لوگوں کو یہاں سے نکالا جاتا تو میں بھی نکل جاتا۔ بھلا میرا نکلنا کیا ضروری تھا۔ خواہ مخواہ ایک بار پھر عذاب میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ بھاگتا دوڑتا پھروں گا اور یہ لوگ میرا تعاقب کریں گے۔''

لیکن بہرحال میں ابھی تک ڈان پر سیلے تھا اور ان لوگوں سے انحراف بھی میرے لئے مصیبت بن سکتا تھا۔ یہ خلاصی ہی جو آج میری بے پناہ عزت کرتے ہیں، مجھے گردن دبا کر مار ڈالتے، اگر انہیں پتا چل جاتا کہ درحقیقت میں ڈان پر سیلے نہیں ہوں۔

میں کافی دیر تک سوچتا رہا اور پھر یہی فیصلہ کیا کہ ان کی ہدایات پر عمل کرنا چاہئے۔ میں نے اس کاغذ کے پرزے پرزے کر دیئے اور پھر ان پرزوں کو بھی ریزہ ریزہ کر ڈالا تھا تاکہ کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی کہیں سے دریافت نہ ہو سکے۔

رات کو مجھے ذرا کم ہی نیند آئی تھی اور پھر سوئے ہوئے زیادہ وقت بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھے جگا دیا گیا۔ جگانے والا وہی شخص تھا، جو صفائی کرنے آیا تھا۔ چند خلاصی بھی جاگ گئے۔ اس شخص نے جلدی سے تین چار خلاصیوں کو بیرک کے دروازے پر کھڑا کر دیا، تاکہ باہر کی خبر رکھیں اور اس کے بعد اپنے لباس میں سے سیلوفین کا ایک پیکٹ نکال کر اس میں سے میک اَپ کا سامان نکالا اور میرے چہرے کی مرمت کرنے لگا۔ میک اَپ در میک اَپ ہو رہا تھا۔ خلاصی کی حیثیت ختم کر کے مجھے بیرک کی صفائی کرنے والے کی حیثیت دے دی گئی۔ ہاتھ میں لمبا سا جھاڑو تھما دیا گیا اور پھر اس شخص نے کہا۔

''آپ جب بیرکوں والے علاقے سے نکلیں گے تو آپ کو سامنے ہی سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی ایک عمارت نظر آئے گی۔ جھاڑو لیتے ہوئے اس عمارت میں پہنچ جایئے۔ گیٹ کیپر آپ کو صفائی کے سلسلے میں ہدایات دے گا۔ اس کی ہدایات پر عمل کیجئے گا اور اس کے بعد جو بھی شخصیت آپ کو وہاں سے نکال لے جانے کے لئے پیش کش کرے، براہِ کرم اس کی ہدایت پر عمل کیجئے۔ بس......! آپ کو اب چلے جانا چاہئے۔''

اس نے مجھے اپنا لباس بھی دے دیا تھا۔ میں تیار ہونے کے بعد جھاڑو ہاتھ میں سنبھالے باہر نکل آیا۔ بیرک کی دوسری طرف معاملات جوں کے توں تھے اور فوجی لباس والے اپنے اپنے کاموں میں مصروف

تھے۔ بیرکوں میں ابھی تک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ نہ جانے یہاں کون تھا......؟

بہرطور میں کسی طرف دیکھے بغیر مناسب رفتار سے چلتا ہوا بیرک سے باہر جانے والے راستے پر پہنچ گیا۔ خاردار تاروں کے اس علاقے کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک شخص ایک کھٹارہ قسم کی گاڑی پر سبزی کی ٹوکری لادے ہوئے اندر آ رہا تھا۔ جب اس کی گاڑی اندر داخل ہوئی تو میں اس کی آڑ میں ہی باہر نکل گیا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے پہرے داروں نے میری طرف توجہ بھی نہیں دی تھی، اور اب میری نگاہیں اس سرخ مکان کو تلاش کر رہی تھیں، جس کے بارے میں مجھے ہدایات دی گئی تھیں۔ سرخ اینٹوں کا بنا ہوا مکان تقریباً نصف فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ اس تک پہنچنے کے لئے ایک خندق کو عبور کرنا پڑتا تھا، جس پر لکڑی کے تختوں کا عارضی پل بنا دیا گیا تھا۔ یہاں سمندر کے کنارے اس کیمپ کے تحفظ کے لئے انتہائی معقول بندوبست کیا گیا تھا۔ اندازہ نہیں تھا کہ سرخ اینٹوں کا مکان یہاں تنہا ہے یا اس کے آس پاس اور آبادی بھی ہے۔

ان تمام اندازوں کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ڈاکٹر برائن وغیرہ نے مجھے اس کیمپ سے نکالنے کے لئے نہ جانے کیا ترکیب استعمال کی تھی......؟ اور نہ جانے کس طرح ان میں سے ایک آدمی کو توڑ لیا تھا......؟ جس نے میری حیثیت اختیار کر کے قیدی بننا منظور کر لیا تھا۔

یہ معمولی بات نہیں تھی کہ اتنے مختصر وقت میں ان لوگوں نے اتنی زبردست کارروائی کر لی تھی۔ پل عبور کر کے بالآخر میں سرخ اینٹوں کے بنے ہوئے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ جیسا کہ مجھے ہدایت کی گئی تھی، میں اس پر عمل کر رہا تھا۔ دروازے پر صرف ایک شخص تھا، جس کے ہاتھ میں سنگین لگی ہوئی رائفل دبی ہوئی تھی۔ اس نے کرخت لہجے میں مجھ سے کہا کہ اپنا کام جلد ختم کر کے واپس آ جاؤں اور میں گردن خم کر کے اندر داخل ہو گیا۔

سرخ اینٹوں کی یہ عمارت کسی قدیم اور عظیم الشان حویلی کی مانند تھی۔ جگہ جگہ فصیل مینار بنے ہوئے تھے، جن کی شکل کچھ عجیب سی تھی۔ میں ایک چوڑی راہ داری سے گزر کر برآمدے میں پہنچا اور دکھانے کے لئے یوں ہی جھاڑو دینے لگا۔ پھر راہ داری سے گزر کر میں ایک بڑے ہال نما کمرے میں داخل ہوا تو میں نے ایک بوڑھی عورت کو ایک چھوٹی سی میز کے قریب کھڑے دیکھا۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے وہ کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ دوسرا ہاتھ میز کی سطح پر رکھا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر ایک اونی لمبا کوٹ تھا۔ عمر پینسٹھ اور ستر سے کم نہیں ہوگی۔ بدن صحت مند تھا اور چہرے پر بہت کم جھریاں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

''تم آ گئے......؟ یہ جھاڑو پھینک دو اور میرے ساتھ آ جاؤ۔''

غالباً جس شخصیت کے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ جو کچھ کہے، میں وہی کروں، وہ شخصیت اسی بوڑھی عورت کی تھی۔ میں نے جھاڑو پھینک دی اور اس کے پیچھے چلتا ہوا اس بڑے ہال نما کمرے کے اندرونی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ بوڑھی عورت کسی قدر لنگڑا کر چل رہی تھی اور اس کی چال بڑی مضحکہ خیز تھی۔ ہال

کے دروازے سے گزر کر ہم ایک اور راہ داری میں پہنچ گئے جو عمارت کے عقبی حصے میں کھلتی تھی۔

عقبی حصے میں ایک احاطہ نظر آ رہا تھا اور اس احاطے کے دوسری طرف سامنے کے گیٹ سے زیادہ چوڑا ایک گیٹ بھی تھا۔ عمارت کے عقبی حصے میں ایک پرانی مرسڈیز کھڑی ہوئی تھی، جس کا پچھلا حصہ کھول کر بوڑھی عورت نے مجھے اندر داخل ہونے کے لئے کہا اور پھر اپنے مخصوص لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تمہیں لیٹ کر سفر کرنا پڑے گا۔ کسی کو یہ اندازہ نہیں ہونا چاہئے کہ میری گاڑی میں میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔''

مرسڈیز کا پچھلا حصہ بہت کشادہ تھا لیکن میں گٹھری بن کر لیٹ گیا اور بوڑھی عورت نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ تو واقعی کمال ہو گیا تھا۔ آخر ان لوگوں کا تعلق اس بوڑھی عورت یا ان افراد سے کیسے قائم ہوا تھا جو مجھے یہاں سے فرار کرانے کے لئے تیار ہو گئے تھے......؟ کیونکہ جو کچھ ہوا تھا، اچانک ہی ہوا تھا، اور یہ نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ ان لوگوں کو بھی اپنے گرفتار کرنے والوں کی حقیقت معلوم ہو گئی ہے۔ بہرطور سوچنے سمجھنے اور دماغ کھپانے کو میں حماقت سمجھتا تھا کیونکہ میں وہ نہیں تھا جو سمجھا جا رہا تھا، اور اب تو یہ سب کچھ سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ آنے والے وقت میں کیا ہوگا......؟ ایک لمحہ بھی تو ایسا نہیں تھا جو میری مرضی کا تابع ہوتا اور میری خواہش کے مطابق گزرتا۔

مرسڈیز نہ جانے کہاں کہاں سے گزری......؟ باہر کے مناظر میری نگاہوں سے اوجھل تھے۔ میں گٹھری بنا ہوا پڑا تھا۔ کمر درد کر رہی تھی۔ مرسڈیز کا سفر بھی کم نہیں تھا۔ ویسے خوش قسمتی تھی کہ چکنی اور شفاف سڑک پر جا رہی تھی۔ اگر اس حالت میں سڑک خراب ہوتی تو میرے کل پرزے پھر ڈھیلے ہو گئے ہوتے۔

''یا خدا......! ان ہنگامہ خیزیوں کا کہیں اختتام بھی ہے یا یہ سب کچھ زندگی کے آخری سانس تک اسی طرح جاری رہے گا......؟''

میں نے سوچا۔ بوڑھی کم بخت عورت شاید مجھے ان سیٹوں کے درمیان لٹا کر بھول گئی تھی۔ کیونکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ اطراف میں خاموشی ہے، لیکن اس نے مجھے اُٹھنے کے لئے نہیں کہا۔ اس کی اجازت کے بغیر میں اُٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا......؟ مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے میں ہمیشہ کے لئے کوڑا ہو کر رہ گیا ہوں۔

بالآخر یہ سفر ختم ہو گیا اور بوڑھی عورت نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر کر مجھے بھی اُٹھنے کے لئے کہا اور میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری کمر بری طرح دُکھنے لگی تھی۔ اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اب سب ٹھیک ہے، تم اطمینان سے میرے ساتھ آ سکتے ہو۔''

میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تو وہ رُک کر میرے برابر آ جانے کا انتظار کرنے لگی اور جب میں

قریب پر پہنچا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"مجھے خوشی ہے کہ اب تم بھی میری طرح کمر پکڑ کر چلنے کے قابل ہوگئے ہو۔"

اس مذاق پر مجھے ذرا بھی ہنسی نہیں آئی تھی۔ میں جھنجلائے ہوئے انداز میں اس کے ساتھ چلتا رہا اور پھر میری نگاہیں اطراف کا جائزہ لینے لگیں۔ ایک خوش نما جگہ تھی۔ پیلے رنگ کے تقریباً دو فٹ اونچے پودے، پھولوں سے لدے کھڑے تھے اور ان کا احاطہ بہت وسیع تھا۔ سامنے ہی ایک چھوٹی سی عمارت نظر آرہی تھی جو سفید تھی۔ وسیع وعریض علاقے میں اس عمارت کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی۔

میرا دل چاہا کہ بوڑھی عورت سے اس علاقے کے بارے میں پوچھوں لیکن یہی سوچ کر خاموش رہا کہ پھر کھیل نہ بگڑ جائے۔ کم از کم ڈاکٹر برائن کو مجھے یہ تو بتا دینا چاہئے تھا کہ میرا اپنا کردار کیا ہوگا......؟ یا آگے مجھے کیا کرنا چاہئے......؟ ایک لفظ بولتے ہوئے دل ڈرتا تھا کہ کہیں وقت سے پہلے کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔ چنانچہ خاموشی سے چلتا ہوا اس کے ساتھ عمارت میں داخل ہو گیا۔

اندر پہنچ کر بوڑھی عورت ایک کمرے کا دروازہ کھولنے لگی، جس کی چابی اس کے پاس موجود تھی۔ انداز یہ ہوتا تھا کہ یہ علاقہ اسی کا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ یہاں اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔

وسیع وعریض کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے ناقدانہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور ناک سکوڑ کر بولی۔

"تمہارا حلیہ تو بے حد خراب ہے اور یہ چہرہ، نہیں بھئی......! بدنما چہرے مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ تم اپنی اصلی شکل میں آجاؤ۔"

میں نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ کم بخت خود آلو کی نسل سے تعلق رکھتی ہے اور بدنما چہرے اس سے اس عمر میں بھی برداشت نہیں ہوتے، لیکن بہرطور اس وقت وہ میری نجات دہندہ تھی۔ چنانچہ میں نے اس کی ہدایت کا احترام کیا اور اپنا اصل چہرہ نمایاں کر دیا۔ وہ مجھے دیکھ کر پُرمسرت انداز میں مسکرانے لگی اور پھر معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھ کر گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"گڈ......! وری گڈ......! اب تو تمہارے لئے نئے لباس کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا۔"

ایک الماری کے قریب پہنچ کر اس نے اپنی کمر کے گرد بندھے ہوئے چابیوں کے گچھے کی مدد سے الماری کھولی اور اس میں سے کچھ سوٹ نکال نکال کر سامنے ڈال دیئے۔ پھر وہ ان سوٹوں کو میرے بدن پر فٹ کر کے دیکھنے لگی اور بالآخر ایک بھورے چمڑے کا کوٹ اور گہری براؤن کلر کی پتلون کا انتخاب اس نے میرے لئے کیا۔ اس کے ساتھ ہی کریم کلر کی ایک جرسی بھی نکال لی اور ایک طرف اشارہ کر کے بولی۔

"وہ سامنے باتھ روم ہے، جاؤ اپنا حلیہ درست کرلو۔ میں تمہیں آدھا گھنٹہ دے سکتی ہوں۔"

میں خون کے گھونٹ پی کر باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔ نہانے کا تصور اس وقت بے حد دلکش تھا۔ پانی

کے نام کے ساتھ ہی بدن میں کھلبلی ہونے لگی تھی۔ انتہائی صاف شفاف باتھ روم تھا اور نہانے کا معقول ترین بندوبست۔ چنانچہ شاور کے نیچے کھڑا ہوا تو میں ہٹنا ہی بھول گیا اور جب اس نے اُنگلی سے دروازہ کھٹکھٹایا، تب ہی چونکا۔

"بس......! اب باہر نکل آؤ۔ زیادہ وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔"

میں نے جلدی جلدی اس کا دیا ہوا لباس پہنا اور غسل خانے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا لیکن جوں ہی میری نگاہ اس پر پڑی، میں ٹھٹک کر وہیں رُک گیا۔ میں نے تعجب سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بوڑھی عورت کہیں موجود نہیں تھی۔ بلکہ اب میں ایک نوجوان اور خوش شکل لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جو عورت کہیں موجود نہیں تھی، بلکہ اب میں ایک نوجوان اور خوش شکل لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو انتہائی نفیس قسم کی پتلون اور بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ کمر میں اسٹیل کی چوڑی پیٹی بندھی ہوئی تھی۔ ہاتھوں میں دستانے نظر آرہے تھے۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔

"چلو آؤ ناشتہ تیار ہے۔"

میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ جب بوڑھی عورت مجھے یہاں لائی تھی تو مجھے احساس ہوا تھا کہ اس عمارت میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، لیکن وہ میری غلط فہمی تھی۔ میں نے مدہم لہجے میں پوچھا۔

"وہ......وہ میڈم......وہ......میرا مطلب ہے، جن کے ساتھ......"

"میں ہی ہوں وہ، آؤ ناشتہ تیار ہے، دیر مت کرو۔"

اس کے حلق سے بوڑھی عورت کی آواز نکلی اور میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی بوڑھی عورت کے میک اَپ میں تھی لیکن اس کی مہلت قابل دید تھی۔ جب وہ بوڑھی عورت بنی ہوئی تھی تو اس کا بدن بھاری نظر آرہا تھا، چال بھی عجیب وغریب تھی اور آواز بھی۔ یہ انداز اختیار کرنا معمولی لوگوں کا کام نہیں ہوتا۔ میک اَپ کر کے اگر جسم کی حرکات وسکنات اور آواز پر قابو نہ پایا جاسکے تو میرے خیال میں میک اَپ بے مقصد ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی اونچی ہی چیز تھی۔

ناشتے میں کافی، اُبلے ہوئے انڈے اور پنیر کے توس تھے۔ یہ چیزیں ہی جلدی تیار ہوسکتی تھیں۔ چھوٹی سی میز پر ناشتے کی ٹرے رکھی ہوئی تھی اور صرف دو کرسیاں تھیں، وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"تم بہت زیادہ حیران ہو لیکن کیا تمہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ میں میک اَپ میں ہوں گی......؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور کافی کی پیالی اپنے قریب کھسکا کر دو تین چھوٹے چھوٹے گھونٹ لئے۔ وہ انڈہ کھا رہی تھی۔ پھر اس نے کلائی کی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس سے پہلے کہ تمہارے فرار کی خبر دوسروں لوگوں کو ہو جائے، ہمیں یہاں سے نکل پڑنا چاہئے۔ کیونکہ یہاں ہمارے لئے معقول بندوبست نہیں ہے۔"

میں نے گردن ہلائی اور جلدی جلدی دوسینڈوچز کھا کر ایک انڈہ نگلا اور کافی کی پیالی خالی کر دی۔ وہ قریب رکھے ہوئے ٹشو پیپر سے ہونٹ خشک کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے چٹکی بجا کر مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور ہم لوگ اس چھوٹی سی عمارت کے بغلی حصے سے باہر نکل آئے۔ داخل ہوتے ہوئے میں نے اس چھوٹے سے رنگین پروں والے ٹرائیڈنٹ کو نہیں دیکھا تھا جو ٹو سیٹر تھا اور عمارت کے ایک حصے میں کھڑا ہوا تھا۔ مجھے شدید حیرت ہو رہی تھی۔

میرے ساتھ چلنے والی لڑکی کی عمر پچیس سال سے زیادہ کی نہیں ہوگی اور اب وہ بے حد اسمارٹ نظر آ رہی تھی۔

''کون ہے یہ......؟''

میرا ذہن سوچ رہا تھا لیکن اس سوچ کا جواب میرے فرشتے بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ سب کچھ میرے لئے ایک طلسم کی حیثیت رکھتا تھا۔

سب سے پہلا سوال تو یہی تھا کہ آخر دوران قید وہ لوگ اس قسم کی کوئی کارروائی کرنے میں کس طرح کامیاب ہو گئے......؟ یہ تمام سوچیں میرے ذہن تک محدود رہیں اور لڑکی اس خوب صورت ٹرائیڈنٹ تک پہنچ گئی۔ اس نے دروازہ کھول کر مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور میرے اوسان خطا ہو گئے۔ اس سے قبل میں کسی ایسے طیارے میں نہیں بیٹھا تھا، لیکن کانپتے قدموں سے میں اندر جا بیٹھا۔ جگہ اتنی ہی تھی کہ میں اس میں فٹ ہو جاؤں۔ میرے سامنے پائلٹ سیٹ لگی ہوئی تھی۔ لڑکی نے ایک بٹن دبا دیا اور ہم دونوں کے اوپر شیلڈ آ چڑھی۔ اس نے اطمینان سے طیارے کا انجن اسٹارٹ کیا اور میری گھگی بندھ گئی۔ وہ اس وقت مجھ سے سوال کرتی تو یقیناً میرے منہ سے ایسی ہی آوازیں نکلتیں جیسے تھوڑی دیر قبل بوڑھی عورت کی حیثیت سے خود اس کے منہ سے نکل رہی تھیں۔

طیارے نے دوڑ لگائی تو میں نے مضبوطی سے دانت بھینچ کر آنکھیں بند کر لیں اور جب وہ فضاء میں بلند ہوا تو مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے میرے گردے اور پھیپھڑے وغیرہ منہ میں گھس آئے ہوں۔ کافی دیر تک وہ گولی کی طرح فضاء کی طرف بلند ہوتا چلا گیا اور پھر ایک مخصوص بلندی تک پہنچنے کے بعد سیدھا ہو گیا۔

لڑکی اس دوران طیارے کو اُڑانے میں مصروف رہی تھی۔ اس لئے اسے میری کسی کیفیت کا احساس نہ ہو سکا، لیکن تھوڑی دُور چلنے کے بعد اس نے مجھے دیکھا اور مسکرا دی۔

''تم نے اپنا نام نہیں بتایا......؟''

وہ آہستہ سے بولی۔

''کیا مطلب......؟ تمہیں میرا نام نہیں معلوم......؟''

میں نے چیخ کر پوچھا۔

''نہیں......! اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔''

اس نے جواب دیا اور پھر تھروٹل دبا کر طیارے کا رُخ ایک سمت کاٹ دیا۔ چند لمحات کے لئے خاموشی چھا گئی تھی۔ اس کے ان الفاظ کا مطلب ہے، کم بخت برائن کو اس پرچے میں تھوڑی سی تحریر اور بڑھا دینی چاہئے تھی۔ کم از کم مجھے ہدایات تو دے دیتا کہ مجھے کرنا کیا ہے......؟ لڑکی نے طیارے کو کنٹرول کیا اور بولی۔

''بتایا نہیں تم نے اپنا نام......؟''

''شش......شش......!''

''کیا......؟ شش......شش کیا......؟''

لڑکی نے کہا۔

''میرا مطلب ہے شامی......!''

''مجھ سے تو یہ نام بنے گا بھی نہیں۔ عجیب وغریب نام ہے۔ کون سے خطے کے باشندے ہو......؟''

''ایشیائی ہوں۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

''تعجب ہے، ڈیگورا میں کہاں سے آ پھنسے تھے......؟''

اس نے سوال کیا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ کاش میں اس سے کہہ سکتا۔

''عزیزہ......! جس جگہ کا تم نے نام لیا ہے، مجھے اس جگہ کا نام تک معلوم نہیں ہے، لیکن صاحب......! کیا کیا جا سکتا ہے......؟''

میں نے اس کے سوال کے جواب میں کہا۔

''بس میڈم......! حالات یہاں تک لے آئے تھے۔''

''پتا نہیں میرے کام کے ثابت ہو بھی سکو گے یا نہیں......؟''

میں نے دل میں سوچا کہ اگر موقع مل جائے تو میں آپ کا کام ہی تمام کر دوں، لیکن اس وقت تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ طیارہ بلندیوں پر تھا اور میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''پھر بھی میں تمہارا نام شیمی لے سکتی ہوں۔''

وہ بولی۔

''اتنا ہی کافی ہے، کیونکہ اس سے زیادہ ہمت آج تک کسی نے نہیں کی۔''

میں نے جواب دیا۔

''مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ میرے نام کا صحیح تلفظ کسی سے نہیں بنتا۔''

میں نے جواب دیا۔

''نام ہی ایسا ہے، کوئی کیا کر سکتا ہے......؟ ویسے خوب صورت آدمی ہو۔ رینڈی نے تمہارا انتخاب بلاوجہ نہیں کیا ہوگا۔''

یہاں بھی سر پیٹنے کو جی چاہتا تھا، کیونکہ یہ نام بھی میں نے پہلی بار ہی سنا تھا، لیکن سر پیٹنے کی گنجائش نہیں تھی۔ کیونکہ اس کے لئے دونوں ہاتھ اُٹھانا پڑتے اور بھلا ہاتھ اُٹھانے کی جگہ تھی کہاں......؟ چند لمحات کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

''تم نے میرا نام نہیں پوچھا۔''

''انتظار کر رہا ہوں کہ تم خود ہی بتا دو۔''

''ڈل ہونے کی کوشش مت کرو۔ اجنبیت کی دیواریں اس طرح نہیں ٹوٹتیں، انہیں توڑنا پڑتا ہے، اور پھر ضروری نہیں ہے کہ ایک خطرناک آدمی اپنے آپ کو لئے دیئے ہی رکھے۔ دوستی اچھی چیز ہوتی ہے۔ کیا تم مجھ سے متفق نہیں ہو......؟''

''کیوں نہیں......؟ کیوں نہیں......؟''

اس کے علاوہ میں اور کیا جواب دے سکتا تھا......؟ اس نے پھر کہا۔

''میرا نام لینا گوائل ہے۔''

میں نے اس نام کی کوئی تعریف نہیں کی تھی۔ اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھنے کی کوشش کی اور پھر سامنے کی جانب متوجہ ہوگئی۔

طیارہ فضاء کی بلندیوں میں پرواز کر رہا تھا اور نیچے آبادی نظر آ رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے، ننھے منے مکانات جنہیں اس حالت میں مکان کہتے ہوئے بھی شرم آتی تھی۔ طیارہ تقریباً پینتیس منٹ تک سفر کرتا رہا تھا۔ پھر ایک دریا نظر آیا جو بل کھاتا ہوا نہ جانے کہاں سے کہاں تک چلا گیا تھا۔ دریا کے دوسری جانب ایک وسیع و عریض سبز قالین بچھا ہوا نظر آ رہا تھا، جس کی لمبائی چوڑائی کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے اختتام پر ایک ننھا سا مکان کی شکل کا کھولنا بھی رکھا ہوا تھا۔ قالین کے اطراف میں ایک لکیر بھی نظر آ رہی تھی جو بالکل چوکور تھی۔

طیارہ کچھ اور نیچے آیا تو یہ چیزیں واضح ہوگئیں۔ سبز قالین گھاس کا ایک بڑا میدان تھا۔ اطراف کی چوکور لکیر اس مکان کے گرد احاطہ اور وہ جسے میں نے ایک چھوٹا سا ننھا سا کھولنا سمجھا تھا، ایک خوب صورت مکان تھا۔ طیارہ اور نیچے آ گیا۔ لڑکی اسے اینگل پر لانے کی کوشش کر رہی تھی اور پھر اس نے طیارہ گھاس کے اسی میدان پر اُتار دیا۔ ایک بار پھر میرے پیٹ میں گڑبڑ ہونے لگی تھی، لیکن جو کچھ بھی ہوتا، برداشت کرنا تھا، سو کیا۔

اور جب طیارہ رُکا تو اتنے زور سے چکر آیا، جیسے سب اُلٹ گیا ہو۔ لڑکی نے کاک پٹ ہٹایا اور نیچے کود گئی۔ اب مجھ جیسے خطرناک آدمی کے لئے یہ ضروری تھا کہ کسی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ کئے بغیر میں بھی نیچے کود

جاؤں۔

چنانچہ دل پر جو بھی بیتی ہو، اعضاء کی جو بھی کیفیت ہوئی ہو، اس کا ذکر بے مقصد ہے۔ میں اسی دلیری کا مظاہرہ کرتا ہوا خود بھی نیچے آ گیا۔ لینا گوائل میرے ساتھ ساتھ، اس عمارت کی جانب بڑھنے لگی۔ مکان پُرفضاء جگہ پر واقع تھا اور جسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ اس حسین علاقے کو کھلا رکھنے کے لئے کتنی دولت خرچ کی گئی ہے۔ اسی کے مطابق اندر سے بھی شاندار تھا۔ ایئر کنڈیشنز لگے ہوئے تھے۔ دو تین ملازم نظر آئے جنہوں نے مؤدبانہ انداز میں لینا گوئل کا استقبال کیا۔ لیکن وہ کسی سے مخاطب ہوئے بغیر میرے ساتھ اندر داخل ہوگئی۔ اس نے مجھے ایک کمرہ دکھاتے ہوئے کہا۔

''مسٹر شیمی......! یہ کمرہ آپ کی رہائش گاہ ہے۔ باقی تفصیلات کے لئے کوئی جلدی نہیں ہے، آپ اطمینان سے اس میں قیام کریں۔ میں آپ کے لئے لباس وغیرہ کا بندوبست کئے دیتی ہوں۔ اگر مجھے واپسی میں کچھ دیر ہو جائے تو آپ بالکل فکر نہ کریں۔ یہاں تین ملازم ہیں، ان میں سے ایک آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا اور ضرورت کی ہر چیز آپ اس سے طلب کر سکتے ہیں۔''

''او کے......!''

میں نے گردن ہلائی اور جب وہ باہر چلی گئی تو میں دھڑام سے مسہری پر گر پڑا اور ذہن خالی کر کے چھت کو گھورتا رہا۔ اب تو سوچنے کے لئے بھی میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ نہ جانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا۔ جب کوئی بھی میرے پاس نہیں آیا تو میں خود ہی اُٹھا۔ میں نے اٹیچ باتھ میں جا کر منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور ابھی غسل خانے سے باہر نکلا ہی تھا کہ ایک ملازم میرے لئے بہت سے لباس لے کر آ گیا۔ پھر اس نے ایک طرف لگی ہوئی الماری کھول کر اس میں موجود زنانہ کپڑے نکال کر باہر انبار کئے اور میرے لباس ہینگر میں ٹانگ کر الماری میں لٹکا دیئے، پھر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''کسی اور شئے کی ضرورت جناب......؟''

''مس لینا کہاں ہیں......؟''

''وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔''

''نہیں شکریہ......!''

میں نے جواب دیا اور اس کے بعد ملازم چلا گیا تو میں اپنے لباس دیکھنے لگا۔ برانڈ نیو تھے اور بازار سے خریدے گئے معلوم ہوتے تھے۔ ساری زندگی میں ایک چیز مشترک رہی تھی۔ میں نے اپنے لئے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو، لیکن کسی بھی حیثیت سے میرے لئے کچھ کرنے والے بہت سے پیدا ہو جاتے تھے اور عام طور سے یہی ہوا تھا۔ میں نے اپنے لئے بہت کم ہی کچھ کیا تھا، بعد میں بھی کچھ نہ کچھ کرنے والے ملتے رہتے تھے اور یہ سلسلہ آج تک جاری تھا۔

یہ دوسری بات ہے کہ حقیقت کا علم ہو جانے کے بعد ایسی پنچ دی جاتی تھی کہ میں چاروں شانے چت ہو جاتا تھا۔ اب یہ خاتون لینا گوائل جہاز کے سفر میں مجھے مختصراً جو کہانی سنا چکی تھی، اس کا سر پاؤں بھی میں سمجھ نہیں پایا تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ جگہ جہاں ہم قید تھے، ڈیگورا کے نام سے پکاری جاتی تھی اور جس شخص نے اس خاتون کی فرمائش کی تکمیل کی تھی، اس کا نام رینڈی تھا۔ باقی اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔

شام کو تقریباً پونے آٹھ بجے لینا گوائل واپس آ گئی۔ اس وقت وہ سبز کاہی رنگ کے اسکرٹ میں کسی اسکول کی بچی ہی معلوم ہو رہی تھی۔ بالوں میں سبز ربن بندھے ہوئے تھے اور گھٹنوں تک موزے چڑھے ہوئے تھے۔ وہ اپنی عمر سے بہت چھوٹی لگ رہی تھی، لیکن میں اس کی بے پناہ دلکشی کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیا کرتا.....؟ یہ کیفیت کم بخت نیلس نے مجھے برباد کر کے عطا کی تھی، نہ میں اس کی خاندانی شراب پیتا اور نہ میرا خانہ خراب ہوتا، لیکن اب مجبوریاں پیدا ہو گئی تھیں۔

وہ مجھ سے میری دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں پوچھنے لگی اور جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس کے جانے کے بعد سے اب تک صرف اپنے کمرے میں محدود رہا ہوں تو اس نے حیرانی سے کہا۔

''تمہیں اُکتاہٹ نہیں ہوئی ڈیئر شیمی.....؟ باہر کا موسم بہت خوب صورت ہے اور ہم نے یہاں اپنے لئے بڑی دلکشی فراہم کر لی ہے۔ آؤ ذرا باہر نکل کر دیکھو۔ بادلوں کی چھاؤں میں ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں اور موسم بے حد خوش گوار ہو گیا ہے۔ میں نے تمہارے لئے لباس بھیجے تھے، یقیناً تمہیں پسند آئے ہوں گے اور تمہارے بدن پر بالکل فٹ بھی ہوں گے۔''

''شکریہ لینا.....! مگر میرے لئے یہ زیادہ دلچسپ بات ہو گی کہ تم مجھے اپنا مقصد بتاؤ اور یہ بتاؤ کہ مجھے تمہارے لئے کیا کرنا ہو گا.....؟''

''یقیناً وہ لوگ جو زندگی میں ہمیشہ اعلیٰ کارکردگی کے مالک ہوتے ہیں، آرام کو پسند نہیں کرتے، لیکن کبھی کبھی اپنی فطرت کے خلاف تھوڑا بہت سکون کا وقت بھی گزارنا چاہئے تاکہ صلاحیتیں بھی جمع ہو جائیں۔ میرا خیال ہے تمہیں اس کے لئے زیادہ دیر پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔ مجھے کسی کا انتظار ہے، وہ آ جائے تو پھر تم سے کاروباری گفتگو ہو گی۔ آؤ باہر آؤ، پلیز.....! تھوڑی دیر چہل قدمی کریں گے۔''

میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ وہ بچوں ہی کی طرح گھاس پر اٹکھیلیاں کرتی ہوئی چل رہی تھی۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ مجھ جیسے پریشان حال شخص کو، کوئی بھی چیز پسند نہ آئے۔ اس نے مجھے شاندار کارکردگی کا مالک کہا تھا اور یہ اس دور کی سب سے مضحکہ خیز بات تھی۔ میری کارکردگی جس قدر شاندار تھی، اگر اس کی مکمل تفصیل اس لڑکی کو معلوم ہو جائے تو بلاشبہ اس کو خوشی ہو گی لیکن ضرورت کیا تھی.....؟ مجھے کیا پڑی تھی جو ان لمحات کو ہاتھ سے جانے دیتا.....؟

وہ وقت تو خود بخود قریب آ جائے گا، جب یہاں سے بھی مجھے کان سے پکڑ کر نکال دیا جائے گا یا پھر

کہیں ایسی جگہ جھونک دیا جائے گا، جہاں مصیبتیں منہ کھولے میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ بس یہ تو ہمیشہ ہی ہوتا رہا تھا۔ دُھوپ چھاؤں آنکھ مچولی۔ یہی سب کچھ میری زندگی تھی۔

جہاز کو اُڑا کر لانے والی بوڑھی عورت کے میک اَپ میں مجھ سے ملنے والی یہ شاطر لڑکی اس وقت بالکل ہی ایک الہڑ اور نوخیز حسینہ نظر آ رہی تھی لیکن اپنی نظروں کی حفاظت ضروری تھی تاکہ برا وقت جلد نہ آ جائے۔ ہم میدان کے آخری سرے تک چلے گئے اور پھر وہاں سے واپس پلٹ پڑے۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔

رات کا کھانا نہایت پُرتکلف تھا اور اس احساس کے ساتھ کہ صبح کے ناشتے میں ممکن ہے لاتیں، تھپڑ اور گھونسے ملیں۔ میں نے اس کھانے کو غنیمت سمجھ کر اچھی طرح پیٹ بھر کر کھایا۔ ساڑھے گیارہ بجے تک لینا گوائل میرے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ ان باتوں کے دوران میں نے اس علاقے وغیرہ کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی تھیں اور گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔ بہت زیادہ فاصلے نہیں طے کئے تھے میں نے، اور جانی پہچانی جگہ پر ہی تھا۔

بہرحال اس کے بعد لینا گوائل مجھے آرام کرنے کا مشورہ دے کر واپس چلی گئی۔ اگر خواب آور دوا ہوتی تو اس کی اتنی مقدار کھا کر سکون کی نیند سو جاتا کہ پھر کوئی اُلجھن باقی نہ رہتی، لیکن اپنی تمام تر توتوں کو جمع کر کے دماغ کو خالی رکھنے اور سونے کی کوشش کرنے لگا اور تھوڑی دیر بعد اس میں کسی حد تک کامیابی نصیب ہو گئی۔

لیکن ابھی نیند گہری بھی نہیں ہوئی تھی کہ کسی کھٹکے سے آنکھ کھل گئی۔ بغلی کھڑکی سے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ مدہم روشنی میں، میں نے اس کا ہیولا دیکھا اور میرے بدن میں ہلکی سی لرزش پیدا ہو گئی۔ چست بدن کا ایک دراز قامت آدمی تھا لیکن جسم پر لباس منڈھا ہوا تھا اور چہرے پر نقاب چڑھی ہوئی تھی۔ نقاب میں آنکھوں کی جگہ دو گول سوراخ تھے اور باقی چہرہ میری نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔ میں آدھے بدن سے اُٹھ کر مسہری پر بیٹھ گیا اور پھر میں نے کرخت لہجے میں اس سے کہا۔

''کون ہو تم.....؟ کیا بات ہے.....؟''

اس نے زبان سے کچھ کہنے کی بجائے ہاتھ سے جواب دیا اور اچانک ہی اس کا گھونسا میری ٹھوڑی پر پڑا تھا۔ ایسا زبردست گھونسا تھا کہ ایک لمحے کے لئے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ سر مسہری کی پشت سے ٹکرایا اور پاؤں خود بخود بلند ہو گئے، لیکن اس طرح میرے پاؤں اس کے سینے سے جا ٹکے تھے اور اس نے جس انداز میں میرے اوپر مسہری پر چھلانگ لگائی تھی، میرے پیروں پر رُک کر اپنے مقصد میں ناکام رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی دونوں پاؤں زور سے جھٹکے، اب یہ پتا نہیں کہ وہ آدمی ہی ہلکا پھلکا تھا یا اس وقت غیر اختیاری طور پر میرے پیروں کی قوت بڑھ گئی۔ وہ فضاء میں بلند ہو کر دیوار سے ٹکرایا اور نیچے آ رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ سنبھلا اور اس نے ایک بار پھر مسہری کی طرف چھلانگ لگا دی۔

غالباً وہ چاہتا تھا کہ میں مسہری سے اُٹھ نہ سکوں۔ لیکن اس بار جیسے ہی وہ میرے قریب آیا، میں نے

پہلے جیسی کوشش کر ڈالی اور اس کے سینے پر ایک زوردار لات پڑی۔ بلاشبہ ایسے ہی لگا تھا جیسے میں نے کسی دیوار میں لات ماری ہو۔ اس نے اس بار میرا پاؤں پکڑ کر خود کو گرنے سے روکا اور اس کے بعد دفعتہً گھوم گیا۔ گھومتے ہی اس نے میرے پکڑے ہوئے پاؤں کو مروڑ کر مجھے مسہری سے نیچے پھینک دیا، لیکن یہاں بھی میری کوششوں کا دخل نہیں تھا۔ میں نیچے گرا لیکن اس طرح سیدھا ہو گیا جیسے اسپرنگ کا گدا ہوں۔ البتہ مجھے یہ بات تسلیم کرلینا پڑی تھی کہ نقاب پوش، گوشت پوست کا بنا ہوا نہیں، بلکہ فولادی انسان ہے اور اس پر قابو پانے کے لئے اگر میں نے شدید جدوجہد نہ کی تو وہ مجھے پیس کر رکھ دے گا۔

اس نے ایک بار پھر مجھ پر حملہ کر دیا تھا۔ کھڑے ہاتھ کی ضرب اس نے میرے سر پر لگانا چاہی، لیکن میں نے نہ جانے کس طرح ہاتھ بلند کر کے اس کا ہاتھ درمیان ہی میں روک لیا اور اس کے وزن سے پیچھے کی جانب چھلکتا چلا گیا، لیکن جیسے ہی میں زمین پر گرا، وہ میرے سر سے اُچھل کر ایک بار پھر دیوار سے جا ٹکرایا۔ میں خوف و دہشت کے عالم میں اپنے آپ کو اس کے حملوں سے بچانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ لیکن کم بخت چھلاوہ تھا، چھلاوہ......! دوبارہ دیوار سے ٹکرا چکا تھا، لیکن ہر بار پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر مجھ پر حملہ آور ہو جاتا تھا۔ اس بار بھی وہ بجلی کی تیزی سے اُٹھا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر میرے سینے پر ٹکر مارنے کی کوشش کی، لیکن میری بغل کے درمیان سے گزرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ دھڑام سے کھلا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ دروازے سے نکل کر باہر جا پڑا۔

میری آنکھوں میں دُھندلاہٹ پھیلی ہوئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اب یہ شخص مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ دل تو چاہتا تھا کہ اس سے کم از کم یہ سوال تو ضرور کروں کہ پیارے بھائی......! کیا تم فرشتہ اجل ہو اور میری زندگی کا کھیل ختم کرنے آئے ہو......؟ کم از کم اتنا تو بتا دو کہ مرنے سے پہلے عزرائیل سے واقف ہو جاؤں اور اگر موقع نہ ملے تو یہ کہوں کہ لوگ نہ جانے فرشتہ اجل کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کیوں کرتے ہیں......؟ وہ تو جب آتا ہے تو اس کے بدن پر ایک چست لباس ہوتا ہے اور چہرے پر نقاب، آنکھوں کی جگہ گول سوراخ، اور وہ اتنی آسانی سے روح قبض نہیں کرلیتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ دیکھنے والوں کو اس کے اور مرنے والے کے درمیان ہونے والی چپقلش نظر نہ آئے اور وہ صرف یہی سمجھتے ہوں کہ فرشتہ اجل اطمینان سے روح نکال کر رفو چکر ہو گیا۔ اس کے لئے تو بڑی شدید جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ لیکن کم بخت سوال کرنے کا موقع دیتا تب ناں......!

اپنی تمام تر قوتوں کو بروئے کار لا کر وہ مجھ بدنصیب پر قاتلانہ حملے کئے جا رہا تھا اور اس کی ہر جنبش پر قاتلانہ حملے کئے جا رہا تھا اور اس کی ہر جنبش ہی بتاتی تھی کہ اس بار وہ میری ہڈیوں کا سرمہ کئے بغیر نہیں رہے گا۔ لیکن مجھے بھی نہ جانے کیا ہو رہا تھا......؟ بچنے کی کوششوں میں ہر بار زاویہ اس طرح بدل جاتا کہ نقاب پوش کو منہ کی کھانی پڑتی۔

بخدا ان تمام حرکتوں میں میرا کوئی دخل نہیں تھا اور اس وقت تو میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابرانوس میری مدد کر رہا تھا۔ کیونکہ اس کے وجود کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ وہ تو صرف ایسے پینترے تھے جو جان بچانے کے لئے استعمال کئے جا رہے تھے، لیکن اس نقاب پوش کو انہی کی وجہ سے اپنے مقصد میں ناکامی ہو رہی تھی۔ بہت سی چیزیں اس دوران ٹوٹ چکی تھیں اور اس نے تمام حربے آزما لئے تھے۔ میں کبھی مسہری پر چڑھ جاتا، کبھی میز پر، اور اس کے نپے تلے وار اس طرح ناکام جاتے کہ مجھے خود حیرت ہوتی۔ الماری کا شیشہ چور چور ہو گیا تھا، بڑی ہی ہنگامہ خیز کیفیت تھی۔

پھر ایک بار اس نے مجھے دبوچ ہی لیا۔ مجھے ایسے ہی محسوس ہوا تھا جیسے دو چٹانیں آپس میں جڑ گئی ہوں اور میں ان کے درمیان پھنس گیا ہوں۔ میں نے دہشت زدہ انداز میں دونوں کہنیاں اس کی پسلیوں سے لگا کر اسے دھکیلنے کی کوشش کی اور وہ اُچھل کر مسہری پر جا پڑا لیکن اس کے بعد اس نے اُٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ جس میں دہشت کا عنصر غالب تھا، دروازے کی طرف دیکھا تا کہ اگر دروازہ کھلا ہوا ہو تو ایک ہی چھلانگ میں اس سے نکل بھاگوں، لیکن دروازے میں لینا گوائل دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے کھڑی تھی۔ اس کے بدن پر شب خوابی کا لباس تھا، لیکن آنکھوں میں نیند کے اثرات نظر نہیں آ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن دہشت کے مارے آواز حلق سے نہیں نکل سکی۔ تب نقاب پوش اُٹھ کر مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں پاؤں لٹکائے ہوئے تھے۔ پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب نوچ کر پھینک دی اور تعریفی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

اب میں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ سرخ و سفید رنگت کا مالک تقریباً پچپن سالہ شخص تھا جس کی ٹھوڑی پر چھوٹی سی داڑھی اُگی ہوئی تھی۔ بائیں گال پر ایک گہرے زخم کا نشان تھا۔ ایک نگاہ میں دیکھنے سے ہی بے حد خطرناک نظر آتا تھا۔ سب سے خوفناک چیز اس کی آنکھیں تھیں جس کے ڈھیلے سفید نہیں بلکہ گہرے سرمئی تھے اور پتلیاں سیاہ تھیں جن کی وجہ سے یہ آنکھیں ہیبت ناک لگتی تھیں۔ اس کی تھکی تھکی آواز اُبھری۔

''بلاشبہ رینڈی نے ہمارے لئے بہترین انتخاب کیا ہے لینا......! میں تسلیم کرتا ہوں کہ تمہارا کہنا بالکل درست تھا۔''

لینا گوائل مسکراتی ہوئی اندر آ گئی اور پھر اس نے کمرے کے ماحول کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ ڈیڈی......! آپ نے تو اس کمرے کو بالکل ہی کباڑ خانہ بنا دیا ہے۔''

میری کھوپڑی ان الفاظ پر ہوا میں معلق ہو گئی۔

''کیا یہ لینا گوائل کا باپ ہے......؟ بیٹی نے دن بھر میری خاطر مدارت اور دلجوئی کی اور باپ نے اس کا معاوضہ وصول کر لیا۔ لیکن یہ ڈرامہ سمجھ میں نہیں آیا تھا، آخر اس کی وجہ......؟''

لینا نے آگے بڑھ کر میرا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

''آؤ ڈیئر......! میں تمہیں اپنے ڈیڈی سے ملاؤں، تمہیں تشویش تھی کہ تمہیں یہاں کیوں بلایا گیا......؟ ویسے اس ورزش نے تمہاری نیند ختم کردی ہوگی۔''

میں حیران نگاہوں سے معمر شخص کو دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور ایک ملازم ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ اس پر کافی کے برتن سجے ہوئے تھے۔ کمرے کی حالت دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے سہم گیا تھا۔

''جاؤ......!''

لینا نے خشک لہجے میں کہا اور ملازم بوکھلائے ہوئے انداز میں باہر نکل گیا۔ لینا گوائل میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

''مجھے اندازہ تھا کہ اس ورزش کے بعد عمدہ کافی کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے میں نے پہلے ہی اس کا بندوبست کرلیا تھا۔''

اس نے کافی بنا کر ایک پیالی مجھے، دوسری اس شخص کو اور تیسری خود لے کر بیٹھ گئی۔ بیٹھنے کے لئے اس نے ایک اُلٹی ہوئی کرسی سیدھی کی تھی۔ معمر شخص نے کافی کے دو تین گھونٹ لینے کے بعد کہا۔

''طویل عرصہ گزر گیا جسمانی مشقت کئے ہوئے، مشقت اگر ختم ہو جائے تو بعض کام بالکل نہیں کئے جاسکتے اور پھر عمر کا تقاضہ بھی ہے، یہ دور تمہارا ہے نوجوانو......!''

میں نے دل میں سوچا۔

''جنگلی جانور......! اگر تم عمر رسیدہ نہ ہوتے، فارم میں ہوتے تو میرا کیا بنتا......؟ یقیناً ریڑھ کی ہڈی کندھے پر لٹکی ہوتی اور ٹانگیں بغل میں۔''

میں زیادہ نہ سوچ سکا، معمر آدمی کی آواز اُبھری تھی۔

''ایک زمانے میں، میں کرک ڈگلس تھا۔ ریسلنگ ایرینا کا کنگ، میں ورلڈ چمپئن کبھی نہیں رہا، لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ ورلڈ چمپئن میرا بچپن کا دوست تھا اور میں نے اسے کبھی ریسلنگ میں چیلنج نہیں کیا، ورنہ چمپئن بیلٹ اس کے پاس نہ ہوتی۔ بہرحال میں کرک ڈگلس کی بات نہیں کر رہا تھا۔ تمہیں گولڈ ڈسٹ کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ ہماری کہانی ڈرامائی حیثیت رکھتی ہے نوجوان......! ہم باپ بیٹی اس دُنیا میں صرف ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، کسی زمانے میں گولڈ ڈسٹ بہت مقبول ہوگیا تھا اور میں نے بہت سے کارنامے انجام دیئے تھے۔ دُشمنوں کی بہت بڑی تعداد پال لی تھی میں نے، خوب ہنگامے ہوتے تھے۔

لیکن پھر میرا مقابلہ ہوکسا سے ہوگیا۔ ہوکسا میری توقع سے زیادہ طاقت ور تھا، لیکن میں اندازہ نہیں لگا سکا اور اس سے بھڑ گیا۔ نتیجہ بہتر نہ ہوا۔ شاید ہوکسا کے مقابلے پر اتنا کمزور نہ پڑتا لیکن وہ کم بخت طاقت ور ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے خفیہ علم کا ماہر بھی ہے جو عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ خود میں بھی انہیں آج تک

نہیں سمجھ سکا۔

مختصر یہ کہ جوانی میں، میں نے گیارہ سال ہوکسا کی قید میں کاٹے ہیں۔ مجھے اُمید نہیں تھی کہ کبھی اس کی قید سے رہائی حاصل ہو سکے گی، لیکن میری بیٹی لینا گوائل نے چودہ آدمیوں کو ہلاک کر کے مجھے رہا کرالیا اور واپس لے آئی۔ جرم کی دُنیا سے کنارہ کشی کئے عرصہ دراز ہوگیا۔ لیکن لینا مجھے بالآخر اس دُنیا میں لے آئی۔ میرا گروہ منتشر ہوگیا۔ لوگ نہ جانے کہاں سے کہاں چلے گئے......؟ زندہ بھی ہیں یا مر گئے......؟ صرف چند افراد کا پتا چل سکا اور میں نے ان سے رابطہ قائم کیا ہے، لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ گولڈ ڈسٹ کو زندہ کروں۔ مجھ سے زیادہ یہ میری بیٹی کی خواہش ہے اور اس کے لئے مجھے ساتھیوں کی ضرورت ہے۔ رینڈی میرا اس دور کا دوست ہے، میں نے لینا کو اسی لئے رینڈی کے پاس بھیجا تھا کہ اس کام کی تکمیل کے لئے مجھے کوئی عمدہ آدمی درکار تھا لیکن مجھے اس کی توقع نہیں تھی......''

''کس کی ڈیڈی......؟''

لینا نے گفتگو میں دخل دیا۔

''......کہ پہلا ہی آدمی اتنا شاندار ہوگا۔''

''اوہ......!''

لینا مسکرا دی۔

''اپنا تعارف نہیں کراؤ گے نوجوان......؟''

کرک ڈگلس نے کافی کا آخری گھونٹ لے کر کہا۔

''تمہاری بیٹی میرا نام جانتی ہے۔''

''صرف نام......؟''

کرک بولا۔

''یہ تعاون نہ ہوا۔''

''جو کچھ بھی ہے۔''

میں نے خشک لہجے میں کہا۔

''تب تو یہ تشویش بھی ہوسکتی ہے کہ تم دل سے اس گروہ میں شامل ہونے کے لئے تیار بھی ہو یا نہیں......؟''

''اوہ ڈیڈی......! آپ یہ سب کچھ مجھ پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے......؟ آپ کو صرف پرفیکشن کی فکر تھی۔ آپ نے دیکھا، وہ بالکل فٹ ہے۔''

لینا نے کہا۔

"باقی ذمہ داری میں سنبھال لوں گی۔"

"اگر تم مناسب سمجھتی ہو تو ٹھیک ہے۔"

کرک نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ دوسری ذمہ داریاں سنبھالے رہیں ڈیڈی......! مسٹر شیمی سے بقیہ معاملات میں طے کرلوں گی۔"

"اوکے......! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے تم پر اعتماد ہے۔ میرا خیال ہے اب مجھے یہاں سے اُٹھ جانا چاہیئے۔"

"اوکے ڈیڈی......! صبح ناشتے پر آپ سے ملاقات ہوگی۔"

لینا بولی اور کرک ڈگلس اُٹھ گیا۔ میں اسے باہر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس عمر کے کسی شخص کو میں نے اتنا چست نہیں دیکھا تھا۔ اس کے جانے کے بعد لینا گوائل مسکرانے لگی تھی۔

"اُٹھو......! یہ کمرہ تو برباد ہو چکا ہے۔ میرے کمرے میں چلو۔ صبح ملازم یہ سب کچھ ٹھیک کر دیں گے۔"

"گویا اس کے بعد بھی سونے کی اجازت نہیں ہے......؟"

میں نے ناخوش گواری سے پوچھا۔

"نہیں ہے، باتیں کریں گے۔"

"عجیب زبردستی ہے۔"

"ہاں ہے......!"

اس نے دلبرانہ انداز میں کہا اور مجھے رنگین پیالوں میں ازغوانی کاک ٹیل گردش کرتی نظر آنے لگی، لیکن خود کو سنبھالا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئی۔ پہلے کی نسبت کچھ زیادہ بے تکلف نظر آ رہی تھی۔ مجھے مسہری پر بٹھا کر خود میرے نزدیک بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

"تمہیں تفصیل معلوم ہوگئی شیمی......! کیا تم دل سے ہمارے ساتھ شریک ہونا پسند کرو گے......؟"

"پتا نہیں......!"

میں نے بے زاری سے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"واقعی مجھے پتا نہیں......!"

"میں پھر وہی سوال کروں گی کہ کیا مطلب......؟"

"میں نے جو بات بھی دل سے چاہی ہے، وہ کبھی نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں......؟"

"بس......! یہ آج تک کا ریکارڈ ہے۔ وقت آنے دو، تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔"

"عجیب بات ہے......!"

"واقعی عجیب بات ہے، لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ وقت آنے دو، تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا کہ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں، اس کا اُلٹا ہو جاتا ہے۔ سوچتا کچھ ہوں، ہوتا کچھ ہے، لوگ میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور جب انہیں حقیقت کا علم ہوتا ہے تو یہ نہیں سوچتے کہ جو کچھ کیا ہے، انہوں نے خود کیا ہے۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ یہ سب میری کارستانی ہے اور پھر......"

میں نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔ لینا گوائل تھوڑی دیر تک سوچتی رہی، پھر اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"شیمی ڈیئر......! جو کچھ میں کہہ رہی ہوں، اس میں ذرّہ برابر جھوٹ نہیں ہے۔ میں تمہاری شخصیت سے بے حد متاثر ہوگئی ہوں۔ میں کنواری ہوں اور زندگی کے جوان سالوں میں کسی مرد کی قربت سے نہیں گزری۔ میں نے کبھی محبت کے بارے میں سوچا بھی نہیں، لیکن شاید میں تم سے محبت بھی کرنے لگی ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم میرا ساتھ دو، میرے ساتھ رہو۔ میں لینا گوائل کو پھر سے زندہ کرنے کی خواہاں ہوں۔ یہ بھی سنو......! تم اگر میرا ساتھ نہیں دو گے تو میں یہ خیال دل سے نکال دوں گی اور گولڈ ڈسٹ ہمیشہ کے لئے مر جائے گا۔

بس......! یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ تمہارے پاس وقت ہے، سوچ لو، اپنے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتے، نہ بتاؤ۔ کوئی تم سے کچھ نہیں پوچھے گا، لیکن جو فیصلہ کرو، دل سے کرنا۔ تم کسی طور مجبور نہیں ہو۔ ہمارا ساتھ دینے سے انکار کر دو گے تو ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے۔ جہاں جانا چاہو گے، انتظام کر دیا جائے گا۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی۔"

وہ اُٹھ گئی۔

"کہاں......تم کہاں جا رہی ہو......؟"

"جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے، کبھی کسی سے نہیں کہا، اور یہ سب کچھ کہنے کے بعد میں تمہارے پاس رُک نہیں سکوں گی، خدا حافظ......!"

"اے سنو......! یہ تمہاری خواب گاہ ہے۔"

"آج رات تمہاری ہے۔"

اس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ میں مسہری پر پاؤں لٹکائے بیٹھا رہ گیا۔ دل میں کہا۔

"اے کنواری حسینہ......! مان لیا، سب کچھ مان لیا، لیکن اتنا جانتا ہوں میں، اگر تیرے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا تو اس فیصلے کی عمر چند روزہ ہوگی اور پھر وہی تقدیر کی خواری۔ میں خود کچھ بھی تو نہیں ہوں۔ جو کچھ ہوتا ہے، وقت کی کہانی ہوتا ہے، اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ میں تو خلوصِ دل سے سب کچھ کرنا چاہتا

ہوں لیکن وقت مجھے کچھ کرنے نہیں دیتا۔

مسٹر کرک ڈگلس سے بھلا میں نے کب جنگ کی تھی......؟ جو کچھ ہوا تھا، وہ سب جان بچانے کی کوششیں تھیں اور اب بھی جو کچھ ہوا ہے، کوئی غلط فہمی ہے۔ ڈی پارک بھی بے وقوف تھی کہ مسلسل مجھے ڈان پر سیلے سمجھ رہی تھی۔ ممکن ہے اسے حقیقت معلوم ہو چکی ہو۔''

سوچتے سوچتے میں تھک گیا تو بستر پر لیٹ گیا اور پھر نیند بھی آ گئی۔ دوسری صبح میں نو بجے جاگا تھا۔ ساڑھے نو بجے تک میں بستر میں کروٹیں بدلتا رہا۔ پونے دس بجے غسل سے فارغ ہوا۔ دس بجے لینا گوائل آ گئی، نکھری نکھری صبح کی مانند۔ میں نے اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''ہیلو......!''

میں نے کہا۔

''ہیلو......! نیند پوری ہو گئی......؟''

''ہاں......! رات بہت دیر تک سو نہیں سکا تھا۔''

''سوچتے رہے ہو گے۔''

''ہاں......!''

''چلو ناشتہ کر لیں۔ ڈیڈی تمہارا انتظار کر کے جا چکے ہیں۔''

''اوہ......! سوری لینا......!''

''نہیں......! ایسی کوئی بات نہیں ہے، آؤ......!''

ناشتے کے کمرے میں دو ملازم مستعد تھے۔ ہم نے خاموشی سے ناشتہ کیا تھا۔ پھر ہم ناشتے سے فارغ ہو گئے۔

''مسٹر کرک ڈگلس کہاں گئے......؟''

''اپنے کسی کام میں مصروف ہیں۔ ویسے میں نے انہیں پھر سے زندہ کر دیا ہے، لیکن میں جانتی ہوں کہ یہ ان کے ساتھ زیادتی ہے۔ اب وہ زیادہ کام نہیں کر سکتے۔ اس لئے شیمی......! میں سرگرم ہونا چاہتی تھی۔ لیکن تنہا انسان کیا کر سکتا ہے......؟ میں نے ڈیڈی کو ایک مشورہ دیا تھا شیمی......!''

''کیا......؟''

''پہلے گولڈ ڈسٹ باقاعدہ گروہ تھا، بہت سے لوگ اس میں شامل تھے۔ بڑے بڑے کام ہوتے تھے، لیکن میں نے ڈیڈی سے کہا تھا کہ بعض اوقات بڑا اجتماع بھی نقصان دہ ہوتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ کم سے کم لوگ ہوں اور ہر شخص بے شمار انسانوں کا مجموعہ ہو۔ یعنی شاندار ذہانت اور صفات رکھنے والا۔ ہم اس پروگرام پر عمل کر رہے ہیں۔ میں اپنے ساتھ چند لوگوں کو رکھنا چاہتی ہوں، جو اعلیٰ کارکردگی کے مالک ہوں، لیکن ان کا انتخاب

بہت سوچ سمجھ کر کیا جائے اور اگر اپنے مطلب کے لوگ نہ ملیں تو......''

''پروگرام کیا ہے تمہارا لینا......؟''

''ہوکسا کے راستے کاٹوں گی، صرف ہوکسا کے راستے۔''

''یہ ہوکسا کون ہے......؟''

''ایک دوغلا چینی......! باپ چینی اور ماں پرتگالی۔ پورا گروہ رکھتا ہے۔ اس کم بخت نے ڈیڈی کو گیارہ سال تک اپنی قید میں رکھا ہے، پورے گیارہ سال۔''

''اس دوران تم کیا کرتی رہیں لینا......؟''

''یہ ایک لمبی کہانی ہے، پورے گیارہ سال کی کہانی۔ رفتہ رفتہ ہی سنا سکتی ہوں۔''

''رینڈی کون ہے......؟''

''ڈیڈی کا ایک پرانا دوست......!''

''ہوں......!''

میں نے گہری سانس لی، کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے......؟''

وہ چند لمحے انتظار کرتی رہی، پھر بولی۔

''تم نے کوئی فیصلہ کیا شیمی......؟''

''اُلجھن میں ہوں لینا......!''

''تمہارا دل ہمیں قبول نہیں کر رہا۔''

وہ اُداس سے بولی۔

''یہ بات نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو لینا......! اگر کوئی اُلجھن ہے تو صرف تمہارے لئے۔ میری اپنی کوئی بات نہیں ہے۔ ممکن ہے لینا......! مجھ سے تمہاری توقعات پوری نہ ہوں، جو تم نے سوچی ہیں۔''

''فی الحال میرے ذہن میں صرف ایک بات ہے شیمی......! تم دل سے ہمارا ساتھ قبول کر لو۔''

''اور اگر میں تمہارے معیار پر پورا نہ اُترا تو......؟''

''اسے ہم پر چھوڑ دو۔''

''تمہاری مرضی ہے لینا......! یوں سمجھ لو، جرائم کی دُنیا سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ صرف لوگوں کی غلط فہمیوں کا شکار رہا ہوں اور کسی کو آج تک مجھ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکا۔''

''اس کے علاوہ اور کچھ......؟''

لینا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، بس......! اتنا ہی کافی ہے۔"

"تو ہم تمہیں قبول ہیں۔ بس......! دل سے تعاون کرنا، باقی سب بعد کی باتیں ہیں۔ کسی سلسلے میں کامیابی یا ناکامی تو تقدیر کے کھیل ہوتے ہیں۔"

"او کے لینا......! اس سے زیادہ تمہیں نہیں سمجھا سکتا تھا۔ اب سب کچھ تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"گڈ......!"

لینا خوشی سے کھل اُٹھی۔ مسٹر کرک ڈگلس دوپہر کے کھانے پر بھی موجود نہیں تھے۔ لیکن شام کو پانچ بجے جب لینا میرے کمرے میں موجود تھی، ایک ملازم نے آ کر کہا۔

"مس......! مسٹر ڈگلس آپ کو طلب کر رہے ہیں۔"

"اوہ......! ڈیڈی آ گئے......؟ شیمی کو بھی بلایا ہے......؟"

"نہیں......!"

ملازم نے جواب دیا۔

"میں ابھی آتی ہوں شیمی......!"

لینا نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی، لیکن نہ جانے کیوں چھٹی حس نے ایک اشارہ کیا تھا۔ کچھ نہ کچھ ضرور تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں بھی پھرتی سے اُٹھا اور چھپتا چھپاتا کمرے کی طرف چل پڑا۔ دُور سے میں نے لینا کو ایک کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کمرے کے عقب میں ایک ایسی کھڑکی تلاش کرنے میں مجھے دقت نہ ہوئی، جس سے نہ صرف اندر جھانکا جا سکتا تھا، بلکہ اندر کی باتیں بھی سنی جا سکتی تھیں۔ میں نے لینا کی آواز سنی۔

"ہیلو ڈیڈی......!"

اندر کمرے میں مسٹر ڈگلس کے علاوہ ایک اور شخص بھی تھا جو چوڑے چکلے بدن کا مالک، گنجا آدمی تھا۔ مسٹر ڈگلس، لینا کو دیکھ رہے تھے۔

"خیریت ڈیڈی......! کیا بات ہے......؟"

"انہیں پہچانتی ہو لینا......؟"

کرک ڈگلس نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ......نہیں......! ان سے میں پہلی بار مل رہی ہوں۔ کون ہیں یہ......؟"

"رینڈی......!"

ڈگلس نے ٹھہر ٹھہر کر بتایا۔

"کون......؟"

لینا تعجب سے بولی۔

"مسٹر رینڈی......! وہی جن کے پاس میں نے تمہیں ڈیگورا بھیجا تھا۔"

ڈگلس نے جواب دیا۔

"کیا......؟"

لینا حیرت سے بولی۔

"ہاں......! یہی مسٹر رینڈی ہیں۔"

"لیکن میں......ڈیڈی......! وہاں میں ان سے نہیں ملی تھی۔"

لینا نے کہا۔

"میں بھی یہی جاننا چاہتا ہوں لینا......! وہاں تم کس سے ملی تھیں......؟"

اس بار رینڈی نے پوچھا۔

"اوہ انکل......! ڈیڈی نے مجھے آپ کی رہائش گاہ کی جو پچویشن بتائی تھی، میں وہیں گئی تھی۔ بے شک وہ آپ نہیں تھے، لیکن وہ صاحب بھی آپ کی طرح توانا، اور معاف کیجئے، سر سے گنجے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے مسٹر ڈگلس نے بھیجا ہے۔ گولڈ ڈسٹ کے مسٹر کرک ڈگلس نے، انہوں نے خوش اخلاقی سے میرا استقبال کیا اور پوچھا کہ وہ میری کیا خدمت کر سکتے ہیں......؟ تب میں نے انہیں بتایا کہ ڈیڈی کو کسی شاندار کارکردگی کے مالک ایک ایسے مجرم کی ضرورت ہے، جو آپ کی قید میں ہو۔ انہوں نے مجھ سے سلسلے میں معاملات طے کئے ہیں اور اس کے بعد شیمی کو میرے پاس بھیج دیا، جسے میں لے آئی۔"

"سنا آپ نے مسٹر کرک ڈگلس......! وہ شخص ڈاکٹر برائن تھا، جسے میں نے معلومات کے لئے بلایا تھا اور کسی مصروفیت کی وجہ سے اس سے نہ مل سکا تھا۔ ان لوگوں نے نہایت ذہانت سے کارروائی کی اور ڈان پرسیلے کو وہاں سے نکال دیا۔"

"کیسے......؟"

لینا چونک پڑی۔

"ڈان پرسیلے......! کیا تم نے یہ نام پہلے سنا ہے بے بی......؟"

"اوہ......! وہ دہشت گرد ڈان پرسیلے......؟"

"ہاں......! وہی، تمہارا مہمان، جسے تم شیمی کے نام سے پکار رہی ہو، دُنیا کا خطرناک ترین شخص ڈان پرسیلے ہے۔ ایک انتہائی ہولناک مجرم، ایک خوف ناک انسان۔"

"میرے خدا......!"

لینا گوائل کو شاید چکر آ گیا تھا۔ چکر مجھے بھی آ رہے تھے۔ یہ داؤ پیچ، یہ سب کچھ میری سطح سے بہت

بلند تھا۔ ڈاکٹر برائن نے واقعی ایک ناقابل یقین کارنامہ انجام دیا تھا، لیکن اس نے جان پر کھیل کر مجھے آزادی دلائی تھی۔ کتنی شاندار اسکیم تھی، کتنا عمدہ کھیل تھا، لیکن بہرحال، وہ مجھ سے مخلص تھے۔

''اور اب......اور اب......؟''

''بہرحال، اچھا ہوا، لینا کا دماغ درست ہوگیا۔ ہر قیمت پر مجھے قبول کر رہی تھی۔ اب ڈان پرسیلے کی حیثیت سے وہ میرے سلسلے میں کیا کرے گی......؟ کیا اب بھی وہ مجھے اپنے گروہ میں شامل کرے گی......؟''

دلچسپ پچویشن تھی، جبکہ میں پرسیلے نہیں تھا۔ یہ شخص رینڈی صورت حال سے واقف ہونے کے بعد کیا مجھے واپس لے جانے کے کوشش کرے گا......؟ ظاہر ہے، اس کی آمد اس کا اظہار کرتی ہے، لیکن کیا مجھے واپس جانا چاہئے......؟ ان لوگوں نے جان پر کھیل کر مجھے وہاں سے نکالا تھا۔ کیا میں ان کی کوششوں کو ناکام بنا دوں......؟ وہ مجھے آزادی دلانا چاہتے تھے، یہ سوچ کر کہ یہاں سے نکلنے کے بعد میں کسی نہ کسی طور پر اپنا انتقام لوں گا، خود اپنی حفاظت کروں گا اور میں یہاں دوبارہ ان کے قبضے میں چلا جاؤں......؟

اب دو ہی صورتیں ہیں۔ ہمیشہ کی طرح یہاں سے فرار ہو جاؤں اور اپنے لئے نئے ٹھکانے تلاش کروں......؟ ایسا ہی ہوتا آیا تھا۔ ابھی میرے پاس گنجائش تھی۔

اور دفعتہً مجھ پر ایک جنونی کیفیت طاری ہوگئی۔

''آخر میں کیا ہوں......؟ کھلونا ہوں کہ ہر کوئی مجھ سے کھیلتا رہے......؟ تقدیر ایک کے بعد ایک ٹھوکر لگائے اور میں کسی گیند کی طرح لڑھکتا رہوں......؟ میں اس بار ایسا نہیں کروں گا۔ اس بار میں خود کو آزماؤں گا۔

ہاں......! یہ سب اب بدلے ہوئے انداز میں ہوگا۔ میں ڈر کر یہاں سے فرار نہیں ہوں گا۔ دیکھتا ہوں، یہ لوگ مجھے میری مرضی کے خلاف کیسے مجبور کر سکتے ہیں......؟''

اندر آوازیں اُبھی رہی تھیں۔

''اس نے خود کو بالکل پوشیدہ رکھا ہے، اس نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''لیکن مسٹر کرک ڈگلس......! ایک اتنا بڑا شخص اس کام پر تیار ہو جائے گا......؟''

یہ رینڈی کی آواز تھی۔

''کیا وہ واقعی ڈان پرسیلے ہے......؟''

''سو فیصد مسٹر کرک ڈگلس......!''

''کیا مطلب......؟''

''اسے یہ پیش کش کی جائے تو......''

''ہم نے اس کی مدد کی ہے۔''

''یہ دوسری بات ہے۔''

''کوشش تو کی جاسکتی ہے۔''

''اگر آپ پسند کرتے ہیں تو ٹھیک ہے۔''

''اس کے فرار کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے رینڈی......!''

''نہیں......! میں انچارج نہیں ہوں۔ ان لوگوں کا انچارج آرگھو ہے اور اس سلسلے میں میری شخصیت بھی منظر عام پر نہیں آئی۔ یہ سب حیران ہیں کہ آخر ڈان پرسیلے کیسے نکل گیا......؟''

''انہوں نے ڈان پرسیلے کو قید کیوں کیا......؟''

''ڈان پرسیلے نے انہیں ایک ناقابل برداشت نقصان پہنچایا ہے۔ وہ بہت عرصے سے اس کی تاک میں تھے۔''

''تب ایک کام کرو رینڈی......! ڈان پرسیلے ان کے چنگل سے نکل ہی آیا ہے، لیکن اس کے ساتھی ان کے قبضے میں ہیں۔ میں تمہاری مدد سے اس کے ساتھیوں کو بھی آزاد کرنا چاہتا ہوں۔ ان کو آزاد کرانے کے بعد ہم پرسیلے سے درخواست کریں گے کہ وہ گولڈ ڈسٹ کو پرسیلے گروپ میں ضم کر لے اور ہم اس کی برانچ کی حیثیت سے کام کریں۔''

''کیا وہ تیار ہو جائے گا......؟''

''کوشش کریں گے۔''

''لیکن ان لوگوں کی آزادی......؟''

''اس کے لئے تمہیں محنت کرنا ہوگی۔''

مسٹر ڈگلس نے کہا۔ میں سینے پر پھونکیں مارنے لگا۔ حالات ایک نیا رُخ اختیار کر گئے تھے اور...... اور میرے لئے وہی سب کچھ تھا، جو ہوتا آیا تھا۔

''اب کیا کروں......؟ وہ لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، اس میں میرا کردار کیا ہوگا......؟''

''آہ......!''

نہ تو میں ڈان پرسیلے تھا، نہ کچھ اور۔

''کیا ہوں......؟ کیا نہیں ہوں......؟ کیا فیصلہ کروں......؟''

صورت حال میرے علم میں آگئی تھی۔ اس کے بعد یہاں رُکنا بالکل ہی بے مقصد تھا۔ میں واپس اپنی آرام گاہ میں آگیا۔ کیفیت یہ تھی کہ نہ میں ڈان پرسیلے تھا اور نہ ہی جرائم کی دُنیا سے واقف۔ جبکہ یہ لوگ مجھے ہوکسا گروپ کے خلاف کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ بعض اوقات تو جی چاہتا تھا کہ قہقہے مارتا ہوا سڑکوں پر نکل جاؤں، اپنا لباس پھاڑ دوں، بال نوچ لوں اور پاگلوں کی طرح چیختا چلاتا پھروں کہ لوگو......! میں دُنیا کا سب سے عجیب انسان ہوں۔ میں وہ ہوں، جس کا وجود بھی اس کا اپنا نہیں ہے، جو اپنے آپ کو کوئی نام دینے سے قاصر ہے، لیکن اس سے

بھی کیا فائدہ ہوگا......؟

بلکہ اس کے صلے میں پاگل خانے کا کوئی انچارج مجھے اپنے پاگل خانے سے فرار ایک قیدی قرار دے گا اور پھر یقیناً وہاں بھی مجھے اپنے نام کے ساتھ پاگل پن کا درجہ نہیں دا جائے گا۔ پھر ان ساری باتوں سے فائدہ......؟

بارہا جی کو سمجھایا کہ حالات جو کچھ بنا رہے ہیں، وہی بن جاؤ۔ سوچا بھی اور فیصلہ بھی کر لیا، لیکن اس فیصلے پر بھی تو میرا اختیار نہیں تھا۔ میں وہ بن گیا، جو کوئی مجھے بنانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے بعد مجھے ایک نئی شخصیت اختیار کرنی پڑی۔ بھلا ایسے حالات میں کیا کیا جا سکتا تھا......؟

نہ جانے کب تک میں بیٹھا تقدیر کو روتا رہا، اور پھر لینا گوائل میرے کمرے میں آ گئی۔ اس کی مسکراہٹ میں وہ تازگی اور اپنائیت نہیں تھی، جو اب سے پہلے نظر آتی تھی۔ غالباً یہ احساس اس کے ذہن میں جاگزیں ہو گیا تھا کہ میں ایک بہت بڑے گروہ کا سربراہ ہوں اور وہ میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یقیناً ان لوگوں کی گفتگو سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ڈان پرسیلے کی شخصیت سے واقف تھے۔

میں خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ لینا گوائل میرے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی، میرے ذہن میں تھا، لیکن میں اپنی طرف سے کسی گفتگو کا آغاز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لینا گوائل نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔

"مسٹر شیمی......! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

دل تو چاہا کہ اس سے کہوں کہ اب مجھے مسٹر شیمی کے نام سے کیوں مخاطب کر رہی ہے......؟ لیکن اس طرح اسے معلوم ہو جاتا کہ میں نے اس کی گفتگو سن لی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی دل کو مار لیا اور بھاری لہجے میں بولا۔

"ہاں لینا......! کہو کیا بات ہے......؟"

"مسٹر شیمی......! کچھ عجیب و غریب واقعات ہوئے ہیں اور اب مجھے شرم آتی ہے کہ میں نے تم جیسی شخصیت کو بڑے غرور کے ساتھ خوش آمدید کہا تھا اور تمہیں وہ مقام نہیں دیا تھا، جو درحقیقت دینا چاہئے تھا۔ مجھے تم سے معافی بھی مانگنی چاہئے مسٹر ڈان پرسیلے......! کہ میں اور میرے ڈیڈی تمہارا شایانِ شان استقبال نہیں کر سکے۔ براہِ کرم اب اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش مت کرنا۔ ہمیں تمام حقیقت معلوم ہو چکی ہے اور ہم دونوں ہی تم سے معافی کے خواستگار ہیں۔"

"بات یہ ہے ڈیئر لینا گوائل......! کہ میری زبان میری ساتھی نہیں ہے۔ میرا چہرہ، میرے اعصاب، میرا سارا وجود مجھ سے منحرف ہے۔ میں تقدیر کا ستایا ہوا ایک ایسا انسان ہوں جو اپنا وجود کھو دینے کے بعد حالات کے ہاتھوں میں ایک کٹی ہوئی پتنگ لگ جاتی ہے، وہ اسے اپنی پسند کے مطابق اُڑانا شروع کر دیتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو......؟"

میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ لینا گوائل کسی قدر تعجب سے مجھے دیکھنے لگی اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"میں نے تمہیں ڈان پرسیلے کے نام سے مخاطب کیا ہے، کیا تمہیں اس تخاطب پر تعجب نہیں ہوا......؟"

"نہیں......! اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ تقدیر میرے ساتھ نت نئے کھیل کھیلتی رہتی ہے، اور شاید اب کوئی نیا کھیل شروع ہو گیا ہے۔"

"کیا تم یہ بات تسلیم نہیں کرو گے کہ تم ڈان پرسیلے ہو......؟"

"تمہاری ڈیڈی کہاں ہیں......؟"

"دوسرے کمرے میں رینڈی کے پاس ہیں۔"

اس نے میرا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"گویا اس سلسلے میں مجھ سے گفتگو کرنے کی ذمہ داری تمہیں سونپی گئی ہے......؟"

"ہاں......! کیونکہ میرا تم سے سب سے پہلے تعارف ہوا تھا۔"

☆......☆......☆

"گزرے ہوئے واقعات پر ایک نظر ڈالو لینا گوائل......! تم اپنے ڈیڈی کے ایماء ڈی ہاک پہنچیں اور وہاں تمہیں رینڈی سے ملاقات کر کے ایک ایسے شخص کو حاصل کرنا چاہا تھا جو تمہارے مقصد کی تکمیل کرسکتا ہو۔ لیکن تم رینڈی کو نہیں پہچانتی تھیں۔ اس لئے جو شخص سب سے پہلے سامنے آیا، تم نے اسے رینڈی سمجھ کر اپنا مدعا ظاہر کر دیا۔ شاید یہ بات تمہیں معلوم ہوگئی ہو کہ جس سے تم نے ملاقات کی تھی، وہ ڈاکٹر برائن تھے۔ ڈاکٹر برائن درحقیقت ڈان پریسلے گروپ میں نمایاں بلکہ شاید ڈان پریسلے کے بعد سب سے بڑی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا نام ڈی پارک ہے، ڈی پارک ان گرفتار شدگان میں شامل نہیں تھی، جن کو ایک ملک کے نمائندوں نے جس کے ساتھ رینڈی کو بھی گرفتار کیا تھا۔

بہر طور میں ایک بار پھر تمہیں مختصر الفاظ میں اپنے بارے میں بتا دوں لینا گوائل......! کہ میں نہ ڈان پریسلے ہوں اور نہ ان تمام شخصیتوں میں سے ہوں جنہیں مجھ سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ میں ایک معمولی سا آدمی ہوں، اور میرا نام جیسا کہ میں نے تمہیں پہلے بتایا تھا، شامی ہے۔ لوگ مجھے نہ جانے کیا کیا سمجھ کر اپنے مقاصد کے تحت استعمال کرتے رہتے ہیں، اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا آلہ کار بن جاتا ہوں۔ مشرقی جرمنی میں مجھے پولیس نے ڈان پریسلے سمجھ کر گرفتار کیا گیا، اور پھر وہاں کے قید خانے سے ڈی پارک نے اپنا چیف سمجھ کر مجھے نکال لیا۔ اس نے بتایا کہ ایک فضائی حادثے میں میرے ہلاک ہونے کی اطلاع اسے ملی تھی۔ پھر یہ سمجھ کر کہ فضائی حادثے کے بعد میری ذہنی حالت خراب ہو چکی ہے، مجھے ڈاکٹر برائن کے زیر علاج دے دیا اور خود کسی نئی مہم پر نکل گئی۔

لینا گوائل......! درحقیقت میں ڈان پریسلے نہیں ہوں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ نئی قید میں آنے کے بعد ڈاکٹر برائن ایثار سے کام لیتے ہوئے مجھے فرار کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن اس نے ایسا ہی کیا۔ غالباً جذبۂ وفاداری اس کے سینے میں موجزن تھا، اور تم نے اتفاقیہ طور پر اس سے ملاقات کر لی تھی۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ ان لوگوں کا جو کچھ بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔ کم از کم مجھے تو ان کے چنگل سے آزادی ملے۔ یوں انہوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا اور تم مجھے لے کر یہاں آ گئیں۔

میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں تمہارے لئے ایک بے کار شخصیت ثابت ہوں گا لینا گوائل......! اس کے باوجود اگر تم ضد کرتی ہو کہ میں ڈان پریسلے ہی ہوں تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے......؟ لیکن اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اگر کبھی ڈان پریسلے منظرِ عام پر آ گیا یا اس کی موت کی تصدیق ہوگئی تو تم جو ڈان پریسلے گروپ میں شامل ہو جانے کی کوشش کر رہی ہو، کسی قابل نہیں رہوگی۔ وہ لوگ میرے کہنے پر شاید تمہیں اپنے گروپ میں شامل کر لیں، لیکن اس کے بعد وہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے، اور میری تو شامت خیر آئے گی ہی۔

میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے، اس پر غور کر لو۔ اس کے باوجود اگر تم ضد کرو کہ میں اپنے آپ کو ڈان پریسلے سمجھ کر گولڈ ڈسٹ کو پریسلے گروپ میں شامل کر لوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں ان لوگوں کو بھی احمق بنانے کے لئے تیار ہوں اور تمہیں بھی۔ لیکن میں نے سچائی سے کام لیتے ہوئے تمہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے۔ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔"

لینا گوائل کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ کافی دیر تک وہ خاموش بیٹھی رہی، پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی، اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے تھوڑی دیر کے لئے اجازت دو ڈیئر شیمی......!"

"او کے ڈیئر......!"

میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا اور وہ باہر نکل گئی۔ میں جانتا تھا، اب وہ اپنے ڈیڈی سے مشورہ کر کے آئے گی، اور یہی ہوا۔ لیکن اس کے ہمراہ رینڈ اور کرک ڈگلس بھی تھے۔ کرک ڈگلس مجھے تعجب خیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ رینڈی بھی میرا چہرہ حیرت سے دیکھ رہا تھا، اور پھر اس نے آگے بڑھ کر مجھ سے پوچھا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم ڈان پریسلے نہیں ہو......؟"

"مسٹر رینڈی......! میں نہیں جانتا کہ تم کیا عہدہ اور کیا حیثیت رکھتے ہو......؟ لیکن اگر تمہارے پاس کوئی ذریعہ شناخت ہے تو اس بات پر پورا بھروسہ کر لو کہ میں ڈان پریسلے نہیں ہوں، بلکہ پریسلے گروپ کے چکر میں پھنسا ہوا ایک شخص ہوں۔ اس بات کے سو فیصد امکانات ہیں کہ اصل ڈان پریسلے یقیناً فضائی حادثے میں ہلاک ہو گیا ہوگا۔ اگر ان ساری باتوں کے باوجود تم مجھے ڈان پریسلے ہی سمجھنے پر مصر ہو تو تمہاری مرضی......!"

رینڈی بھی پریشان نظر آنے لگا تھا۔ کرک ڈگلس اسے دیکھتا رہا، اور پھر ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

"رینڈی......! اگر یہ شخص اتنے اعتماد سے یہ بات کہہ رہا ہے تو ہمیں اس پر یقین کر لینا چاہئے۔ میرا خیال ہے، تم ان کی لاعلمی سے فائدہ اُٹھاؤ۔ خاموشی سے یہاں سے واپس چلے جاؤ اور ان لوگوں کے لئے اپنے طور پر کوئی کارروائی مت کرو۔ اگر تمہاری حکومت انہیں خود آزاد کرتی ہے یا ان کے خلاف کوئی کارروائی کرتی ہے تو تمہیں اس سے دلچسپی نہیں ہونی چاہئے، اور کیوں مسٹر شامی......؟ تمہیں بھی ان لوگوں سے کوئی ہمدردی نہیں

ہو گی......؟''

''مجھے اس ساری دُنیا میں کسی سے ہمدردی نہیں ہے مسٹر کرک ڈگلس......! کیونکہ میں اپنے آپ سے بھی ہمدردی نہیں کر سکتا۔''

میں نے جواب دیا۔

''اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے......!''

رینڈی شانے اُچکاتے ہوئے گویا ہوا۔

''ویسے بھی ابھی تحقیقات کی جا رہی ہیں کہ ڈان پر سیلے قید خانے سے کیسے نکل بھاگا......؟ اور میں پہلے ہی اس سلسلے میں بالکل معصوم قرار دیا گیا ہوں۔ چنانچہ میں اس سے کیوں نہ فائدہ اُٹھاؤں......؟''

''ٹھیک ہے مسٹر رینڈی......! تم واپس جاؤ۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسٹر شامی سے ہم خود گفتگو کر لیں گے۔''

اس گفتگو کے بعد وہ لوگ وہاں سے اُٹھ گئے۔ لینا گوائل بھی ان کے ساتھ ہی باہر چلی گئی تھی۔ تمام صورتِ حال ان لوگوں پر واضح ہونے کے بعد میں خود کو بہت پُرسکون محسوس کر رہا تھا۔

''اس کے بعد بھی اگر وہ لوگ فریب کھانا چاہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں......؟''

رینڈی کو رُخصت کرنے کے بعد وہ باپ بیٹی سیدھے میرے پاس ہی آئے تھے۔ کرک ڈگلس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا اور پھر تھکے تھکے سے انداز میں بیٹھ گیا۔

''بھئی......! اب ایک ایک کپ کافی ہونی چاہئے۔''

''میں کہہ دیتی ہوں ڈیڈی......!''

لینا نے کہا اور باہر نکل گئی۔ کرک ڈگلس پھیکی سی ہنسی ہنستا ہوا بولا۔

''اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ پہلے کبھی مجھے پیش نہیں آیا۔ بہرحال ڈیئر شامی......! جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اور جس انداز میں کہہ رہے ہو، وہ تمہاری باتوں کا یقین دلاتا ہے۔ لیکن خود تمہارا ماضی کیا ہے مسٹر شامی......؟''

''اس کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہ کریں۔ کیونکہ جو کچھ آپ کو میں بتاؤں گا، وہ آپ کے لئے ناقابلِ یقین ہو گا۔''

''چلو......! میں تمہاری بات مان بھی لوں کہ تمہارا ماضی میرے لئے ناقابلِ یقین ہو گا، لیکن حال اور مستقبل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے......؟''

''میں اپنے حال یا مستقبل کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میں خود بے یقینی کا شکار ہوں، اور میری ساری زندگی ایسے ہی ناقابلِ یقین واقعات سے عبارت ہے۔ مجھے خود بھی اس پر یقین نہیں آتا تو

دوسروں کو کیا یقین دلا سکوں گا......؟''

اتنی دیر میں لینا گوائل واپس آ گئی تھی۔ اس نے اپنے باپ کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا گفتگو ہو رہی ہے ڈیڈی......؟''

''بھئی......! تمہاری اس حیرت انگیز دریافت سے باتیں کر رہا ہوں، اور ساتھ ہی یہ بات سوچ رہا ہوں کہ آج ساری زندگی کا تجربہ خاک میں مل گیا۔''

''ہاں ڈیڈی......! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

''یہ حقیقت ہے مسٹر شیمی......! کہ جب رینڈی نے ہمیں بتایا کہ تم ڈان پر سیلے ہو تو ہم حیران رہ گئے تھے اور یہ فیصلہ بحالت مجبوری کیا گیا تھا کہ ہم گولڈ ڈسٹ کو تمہارے گروہ میں خم کر دیں تاکہ ہم بھی باقی رہیں۔ لیکن مجھے اس سے بہت خوشی نہ ہوتی، اور اب یہ جان کر کہ حقیقت وہ نہیں ہے جو ہم سمجھے تھے، میں بے حد مسرور ہوں۔''

''ایک سوال کرنا چاہتا ہوں مسٹر ڈگلس......!''

میں نے کہا۔

''ہاں ہاں......! ضرور......!''

''یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھے تھے، آپ نے مجھے خاموشی سے رینڈی کے سپرد کیوں نہ کیا......؟ کیا رینڈی نے اس کی فرمائش نہیں کی تھی......؟''

''اول تو رینڈی نے یہ فرمائش نہیں کی تھی، کیونکہ اس سے اس کا کوئی مفاد وابستہ نہیں تھا۔ اگر وہ تمہیں قیدی کی حیثیت سے یہاں سے لے بھی جاتا تو اس کے لئے جواب دہی مشکل ہوتی کہ اس نے تمہیں کیا پایا......؟ اور پھر بہت سی باتیں سامنے آتیں، جن سے رینڈی کو پریشانی لاحق ہو جاتی۔ لیکن اس کے باوجود اگر رینڈی اپنی حیثیت بنانے کے لئے یہ کوشش بھی کرتا تو ہم کسی قیمت پر تمہیں اس کے حوالے نہ کرتے۔''

''اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں......؟''

''ہاں......! یہ ہے اصل بات......! میں اب بھی اپنی اسی خواہش کو اپنے ذہن میں پاتا ہوں کہ تم میرے ساتھ کام کرو۔''

''یہ جاننے کے باوجود کہ میرا اس زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے......؟''

''ہاں......! یہ جاننے کے باوجود......!''

کرک ڈگلس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے مسٹر کرک ڈگلس......! اگر آپ کی یہی خواہش ہے اور تقدیر مجھے اب ان راستوں پر لے جانا چاہتی ہے تو میں انکار نہیں کروں گا۔''

میں نے بے بسی سے شانے ہلا دیئے۔ میری نگاہیں لینا گوائل کی جانب اُٹھ گئیں۔ وہ بڑے دل

آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔ پھر کافی پی گئی اور اس کے بعد کرک ڈگلس نے یہاں سے ہٹنے کی اجازت مانگ لی۔

واقعات کی تبدیلی کا یہ طوفان بھی گزر گیا اور اب میں کسی حد تک پُرسکون تھا اور اپنی زندگی کے ان نئے راستوں کی جانب دیکھ رہا تھا، جن پر مجھے آگے بڑھنا تھا۔ اب انہیں میری ذات سے نفع ہو یا نقصان، اس کے ذمہ دار یہ لوگ خود تھے۔

تقریباً ایک ہفتہ خاموشی سے گزر گیا۔ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہوتی۔ مسٹر کرک ڈگلس اکثر غائب رہتے تھے اور میرا سابقہ لینا سے ہی پڑتا تھا۔ میں نے کبھی ان سے ان کی مصروفیات کے بارے میں نہیں پوچھا تھا، لیکن اس قیام کے نویں دن لینا گوائل نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ سفر کے لئے تیار ہیں۔

''ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں......؟''

میں نے پوچھا۔

''فی الحال فرانس، غالباً ڈیڈی اپنے کام کا آغاز فرانس ہی سے کرنا چاہتے ہیں۔ پچھلے دنوں وہ فرانس گئے تھے اور یقیناً وہ وہاں اپنے لئے مصروفیات تلاش کر چکے ہیں۔''

''اوہ......! کمال ہے، مسٹر ڈگلس اس دوران فرانس بھی ہو آئے......؟''

''ہاں......! ڈیڈی کے لئے یہ مشکل کام نہیں تھا۔''

لینا گوائل نے مسکراتے ہوئے کہا، پھر بولی۔

''میرا خیال ہے، ہمیں فرانس روانہ ہونے میں بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ تم ذہنی طور پر تیار ہو......؟''

میں مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔ میں کیا اور میرا ذہن کیا......؟ واقعات تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے اور میں نے اپنی اس نئی حیثیت کو دل سے قبول کر لیا تھا۔ لینا گوائل نے اس شام مجھے اپنے سامنے بٹھا کر ایک بریف کیس کھول لیا، جس میں طرح طرح کے لوشن، پلاسٹک کے رومال اور عجیب عجیب سی چیزیں موجود تھیں۔ میں ایک نگاہ میں اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ وہ میک اَپ کا سامان ہے۔ غالباً لینا گوائل میرے چہرے میں تبدیلیاں کرنا چاہتی تھی، اور مجھے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔

لینا گوائل نے میری اجازت سے میرے چہرے کی مرمت شروع کر دی۔ میں اسے بوڑھی عورت کے میک اَپ میں ڈی ہاک میں دیکھ چکا تھا۔ بلاشبہ بے پناہ صلاحیتوں کی مالک یہ لڑکی میک اَپ میں بھی لاجواب تھی۔ اس نے میرے میک اَپ کے لئے ایک جوان اور خوب صورت آدمی کی تصویر کا سہارا لیا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ اس نے میرے چہرے پر صرف کیا۔ پھر جب اس کام سے فارغ ہو کر اس نے آئینہ میرے سامنے کیا تو میری آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئیں۔ میں نے اپنے آپ کو ہو بہو اس تصویر والے نوجوان کے مطابق پایا، جس کا چہرہ بے پناہ دلکش تھا۔ سب سے زیادہ دلکش میرے گھرے سنہرے بال تھے جنہیں لوشن سے رنگ دیا گیا

تھا۔ لینا گوائل قربان ہو جانے والی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''حقیقت تو یہ ہے مسٹر شیمی......! کہ تمہارا چہرہ پہلے بھی میرے لئے دلکش تھا، اب تم اور حسین ہو گئے ہو۔ لیکن چہروں کا حسن بے معنی ہوتا ہے۔ ہماری دوستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم ہو گئی ہے۔ کاش میں اپنے دل کا حال تمہیں سنا سکتی، یا کوئی ایسا ذریعہ ہوتا کہ میں تمہیں اپنی کیفیات کا یقین دلا سکتی۔ چلو اُٹھو، لباس تبدیل کر لو۔ تاکہ میں تمہیں ڈیڈی کے سامنے لے چلوں۔''

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ کرک ڈگلس نے گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا اور پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے میرے شانے کو تھپک دیا۔

''دوست......! میں نے تم سے تمہارے ماضی کی تفصیل نہیں پوچھی، اور نہ ہی میں زندگی میں کبھی کچھ پوچھوں گا۔ لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو، میں بوڑھا شیر ہوں، اپنے بازوؤں کی قوت تمہیں بتا ہی چکا ہوں، اور اس کے عوض جو کچھ تمہیں دوں گا، تم اس سے یقیناً مطمئن رہو گے، مجھ سے بھرپور تعاون کرنا۔''

''فیصلہ یہ ہوا ڈیئر شیمی......! کہ ڈیڈی دماغ ہوں گے اور ہم دونوں بازو۔ اس طرح گولڈ ڈسٹ اس وقت صرف تین افراد پر مشتمل ہے۔''

لینا نے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

تقریباً تمام معاملات کی تکمیل ہو گئی تھی، اور ہم فرانس جانے کے لئے تیار تھے۔ مسٹر کرک ڈگلس نے ہم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے بھی اپنا چہرہ تبدیل کر لیا تھا۔ پھر ایک خوب صورت سفر کا آغاز ہوا اور ہم فرانس کی جانب پرواز کرنے لگے۔ مسٹر کرک ڈگلس بھی اسی طیارے میں تھے، جس سے ہم سفر کر رہے تھے۔ لیکن ہم سے بالکل الگ تھلگ وہ کسی پر یہ اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے کہ ان کا ہم سے کوئی تعلق ہے۔ میں نے ہمیشہ کی مانند ایک بار پھر اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔

فرانس پہنچنے کے بعد ہم لوگ ایک شاندار فائیو اسٹار ہوٹل میں مقیم ہو گئے۔ کرک ڈگلس کی دولت کے بارے میں مجھے اندازہ تھا، اور میں دیکھ بھی چکا تھا کہ وہ ہر قسم کے وسائل سے مالا مال ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے اس ہوٹل کے ایک کمرے میں مقیم ہوئے تھے۔ جبکہ مسٹر کرک ڈگلس ہم سے کچھ فاصلے پر سامنے والی لائن کے ایک کمرے میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد لینا گوائل صرف ایک لڑکی کی حیثیت سے نظر آنے لگی تھی۔ پیرس کے حسین ماحول نے اس کی سرمستیوں میں اضافہ کر دیا تھا۔

ہم نے تقریباً چھبیس گھنٹے اپنے ہوٹل کے کمرے میں ہی گزارے۔ ابھی کچھ طے نہیں ہو سکا تھا کہ ہمارا آئندہ قدم کیا ہو گا......؟ ستائیسویں گھنٹے میں مسٹر کرک ڈگلس نے ہمارے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ اس تمام وقت میں انہوں نے ہماری طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ دروازہ کھولنے پر ہی معلوم ہوا کہ آنے والے کرک ڈگلس ہیں۔ وہ مطمئن اور مسرور نظر آ رہے تھے۔ ہمارے سامنے بیٹھ کر انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہاں آنے کے بعد میں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ میں کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کچھ چیزیں میرے ذہن میں ہیں، جن پر مجھے کام کرنا ہے، اور اس حد تک تمہیں بتانے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتا مسٹر شامی......! کہ میں ہوکسا کی قید سے فرار ہوتے ہوئے ایک ایسا منصوبہ معلوم کر کے آیا تھا جس پر کام شروع ہونے میں ممکن ہے، ابھی کچھ وقت ہو۔ لیکن اس کی ابتداء پیرس ہی سے ہوگی۔

میں اب اس منصوبے کی کڑیاں تلاش کرنے کے لئے نکلنا چاہتا ہوں۔ لینا جانتی ہے کہ میں اس عمر میں آنے کے باوجود کارکردگی میں نوجوانوں سے پیچھے نہیں ہوں۔ چنانچہ میرے سلسلے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم لوگ اطمینان سے پیرس کی سیر کرو۔ میں سمجھتا ہوں ڈیئر شامی......! کہ ایک سیاح کی حیثیت سے تم پیرس کو بہت پُرلطف پاؤ گے، اور میری بیٹی لینا پیرس کے بارے میں وہ سب کچھ بتا سکتی ہے، جس کے تم خواہش مند ہو گے۔

چنانچہ میں تم لوگوں سے یہی کہنے کے لئے آیا تھا کہ ممکن ہے میری واپسی میں وقت لگ جائے۔ اس لئے اس دوران میرے سلسلے میں تشویش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بالکل عام سیاحوں کی مانند پیرس اور اس کے اطراف کی سیاحت کرو۔ بس اب مجھے اجازت دو۔ اس سلسلے میں اگر کوئی سوال ہو تو......؟"

مسٹر کرک ڈگلس نے سوالیہ نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھا۔ ہمارے ذہن میں کوئی سوال نہیں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ ہم سے رُخصت ہو کر چلے گئے۔ لینا گوئل مسرور انداز میں آرام کرسی پر آگے پیچھے جھول رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"پیرس حسین شاموں کا شہر، تم نے اس سے پہلے تو پیرس کبھی نہیں دیکھا شیمی......؟"

اس نے سوال کیا اور پھر ایک دم ہنس پڑی۔

"حالانکہ یہ میرا احمقانہ سوال ہے۔"

"نہیں......! میں نے پیرس کبھی نہیں دیکھا۔"

"کیا واقعی......؟"

"ہاں......! میں بہت کم جھوٹ بولنے کا عادی ہوں اور بلاوجہ جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا۔"

پھر لینا گوئل نے خود ہی میرے لئے ایک خوب صورت لباس منتخب کیا تھا اور پھر اپنی پسند کا لباس پہن کر وہ پیرس کی سیر کے لئے تیار ہو گئی۔ ہوٹل کی لفٹ نے ہمیں نیچے چھوڑ دیا۔ لینا گوئل میرے ساتھ ہوٹل سے نکل کر باہر سڑک پر آ گئی۔ ہم لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ تکلفات سے بالاتر ہو کر پیرس کی سیر کریں گے۔ تقدیر نے سیاحت کے لئے جو شاندار مواقع مہیا کئے تھے، کم از کم میں ان سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ایک بے روزگار نوجوان اپنے شہر سے دوسرے شہر تک جانے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ آج دُنیا گھوم رہا ہے، لیکن یہ بھی تقدیر ہی کے کھیل تھے۔

شہر بے مثال پیرس میرے سامنے تھا، جس کی حسین روایات نوجوانوں کی آنکھوں میں حسرت بن کر جھلکتی تھیں اور ان کی زبانوں پر اس کے چرچے رہتے تھے۔ ایک حسین لڑکی میرے ساتھ تھی، جسے اگر مجھ جیسا نوجوان تلاش کرنے کی کوشش کرتا تو شاید کبھی نہ پا سکتا۔ چنانچہ تقدیر سے تمام تر شکوہ غلط تھا۔ کچھ دیا بھی گیا تھا مجھے۔

میں نے سوچ کے دائروں سے نکل کر لینا گوئل کی جانب دیکھا۔ وہ خوب صورت لباس میں بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ بہت سی نگاہیں ہم دونوں کی جانب اُٹھ رہی تھیں اور ان نگاہوں میں پسندیدگی کے آثار تھے۔

سینٹ لازاد اسٹیشن پر کافی ہجوم تھا۔ وہاں سے آگے بڑھے تو نیول پل کے پاس پہنچ گئے۔ دریائے سین کے کنارے اونچے اونچے فٹ پاتھ بنے ہوئے تھے۔ یہ علاقہ بوئے ڈی بولون کہلاتا تھا، اور اس کا شمار شہر کے خوب صورت ترین علاقوں میں ہوتا تھا۔ پیرس کی یہ نواحی بستی دریائے سین کے خاموش پانی کے ساتھ میلوں تک چلی جاتی ہے۔ نیچے دریا کی جانب جھانکئے تو کنارے پر چھوٹے چھوٹے رہائشی مکان نظر آتے ہیں جن کے مالک ہفتہ وار تعطیل کے دوران پیرس کے ہنگاموں سے دُور سکون کی تلاش میں یہاں آ بستے ہیں۔

میں نے سفید رنگ کے آہنی پھاٹک سے نیچے جھانکا تو ہاؤس بوٹ کے دروازے پر ایک خون خوار قسم کا کتا کھڑا نظر آیا، جو میری طرف منہ کئے غرا رہا تھا۔ چونکہ ان ہاؤس بوٹوں کے مالک یہاں عارضی طور پر رہائش پذیر ہوتے ہیں، اس لئے ان کی غیر موجودگی میں رکھوالی کے لئے کتے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ مکانوں اور ہاؤس بوٹوں کا سلسلہ ختم ہوا تو دریا کے کنارے ایک وسیع اور سرسبز سیر گاہ نظر آئی۔ شاہ بلوط اور چیسٹر کے درختوں کی چھاؤں میں چند بوڑھے مچھلی کے شکار میں مشغول تھے اور اپنی عمر کے بقیہ ایام یہاں اس مشغلے میں گزار رہے تھے۔

فرانسیسی طرزِ تعمیر کے نازک اور خوب صورت مکانات جن کا رنگ عام طور پر سفید تھا، بکھرے ہوئے تھے۔ ایک الگ ہی شہر آباد تھا۔ سپر مارکیٹیں، ریستوران اور سڑکیں، یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے ہم آگے بڑھتے رہے۔ پورا دن باقی تھا، فرانس کے مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے ہم بالآخر مشہور زمانہ ایفل ٹاور کے قریب پہنچ گئے۔ دریائے سین کے کنارے ایک عظیم الشان ایفل ٹاور، زمین کے سینے میں پنجے گاڑھے آسمان کی وسعتوں کو چھو رہا تھا۔ یہاں سیاحوں کے غول نظر آ رہے تھے۔ فوٹوگرافر، آئس کریم اور تصویریں بیچنے والے اور چاروں طرف قہوہ خانے بکھرے ہوئے تھے۔ اس ہجوم کو میں نے دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھا اور کافی وقت گزارنے کے بعد ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

رات کو ہوٹل کے کمرے میں پیرس ہی کا تذکرہ چل پڑا اور لینا گوئل مجھے اس کے بارے میں اپنی معلومات بتانے لگی۔ پیرس کا شمار درحقیقت یورپ کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ زمانہ قدیم میں جب یہ علاقہ دلدلوں اور صرف چند جزیروں پر مشتمل تھا تو سیلٹ نسل کے لوگ یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ اس کے بعد جولیس سیزر کے زمانے کی کہانیاں شروع ہوتی ہیں۔ یہاں پارلیسی نامی ایک قبیلہ آباد تھا۔ پیرس، پارلیسی قبیلے کا شہر تھا،

وحشی ہنوں کا سردار تین سو سات عیسوی میں اس شہر پر حملہ آور ہوا، لیکن اہل شہر کے عقیدے کے مطابق سینٹ جیسے دیو کی کرامتیں اس کا راستہ روکنے میں کامیاب ہوئیں اور وہ ناکام واپس لوٹ گیا۔ اس خدمت کے صلے میں آج بھی جیسے دیو و پیرس کا ''پیٹرن سینٹ'' مانا جاتا ہے۔ پھر شارلیمان کا دور شروع ہوا، جو خلیفہ ہارون الرشید کا ہم عصر تھا اور ہسپانیہ فتح کرنے کے شوق میں برف پوش پیرانیز کے پار جا کر مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی فوج کو گنوا بیٹھا۔ بعد کی تاریخ نپولین پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔

مجھے نیند آنے لگی تو لینا گوائل نے سونے کی اجازت دے دی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیات مچل رہی تھیں۔ لیکن میں کسی بھی مسئلے میں پہل کرنے کا عادی نہیں تھا اور پھر یہاں تو معاملہ ہی بالکل مختلف تھا۔ چنانچہ احتیاط لازمی چیز تھی جب تک کہ نیلس کی خاندانی کاک ٹیل ہمارے درمیان نہ آجائے، لیکن رات پُرسکون گزر گئی تھی۔

دوسری صبح ناشتے کے بعد ہم معمول کے مطابق پیرس کی سڑکوں پر نکل آئے۔ آج کی سیاحت میں ہم کانکیرو کا مشہور چوک، عجائب گھر اور پیرس کا خوب صورت زمین دوز ریلوے سسٹم دیکھتے ہوئے بالآخر ایفل ٹاور کے قریب پہنچ گئے۔ ہم دیر تک وہاں رُکے اور اس کے بعد واں سے بھی آگے بڑھ گئے۔ قہوہ خانوں اور دُکانوں کے شوکیسوں میں سے پھٹتی ہوئی روشنیاں اب فضاء کو منور کرنے لگی تھیں۔ چنانچہ یہاں سے ہم واپس پھر اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔

دن بھر کی آوارہ گردی نے اتنا تھکا دیا تھا کہ رات کے کھانے کے بعد بستروں ہی کی سوجھی اور ہم اپنے اپنے بستروں پر پہنچ گئے۔ نیند آ رہی تھی، لیکن اس کے باوجود ذہن میں لینا گوائل اُبھر رہی تھی۔ کئی بار میں نے اسے عجیب سی نگاہوں سے اپنی جانب دیکھتے ہوئے پایا۔ اس کی آنکھوں میں کاک ٹیل تیر رہی تھی۔ میں منتظر نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا اور نہ جانے کب نیند آ گئی۔

دوسری صبح معمول کے مطابق تھی۔ کرک ڈگلس ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ میں نے لینا سے اس کے بارے میں معلوم کیا تو وہ مطمئن لہجے میں بولی۔

''ڈیڈی نے ہمیں پورا پورا موقع دیا ہے کہ ہم پیرس کی ایک ایک چیز کو دیکھ لیں۔ اس کے بعد شاید وہ یہاں کام کا آغاز کر دیں۔''

''تمہیں ان کے سلسلے میں ذرا بھی تشویش نہیں ہے لینا گوائل......؟''

''اس لئے کہ میں ڈیڈی کو جانتی ہوں۔''

اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ میں چند لمحات اس کی صورت دیکھتا رہا، اور پھر میں نے پوچھا۔

''آج کا کیا پروگرام ہے......؟''

''پچھلے دنوں کے برعکس ہم آج ذرا مختصر سیاحت کریں گے، کیونکہ دو دن کی تھکن ابھی اُتری نہیں

ہے۔''

''جیسا تم پسند کرو، بلکہ اگر چاہو تو آج کا دن کیوں نہ ہوٹل ہی میں گزارا جائے......؟''

''نہیں......! یہ پیرس کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔''

لینا گوائل نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔ اس کے بعد تیار ہو کر باہر نکل آنے کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا تھا......؟

تھوڑی دیر کے بعد ہم پھر پیرس کی سڑکیں ناپ رہے تھے۔ آج خاص طور سے کلیسائے نوٹرڈیم دیکھنے کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ چنانچہ دریائے سین کے کنارے چلتے ہوئے ہم کلیسائے نوٹرڈیم کے دامن میں پہنچ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم کلیسائے نوٹرڈیم سے واپس چل پڑے۔

پیرس اور اس کے مضافات کی سیر کے لئے مسٹر کرک ڈگلس نے ہمیں کافی مواقع فراہم کر دیئے تھے اور لینا گوائل میری بہترین گائیڈ تھی۔

تقدیر کے یہ کھیل میرے لئے کافی دلچسپ تھے اور غالباً مسٹر کرک ڈگلس کو بھی یہ اندازہ تھا کہ کتنے دن میں ہم پیرس کی سیر کر کے فارغ ہو جائیں گے۔

ہمارے پروگرام تقریباً ختم ہو گئے تھے کہ ایک رات مسٹر کرک ڈگلس نے ہم سے ہمارے کمرے میں ملاقات کی۔ یہ شخص اپنی بیٹی کے لئے ذرا بھی متفکر نہیں تھا۔ لیکن یہ صرف میری سوچ تھی۔ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ تصور نہیں ہوگا کہ لینا گوائل تنہا میرے ساتھ رہے۔ ویسے یہ تنہائیاں ہمارے لئے کوئی خاص نوعیت نہیں رکھتی تھیں۔ کرک ڈگلس کی آمد پر ہم دونوں مستعد ہو گئے۔ اس دوران میں بھی ذہنی طور پر خود کو ان لوگوں کے مقاصد پر کام کرنے کے لئے تیار کر چکا تھا، اور اب میرے دل میں کوئی تردّد باقی نہیں رہا تھا۔ مسٹر کرک ڈگلس رسمی گفتگو کے بعد ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''بالآخر میں نے وہ سب کچھ کر لیا، جو میرے ذہن میں تھا، اور میرا خیال ہے تم لوگ بھی اس دوران پیرس کی سیر سے اُکتا چکے ہو گے۔ چنانچہ اب کام شروع ہو جانا چاہئے۔''

''یقیناً ڈیڈی......! ہم فوری طور پر کسی کام میں مصروف ہو جانا چاہتے ہیں۔''

''خوش قسمتی سے گولڈ ڈسٹ کے لئے جو ذمہ داریاں خود بخود پیدا ہو گئی ہیں، وہ ہمارے لئے بہت ہی کارآمد ہیں۔ نمبر ایک، اس میں ہوکسا براہِ راست ملوث ہے اور اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ یہاں پہنچ چکا ہے اور جن لوگوں نے گولڈ ڈسٹ کی خدمات حاصل کی ہیں، ہ خود بھی ملک گیر حیثیت کے حامل ہیں۔ چنانچہ میں تم دونوں کو صورتِ حال سے آگاہ کئے دیتا ہوں، اور اس کے بعد ذمہ داریاں تم دونوں پر چھوڑ دیتا ہوں کہ تم کس طرح ان ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہو سکتے......؟

ویسے یوں سمجھ لوک اگر گولڈ ڈسٹ اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہو گیا تو ہم نہ صرف بڑی دولت

حاصل کرلیں گے بلکہ گولڈ ڈسٹ کا نام ایک بار پھر اس انداز میں زندہ ہوگا کہ لوگ اسے دوبارہ بھول نہیں سکیں گے۔"

لینا گوائل کی آنکھیں پُرجوش ہوگئی تھیں۔ مسٹر ڈگلس دو پیڈ اور بال پوائنٹ ہمارے ہاتھوں میں دیتے ہوئے بولے۔

"اس سلسلے کے تمام ضروری پوائنٹس نوٹ کرتے رہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس کارکردگی کے سلسلے میں اپنی رائے بھی درج کرو۔ بعد میں، میں تمہیں ہدایات دوں گا کہ تمہیں کام کا آغاز کس طرح کرنا ہے......؟"

کرک ڈگلس کی ہدایت پر ہم دونوں تیار ہوگئے۔ مجھے تو یہ سب کچھ مضحکہ خیز ہی لگ رہا تھا۔ بھلا کسی ایسے معاملے سے میرا کیا تعلق ہوسکتا تھا......؟ اور میری دماغی صلاحیتیں بھلا ایسے کسی سلسلے میں کیا کام کرسکتی تھیں......؟ تاہم آن پھنسنے والی بات تھی۔

کرک ڈگلس کچھ دیر تک کچھ سوچتا رہا، پھر بولا۔

"ایک انتہائی ترقی یافتہ ملک نے، جو خلاء پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش میں اربوں ڈالر خرچ کر رہا ہے، ایک خلائی لیبارٹری فضاء میں بھیجی، جس نے خلاء میں بکھرے ہوئے لاتعداد گمنام سیاروں کے بارے میں تحقیقات کیں اور ان کی نہایت شاندار اور کارآمد تصاویر حاصل کیں اور ان کی گردش کے نقشے مرتب کئے۔ یہ تمام کارکردگی اربوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد عمل میں آئی تھی۔ خلائی لیب سے قائم زمینی رابطے نے ان تمام چیزوں کی ایک مائیکروفلم بنائی۔ کاغذات اور تصاویر وہیں خلائی لیبارٹری میں ضائع کردی گئی تھیں۔ لیکن مائیکروفلم زمینی اسٹیشن سے چوری کرلی گئی اور تحقیقات کرنے پر پتا چلا کہ اس فلم کو منظم پیمانے پر چوری کیا گیا ہے اور یہ فلم ایک اور ملک کے پاس ہے۔

چنانچہ دُنیا جرم کی زیرزمین ایجنسیوں کو اس فلم کو حاصل کرنے کا اختیار دیا گیا۔ فلم اس ملک سے بھی چوری کرلی گئی اور اس کے بعد نہ جانے کہاں اور کن کن ہاتھوں میں ہوتی ہوئی وہ ایک شخص کے پاس پہنچی، جس کا نام شون لائل ہے۔ شون لائل نے اس فلم کی سودے بازی کے لئے کئی ملکوں سے رابطہ قائم کیا، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ روپوش ہوگیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کون کون اس تک پہنچنے کی کوشش کرسکتا ہے......؟

البتہ اس نے اپنا ایک نمائندہ بھی مقرر کیا ہے، جو اس سلسلے میں کام کررہا تھا۔ اس کا نام کوک براؤن ہے اور کوک براؤن کئی ملکوں کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا ہے۔ اس کے پیچھے لاتعداد ایجنسیاں پڑی ہوئی ہیں، جن میں ہوکسا گروپ بھی ہے۔ کوک براؤن نے شون لائل کو اطلاع دی کہ سودے بازی کی تکمیل ہوگئی ہے اور وہ فرانس آجائے۔

چنانچہ شون لائل ان دنوں فرانس میں مقیم ہے۔ لیکن اس کے بارے میں کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ وہ شون لائل ہے۔ تمام کارروائی کوک براؤن ہی کررہا ہے، اور اس وقت ہوکسا گروپ، کوک براؤن کے پیچھے ہے۔

چنانچہ اس سودے بازی کی تکمیل کے لئے طے کیا گیا ہے کہ کوک براؤن ایک بدلے ہوئے روپ میں شون لائل کی مقامی رہائش گاہ پر ایک فینسی ڈریس شو میں شامل ہو اور یہیں اس فینسی ڈریس شو میں سودے کی تکمیل کرلی جائے۔ اس شو میں بہت سے افراد شامل ہوں گے، جن میں سودا کرنے والے اور خریدنے والے موجود ہوں گے۔ گفتگو نہایت دلچسپ اور محفوظ انداز میں ہوگی۔

یہ ہے وہ صورتِ حال جس کے لئے اتنی کوشش کرکے میں کامیاب ہوا ہوں۔ میرا براہِ راست تعلق کوک براؤن سے ہوگیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کوک براؤن اس وقت کہاں مقیم ہے......؟ جبکہ ہوکسا گروپ کے افراد جھنجلائے ہوئے پاگل کتوں کی مانند کوک براؤن کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ شون لائل اس پروگرام میں پوری ذہانت اور ہوشیاری سے کام کرے گا۔ لیکن مقامی حکومت بھی اس فلم میں دلچسپی رکھتی ہے، اور میں نے مقامی حکومت سے رابطہ قائم کرلیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک زبردست سرمائے کے عوض سودا ہوا ہے، جس کی تفصیل میں ابھی نہیں بتا سکتا۔

صورتِ حال اب یہ ہے کہ اس فینسی ڈریس شو میں شریک ہوکر وہ فلم ہمیں کسی طرح حاصل کرنی چاہئے اور میں اس سلسلے میں گولڈ ڈسٹ کا نام بھی سامنے لانا چاہتا ہوں، اور فی الحال گولڈ ڈسٹ میں تین افراد ہیں یعنی دو تم اور ایک میں، اور اب میں چاہتا ہوں کہ ان تمام تفصیلات کو ذہن میں رکھ کر تم کوئی ایسا منصوبہ ترتیب دو، جس سے فلم بآسانی ہمارے ہاتھوں تک پہنچ سکے۔"

"گویا ہمیں اس سودے میں مداخلت کرنی ہے اور فلم ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگنے دینی، جو اسے خریدنا چاہتے ہیں......؟"

"ہاں......! میں یہی چاہتا ہوں۔"

"لیکن ڈیڈی......! یہ آپ کی زیادتی ہے کہ آپ نے ہمارے ہاتھ میں پیڈ اور بال پوائنٹ تھما دیئے ہیں۔ طے تو یہ ہوا تھا کہ گولڈ ڈسٹ کے اس سہ رُکنی گروہ میں آپ دماغ ہیں اور ہم بدن۔ کیا یہ حیثیت آپ ختم کرنا چاہتے ہیں......؟"

لینا گوائل نے کہا اور کرک ڈگلس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس کے باوجود میری خواہش تھی کہ تم مجھے کوئی پروگرام دو۔"

"نہیں ڈیڈی......! بہتر یہ ہوگا کہ پروگرام ہمیں آپ دیں اور ہماری ذہنی صلاحیتیں عمل کے لئے چھوڑ دیں۔"

لینا گوائل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ میری بیٹی کھری سودے باز ہے۔ کہیں کسی جگہ رعایت نہیں کرتی میرے ساتھ، بہرحال ٹھیک ہے......! اُصول بہرحال اُصول ہوتے ہیں۔ پروگرام میں ہی دوں گا۔ لیکن تم لوگوں کو اگر کہیں میرے پروگرام

میں کوئی کچا پن نظر آئے تو براہِ کرم مجھے ٹوک دینا۔''

''ٹھیک ہے ڈیڈی......! دوستی میں یہ معاملات تو ہوتے رہیں گے۔ ہم بھی اگر کسی راستے پر کمزور قدم اُٹھائیں تو آپ ہماری رہنمائی کریں۔''

لینا گوائل بولی۔

''اب سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شون لائل کی وہ رہائش گاہ کہاں ہے، جہاں وہ فینسی ڈریس شو منعقد کرے گا......؟ ہم پیرس میں رہنے والے لاتعداد انسانوں کے بارے میں تمام تفصیل تو نہیں جان سکتے اور نہ ہی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس جگہ یہ فینسی ڈریس شو ہو رہا ہے، لیکن میں تمہیں کوک براؤن کی رہائش کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔ جہاں وہ رہتا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ کوک براؤن کی تلاش میں سرگرداں ملکی اور غیر ملکی گروہوں کی تعداد اس وقت پیرس میں بہت زیادہ ہے۔ فرانسیسی انٹیلی جنس کے بارے میں، میں تمہیں بتادوں کہ وہ ہماری پشت پناہ ضرور ہے، لیکن وہ لوگ براہِ راست اس مسئلے میں ملوث نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ فلم کی فرانس میں موجودگی یا حکومت فرانس کی اس فلم میں دلچسپی، بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر سکتی ہے۔ حکومت فرانس انتہائی خفیہ پیمانے پر اس فلم کے حصول کی کوشش کر رہی ہے۔ حکومت فرانس اپنی انٹیلی جنس یا دوسرے محکموں کو اس میں ملوث نہیں کرنا چاہتی۔ کیونکہ بے شمار بڑے بڑے ممالک کے ایجنٹوں سے ان کی چپقلش ان کے خارجی معاملات پر اثر انداز ہوگی۔

چنانچہ وہ ایک بڑی دولت خرچ کر کے ہمارے ذریعے یہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یہاں ہر طرح کی مدد دی جائے گی۔ اس کے علاوہ کسی مسئلے میں اگر ہم غیر قانونی طور پر پھنستے ہیں، تو حکومت فرانس بظاہر تمام قانونی کارروائیاں پوری کرے گی۔ لیکن در پردہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ صرف اس حد تک ہمیں حکومت فرانس سے مدد حاصل ہوگی۔ باقی کام سب کچھ خود ہی کرنا پڑے گا۔ فرانس کا کوئی قانون ہم پر لاگو نہیں ہوگا۔

اب میں نے اپنے طور پر جو فیصلے کئے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے۔ تم لوگ سائے کی طرح کوک براؤن کا تعاقب کرتے رہو گے۔ یہاں تک کہ فینسی ڈریس شو میں شریک ہوگے اور کوک براؤن جس وقت اس فلم کی سودے بازی کی تکمیل کر چکا ہوگا اور فلم منتقل کی جا رہی ہوگی، اس وقت تم مداخلت کر کے اس فلم کو حاصل کرو گے۔''

لینا گوائل تعریفی نگاہوں سے اپنے باپ کو دیکھنے لگی۔ لیکن میں نے اپنے بدن میں کپکپی سی محسوس کی۔ مجھے سردی لگنے لگی تھی۔ ٹھنڈا پسینہ میرے پورے بدن سے بہہ رہا تھا۔ غور کرنے کا مقام ہے۔ دُنیا کے بڑے بڑے ممالک کی ایجنٹ اور پھر ہوکسا گروپ کے خطرناک لوگ وہاں موجود ہوں گے، اور ان کی موجودگی میں ہم دو افراد یعنی میں اور لینا گوائل وہ مائیکرو فلم حاصل کریں گے۔

''یہ کس طرح ممکن ہے......؟''

''آہ......! خدایا......! کس مصیبت میں پھنس گیا، فرار کے لئے کون سا راستہ تلاش کروں......؟

باپ بیٹی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ لینا گوائل اپنے باپ سے سوالات کئے جا رہی تھی اور غالباً اس نے بہت کچھ معلومات حاصل کر لی تھیں۔ لیکن ان دونوں کی گفتگو کا ایک لفظ بھی میرے پلے ابھی تک نہیں پڑا تھا۔ میں نے اس پر غور کرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ مسٹر کرک ڈگلس اُٹھ گئے۔ انہوں نے میری طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میرا ہاتھ مشینی انداز میں اُٹھ گیا اور انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔

''اس دوران تم مکمل طور پر خاموش رہے ہو ڈیئر شاہی......! کیا تم ان باتوں سے متفق ہو......؟''

''سو فیصد......!''

میرے منہ سے یہ جملہ مشینی انداز میں ہی پھسل گیا تھا۔

''گڈ......! تو پھر تم اپنے کام کا آغاز کر دو۔ میں تمہاری کامیابیوں کا منتظر ہوں اور اس کے بعد میں ضرورت پڑنے پر ہی تم سے ملاقات کروں گا۔''

مسٹر کرک ڈگلس یہاں سے باہر نکل گئے۔ لینا گوائل دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی اور بولی۔

''واقعی تم نے اس سلسلے میں حیرت انگیز خاموشی اختیار کی ہے شبی......! کیا اس گفتگو سے تم پوری طرح متفق ہو......؟''

''ہاں......! میرا خیال ہے، اس میں کوئی جھول نہیں ہے۔''

لینا گوائل اس کے بعد خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھی سوچتی رہی تھی۔ غالباً وہ اپنے منصوبے پر غور کر رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کون سی جگہ مناسب ہوگی جہاں میں لینا گوائل سے فرار اختیار کر کے اپنے لئے کوئی نیا ٹھکانہ تلاش کر لوں۔ لیکن اب تو شاید میرے اندر یہ جرأت بھی نہیں رہی تھی۔ کہاں بھاگتا......؟ اور کہاں تک بھاگتا......؟

تیار ہونے کے بعد ہم لوگ باہر نکل آئے۔ لینا گوائل ایک سمت چل پڑی۔ میں اس وقت بھی کسی صحیح صورتِ حال کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ پھر ایک ٹیکسی نے ہمیں ایک خوب صورت علاقے میں اُتار دیا اور لینا گوائل ٹہلنے کے سے انداز میں آگے بڑھ گئی۔ یہ وہی علاقہ تھا، جہاں میں نے بوڑھے فرانسیسیوں کو مچھلی کے شکار میں مصروف دیکھا تھا۔ لینا گوائل بھی اسی علاقے کی جانب بڑھ گئی اور ہم لوگوں کے ہجوم میں نہ جانے کتنی دیر تک گردش کرتے رہے......؟

شام کے ملگجے اندھیرے فضاء میں اُتر آئے تھے۔ دریائے سین کے پانی میں اَن گنت روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ دُور کی روشنیوں کا عکس اور لائن میں تیرتے ہوئے خوب صورت بجرے یہ روشنیاں منعکس کر رہے تھے۔ لینا گوائل نے ایک سرخ رنگ کے مکان کو تاکا اور میرا شانہ دبا کر بولی۔

''یہی وہ جگہ ہے جہاں ہمیں کوک براؤن کو تلاش کرنا ہے۔''

''ہوں ہوں......!''

میں نے بے اختیار چونک کر کہا اور لینا گوائل مجھے دیکھنے لگی۔

''تم کسی خاص سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو شیمی......؟''

''ہاں......! میں کوک براؤن ہی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''اور میں بھی، پتا نہیں وہ اپنی اصلی شکل میں بھی ہے یا اس نے اپنی صورت تبدیل کر لی ہے......؟''

''خدا جانے......!''

میں نے آہستہ سے کہا اور لینا گوائل چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے ڈیئر......؟ تم زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے......؟''

''نہیں نہیں......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بس کسی سوچ میں گم تھا۔''

میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

ہم لوگوں نے اس سرخ مکان کا اچھی طرح جائزہ ل لیا، جس کے اطراف میں کراٹا کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ خاصہ نفیس طرزِ تعمیر تھا۔ پتا نہیں یہ کوک براؤن کی ذاتی ملکیت تھی یا اس نے عارضی طور پر یہ قیام گاہ حاصل کی تھی......؟ میں صرف لینا گوائل کو خوش کرنے کے لئے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ میں ان معاملات سے اتنا بے زار بھی نہیں ہوں، یوں ہی اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگا اور دفعتہً ہی میری نگاہ کراٹا کی باڑ میں اُلجھے ہوئے ایک سفید سے کپڑے پر پڑی، کوئی قابل توجہ چیز نہیں تھی۔ لیکن میرے قدم بے اختیارانہ انداز میں اس کی جانب بڑھ گئے، اور میں نے آگے بڑھ کر کراٹا کی باڑ سے وہ سفید رومال نکال لیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے اسے ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ رومال کا ایک حصہ خون میں لت پت تھا، لیکن یہ خون سوکھ کر اکڑ چکا تھا، اور اسی سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ رومال پر بنا ہوا ڈیزائن نہیں بلکہ خون کے دھبے ہیں۔ لینا گوائل جو اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی، چونک کر میری جانب متوجہ ہوئی، اور پھر وہ بھی میرے قریب آ گئی۔ میں نے رومال اُٹھا کر اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔

''میرے خدا......! یہ تو خون میں ڈوبا ہوا ہے۔''

''ہاں......!''

''مگر یہ کراٹا کی اس باڑ میں......؟''

''سو فیصد......!''

میں نے احمقوں کی طرح جواب دیا۔

''تمہاری نگاہ بہت تیز ہے شیمی......! گویا تمہارے بارے میں ہمارا اندازہ غلط نہیں تھا۔ لیکن خون میں ڈوبے ہوئے اس رومال کو ہم کیا حیثیت دے سکتے ہیں......؟''

''میری رائے ہے کہ ہمیں اس سرخ مکان میں داخل ہو جانا چاہئے۔''

''اوہ......! شاید تم...... اوہ مائی گاڈ......! واقعی یہ تصور بڑا حیرت انگیز ہے۔ آؤ، اس طرف سے آؤ......!''

لینا گوائل نے کہا اور میں منہ پھاڑے اسے دیکھنے لگا۔ نہ جانے وہ کون سے تصور کی بات کر رہی تھی......؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ میں نے تو سوچے سمجھے بغیر ایک جملہ کہہ دیا تھا۔ بہر طور ہمیں کراٹا کی باڑ پھلانگ کر اندر داخل ہونا پڑا۔ جس جگہ سے ہم باڑ پھلانگے تھے، یہ وہی جگہ تھی جہاں خون آلود رومال نظر آیا تھا۔

جب ہم مکان کے احاطے میں پہنچے تو مکان سنسان اور خاموش محسوس ہوا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں کسی ذی روح کا وجود ہی نہ ہو۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ہمیں خون کے کچھ اور خشک دھبے نظر آئے اور یہ دھبے ہماری رہنمائی کرتے ہوئے، ہمیں مکان کے ایک بغلی دروازے کی سمت لے گئے، جو کھلا ہوا تھا۔ اس بغلی دروازے کے دوسری طرف سفید چمکدار فرش نظر آ رہا تھا، جس پر خون کے جمے ہوئے دھبوں کی ایک لائن بنی ہوئی تھی اور بالآخر ہم اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں ہلکے کریم رنگ کے قالین پر جمے ہوئے خون کی کلکاریاں تھیں، اور سامنے ہی ایک تعفن زدہ لاش نظر آ رہی تھی۔ ایک شخص جو اوندھا پڑا ہوا تھا، اور جس کا چہرہ ہماری ہی جانب تھا، سخت اذیت کے آثار اس کے چہرے پر منجمد تھے۔ لینا گوائل اور میں ششدر رہ گئے تھے۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد لینا گوائل کے منہ سے نکلا۔

''میرے خدا......! یہ لاش تو کئی دن پرانی معلوم ہوتی ہے۔ غالباً دو یا تین دن پرانی۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم لوگ ناک پر رومال رکھ کر لاش کے قریب بیٹھ گئے۔ لینا گوائل نے اسے اُلٹ دیا اور پھر وہ اس کی جیبوں کی تلاشی لینے لگی۔ ایک ریوالور بغلی ہولسٹر سے دستیاب ہوا جس میں صرف ایک گولی باقی بچی تھی، جیب سے کارتوسوں کا ایک پیکٹ، کچھ کرنسی، وزیٹنگ کارڈ ملے اور یہ وزیٹنگ کارڈ ہمارے لئے کارآمد تھے۔ کیونکہ ان پر کوک براؤن لکھا ہوا تھا۔ اگر کوئی ایک وزیٹنگ کارڈ ہوتا تو یہ بھی سوچا جا سکتا تھا کہ کسی نے اس شخص کو پتے کے طور پر دیا ہوگا۔ لیکن کئی وزیٹنگ کارڈ نظر آنے کا مطلب یہ تھا کہ یہی شخص کوک براؤن ہے۔ اس کے پیٹ میں سوراخ تھے، جن میں سے ایک دونوں پسلیوں کے جوڑ کے درمیان تھا، اور غالباً یہی اس کی موت کا باعث بنا تھا، یا پھر وہ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے موت کا شکار ہوا تھا۔ میں نے اپنے بدن میں سرد سی جھرجھریاں محسوس کیں اور اس وقت یہی خیال میرے ذہن میں آیا کہ میں اس حادثے سے متاثر ہوا ہوں۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

''کم از کم یہ شخص یہاں ان گولیوں کا شکار نہیں ہوا۔''

''مطلب......؟''

لینا گوائل بولی۔

"تم اندازہ لگا سکتی ہو، وہ رومال، میرا خیال ہے، اس نے اپنے زخموں سے خون کو روکنے کے لئے اس رومال کو اپنے زخموں پر رکھا ہوگا اور کہیں اور سے بھاگتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوگا۔ کراٹا کی باڑ کی دوسری جانب خون یہی بتاتا ہے، اور پھر خون کے قطرات یہاں تک آئے ہیں۔ تم اسے دیکھو، میں ابھی آتا ہوں۔"

میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی اس کیفیت کو میں خود بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ نہ جانے کس طرح میرے ذہن کی چرخی چلنا شروع ہوگئی تھی، اور میں کسی مشینی جذبے کے تحت کام کر رہا تھا۔ میں لینا گوائل اور کوک براؤن کی اس لاش کو چھوڑ کر اس مکان کے کمروں کی تلاشی لینے لگا۔ چار کمرے تھے، جس میں ایک ڈرائنگ روم بنا ہوا تھا۔ ایک خواب گاہ کے علاوہ باقی دو کمرے خالی تھے اور یہاں ہلکا پھلکا فرنیچر بھی سجا ہوا تھا۔ مینٹل پیس پر کوک براؤن کی تصویر نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس شخص کو غور سے دیکھا اور پھر کمرے کی ایک ایک شئے کی تلاشی لینے لگا۔

بالآخر مجھے ایک سرخ رنگ کی ایک جیبی ڈائری دستیاب ہوگئی جو مینٹل پیس کے ایک خفیہ گوشے میں رکھی ہوئی تھی۔ میں اسے نکال کر اس کی ورق گ انی کرنے لگا، اور یہیں میں نے شون لائل کا پتہ بھی دیکھ لیا۔ یہ پتہ کسی سانتا ہل نامی جگہ کا تھا، اور اس میں شون لائل کی پوری تفصیل لکھی ہوئی تھی۔ اس خفیہ ڈائری میں اور بھی مجھے ایسی چیزیں مل گئیں ج میری رہنمائی کر سکتی تھیں۔ میں نے یہ ڈائری خاموشی سے اپنی جیب میں رکھ لی۔ اسی وقت مجھے لینا گوائل کی آواز سنائی دی۔

"شیمی......! تم کہاں ہو......؟ پلیز یہاں آؤ۔"

اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

"اب یہ بتاؤ......! اس لاش کا کیا کیا جائے......؟"

"میرا خیال ہے، اس لاش سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسے یہیں پڑا رہنے دو۔ ویسے ہمیں مسٹر کرک ڈگلس کو یہ اطلاع دینا ہوگی کہ کوک براؤن اب اس دُنیا میں نہیں ہے۔"

"واقعی......! لیکن تم کیا کرتے پھر رہے تھے......؟"

"یہ جاننے کے بعد کہ جن لوگوں نے کوک براؤن کو ہلاک کیا ہے، وہ کم از کم کوک براؤن کا تعاقب کر کے یہاں تک نہیں پہنچ سکے۔ میں نے سوچا کہ کوک براؤن کے اس مکان کی تلاش لے ڈالی جائے اور اسی میں، میں مصروف رہا تھا۔"

لینا گوائل نے مسرور نگاہوں سے مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

"بہت خوب......! واقعی میں اس مکان کی اچھی طرح تلاشی لینی چاہیئے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لینا گوائل مکان کی تلاشی میں مصروف ہوگئی۔ میں بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا، لیکن کافی کوشش کے باوجود لینا گوائل کو کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو اس کے لئے کارآمد ہوتی۔ پھر دفعتہ ہی ہمیں کچھ آہٹیں سنائی دی تھیں اور ہم ساکت ہوگئے تھے۔ لینا گوائل سرد لہجے میں بولی۔

"کوئی یہاں تک پہنچ گیا ہے۔"

"ہاں......! میرا بھی یہی اندازہ ہے۔"

"اس کا رُخ سامنے کی سمت سے ہی ہوگا۔ میرا خیال ہے اگر ہم اس بغلی دروازے سے نکل کر کراٹا کی باڑ کو کود کر یہاں سے فرار ہو جائیں تو آنے والے ہمیں نہیں پا سکتے۔"

ہم دونوں نے اسی بات پر عمل کیا تھا۔ سرخ مکان کے سامنے ہم نے سیاہ رنگ کی ایک مرسڈیز دیکھی اور میں نے اس کا نمبر ذہن نشین کر لیا۔ اس کے بعد اس علاقے میں رُکنا ہمارے لئے خطرناک ہو سکتا تھا۔ چنانچہ، ہم واپس اپنے ہوٹل میں پہنچ گئے۔

میں نے جو کچھ کیا تھا، خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ اس میں میری حکمت عملی کو دخل نہیں تھا۔ بس ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے اچانک ہی میرے اعصاب کسی کے زیر اثر آ گئے ہوں، اور میں مشینی انداز میں یہ کارروائی کرتا رہا ہوں۔ اس وقت بھی میری کیفیت یہی تھی۔ لیکن میرا ذہن ابرانوس کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا۔ اتنا عرصہ ہو گیا تھا اسے مجھ سے جدا ہوئے کہ اب تو میں اسے بھول ہی گیا تھا۔

لینا گوائل تھوڑی دیر تک کمرے میں بیٹھی حالات پر غور کرتی رہی۔ میں نے بھی خاموشی سے اسے سوچنے کا موقع دیا تھا۔ پھر اس نے چونک کر کہا۔

"ہمیں ڈیڈی سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ تم دیکھو، ڈیڈی اپنے کمرے میں موجود ہیں یا نہیں......؟"

میں خاموشی سے باہر نکل آیا تھا۔ کمرہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، اور اندر روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں نے مسٹر کرک ڈگلس سے رابطہ قائم کئے بغیر واپس آ کر لینا گوائل کو ان کی موجودگی کی اطلاع دی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم مسٹر کرک ڈگلس کے کمرے میں بیٹھے تھے۔

"یقیناً کوئی ایسی بات ہوگی جس کی وجہ سے تم لوگوں نے مجھ سے ملاقات ضروری سمجھی۔"

"ہاں ڈیڈی......! آپ کی ہدایت کے مطابق ہم نے کوک براؤن کو ٹریس کیا اور اس کی رہائش گاہ تک پہنچ گئے لیکن یہ بات شاید آپ کے لئے افسوس ناک ہو کہ کوک براؤن کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاش اسی کے مکان کے ایک کمرے میں پڑی ہوئی ہے۔ غالباً یہ دو تین دن پرانی لاش ہے اور ابھی تک کوئی اس کی جانب متوجہ نہیں ہو سکا کیونکہ وہ مکان خالی پڑا ہوا ہے۔"

مسٹر کرک ڈگلس بری طرح چونک پڑے تھے۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے اور لینا گوائل کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"آہ......! یہ تو بہت برا ہوا۔ یہی شخص ہمیں شون لائل تک پہنچانے کا واحد ذریعہ تھا اور اس کے بعد شون لائل کی رہائش تک پہنچنا انتہائی مشکل ہو جائے گا۔"

"میرا خیال ہے اس مشکل کا حل میں نے دریافت کر لیا ہے۔"

میرے منہ سے آواز نکلی اور دونوں باپ بیٹی چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

''کیا مطلب......؟''

مسٹر ڈگلس نے سوال کیا اور میں نے جیب سے وہ سرخ ڈائری نکال کر ان کے سامنے ڈال دی۔ لینا گوائل بھی متعجب رہ گئی تھی۔

''یہ ڈائری...... یہ ڈائری......''

''ہاں......! یہ ڈائری مجھے کوک براؤن کے مکان کی تلاشی کے دوران ہی ملی ہے۔''

میں نے جواب دیا۔ مسٹر کرک ڈگلس ہماری باتوں پر توجہ دیئے بغیر ڈائری پڑھنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ ڈائری کے اوراق اُلٹتے جا رہے تھے اور ان کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیلتے جا رہے تھے۔ پھر انہوں نے مسرور لہجے میں کہا۔

''آہ......! یہ تو بہت ہی کارآمد چیز ہے۔ اس میں نہ صرف یون لائل کا پتہ بھی موجود ہے، بلکہ اس فینسی ڈریس شو کی تاریخ تک تحریر ہے۔ اس مہینے کی نو تاریخ، یعنی آج سے صرف چار دن کے بعد۔ کمال ہے بھئی......! کمال ہے، اور یہ سانتاہل، پیرس کے نواح میں تقریباً تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ میں اس کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں، اور ڈیئر شامی......! تم نے تو واقعی کمال کر دکھایا۔ یقیناً تم ایک باکمال آدمی ہو، دیکھو لینا......! کیا تم نے یہ ڈائری نہیں دیکھی......؟''

''نہیں ڈیڈی......! مسٹر شیمی نے مجھے اس بارے میں نہیں بتایا تھا۔''

لینا نے کسی قدر شکایتی انداز میں کہا۔ میں نے اس کے لہجے کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ لینا گوائل ڈائری دیکھتی رہی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''اس طرح تو ڈیڈی......! ہمارا یہ مسئلہ تقریباً حل ہو گیا ہے۔''

''ہاں......! نہ صرف حل ہو گیا ہے، بلکہ میرے خیال میں کچھ اور بھی ایسی کارآمد باتیں اس ڈائری میں درج ہیں جو ہمارے کام آسکتی ہیں۔ اس میں ہوکسا گروپ کے بارے میں کچھ انکشافات بھی ہیں۔ لیکن ہمیں ان سے نہیں ٹکرانا بلکہ خاموشی سے اپنا کام کرنا ہے۔''

''ڈیڈی......! ایک اور تجویز میرے ذہن میں ہے۔ کیا مسٹر شیمی، کوک براؤن کی شخصیت اختیار نہیں کر سکتے......؟ میرا خیال ہے، اس طرح ہمیں اپنے کام میں بڑی آسانیاں فراہم ہو جائیں گی۔''

کرک ڈگلس کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے تعریفی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم لوگ گولڈ ڈسٹ کو آسمان پر پہنچا دو گے۔''

''لیکن جن لوگوں نے کوک براؤن کو ہلاک کیا ہے، وہ مجھے اس کے روپ میں پا کر کیا میری جان کے پیچھے نہیں پڑ جائیں گے۔ اس طرح تو میں وقت سے پہلے ہی مارا جاؤں گا۔''

میں نے واویلا کرنے کے سے انداز میں کہا۔

''نہیں ڈیئر شامی......! یہ ضروری تو نہیں کہ ہم تمہیں ابھی سے کوک براؤن بنا دیں۔ ہم تو تمہیں صرف اس فینسی ڈریس شو میں کوک براؤن بنا کر پیش کریں گے۔ نو تاریخ کی صبح میں تمہیں کوک براؤن بنا دوں گا اور اس کے بعد تم شون لائل سے جا کر مل لینا تاکہ سارا پروگرام ترتیب پا جائے، اور مائیکرو فلم کے سودے میں تم براہِ راست کام کر سکو۔ ممکن ہے وہ فلم وہیں تمہارے ہاتھ لگ جائے اور ہمیں لمبا کھیل نہ کھیلنا پڑے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارا اپنا پروگرام وہی رہے گا جو میں نے ترتیب دیا ہے۔

سنو لینا......! تم فرانس کے ایک مخصوص حصے میں پہنچ کر مارک ایشلے سے ملو، مارک ایشلے ایک مقامی غنڈہ ہے اور بہت سے کاموں کے لئے تیاریاں کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم ایک لاکھ پونڈ کی رقم مخصوص کئے دیتے ہیں، جسے تم مارک ایشلے کو دینے کا اعلان کر سکتی ہو۔ مارک ایشلے کے بارے میں تمہیں تفصیلات بتا دوں کہ تمہیں اس سے کیا اور کس انداز میں گفتگو کرتی ہے......؟ اور شامی اس سلسلے میں تمہیں ایک اور کردار میں کام کرنا ہوگا۔ لیکن اس کے لئے چہرہ بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مارک ایشلے سے ابتدائی گفتگو ٹیلی فون پر کر لی جائے گی۔''

مسٹر کرک ڈگلس ہمیں اپنے اس منصوبے کے بارے میں بتاتے رہے اور میں نے اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس مسئلے میں کافی دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ میری کیفیت ایک عجیب و غریب شکل اختیار کر گئی تھی۔ اچانک ہی یوں محسوس ہونے ہوتا جیسے ذہن پر ایک پردہ سا پڑ گیا ہے اور میں اس کے تحت کارروائی کرنے لگتا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے جب وہ پردہ ہٹ جاتا تو مجھے احساس ہوتا کہ میں انتہائی خوفناک حالات میں گھرا ہوا ہوں۔

اور اس وقت میں پریشانی کا شکار ہو جاتا تھا، لیکن یہ دُہری کیفیت مجھے کافی ذہنی اذیت کا شکار کر رہی تھی، اور میں کسی ایک سمت ہو جانا چاہتا تھا، اور اس کے لئے یہی بہتر تھا کہ جن حالات میں ہوں، ان ہی میں دلچسپی لینی چاہئے۔ چنانچہ میں آخری فیصلہ کر کے مطمئن ہو گیا تھا، مسٹر کرک ڈگلس مجھے تفصیلات بتاتے رہے اور میں نے انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور اس کے بعد مسٹر کرک ڈگلس کے ساتھ ہماری نشست ختم ہو گئی۔ سرخ ڈائری مسٹر کرک ڈگلس نے اپنی تحویل میں لے لی تھی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔

دوسرے دن مسٹر کرک ڈگلس نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ہمارے لئے پیرس میں ایک ایسی جگہ تلاش کر لی ہے جہاں ہم ہوٹل کی ہنگامی زندگی سے ہٹ کر کام کر سکتے ہیں۔ چونکہ اس کام کی انجام دہی کے لئے ہمیں کچھ اور چیزوں کی ضرورت بھی ہوگی جس میں ایک کار بھی شامل تھی۔ مسٹر کرک ڈگلس ہمارے ساتھ ہی ہماری اس نئی رہائش گاہ تک آئے تھے، جو دریائے سین کے کنارے ایک پُرسکون گوشے میں واقع تھی۔ ایک چھوٹا سا مکان جو خوب صورت خوابوں کی جنت کہا جا سکتا تھا۔ اس کے کمپاؤنڈ میں ایک کار بھی کھڑی تھی، جس کے بارے میں

مسٹر کرک ڈگلس نے ہمیں بتایا کہ یہ کرائے پر حاصل کی گئی ہے۔

کار پر استعمال کے لئے کچھ جعلی نمبر پلیٹیں بھی حاصل کر لی گئی تھیں جو میرے حوالے کر دی گئیں۔ سیاہ رنگ کی اس مرسڈیز کے بارے میں مسٹر کرک ڈگلس کو بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ کس کی ملکیت ہے اور انہوں نے اس کے بارے میں زیادہ چھان بین بھی نہیں کی تھی۔

بہرطور اب تک کے سارے معاملات بڑے اطمینان سے چل رہے تھے۔ بالآخر وہ دن آ گیا جب مجھے مارک ایشلے سے ملاقات کر کے بقیہ معاملات طے کر لینے تھے۔ اس ملاقات کے لئے مجھے تنہا ہی مارک ایشلے سے ملنا تھا۔

بندر گاہ کے ایک علاقے میں مارک ایشلے سے میری ملاقات ہوئی۔ بے اعتدالی کا شکار یہ شخص، صورت سے ہی خطرناک نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی ایک گولی بھی ضائع نہیں کی تھی۔ اپنی ہی طرز کے دوسرے لوگوں سے بھی شناسائی رکھتا تھا، اور اکثر چھوٹے موٹے مجرمانہ کام کر لیا کرتا تھا۔ یعنی کوئی بھی شخص اسے اپنے لئے استعمال کر سکتا تھا۔ نشے میں ڈوبے رہنے کا عادی تھا، اور اس کا اظہار اس کی بھاری آنکھوں سے ہوتا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے نہ پہچاننے والے انداز میں پلکیں جھپکائیں اور پھر جب میں نے اپنا تعارف اس سے کرایا تو اس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔

''ہاں شاید میں تمہیں پہچانتا ہوں، لیکن معاف کرنا میرے دوست......! میری یادداشت میرا ساتھ نہیں دیتی، تاہم کسی ایسے شخص کا مجھ سے مل بیٹھنا کافی ہے جو زندگی میں ایک بار بھی دوست کی حیثیت سے ملا ہو۔ کہو، میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں......؟''

''میں تمہارے مالی حالات کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

میں نے سوال کیا اور مارک ایشلے ہنس پڑا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم مجھ سے کچھ زیادہ ہی واقف ہو، اور اگر اتنی واقفیت رکھتے ہو میرے بارے میں، تو تمہیں یہ بھی اندازہ ہو گا کہ میں عموماً مالی پریشانیوں کا شکار رہتا ہوں اور اگر نہ رہوں تو لوگ مجھے مارک ایشلے سمجھنا چھوڑ دیں۔''

''اور یقیناً تمہارے اچھے دوست تمہاری اس مالی حالت کو درست کرنے کی فکر میں بھی سرگرداں رہتے ہوں گے۔''

میں نے کہا۔

''لیکن میں کیا کروں کہ یہ اچھے دوست بھی میری کوئی بہتر مدد نہیں کر پاتے۔ بہت سے مسائل ہمیشہ میری جان کے لاگو رہتے ہیں اور میں اپنے آپ کو ان سے بچانے کے لئے شراب کے نشے میں ڈوبا رہتا ہوں۔''

''اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر تم بہت زیادہ مالی مسائل کا شکار نہ ہونے تو زیادہ شراب نہیں

پیتے۔''

''بالکل بالکل......! ٹھیک جانتے ہو تم، اب تم بتاؤ، انسان اپنے آپ کو بھولا نہ رہے تو کیا کرے......؟ لوگ تو یہ بات نہیں سوچتے کہ مارک ایشلے کسی کا مقروض نہیں رہنا چاہتا۔ لیکن حالات اسے اس کی اجازت ہی نہیں دیتے۔ ان دنوں میں کافی مقروض ہوں، اور وہ لوگ جو مجھے قرض دیا کرتے تھے، آج کل میری صورت دیکھ کر چھپ جایا کرتے ہیں۔''

''لیکن میں تمہیں ان لوگوں سے چھٹکارہ دلانے کے لئے دس ہزار ڈالر کی رقم پیشگی ادا کر سکتا ہوں۔''

میرے ان الفاظ پر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے مارک ایشلے کا نشہ ایک دم ہرن ہو گیا ہو، وہ آنکھیں پٹ پٹانے لگا، پھر اس نے تعجب سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا تم زیادہ پی گئی ہو......؟ اگر ایسی بات ہے تو پہلے اپنا نشہ اُتار لو، اس کے بعد مجھ سے اس قسم کی گفتگو کرو۔ روپے پیسے کے معاملات میں، میں کافی کمزور دل واقع ہوا ہوں اور دس ہزار ڈالر یقیناً ایک ایسی رقم ہے جس کے بارے میں سن کر آدمی پریشان ہو سکتا ہے۔''

''میں تمہیں نشے میں نہ ہونے کا ثبوت اس طرح دے سکتا ہوں کہ دس ہزار ڈالر کی یہ رقم پہلے تمہارے سامنے رکھ دوں۔''

میں نے جیب سے نوٹوں کی وہ گڈی نکال کر مارک ایشلے کے ہاتھ پر رکھ دی جو کرک ڈگلس سے حاصل ہوئی تھی۔ وہ متعجبانہ انداز میں نوٹوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، اور پھر یکایک ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے سالہا سال سے شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہو۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر نوٹوں کی یہ گڈی اپنی اندرونی جیب میں رکھ لی اور پھر اُٹھتا ہوا بولا۔

''آؤ میرے ساتھ، یہاں بیٹھ کر گفتگو کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ میں تمہیں ایک اور جگہ لئے چلتا ہوں۔''

میں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مارک ایشلے بندر گاہ کے علاقے میں ایک چھوٹے سے شراب خانے میں مجھے لے آیا اور ایک میز پر بیٹھ کر اس نے ہلکی شراب کا آرڈر دے دیا جو میرے لئے بھی تھی۔

''میں شراب نہیں پیتا۔''

''میں بھی نہیں پیوں گا، لیکن یہ گفتگو کرنے کے لئے بہترین جگہ ہے، اور یہاں بیٹھنے کے لئے کچھ نہ کچھ منگوانا ضروری ہے۔''

مارک ایشلے نے جواب دیا، اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ مارک ایشلے اب سوالیہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

"سانتا ہل کے بارے میں کچھ جانتے ہو......؟"

میں نے آہستہ سے کہا۔

"ایک پُر فضاء اور خوب صورت مقام ہے۔"

"سانتا ہل میں ایک شخص کے گھر میں نو تاریخ کو ایک فینسی ڈریس شو پارٹی ہے جس میں بڑے بڑے افراد شرکت کریں گے اور تمہیں صرف اس فینسی ڈریس شو میں افراتفری پھیلانا ہے۔ فائرنگ کرنا ہے، مگر کسی کو ہلاک کرنا ضروری نہیں ہوگا، لیکن ایسی ہنگامہ آرائی ہونی چاہئے کہ لوگ وہاں ٹک نہ سکیں اور اس بات کو ذہن نشین کر لینا کہ اس ہنگامہ آرائی کے بعد تمہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ صاف وہاں سے نکل آنا ہے، بس اتنا سا کام ہے، جو تمہیں ایک بھاری رقم کے عوض انجام دینا ہوگا۔"

"ساتھیوں کے ساتھ......؟"

مارک ایشلے نے کس قدر متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں......!"

"لیکن میرے دوست......! ساتھی بھی تو بلا معاوضہ کچھ نہیں کرتے۔"

"میں نے تمہیں دس ہزار کی یہ رقم بلاوجہ ہی نہیں پیش کی، یہ صرف تمہیں اس بات کا اطمینان دلانے کے لئے ہے کہ میں درحقیقت تمہاری مالی پریشانیاں دُور کرنا چاہتا ہوں۔ اصل رقم تو اس کے بعد تمہیں دی جائے گی۔"

"اور وہ کتنی ہوگی......؟"

"پچاس ہزار ڈالر سے لے کر ایک لاکھ ڈالر تک......!"

"اوہ مائی گاڈ......! تم ایسی دل ہلا دینے والی باتیں کر رہے ہو کہ میں پاگل ہوتا جا رہا ہوں۔"

"نہیں مارک ایشلے......! تمہیں ہوش وحواس میں رہ کر یہ سب کچھ سننا چاہئے۔ یہ ایک لاکھ کی رقم تمہاری ہوگی اور اس میں سے تم اپنے بقیہ ساتھیوں کو بھی حصہ دے سکتے ہو۔"

"میرے ساتھیوں کی تعداد کتنی ہونی چاہئے......؟"

مارک ایشلے نے سوال کیا۔

"ایک بڑی پارٹی میں جس میں اندازے کے مطابق تقریباً سو افراد شریک ہو سکتے ہیں، اعلیٰ پیمانے پر ہنگامہ آرائی کے لئے میرا خیال ہے، چھ سات افراد مزید درکار ہوں گے۔"

"فرض کرو، میں چھ افراد کو اپنے ساتھ شامل کرتا ہوں تو مجھے ان میں اچھی خاصی رقم تقسیم کرنا ہوگی۔ مثلاً فی کس دس ہزار ڈالر اور چالیس ہزار ڈالر میری اپنی ملکیت۔ واہ......! اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو کمال ہو جائے گا۔ اتنی بڑی رقم کے بعد تو میں ایک بھی قرض خواہ سے منہ چھپانے کی ضرورت نہیں محسوس کروں گا۔ لیکن میرے

دوست......! باقی لوگ بھی کچھ نہ کچھ ایڈوانس طلب کریں گے، اور اس کے علاوہ جس قسم کی باتیں تم کر رہے ہو، اس کے لئے کچھ اور چیزوں کی بھی ضرورت ہوگی، جنہیں کرائے پر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ میں یہ سب کچھ کر لوں گا۔ بس تم یوں سمجھ لو کہ مارک ایشلے آج سے تمہاری ماتحتی میں ہے۔ اس وقت تک جب تک تمہارا کام مکمل نہ ہو جائے۔"

مارک ایشلے بہت زیادہ پُر جوش نظر آ رہا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن اس کے ساتھ ہی میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ ان لوگوں کو اور مجھے مزید رقم بھی درکار ہوگی۔"

"ہمارے اور تمہارے درمیان یہ معاملہ طے ہو جائے گا تو میں تمہیں چالیس ہزار ڈالر کی رقم ابھی اور اسی وقت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"تو پھر معاملات طے ہونے میں اب رہ کیا گیا ہے میرے دوست......؟ بہتر یہ نہیں ہوگا کہ تم اپنے ذہن میں یہ تسلیم کر لو کہ مارک ایشلے سے تمہارے معاملات مکمل طور پر طے ہو گئے ہیں......؟ اور میں تو تم سے کہہ ہی چکا ہوں کہ آج سے میں تمہاری ماتحتی میں کام کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے......! اب تم بقیہ لوگوں کا انتخاب کر کے مجھے ان سے ملوا دو، اگر ضرورت محسوس کرو۔"

"ٹھیک ہے......! مجھے اپنا وہ ایڈریس دو جہاں میں تم سے رابطہ قائم کر سکتا ہوں۔"

"ہوٹل پیراگون، روم نمبر ستائیس، تم جب چاہو مجھ سے وہاں رابطہ قائم کر سکتے ہو۔"

میں نے نئے پروگرام کو ذہن میں رکھ کر کہا۔ کیونکہ اب اس کام کی تکمیل کے لئے میں نے عارضی طور پر اپنی وہ رہائش گاہ بھی ترک کر دی تھی، اور پیراگون میں میرے لئے مسٹر کرک ڈگلس نے یہ کمرہ حاصل کر لیا تھا۔ تاکہ ان کے منصوبے کے مطابق مارک ایشلے سے رابطہ قائم کرنے کے بعد میں اسی میں اس سے کاروباری گفتگو کر سکوں۔ مارک ایشلے نے یہ پتہ ذہن نشین کر لیا اور اس کے بعد ہماری یہ ملاقات اختتام پذیر ہو گئی۔

میں وہاں سے واپس چلا تو نہ جانے میرے ذہن میں کیوں یہ بات آئی کہ مارک ایشلے پر نگاہ رکھی جائے۔ کہیں یہ شخص میری طرف سے مشکوک ہو کر میرا تعاقب نہ کرے۔ لیکن جہاں تک میری عقل ناقص کام کر سکتی تھی، میں نے اندازہ لگایا کہ مارک ایشلے نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں پیراگون پہنچ گیا۔ اس نئے ہوٹل میں، میں نے ابھی تک باقاعدہ قیام نہیں کیا تھا۔ بس کمرہ حاصل کرنے کے بعد ایک نگاہ اسے دیکھ لیا تھا۔ جب میں پیراگون کا کمرہ نمبر ستائیس کھول کر اندر داخل ہوا تو دفعتہً ہی مجھے احساس ہوا کہ میرے کمرے میں کوئی اور بھی موجود ہے۔ میں نے چونک کر سامنے دیکھا تو میری مسہری پر لینا گوائل آرام سے لیٹی ایک کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ میرے قدموں کی آہٹ پر وہ کتاب کو اپنے سینے پر رکھ کر مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس کے انداز میں بڑی لگاوٹ تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ کمرے کا دروازہ معمول کے مطابق باہر سے بند تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

"ایسی حالت میں تو میں تمہیں مافوق الفطرت ہستی سمجھنے پر مجبور ہوں۔"

لینا گوائل ہنس پڑی تھی۔

"نہیں......! میں زندہ ہوں اور زندگی سے بھرپور بھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم مجھے کبھی اس نگاہ سے نہیں دیکھتے۔"

وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور میں اس کے الفاظ کا مفہوم جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ مفہوم تو کئی بار میرے علم میں آیا تھا، لیکن میں اپنی فطری بزدلی کے باعث اس مفہوم کے راستے پر آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔ نیلس کی دوسری بات تھی کیونکہ اس نے خود ہی مجھے کاک ٹیل پلائی تھی اور نہ جانے کیوں اس ابتداء پر میں آج تک کاربند تھا، یعنی کاک ٹیل میرے مدمقابل ہی کو پلانا پڑی تھی۔ بہرطور یہ لمحات ان باتوں کے سوچنے کے نہ تھے، میں بھی سنبھل گیا، اور پھر لینا گوائل بھی۔

"تمہاری ملاقات مارک ایشلے سے ہوگئی......؟"

"ہاں......! مگر تمہیں کیسے معلوم......؟"

"اس طرح کہ میں تمہارے پیرا گون پہنچنے سے صرف دس منٹ قبل یہاں پہنچی ہوں۔"

"اور دیواروں میں سے گزرتی ہوئی اس کمرے میں آگئی ہو، کیوں......؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی......! بہت معمولی سی بات ہے۔ بھلا ہم جیسے لوگ ایسے چھوٹے موٹے راستوں کو کب خاطر میں لاتے ہیں......؟ مارک ایشلے سے تمام تفصیلی گفتگو طے ہوگئی ہے......؟"

"ہاں......! میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ مجھے مزید چند افراد درکار ہوں گے۔"

"بالکل ٹھیک......! ویسے یہ مارک ایشلے، ڈیڈی کے خیال کے مطابق بڑے کام کا آدمی ہے، مگر بدنصیب ہے، ورنہ کروڑپتی ہوتا۔ لاابالی فطرت کا مالک ہے، جیب میں پیسے نہیں ہوتے تو ہر کام کے لئے تیار ہو جاتا ہے، اور جب آسودہ حال ہوتا ہے تو ہاتھ پاؤں ہلانا بھی پسند نہیں کرتا۔"

"اوہو......! پیسے تو اس کی جیب میں اب بھی پہنچ گئے ہیں۔ کہیں وہ اپنے آپ کو آسودہ حال ہی نہ سمجھ لے......؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں نہیں......! کم از کم اس معاہدے کی تکمیل وہ ضرور کرے گا۔"

لینا گوائل نے جواب دیا۔

"ویسے میں تمہارا زیادہ وقت برباد نہیں کروں گی۔ میں تمہیں صرف یہ بتانے آئی تھی کہ حالات پر میری اور ڈیڈی کی نگاہ ہے۔ تم اپنے آپ کو کسی بھی لمحے تنہا مت سمجھنا اور اب تمام کام تمہاری ڈائریکشن میں ہوں

گے۔ تم اپنے طور پر انہیں ہینڈل کرو گے۔ ابھی تک تم نہایت شاندار جا رہے ہو، اور مجھے اُمید ہے کہ اپنا کام اسی طرح انجام دیتے رہو گے۔ ہم لوگ یعنی میں اور ڈیڈی اپنے اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ دراصل ہماری تمام تر توجہ اس بات پر ہے کہ ہم ہوکسا گروپ کے لوگوں کو چیک کرلیں، مگر ابھی تک ان میں سے کوئی ہمارے علم میں نہیں آسکا ہے، اور میں چاہتی ہوں کہ کم از کم وہ ہماری نگاہوں میں ضرور آجائیں۔ دیکھیں، وہ کس طرح کام کرتے ہیں......؟ اور ان کی معلومات اس سلسلے میں کہاں تک پہنچتی ہیں......؟ چنانچہ اب میں چلوں......؟"

"ٹھیک ہے......!"

میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ ظاہر ہے، اس سے زیادہ میں اور کیا کہہ سکتا تھا......؟

تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھ سے رُخصت ہو کر چلی گئی، اور میں اپنے کمرے میں مسہری پر دراز ہوگیا۔ اب اس وقت ذہن میں اور کوئی سوچ نہیں تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ جب میں نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے ذہنی طور پر آمادہ کیا تھا، میرا تردد مٹ گیا تھا اور اب میں پورے طور پر یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے یہ کام انجام دینا ہی ہے۔

دوسرے دن مارک ایشلے میرے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ ان میں سے ایک کھردرے چہرے والا قوی ہیکل تھا۔ دوسرا اس کی نسبت کسی قدر شریف صورت نظر آتا تھا۔ لیکن مارک ایشلے نے ان کا تعارف یہ کہہ کر کرایا۔

"یہ شخص ایچ ہوگن ہے، خاندانی مجرم۔ اس کے باپ اور چچا کو تیرہ افراد کے قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ اس کا بڑا بھائی آٹھ افراد کو قتل کرکے خود بھی پولیس کی گولیوں کا شکار ہوگیا تھا، اور اب یہ موصوف نہایت پامردی سے اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاتھوں اب تک تین قتل ہو چکے ہیں اور یہ چوتھے قتل کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ کاروبار کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ جب میں نے ان کے سامنے یہ چھوٹا سا منصوبہ پیش کیا تو انہوں نے فوراً ہی آمادگی کا اظہار کر دیا اور میں انہیں آپ کے پاس لے آیا۔ ہرچند کہ ان کے سامنے کسی قسم کی معاملہ فہمی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن بہرطور میں نے ان سے آپ کا تعارف کرا دینا ضروری سمجھا۔

اور یہ دوسرے صاحب جو بظاہر کسی کالج کے پروفیسر یا کسی رفاہی ادارے کے منیجر نظر آتے ہیں، بڑی ذاتِ شریف ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دُنیا بھر کی تجوریاں ان کے سامنے ہنس پڑتی ہیں۔ ان کا اور تجوریوں کا عشق بہت پرانا ہے، اور عموماً انہیں ہم کوئی مضبوط سے مضبوط تجوری توڑنے کے سلسلے میں استعمال کرتے ہیں۔ دیواروں میں سوراخ کرلینا ان کے لئے بالکل ایسا ہے جیسا حشرات الارض زمین میں اپنے لئے جگہ بنا لیتے ہیں۔ سب سے بڑی چیز ان کی صورت ہے، جس کو دیکھ کر پولیس ہمیشہ دھوکہ کھا جاتی ہے اور اپنے دل میں فیصلہ کرلیتی ہے کہ کم از کم یہ شخص جرائم پیشہ نہیں ہوسکتا۔ ان کا نام ایلی ہوپ ہے۔

بقیہ دو افراد آپ کی توقع کے مطابق ہیں چیف......! اور ان کا حصول میرے لئے مشکل نہیں ہے۔

گویا ہم ہوئے کل پانچ افراد، اور میرا خیال ہے، جو ذمہ داری آپ نے ہمارے سپرد کی ہے، اس کے لئے ہم پانچوں بے حد کافی ہیں۔ آپ کو ہمارے سلسلے میں کسی قسم کی پریشانی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

''ہر چند کہ مجھے مارک ایشلے نے پوری تفصیلات بتا دی ہیں جناب......! لیکن اس کے باوجود میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں کہ ہمارا مکمل کام کیا ہے......؟''

ایچ ہوگن نے سوال کیا۔

''مارک ایشلے نے جو تفصیلات بتائی ہیں، وہ یقیناً میری ہی بتائی ہوئی تفصیلات کے مطابق ہوں گی۔ ہمیں ایک فینسی ڈریس شو میں شدید افراتفری پھیلانی ہے، لیکن اس طرح کہ نہ تو لوگ زخمی ہوں اور نہ ان میں سے کوئی ہلاک ہو، اور سنو مارک ایشلے......! اب تمام ذمہ داریاں میں نے تمہارے ہی سپرد کر دی ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مہم کا انچارج میں نے تمہیں ہی بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ میں اس وقت تمہارے ساتھ موجود نہیں ہوں گا۔''

''ٹھیک ہے چیف......! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہم وہاں ایسا ہنگامہ برپا کریں گے کہ کسی کو اپنے جوتے تک کی بھی خبر نہیں ہو گی۔''

''اس کے بعد ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے جناب والا......! کہ اس ہنگامے اور افراتفری کا مطلب کیا ہے......؟''

ایچ ہوگن نے سوال کیا۔ میں نے بھنویں ٹیڑھی کر کے مارک ایشلے کی طرف دیکھا تھا۔

''مارک ایشلے......! کیا اس شخص کو تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے سوال کرنے کی اجازت نہیں ہو گی......؟''

میرے اس روّیے کو مارک ایشلے نے محسوس کیا اور کہنے لگا۔

''نہیں ہوگن......! واقعی تمہیں یہ سوال نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارا کام ہمیں بتا دیا گیا ہے، اور اس کا بہتر معاوضہ جس کی حقیقت میں نے تمہارے سامنے پیش کر دی ہے، ہمیں دیا جا رہا ہے۔ ہمارا کام صرف اتنا ہی ہو گا کہ ہم اچھی طرح افراتفری پیدا کرنے کے بعد وہاں سے نکل آئیں اور اپنا معاوضہ وصول کریں۔ بس اس سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں معلوم کرنا چاہئے۔''

''میرے خیال میں تھوڑی بہت معلومات بہت ضروری ہوتی ہیں۔ فینسی ڈریس شو اگر صرف فینسی ڈریس شو ہے تو اس میں افراتفری کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہو گا۔ دوسری بات یہ کہ کیا ہمیں وہاں کچھ ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑ سکتا ہے جو ہمارے راستے کی رکاوٹ بنیں گے......؟''

ایچ ہوگن دوبارہ بولا۔

''اس بات کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

میں نے کہا۔

''تو پھر میرا سوال بے معنی تو نہ ہوا۔ افراتفری کر کے آرام سے نکل آنا دوسری بات ہے، اور دوسرے لوگوں کا مقابلہ ایک الگ چیز۔ آپ برا نہ مانیں چیف......! ہم لوگ آپ کا کام دل سے قبول کر چکے ہیں اور مارک ایشلے نے ہمیں ہمارے معاوضے کے بارے میں بھی بتا دیا ہے۔ لیکن کسی کام کو صحیح طور پر انجام دینے کے لئے اس حد تک اس کے حالات سے واقف ہونا ضروری ہے کہ ہم خود اپنا تحفظ بھی کر سکیں۔''

ایچ ہوگن ذہین آدمی تھا اور اس کی یہ بات واقعی ایک ٹھوس حقیقت رکھتی تھی۔ میں نے چند لمحات سوچنے کے بعد کہا۔

''اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم سانتاہل کا ایک جائزہ لے کر اس کی مکمل تفصیلات ذہن نشین کر لیں۔''

''ہاں چیف......! یہ مناسب ہے۔''

''تو ٹھیک ہے......! تم آج ہی شام اس کی تیاریاں مکمل کر لو۔ ہم سانتاہل چلیں گے۔''

میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور ایچ ہوگن نے گردن خم کر دی۔ میں نے کرک ڈگلس اور لینا گوائل کی اُنگلی پکڑ کر چلنے کا فیصلہ ترک کر دیا تھا۔ اب اپنے طور پر بھی میں کافی پُر اعتماد تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ میں نے اپنے طور پر ہی کیا تھا اور اس کی اطلاع ان لوگوں کو دینا ضروری نہیں سمجھی۔

شام کو ان کے ساتھ دو افراد بھی تھے، جن سے میرا تعارف کرایا گیا۔ مارک ایشلے اب چونکہ اس مہم کا انچارج تھا، اس لئے میں نے بقیہ ذمہ داری اسی پر چھوڑ دی تھی۔ چنانچہ مارک ایشلے کی مہیا کردہ ایک کار میں بیٹھ کر ہم سانتاہل کی جانب چل پڑے۔ مارک ایشلے خود ہی ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ہم یہ سفر طے کر کے بالآخر سانتاہل پہنچ گئے اور یہاں آنے کے بعد ہم نے اس مکان کا جائزہ لینا مناسب سمجھا۔

اپنی کار کو ہم نے ایک ایسی جگہ چھوڑ دیا جہاں دوسری بہت سی کاریں پارکنگ لاٹ پر کھڑی تھیں۔ شون لائل کا مکان سانتاہل کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ اس کے مکان سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر ایک دریا بہتا تھا۔ مکان تین منزلہ تھا اور اس کے چاروں طرف ایک وسیع و عریض باغ پھیلا ہوا تھا۔ مکان میں داخل ہونے کے لئے باغ کے پھاٹک سے ہی گزرنا پڑتا تھا، اور یہ پھاٹک صرف ایک تھا۔

ہم لوگ بڑی ہوشیاری سے دو ٹولیوں میں بٹ کر اس مکان کا جائزہ لینے لگے۔ اطراف میں پہاڑی ٹیلے بکھرے ہوئے تھے اور ان پہاڑی ٹیلوں پر درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ مارک ایشلے نے ایک اچھے کارکن کی حیثیت سے وہ تمام انتظامات بھی کر لئے تھے جو ہمارے لئے ضروری ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اس کے پاس دُور بینیں، کیمرے اور ایسی بہت سی دوسری چیزیں تھیں۔

ہم لوگ غور سے مکان اور اس کے اطراف کا جائزہ لینے لگے۔ ایک طرف دریا تھا، دوسری طرف

دُور دُور تک کھیت بکھرے ہوئے تھے، اور پھر یہ باغ جس کا ایک ہی دروازہ تھا۔ باغ کے احاطے میں چند افراد باغ اور درختوں کو سنوارنے کا کام کر رہے تھے۔ ویسے اس کارروائی سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ شون لائل کو کوک براؤن کی موت کی اطلاع نہیں ملی ہے، ورنہ وہ اپنے پروگرام کی تکمیل اس طرح نہ کرتا۔ یقینی طور پر اس کا کوک براؤن سے بہت زیادہ رابطہ نہ ہوتا ہوگا۔

ہم کافی دیر تک اندازے لگاتے رہے اور یہ فیصلہ کرتے رہے کہ ہمیں اپنے کام کا آغاز کس طرح کرنا ہوگا......؟ مارک ایشلے نے کہا۔

''مکان کی مختصر عمارت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فینسی ڈریس شو کا انتظام اس وسیع و عریض باغ میں ہی کیا جائے گا، اور عمارت خالی ہوگی۔ ویسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا چیف......! کہ اس فینسی ڈریس شو میں کتنے افراد کو مدعو کیا گیا ہوگا......؟ ذرا سا غور کیجئے۔ اگر یہاں زیادہ افراد آئے اور ہم نے اپنی کارروائی کی تو بھاگ دوڑ میں بے شمار لوگ ہلاک ہو سکتے ہیں۔ ہر چند کہ ہم کسی پر گولی نہ چلائیں۔ اس کے علاوہ اس خوب صورت عمارت کا مکین کوئی معمولی حیثیت کا مالک نہیں ہوگا۔

ممکن ہے اس فینسی ڈریس شو میں اخباری نمائندوں کو بھی مدعو کیا جائے۔ پریس فوٹو گرافر آئے تو ان کے ساتھ کیمرے بھی ہوں گے اور ان کیمروں میں ہماری تصویریں بھی آسکتی ہیں۔ اس کے لئے ایک بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ ہم نقاب لگالیں۔''

''بالکل ٹھیک......! تم واقعی ذہین آدمی ہو مارک ایشلے......! ویسے ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہمیں یہ بھی طے کر لینا چاہئے کہ ہم سے کون کون کس طرح کیا کام کرے گا......؟''

میں نے کہا۔ مارک ایشلے نے کہا۔

''ہمارا کام چونکہ صرف اتنا ہی ہے کہ ہم یہاں افراتفری پھیلائیں گے۔ اندازہ دراصل یہ ہونا چاہئے کہ اس فینسی ڈریس شو میں شرکت کا طریقہ کار کیا ہوگا......؟ لوگوں نے طرح طرح کے روپ بدلے ہوں گے، اس لئے کسی کو پہچانے جانے کا سوال تو نہیں پیدا ہوتا۔ اس کے باوجود جن لوگوں کو کارڈ دیئے گئے ہوں گے، وہی اس فینسی ڈریس شو میں حصہ لے سکتے ہیں، یا پھر ہر شخص کو یہاں داخل کی اجازت ہوگی......؟''

''نہیں......! میرا خیال ہے، یہاں مخصوص گنے چنے قسم کے لوگ ہوں گے اور ان کے داخلے پر سخت نگاہ رکھی جائے گی۔''

''تو پھر ظاہر ہے کہ ہمیں احتیاط سے یہاں ایسے راستوں سے آنا پڑے گا، جہاں کسی کی نگاہ نہ پہنچے۔''

''بالکل ٹھیک......!''

میں نے جواب دیا۔ اس کے بعد ہم لوگ کافی دیر تک یہاں داخل ہونے اور اپنی کارروائی کرنے

کے بارے میں پلاننگ کرتے رہے۔ ایک باقاعدہ نقشہ ترتیب دیا گیا اور اس کے بعد ہم مارک ایشلے کے ساتھ اسی کار میں بیٹھ کر واپس آگئے۔

مارک ایشلے نے مجھے پیراگون چھوڑ دیا تھا، اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ پیراگون میں اپنے کمرے میں میں آنے کے بعد میں نے غسل کیا اور مسہری پر دراز ہوگیا۔ اس سلسلے میں جو پلاننگ ہوئی تھی، میرے خیال میں کافی حد تک مکمل تھی، اور میں گولڈ ڈسٹ کے لئے وہی بننے کی کوششوں میں کافی حد تک کامیاب ہوگیا تھا، جو مسٹر کرک ڈگلس بنانا چاہتے تھے۔ اپنا تجزیہ کرنے کا اس دوران موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ذہنی طور پر میں شدید مصروف رہا تھا، لیکن اب جب کہ ابتدائی کارروائیاں مکمل ہو چکی تھیں، ایک بار پھر میں نے اپنے آپ کا جائزہ لیا اور نہ جانے کیوں مجھے خود پر غور کر کے حیرت ہوئی۔ میں تو یہ سارے کام اس طرح کر رہا تھا جیسے اس قسم کی زندگی سے میری بھرپور واقفیت ہو۔

مارک ایشلے، ایچ ہوگن اور دوسرے افراد سے میں نے اسی انداز میں گفتگو کی تھی، جیسے اس سے پہلے بھی اس قسم کے بہت سے کام کرتا رہا ہوں۔ نہ جانے کیوں مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میرے وجود میں ایک اور قوت حلول کر گئی ہے، اور اس نے مجھے بہت سہارا دیا ہے۔ میں اسے ابرانوس کی قوت نہیں کہہ سکتا تھا، کیونکہ ابرانوس تو بہت پہلے غائب ہو چکا تھا، اور میری اس سے جان چھوٹ گئی تھی۔ اس کے علاوہ جب وہ میرے ذہن پر حاوی ہوتا تھا تو مجھے اس کی موجودگی کا پورا پورا احساس ہو جاتا تھا، لیکن اب......؟

اب میرے اندر وہ بات نہیں تھی۔

اس کا مطلب ہے کہ یہ خود اعتمادی میری ذات میں پیدا ہوگئی ہے، اور ہونی بھی چاہئے تھی۔ آخر کب تک میں زمانے کی ٹھوکروں میں پتھر بنا رہتا......؟ جس نے جدھر چاہا، ٹھوکر مار کر لڑھکا دیا۔ میرے لئے یہ ضروری تھا کہ اپنی زندگی کا کوئی ایسا رُخ اختیار کرلوں جو میرے مستقبل میں معاون ثابت ہو۔ کئی بار ایسے مواقع آئے تھے، جب میری قوتیں جواب دے گئی تھیں اور ذہن نے یہی سوچا کہ اب فرار ہو جاؤں۔ لیکن یہ فرار تو میں زندگی کے ہر حصے میں حاصل کرتا رہا تھا۔

ایک جگہ سے یہ سوچ کر بھاگتا کہ یہاں میری جان کو خطرہ ہے اور اس کے بعد فوراً ہی کسی دوسرے جال میں پھنس جاتا۔ از سرِ نو اپنے آپ کو ان کے درمیان ختم کرنا ہوتا۔ کبھی مرضی کے مطابق، کبھی مرضی کے خلاف، اور نتیجہ وہی سب کچھ ہوتا، جو ہوتا چلا آیا تھا۔ چنانچہ اس بار میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنے آپ کو یہ ثابت کرنے کے بعد کہ میں وہ نہیں ہوں، جو میرے کرم فرما سمجھ رہے ہیں، ان میں شامل ہو جاؤں۔

کرک ڈگلس اور لینا گوائل صرف دو افراد تھے، جن سے میرا واسطہ تھا۔ باقی ان کے دُشمن تھے جن سے میرا واسطہ اب پڑنے والا تھا۔ لیکن کم از کم یہ دو افراد مجھے میری اصل حیثیت سے تسلیم کر چکے تھے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ ان کے درمیان میں دوسری تمام جگہوں سے زیدہ مطمئن تھا۔ یقیناً یہی وجہ تھی میری اس خود اعتمادی کی۔

انہی خیال میں اُلجھا نہ جانے کب رات کو گہری نیند سو گیا۔

صبح کا جاگا تو حیرت سے چونکنا پڑا۔ سامنے صوفے پر لینا گوائل سوئی ہوئی تھی، اور سوتے ہوئے اس کا لباس بے ترتیب ہو گیا تھا۔ میرے ذہن میں چنگاریاں سی اُڑنے لگیں۔ صوفے سے اس کا ایک پاؤں نیچے لٹک گیا تھا، اور دوسرا اوپر تھا۔ بالکل بے سدھ سو رہی تھی وہ۔ چند لمحات تو میں اس کے سحر میں گرفتار رہا۔ لیکن پھر سوچ کر چونک اُٹھا کہ وہ رات کے کون سے حصے میں یہاں پہنچی، اور کیوں پہنچی......؟ خیریت تو ہے......؟

لیکن اس طرح سوتے ہوئے اسے جگانا بھی مناسب نہیں تھا۔ یہ جرأت بھی نہیں کر سکا تھا کہ اس کے بے ترتیب بدن کو سمیٹ دوں یا اسے اُٹھا کر مسہری پر لٹا دوں۔ ابھی تک میرے اور اس کے درمیان یہ رشتے قائم نہیں ہوئے تھے، لیکن اس سے نگاہ ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ یہ خوف بھی تھا کہ اگر اس کی آنکھ کھلی اور اس نے مجھے اس حال میں دیکھا تو نہ جانے کیا سوچے......؟

کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا تو پونے آٹھ بج رہے تھے۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔ غالباً میرے غسل خانے میں داخل ہوتے ہی لینا گوائل کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کیونکہ جب میں غسل خانے سے باہر نکلا تو صوفے کی بجائے میری مسہری پر لیٹی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور صبح کا سلام کیا۔ میں نے بھی مسکرا کر اسے جواب دیا تھا۔

''تم ہمیشہ ہی سوچتے ہو گے کہ میری آمد اسی انداز میں کیوں ہوتی ہے......؟''

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں نے یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ میرا خیال ہے غسل کر لو۔ میں ناشتہ منگوا لیتا ہوں۔''

میں نے بند دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور لینا گوائل غسل خانے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر ناشتہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''ڈیڈی تمہاری کارکردگی سے بالکل مطمئن ہیں۔ تم نے کل سانتاہل کا جائزہ لیا تھا......؟''

''ہاں......! اپنے ان تمام ساتھیوں کے ساتھ، جنہیں اس سلسلے میں کام کرنا ہے۔''

''یہ بات ہمارے علم میں آچکی ہے۔ یقیناً تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ تم نے اپنے طور پر منصوبہ بندیاں کر لی ہوں گی کہ کس طرح تمہیں یا تمہارے ساتھیوں کے وہاں اپنا کام انجام دینا ہوگا۔''

''جس حد تک اپنے طور پر کر سکتا تھا، وہ میں نے کر لیا ہے، لیکن باقی کام ایسے ہیں جنہیں میں تمہاری مدد کے بغیر نہیں کر سکتا۔''

''میں جانتی ہوں، سانتاہل میں رابنس گروسو نامی ہوٹل میں تمہارے لئے ایک کمرہ حاصل کر لیا ہے، اور آج دوپہر تک تم وہاں منتقل ہو جاؤ گے۔ اس سے پہلے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دینا۔ وہ اگر چاہیں تو اپنی سرگرمیاں ترک کر کے سانتاہل پہنچ سکتے ہیں۔ انہیں اپنے طور پر وہاں قیام کرنا ہوگا، اور اگر تم چاہو تو انہیں اپنی

رہائش گاہ سے آگاہ کر دینا۔''

''ٹھیک ہے......! لیکن لینا......! چند سوالات جو میرے ذہن میں اُلجھ رہے ہیں، ان کے جوابات بے حد ضروری ہیں۔''

''میں جانتی ہوں، ابھی کئی باتیں ایسی ہیں جو تمہیں بتانا ضروری ہوں گی۔ لیکن اس کے لئے تھوڑے سے وقت کا انتظار کر ڈیئر......! جو بتانے کی باتیں ہو سکتی تھیں یا جنہیں بتایا جا سکتا تھا، وہ تمہارے علم میں آچکی ہیں، اور جو باتیں ابھی تک ڈیڈی کے ذہن میں واضح نہیں ہیں، انہیں ظاہر ہے تم تک کیسے پہنچایا جا سکتا ہے......؟ ڈیڈی صرف ان کے بارے میں تحقیقات مکمل ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اب وقت بھی قریب آ گیا ہے اور ہمیں اپنی کارکردگی کا آخری جائزہ لینا ہوگا۔ میں اسی لئے تمہارے پاس آئی تھی کہ تمہیں وہاں جانے کے لئے مکمل ہدایات دے دوں۔''

''اوکے......!''

میں نے جواب دیا۔ ناشتے کے بعد لینا گوائل مجھے ضروری معلومات سے آگاہ کر کے واپس چلی گئی اور میں نے سب سے پہلے مارک ایشلے سے رابطہ قائم کیا۔ مارک ایشلے میرے پاس پہنچ گیا۔ سب سے پہلے اس نے مجھے اپنے بارے میں رپورٹ دی۔ اس نے کہا کہ دھماکہ خیز اشیاء، دوسٹین گنیں اور دو ریوالور حاصل کر لئے گئے ہیں، جن کے ذریعے وہاں کارروائی ہوگی۔

اور اب بہتر یہ ہے کہ وہاں اپنے قدم جما لئے جائیں۔ میں نے مارک ایشلے سے کہا کہ میں نے خود بھی اسے اسی لئے طلب کیا تھا۔ وہ سانتاہل میں اپنے لئے مناسب مقام تلاش کرے اور اپنے ساتھیوں پر پوری نگاہ رکھے۔ میں آج ہی سانتاہل مقیم ہو رہا ہوں۔

''کہاں قیام کریں گے چیف......؟''

''رابنسن گروسو، کمرہ نمبر تین سو اٹھارہ......!''

''میں آپ سے وہاں رابطہ قائم کر سکتا ہوں......؟''

''کیوں نہیں......؟ اگر کوئی اور ہدایت ہوئی تو تمہیں دے دی جائے گی۔''

''تو ٹھیک ہے چیف......! آج تو نہیں، کل دن میں سانتاہل میں تم سے ہوٹل کے کمرے میں ملاقات کروں گا۔''

مارک ایشلے کو تمام ہدایات دینے کے بعد میں نے اسے رُخصت کر دیا اور پھر تیاریاں مکمل کر کے سانتاہل کی جانب چل پڑا۔ سانتاہل تک سفر کرنے کے لئے میں نے ایک ٹیکسی استعمال کی تھی۔ ٹیکسی نے مجھے رابنسن گروسو چھوڑ دیا۔ اپنی طرز کا حسین ترین ہوٹل تھا، جیسے پہلے میں نے نہیں دیکھا تھا۔ ویسے بھی سانتا گروسو پہاڑی ٹیلوں اور برف پوش چوٹیوں کے درمیان گھرا ہوا ایک خوب صورت مقام تھا جہاں سبزے کی بہتات تھی۔

روم نمبر تین سو اٹھارہ کی کھڑکی عقبی سمت میں کھلتی تھی، اور یہاں سے برف میں ڈوبی پہاڑیوں کا منظر بے حد حسین نظر آتا تھا۔ میں ان مناظر میں کھو گیا۔

زندگی کا حسن جگہ جگہ بکھرا نظر آتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بدنصیب ہوتے ہیں، جو اس حسن کو محسوس تو کرتے ہیں لیکن اس سے لطف اندوز ہونے کے مواقع میسر نہیں ہوتے۔ میں بھی انہی لوگوں میں سے ایک ہوں۔ جب ذہن میں خوف ناک خیالات ہوں تو زندگی کا حسن پھیکا پڑ جاتا ہے۔ میں سانتاہل آنے کے بعد وہاں کے مناظر سے لطف اندوز ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکا تھا۔ میں نے ہوٹل ہی میں وقت گزارا۔ کسی نے مجھ سے دن بھر رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔

دوسرے دن گیارہ بجے مارک ایشلے میرے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے رسمی گفتگو کے بعد کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت سانتاہل میں مقیم ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے پتے سے مجھے آگاہ کر دیا۔ اسے بتانے کے لئے میرے پاس ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی جو میں اسے بتاتا۔ کافی دیر تک وہ میرے ساتھ رہا۔

البتہ دوسری رات کے لئے میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ کام کرنے کی رات ہے۔ مارک ایشلے کو پہلے ہی اس بارے میں تفصیلات معلوم تھیں۔ چنانچہ اس نے پُر اعتماد لہجے میں کہا کہ وہ اور اس کے ساتھی مکمل طور پر تیار ہیں۔

☆.....☆.....☆

رات کو تقریباً ساڑھے دس بجے لینا اور مسٹر ڈگلس میرے پاس پہنچے۔ بڑے پُر وقار نظر آرہے تھے وہ، مجھ سے مصافحہ کرنے کے بعد وہ صوفے پر بیٹھ گئے اور انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہو ڈیئر شامی......! کیسا وقت گزر رہا ہے......؟"

"بہت مناسب......! کوئی اُلجھن کی بات نہیں ہے۔"

میں نے جواب دیا۔

"ممکن ہے، کم از کم اس کیس کی حد تک یہ میری تم سے آخری ملاقات ہو، اور اس کے بعد ہم اس وقت ملیں، جب اپنے معاملات سے فارغ ہو چکے ہوں، چنانچہ میں تم سے فائنل گفتگو کر لینا چاہتا ہوں۔"

"یقیناً مسٹر کرک ڈگلس......!"

"سوالات تم کرو، میں صرف جواب دوں گا۔"

"میرے ذہن میں صرف ایک ہی سوال ہے۔ وہ یہ کہ وہ کون لوگ ہیں جو شون لائل سے اس فلم کی خریداری کریں گے......؟ میرا مطلب ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے کوک براؤن کو اس سلسلے میں تیار کیا ہے اور اگر ان کا تعلق براہِ راست کوک براؤن سے رہا ہے تو کیا انہیں یہ بات معلوم نہیں ہو سکی ہو گی کہ کوک براؤن اب اس دُنیا میں موجود نہیں......؟ میرا خیال ہے، انہیں کوک براؤن سے آخری رابطہ تو قائم کرنا چاہئے تھا۔"

"میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں ڈیئر شامی......! کہ اس سلسلے میں، میں اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود کچھ نہیں معلوم کر سکا۔ لیکن جہاں تک ہوکسا گروپ کے بارے میں میرا جائزہ ہے، میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ہوکسا گروپ کے کسی فرد نے کسی بھی ذریعے سے شون لائل سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ وہ لوگ صرف اس فلم کو حاصل کرنے کے لئے مجرمانہ کوششیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ فلم کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔ باقی رہا کسی ایسے ملک کا معاملہ، جس نے اگر ہوکسا گروپ کے ذریعے اس فلم کے حصول کا پروگرام بنایا ہے تو تب بھی ہوکسا جیسے جرائم پیشہ شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی بڑی رقم کے عوض فلم خریدنے کی کوشش کرے۔ بلکہ وہ یقیناً اپنے طور پر اس فلم کے حصول کے لئے کوشاں ہو گا تا کہ ساری دولت ہڑپ کر سکے۔

اس کے بعد کوئی ایسا ملک رہ جاتا ہے، جو اس فلم کی منہ مانگی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو، اور افسوس اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں معلوم کر سکا۔ لیکن فکر مت کرو۔ آخری لمحے تک میں یہ کوشش جاری رکھوں گا، اور اگر مجھے یہ علم ہو گیا تو کم از کم میں اس شخص کی نشان دہی ضرور کروں گا جو کوک براؤن کے ذریعے شون لائل سے ملاقات طے کر رہا ہے۔"

"سوچ لیجئے مسٹر ڈگلس......! کہیں اس لاعلمی سے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"یہیں تمہاری صلاحیتوں کی آزمائش ہے مائی ڈیئر شامی......! اور یہیں تمہیں اپنے کمال کا آخری مظاہرہ کرنا ہے۔"

"اور اگر میں اس میں ناکام رہا تو......؟"

"عمر وسیع ہے، کامیابی یا ناکامی دو لفظ ہی ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک ہمارے حصے میں آئے گی، لیکن جو کچھ بھی ہمیں ملا، ہم اس پر قناعت کریں گے۔ چنانچہ اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو۔"

"میرا خیال ہے، اس کے علاوہ اور کوئی بات ایسی نہیں ہے، جو مجھے آپ سے پوچھنی ہو۔"

"ٹھیک ہے......!"

مسٹر کرک نے کہا اور پھر بولے۔

"اور اگر مجھے کچھ معلوم ہو سکا تو تمہیں اس کی اطلاع دے دی جائے گی۔"

"بہت بہتر مسٹر کرک......!"

میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

لینا گوائل اس دوران بالکل خاموش رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"اوکے ڈیڈی......! آپ یہاں رُکیں گے یا آپ کو جانا ہے......؟"

"نہیں لینا......! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

مسٹر کرک ڈگلس نے کہا اور اس کے بعد وہ مجھ سے مصافحہ کر کے واپس چلے گئے۔ لینا گوائل میری طرف دیکھ رہی تھی، پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اور ضروری ہے کہ میں تمہیں کوک براؤن بنا دوں۔"

"لیکن لینا گوائل......! یہ رات اور بقیہ دن میں کہاں گزاروں گا......؟"

"اس کمرے کا برابر والا کمرہ مسٹر کوک براؤن کے لئے مخصوص کرا لیا گیا ہے۔ تمہیں صرف اتنا کرنا ہو گا کہ نیچے جا کر واپس آؤ اور کاؤنٹر سے اس کمرے کی چابی حاصل کر لو۔"

لینا گوائل نے جواب دیا۔ بات بہت معمولی سی تھی۔ چنانچہ مجھے کوئی اُلجھن نہیں ہوئی، البتہ بس یہ خیال دل میں تھا کہ کہیں اس کے بعد مارک ایشلے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ مجھے بدلی ہوئی شکل

میں دیکھ کر وہ ضرور چونکے گا۔ بظاہر ہمارے درمیان بھی آخری گفتگو ہو چکی تھی اور یہ طے پایا تھا کہ اب مارک ایشلے صرف اپنا کام کرے گا اور مجھ سے ملاقات کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ کام کی تکمیل کے بعد ہماری ملاقات ہو گی۔ چنانچہ میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔

میک اَپ کے فن میں لینا گوائل کی مہارت کا قائل میں پہلے ہی ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں جادو تھا۔ چنانچہ وہ میرا چہرہ تبدیل کرنے لگی۔ میں کوک براؤن کی لاش دیکھی تھی۔ لیکن جب آئینہ دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ کوک براؤن ایک بار پھر زندہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد کی کارروائیاں معمول کے مطابق تھیں۔ نیا کمرہ تین سو انیس نمبر تھا اور میرے کمرے سے اس کی دیوار مشترک تھی۔ لیکن بہرطور مجھے نئی حیثیت سے یہاں پہنچنا پڑا تھا۔ لینا گوائل تھوڑی دیر کے بعد ہی واپس چلی گئی۔ اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ اب کامیابی کے بعد ہی ہماری ملاقات ہو گی۔

دوسرا دن معمول کے مطابق تھا۔ اتفاق سے مارک ایشلے کو بھی مجھ سے ملاقات کی کوئی ضرورت نہیں پیش آئی۔ رات کے مخصوص حصے میں، میں ہوٹل سے باہر نکلا۔ شاندار قسم کی سفید کار ہوٹل کے بیرونی دروازے پر کھڑی ہوئی تھی، جس کی چابی لینا گوائل دے گئی تھی۔ اسی کار میں ہندوستانی مہاراجاؤں کا وہ سادہ لباس بھی موجود تھا، جسے پہن کر مجھے فینسی ڈریس شو میں شرکت کرنا تھی۔ اس کے علاوہ میرے چہرے وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا تھی۔ تاکہ وہ لوگ جو میرے ذریعے کام کرنے کے خواہش مند تھے، مجھے پہچاننے میں دِقت محسوس نہ کریں۔

میں کار ڈرائیور کرتا ہوا بالآخر اس جگہ پہنچ گیا، جہاں دوسری بہت سی کاریں کھڑی تھیں۔ عمارت شاندار پیمانے پر آراستہ کی گئی تھی، تیز روشنی کا معقول بندوبست تھا۔ ہمارے اندازے کے مطابق باغ ہی میں اس فینسی ڈریس شو کا اہتمام کیا گیا تھا، اور کافی افراد وہاں نظر آ رہے تھے۔ میں بھی ایک عام اور غیر متعلق آدمی کی طرح ہندوستانی مہاراجاؤں کے سفید لباس میں اندر داخل ہو گیا۔ جو لوگ یہاں نظر آ رہے تھے، ان کی حیثیت کا اندازان کی کاروں ہی سے ہوتا تھا۔ عورتیں، نوجوان لڑکیاں طرح طرح کے سوانگ بھرے وہاں موجود تھیں۔

ایک خوب صورت سی لڑکی سیاہ رنگ کا چست لباس پہنے، بلی کا ماسک چڑھائے چاروں ہاتھوں پیروں کے بل اُچھلتی پھر رہی تھی۔ ایک خاتون گڑیا بنی ہوئی تھیں۔ بہت سے حضرات طرح طرح کے مضحکہ خیز حلیوں میں نظر آ رہے تھے۔ بعض کے چہرے نمایاں تھے اور بعض پوشیدہ۔ چاروں طرف خوب ہنگامہ آرائی تھی۔ شراب کی ٹرالیاں گردش کر رہی تھیں اور فینسی ڈریس شو میں شریک حضرات ان سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ پھر ایک بھیڑیئے کا ماسک لگائے ہوئے خاتون میرے نزدیک پہنچ گئیں اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے کہا۔

"مہاراجہ کو سلام......!"

آواز لینا گوائل کی تھی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ آہستہ سے گردن ہلاتی ہوئی بولی۔

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں تمہیں شون لائل کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔ وہ شخص جسے تم

پرتگالی ملاح کے روپ میں دیکھ رہے ہو، شون لائل ہے، خیال رکھنا۔''

''اور کوئی شناسا شخصیت......؟''

''یوں تو بہت سے شناسا لوگ ہیں، لیکن قابل ذکر کوئی نہیں۔ ان میں سے کون کیا ہو سکتا ہے......؟ ہم اندازہ نہیں لگا سکتے اور اس سلسلے میں مسٹر کرک بھی کوئی نمایاں کام انجام نہیں دے سکتے۔ لیکن شون لائل تم سے رابطہ رکھے گا۔''

وہ خاتون لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئیں اور میں نے شون لائل کو نگاہ میں رکھ لیا۔ البتہ اس شخصیت کا تصور میرے لئے پریشان کن تھا، جس کے ایماء پر میں شون لائل سے فلم کی خریداری کر رہا تھا۔ میری یہ مشکل بھی حل ہو گئی۔ ایک بھاری بھرکم شخص جس کے چہرے پر ایک بڑا سا چہرہ سجا ہوا تھا اور صورت بے ہی بہت خطرناک نظر آ رہا تھا، میرے نزدیک پہنچ گیا۔

''مسٹر کوک براؤن......! آپ کی کامیابی کا منتظر روبرٹ......''

''اطمینان رکھیں مسٹر روبرٹ......! آپ کی خواہش کے مطابق کام ہو رہا ہے۔''

نہ جانے کیوں میری زبان سے نکل گیا اور میں خود اپنے ان الفاظ میں کھو گیا۔ وہ شخص تو لہراتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا، لیکن میں متحیرانہ انداز میں کھڑا اپنے آپ پر غور کر رہا تھا۔

''کتنے اعتماد سے میں نے اسے یہ جواب دیا تھا، کیا اس میں میری کاوشوں کا دخل ہے......؟ یا پھر......؟''

اور نہ جانے کیوں اس وقت دل کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔

''جو کچھ میں کر رہا ہوں، اس میں میری قوتِ ارادی کو کس حد تک دخل ہے......؟''

بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ کوئی میرے وجود میں بول رہا ہے اور وجود میں بولنے والا میرا شناسا ہے۔ لیکن اس شناسا کی شناسائیوں کی جو نشانیاں ملتی تھیں، ان کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔

بہرطور یہ وقت اس طلسم میں گرفتار ہونے کا نہیں تھا۔ مجھے ماحول پر پوری نگاہ رکھنا تھی۔ خوش گپیاں، قہقہے، بدمستیاں، ہنگامہ آرائیاں جاری تھیں۔ اندر ہال میں رقص کے لئے بندوبست کیا گیا تھا۔ غرض یہ کہ ہر شخص اپنی دھن میں مست تھا۔ ابھی وہ وقت دُور تھا جب مارک ایشلے کو اپنی کارروائیاں انجام دینا تھیں۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ لمحات قریب آتے جا رہے تھے۔

پھر وہی شخص، جس کا چہرہ خوفناک بنا ہوا تھا، میرے نزدیک پہنچ گیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اس کا رُخ اندرونی دروازے کی طرف تھا۔ میں نے ایک نگاہ شون لائل کی طرف دیکھا۔ وہ ایک گوشے میں کھڑا ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔ ہم دونوں سیڑھیاں عبور کر کے اندر پہنچ گئے تو اس شخص نے کہا۔

''ڈیئر کوک براؤن......! تمام معاملات طے ہو چکے ہیں ناں......؟''

''ہاں......!''

''تو پھر یہ قبول کرو......!''

اس نے ایک بریف کیس نکال کر میرے سامنے کھول دیا۔ بریف کیس میں نوٹوں کی گڈیاں جمی ہوئی تھیں اور یہ سب بہت بڑے بڑے نوٹ تھے۔ بریف کیس میں ان کی تعداد بتاتی تھی کہ وہ ایک بہت بڑی رقم ہے۔ یہ رقم میرے پروگرام میں شامل نہیں تھی۔ تاہم کام کی تکمیل کے لئے اسے لینا ضروری تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

''آپ باغ کے اس گوشے میں میری کارروائی کی تکمیل کا انتظار کریں گے۔''

''لیکن مجھے خطرہ ہے، اور میں یہاں بہت سے مشکوک چہروں کو دیکھ چکا ہوں۔''

''یہ میری ذمہ داری ہوگی کہ میں اصل چیز آپ تک پہنچا دوں۔''

''سنو باغ کے اس گوشے کی بجائے اگر میں تمہیں اپنی کار میں ملوں تو کیسا رہے گا......؟ میری کار گرے رنگ کی رولز رائس ہے جس کا نمبر 7411 ہے۔''

''میں پارکنگ لاٹ میں اسے تلاش کر لوں گا۔''

میں نے جواب دیا اور وہ شخص واپسی کے لئے مُڑ گیا۔

افسوس، میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ کون ہے......؟ اور اس کا تعلق کس ملک سے ہو سکتا ہے......؟ یہ اندازہ لگانے کا وقت بھی نہیں تھا۔ کیونکہ کام کے لمحات قریب آتے جا رہے تھے۔ میں نے دفعتہً ہی اس شخص کو قریب آتے دیکھا جو لینا گوائل کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق شون لائل تھا۔ شون لائل ٹہلتا ہوا میرے نزدیک آیا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''میرے پیچھے چلے آؤ......!''

میں نے اس کی ہدایت پر خاموشی سے عمل کیا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں اعصابی کشیدگی کا شکار تھے، لیکن اپنے آپ کو مطمئن رکھنا بھی انتہائی ضروری تھا۔ ہم لوگ ایک چوڑی راہداری سے گزرتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے میں پہنچنے کے بعد شون لائل نے اپنے چہرے سے اپنا ماسک اُتار دیا اور میں آہستہ سے بولا۔

''ہاں مسٹر شون لائل......! یہ آپ کی مطلوبہ رقم موجود ہے۔ براہِ کرم جلدی کیجئے تاکہ ہمارا کام بآسانی ہو جائے۔''

''رقم چیک کر لینے دو مجھے۔''

شون لائل نے کہا اور بریف کیس کھول کر اس میں رکھے ہوئے نوٹ دیکھنے لگا۔ میں نے اس شخص کی آنکھوں میں مسرت کی ایک چمک دیکھی تھی۔ نوٹوں کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانے کے بعد اس نے مطمئن انداز

میں گردن ہلائی اور بریف کیس اپنے قبضے میں لے کر آگے بڑھ گیا۔ چند لمحات کے بعد ایک دیوار کے قریب پہنچ کر اس نے کچن بٹن دبائے اور دیوار کا ایک حصہ کسی کاغذ کی طرح رول ہو گیا۔ اس کے پیچھے ایک آہنی سیف نظر آ رہا تھا۔ شون لائل نے آہنی سیف کھول کر ایک چھوٹا سا پیکٹ نکالا اور سیف دوبارہ بند کر کے پیکٹ میرے سامنے کر دیا۔

میں نے احتیاطاً اس پیکٹ کو کھول کر دیکھا۔ ایک چھوٹی سی پلاسٹک بوتل میں وہ مائیکرو فلم رکھی نظر آ رہی تھی جس کے حصول کے لئے اس وقت دُنیا کے نہ جانے کون کون سے ممالک سرگرداں تھے۔ میں نے شون لائل سے کہا۔

''مسٹر شون لائل......! کیا یہ فلم قابل اعتماد ہے......؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟ تمہارے خیال میں کوئی دھوکہ دہی ہو سکتی ہے......؟''

شون لائل نے متعجبانہ انداز میں کہا۔

''نہیں......! اس بات کے امکانات تو نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود آپ سے تصدیق کر لینا ضروری تھا۔''

''کیا بات ہے کوک براؤن......؟ تمہارا انداز اس وقت کچھ بدلا بدلا سا ہے، تم مجھ پر شک کر رہے ہو......؟ یہ کیسے ممکن ہے......؟''

''نہیں نہیں مسٹر شون......! شک کی......''

میں نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ دفعتہً ہی باہر سٹین گنیں قہقہے لگانے لگیں۔ بموں کے دھماکے ہوئے اور پھر بے پناہ شور پھوٹ پڑا۔ عورتیں حلق پھاڑ کر چیخ رہی تھیں۔ مرد دہشت زدہ ہو کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ شون لائل نے خوفناک نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''یہ...... یہ سب...... یہ سب......''

''ہاں مسٹر شون لائل......! یہ سب ضروری تھا۔ کیونکہ اس وقت نہ جانے کتنے افراد اس فلم کے حصول کے لئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ تمہاری راز داری کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور یہاں ایسے افراد کا مجمع ہے جن میں سے کئی اس فلم کے حصول کی کوشش کرنے آئے ہیں۔''

''نہیں نہیں......! یہ کیسے...... یہ کیسے......''

شون لائل اتنا کہہ کر اچانک ہی خاموش ہو گیا۔ اس کے انداز سے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس نے دروازے میں کسی کو دیکھ لیا ہو۔ باہر افراتفری مسلسل جاری تھی اور گولیوں کی آوازیں فضاء میں گردش کر رہی تھیں۔ میں بے اختیار پلٹا اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ دروازے میں کھڑا ہوا شخص ایچ ہوگن تھا، میرا ماتحت، مارک ایشلے کا فراہم کردہ آدمی جس کی ذمہ داری اس وقت کچھ اور ہونی چاہئے تھی۔ میں نے متعجبانہ

نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ مسکراتا ہوا ایک قدم آگے بڑھ آیا۔

''ہاں مائی ڈیئر......! یہ میں ہی ہوں اور میری شناخت کے لئے تمہیں ہوکسا گروپ کا یہ کارڈ دُور سے ہی دکھایا جا سکتا ہے۔''

اس نے سرخ رنگ کا ایک ننھا سا کارڈ دُور ہی سے مجھے دکھایا جس پر دو ستارے بنے ہوئے تھے اور ان کا رنگ سفید تھا۔ میرے بدن میں سناٹا پھیل گیا۔ ایچ ہوگن ایک قدم اور آگے بڑھا اور پھر اس نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ بند کر دیا اور اس سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔

''میں یہ نہیں جانتا مائی ڈیئر مسٹر کوک براؤن......! کہ درحقیقت مارک ایشلے کے ذریعے میری تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن اس کے بعد میں مسلسل تمہاری نگرانی کرتا رہا ہوں۔ آپ کو یہ سن کر یقیناً حیرت ہو گی مسٹر شون لائل......! کہ یہ شخص آپ کا ماتحت کک براؤن نہیں ہے بلکہ اور ہی کوئی اجنبی شخصیت ہے۔ غالباً کسی ملک کا سیکرٹ ایجنٹ جس نے کوک براؤن کا روپ دھار کر بڑی کامیابی سے یہ فلم اپنے قبضے میں کی ہے لیکن بدقسمتی بعض اوقات انسان کو موٹی موٹی باتوں پر غور نہیں کرنے دیتی۔ شاید یہ بات اس شخص کو بھی نہیں معلوم کہ کوک براؤن کو میں نے اپنے ہاتھ سے گولی ماری تھی، تین گولیاں اس کے سینے میں لگی تھیں۔ اس وقت وہ میرے چنگل سے فرار ہو گیا تھا لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ زندہ نہیں بچ سکا۔ تمہارے پیٹ پر گولیوں کے تین نشان موجود ہیں مسٹر......؟''

ایچ ہوگن نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔ میرے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ ذہن میں خیالات کی ایک فلم سی چل رہی تھی۔ کیا مارک ایشلے، ایچ ہوگن اور دوسرے دو افراد ہوکسا گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ ویسے یہ جان کر مجھے شدید حیرت ہوئی تھی کہ کوک براؤن اس شخص کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ میں کتنی آسانی سے اس شخص کے جال میں جا پھنسا، لیکن بھلا میرا کیا قصور......؟

اس منصوبے میں احمقانہ غلطی تو مسٹر کرک ڈگلس سے ہوئی تھی جنہوں نے مجھے مارک ایشلے تک پہنچایا تھا۔ اب اگر مارک ایشلے یا اس کے ساتھی غلط ہیں تو اس میں میرا کیا قصور......؟

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسٹر کرک ڈگلس کے سامنے جواب دہی کی نوبت اس وقت آتی، جب یہاں سے زندگی بچانے کا موقع ملتا۔ ایچ ہوگن کے انداز سے اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ دروازے بند کرنے کے بعد وہ کسی خاص قسم کی کارروائی کرنا چاہتا ہے، اور یہ کارروائی کم از کم میری یا پھر ہم دونوں کی موت کے علاوہ اور کیا ہو سکتی تھی......؟

میرے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ مگر میں مرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ایچ ہوگن کو گھورتے ہوئے کہا۔

''تم کون ہو......؟ اور ان فضول باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے......؟ مسٹر شون لائل......! یہ شخص جو کچھ بکواس کر رہا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ہمارے درمیان تمام کارروائی مکمل ہو چکی ہے اور اس میں

اب کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

''گنجائش مسٹر شون لائل نہیں، بلکہ میں پیدا کروں گا۔''

ایچ ہوگن نے دروازے کی چٹخنی بھی چڑھا دی۔ شون لائل کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ ایچ ہوگن اپنا پستول لہراتا ہوا میری جانب بڑھا، اور میرے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس نے انتہائی احتیاط سے اپنے پستول کی سائلنسر لگی ہوئی نالی میرے سینے میں عین دل کے مقام پر رکھ دی اور اس کے بعد میری گردن کے قریب کچھ ٹٹولنے لگا۔ میک اَپ ماسک اُتارنے میں اسے کوئی دِقت پیش نہیں آئی تھی۔ اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے ماسک اُتار کر پھینک دیا تھا، لیکن یہاں وہ حماقت کا شکار ہو گیا تھا۔

مسٹر شون لائل کو بھلا اس بات سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی کہ مائیکرو فلم کس کے ہاتھ میں پہنچی ہے......؟ انہیں تو ان کی مطلوبہ رقم مل گئی تھی۔ چنانچہ وہ بھلا کیا تکلف کر سکتے تھے......؟ اور اب بھی ان حالات میں جب کہ باہر گولیاں چل رہی تھیں اور دستی بموں کے دھماکے سنائی دے رہے تھے، انہوں نے برق رفتاری سے پستول نکالا اور ایچ ہوگن کی طرف رُخ کر کے گولی چلا دی۔ ایچ ہوگن اُچھل پڑا تھا۔ مسٹر شون لائل کے پستول سے یکے بعد دیگرے تین گولیاں نکلیں اور ایچ ہوگن کے بدن میں پیوست ہو گئیں۔ ایچ ہوگن نے گرتے گرتے میرا نشانہ لیا اور ایک فائر کر دیا، لیکن اس فائر نے مسٹر شون لائل کی پیشانی کے چیتھڑے اُڑا دیئے تھے۔ ان کے دونوں ہاتھ فضاء میں پھیلے اور پھر وہ منہ کے بل زمین پر آ رہے۔ چاروں طرف خون ہی خون بکھر گیا تھا۔ میں نے ایک لمحے میں اپنے آپ کو سنبھالا۔

میں نے مائیکرو فلم احتیاط سے اپنے لباس میں محفوظ کی اور پھر نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس ہاتھ میں لٹکا لیا۔ اس رقم کو دیکھنے کے بعد اسے ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر میں انتہائی پھرتی سے باہر نکلا۔ کوک براؤن کا میک اَپ میرے چہرے سے اُتر چکا تھا، لیکن بحالت مجبوری اب اسی شکل میں مجھے یہاں سے نکل جانا تھا۔ میرے کانوں میں عجیب سی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے باہر شدید افراتفری پھیلی ہوئی ہو۔ ابھی میں مسٹر شون لائل کی اس خواب گاہ سے باہر نکلا ہی تھا کہ دفعتہً ہی مجھے مارک ایشلے دوڑتا ہوا نظر آیا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا، لیکن دوسرے ہی لمحے وہ میرے پاس پہنچ گیا۔

''ادھر چیف......! ادھر، نہ جانے کہاں سے پولیس کی بے شمار گاڑیاں آ گئی ہیں۔ آپ نے سائرن کی آواز سنی ہو گی۔ اس عمارت کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے، اور اب ہمارے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ ہم اوپری منزل پر پہنچ کر فرار کا جائزہ لیں اور جو جگہ محفوظ پائیں، اس سے اُتر کر نکل جائیں۔ صرف ایچ ہوگن کا پتا نہیں ہے، ورنہ باقی دو افراد باہر پہنچ چکے ہیں اور گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ گاڑی عمارت کے عقبی حصے کے شمالی حصے میں ہے۔ ہمیں کسی نے کسی طرح وہاں تک پہنچنا ہے۔ مگر چیف......! ایچ ہوگن کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ صورتِ حال انتہائی خوفناک ہو گئی ہے۔ آیئے، براہِ کرام، اس طرف آیئے......!''

ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ مارک ایشلے پر اعتبار کروں یا نہ کروں......؟ اس نے مجھے دیکھ کر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بہرحال اگر پولیس نے واقعی عمارت کو گھیرے میں لے لیا تھا تو پولیس کے ہاتھوں پڑنے کی بجائے بہتر یہی ہو گا کہ اس وقت مارک ایشلے کو تاکی میں رکھ کر یہاں سے نکل جانے کی کوشش کروں۔ بعد میں جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔

مارک ایشلے میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اندھیرے میں لپکتا ہوا ایک سمت بڑھ رہا تھا۔ اس طرف خاصی گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ہم لوگ سیڑھیوں کے نزدیک پہنچ گئے اور پھر اوپر چڑھتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم عمارت کی چھت پر تھے۔ مارک ایشلے نے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے نائیلون کی رسّی نکالی جو ایک گولے کی شکل میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس میں جگہ جگہ گرہ بندھی ہوئی تھی۔ اس نے گولے کو کھولا اور اس کے ایک سرے پر لکڑی کے ایک بڑے ٹُک کو مضبوطی سے باندھ کر عمارت کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ اس کے بعد اوپر سے نیچے کا جائزہ لے کر ہم برق رفتاری سے نیچے اُترنے لگے۔ رسّی کافی موٹی اور مضبوط تھی۔ مارک ایشلے نے پہلے مجھے نیچے اُترنے کا اشارہ کیا تھا۔ میں نے بریف کیس کے ہینڈل کو دانتوں سے پکڑا اور دونوں ہاتھوں سے نائیلون کی رسّی پکڑ کر پھرتی سے نیچے اُترنے لگا۔ ذرا سا نیچے جاتے ہی مارک ایشلے بھی رسّی پر آ گیا تھا۔ دو آدمیوں کے بوجھ سے نائیلون کی رسّی تن گئی تھی۔ لیکن اس طرح ہمیں اس میں بندھی ہوئی گانٹھوں پر ہاتھ جما کر نیچے اُترنے کا آسان موقع مل گیا تھا۔

بالآخر ہم نیچے اُتر آئے اور پھر اس طرف دوڑنے لگے جدھر مارک ایشلے کے بیان کے مطابق وہ گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ پولیس کاروں کے سائرن مسلسل بج رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنی پولیس کہاں سے آ گئی......؟ شون لائل کی طرف سے تو اس کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ شاید اس ہنگامے کی آواز دُور دُور تک پھیل گئی ہو اور پولیس کی جتنی گاڑیاں بھی سانتاہل کے اطراف میں موجود تھیں، اس طرف دوڑ پڑی ہوں۔ لیکن صورتِ حال کافی پریشان کن ہو گئی تھی۔ میں اس وقت مارک ایشلے کے سہارے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

چنانچہ میں اس کے ساتھ دوڑتا ہوا بالآخر اس گاڑی تک پہنچ گیا، جس میں درحقیقت مارک ایشلے کے بقیہ دونوں ساتھی موجود تھے۔ مارک ایشلے نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور مضطربانہ انداز میں بولا۔

''افسوس......! ہم ایچ ہوگن کے لئے اب کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر یہاں دو منٹ بھی رُکے تو پولیس کی گاڑیاں......''

لیکن مارک ایشلے کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ ہماری کار تیز سرچ لائٹوں کی زد میں آ گئی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے مارک ایشلے کے ساتھی نے سیلف لگا کر انجن اسٹارٹ کر دیا اور اس کے بعد گاڑی کسی گولی ہی کی مانند آگے بڑھ گئی تھی۔ پولیس کو شبہ ہونا یقینی تھا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دُور نکلنے کے بعد ہم نے محسوس

کیا کہ پولیس کی گاڑیاں ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ سٹیئرنگ پر بیٹھا ہوا مارک ایشلے کا ساتھی ایک ماہر ڈرائیور تھا۔ وہ برق رفتاری سے گاڑی دوڑا رہا تھا اور ہم نے راستوں کا تعین کھو دیا تھا، جس کی اطلاع مارک ایشلے نے تھوڑی ہی دُور چلنے کے بعد مجھے دی۔

''چیف......! پولیس گاڑیوں کی وجہ سے ہم اپنی سمت برقرار نہیں رکھ سکے۔ فی الحال ان کی زد سے نکل جائیں، اس کے بعد راستوں کا تعین کرلیں گے۔''

میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔ کار کی اسپیڈ بڑھتی جا رہی تھی اور ہم بار بار پلٹ کر پیچھے دیکھ رہے تھے۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد رات کی تاریکی میں ہم ایک ستے ہوئے قصبے میں داخل ہوئے، لیکن قصبے میں رُکنا مناسب نہیں تھا۔

نہ جانے کتنا فاصلہ طے کر کے ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے، جہاں چھوٹے چھوٹے ٹیلے بنے ہوئے تھے اور ان ٹیلوں کے اطراف میں لمبی اور گھنی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ تعاقب کرنے والی کاریں کافی پیچھے رہ گئی تھیں اور اب ان کے سائرن بھی سنائی نہیں دے رہے تھے۔ یہاں پہنچنے کے بعد مارک ایشلے نے تجویز پیش کی۔

''میرا خیال ہے، ہم ان لوگوں کو آگے نکل جانے کا موقع دیں۔ یہ ٹیلے ہمارے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی مارک ایشلے نے اپنے ساتھی کو ہدایت کی اور اس نے کار ایک دم سڑک سے نشیب میں اُتار دی۔ کار اُچھلتی کودتی ٹیلوں کے درمیان پہنچ کر قد آدم جھاڑیوں میں پوشیدہ ہوگئی۔ اس نے فوراً کار کا انجن بند کر دیا تھا۔ ہم لوگ اپنے اپنے ہتھیار سنبھالے نیچے اُتر آئے۔

میرے اعصاب پر شدید تناؤ تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے اب یہ تینوں مل کر مجھ پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ میں نے بریف کیس اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا اور ہر صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے تیار تھا۔

ایک ٹیلے کی اوٹ سے مارک ایشلے نے مجھے اشارہ کیا اور ہم دونوں ٹیلے پر چڑھ گئے۔ اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ وہ کار کے قریب رہیں، تاکہ اگر کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آئے تو ہم یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کریں۔

رات کی خوف ناک تاریکی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور تا حدِ نگاہ روشنی کا کوئی نشان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ہم لوگ تاریکی میں آنکھیں پھاڑتے رہے۔ میں تو مارک کے ہاتھوں کی جنبش کی جانب متوجہ تھا، اور رات کی تاریکی میں دیکھنے کی عادی آنکھیں اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ مارک ایشلے یہاں آنے کے بعد کیا کرنا چاہتا ہے......؟ لیکن مارک ایشلے کی کوئی ایسی حرکت مجھے نظر نہ آئی جس سے مجھے شبہ ہوتا کہ وہ میرے خلاف کچھ کرنے کا منصوبہ ذہن میں رکھتا ہے۔

پولیس کاریں نہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھیں، یا تو ہمیں کھو کر وہ واپس چلی گئی تھیں یا پھر انہوں نے

اپنے سائرن بند کر دیئے تھے اور لائٹس بجھا دی تھیں۔ لیکن دُور سے نظر آنے والی سڑک پر بھی ہمیں کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس پر کار کا شبہ ہو سکتا۔ تب مارک ایشلے نے آہستہ سے کہا۔

''اوّل تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سانتا ہل جیسے چھوٹے سے قصبے میں اتنی ساری پولیس کہاں سے آگئی......؟ اس فینسی ڈریس شو میں بھی پولیس کا انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ پولیس کی گشتی گاڑیاں قصبے کے اطراف میں موجود ہوں گی، لیکن جس انداز میں عمارت کو آن کی آن میں گھیر لیا گیا تھا، اس سے تو یہی پتا چلتا تھا کہ کسی نے باقاعدہ پولیس کو یہاں ہونے والی واردات کی نشان دہی کی ہے۔ میری سمجھ میں تو اب تک یہ بھی نہیں آسکا کہ اس ہنگامہ خیزی سے تمہارا کیا مفاد وابستہ تھا اور تم نے صرف اس کے لئے اتنی بڑی رقم خرچ کیوں کی......؟ آں ہاں......! میں تمہارے ہاتھ میں بریف کیس دیکھ رہا ہوں، کیا اس بریف کیس کو حاصل کرنے کے لئے......؟''

''تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے مارک ایشلے......!''

میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''سوری چیف......! آپ یقین کریں کہ میں نے یہ بات صرف رواداری میں پوچھ لی ہے۔ ورنہ درحقیقت میرا یا میرے ساتھیوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر آپ اس عمارت کو بم سے اُڑا بھی دیتے تو ہمیں اس سے غرض نہ ہوتی۔ کیونکہ ہم صرف اپنے معاوضے سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ البتہ میں احمق ایچ ہوگن کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ نہ جانے کہاں پھنس گیا......؟ اب آپ ہی بتایئے چیف......! کہ ہم اس کی کس طرح مدد کر سکتے تھے......؟ ہاں......! اگر پولیس نہ ہوتی تو یقیناً ہم اس کے بغیر باہر نکلنا پسند نہ کرتے۔''

''ایچ ہوگن تم لوگوں سے الگ کیوں ہو گیا تھا......؟''

میں نے پہلی بار مارک ایشلے سے پوچھا۔

''پتا نہیں اسے کیا سوجھی تھی چیف......؟ حالانکہ ہم سب یکجا ہی تھے۔ ہماری پوزیشن الگ الگ ضرور تھی، لیکن ہم نے اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا تھا کہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ لیکن پھر اچانک ہی ایچ ہوگن کو ہم نے عمارت کے اندرونی سمت مُڑتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت ایسا موقع نہیں تھا کہ ہم اسے چیخ کر پکار سکتے۔ چنانچہ وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور ہم اپنی کارروائی کرنے میں مصروف رہے۔

پھر اچانک ہی پولیس کی گاڑیوں نے اپنے سائرن کھول دیئے تھے۔ غالباً وہ اس عمارت سے کافی قریب آنے کے بعد اپنی آمد کا اعلان کرنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ افراتفری پھیل گئی اور ہم لوگوں کو عمارت میں پناہ لینی پڑی۔ پھر میں نے صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے ان دونوں سے کہا کہ وہ عمارت کی اوپری منزل سے باہر نکل کر گاڑی کے قریب پہنچ جائیں۔ میں ایچ ہوگن کو لے کر آتا ہوں۔ آپ کے بارے میں تو مجھے علم ہی نہیں تھا

چیف......! لیکن اتفاق ہے ایچ ہوگن کی بجائے آپ مل گئے۔ پتا نہیں کس قسم کا انسان تھا......؟''

مارک ایشلے کے انداز سے تشویش نمایاں تھی اور میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس گفتگو میں بظاہر کوئی کھوٹ نظر نہیں آتی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ ممکن ہے، صرف ایچ ہوگن، ہوکسا گروپ کا آدمی ہو اور مارک ایشلے اپنے بقیہ دونوں ساتھیوں کے ساتھ ٹھیک ٹھاک ہو، لیکن اس کے باوجود احتیاط ضروری تھی۔ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ مارک ایشلے سے ایچ ہوگن کے بارے میں اور بھی سوالات کروں۔ لیکن یہ چیز میرے حق میں نقصان دہ بھی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر سمجھا۔

ہم لوگ تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں چھپے انتظار کرتے رہے۔ لیکن ایک بھی پولیس گاڑی اس سمت نہیں آئی تھی۔ تب مارک ایشلے نے مسکراتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''یوں لگتا ہے چیف......! جیسے ان لوگوں نے ہماری سمت کا نشان کھو دیا ہے۔''

''پھر اب کیا پروگرام ہے......؟''

میں نے سوال کیا۔

''جیسا آپ مناسب سمجھیں چیف......! اگر یہیں رات گزارنے کا ارادہ ہے، تب بھی مارک ایشلے کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن میرے خیال میں یہاں رُکنا بے مقصد ہے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو ہم اس سیدھی سڑک پر آگے بڑھتے چلے جائیں اور کسی بھی ایسی جگہ پہنچ کر جہاں سے ہمیں صحیح راستوں کا تعین مل سکے۔ اپنے لئے سیدھا راستہ منتخب کر لیں، یا پھر واپس اسی سڑک پر چلیں اور اپنی منزل پر پہنچ کر صحیح سمت اختیار کر لیں۔''

مارک ایشلے کے ایک ساتھی نے کہا۔

''میرا خیال ہے، ہماری واپسی ہمارے لئے خطرناک ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بالآخر ہمیں اسی طرف سے گزرنا پڑے گا جہاں یہ ساری کی ساری ہنگامہ خیزیاں ہوئی ہیں۔ سانتاہل اس وقت ہمارے لئے بارود کا ڈھیر ہے۔''

اس کی بات سمجھ میں آ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے اس سے اتفاق کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم گاڑی جھاڑیوں کی آڑ سے نکال لائے اور اس کچے راستے کو عبور کر کے سانتاہل کی مخالف سمت سفر کرنے لگے۔ لیکن ابھی ایک میل کا ٹکڑا بھی نہ طے کر پائے تھے کہ ڈرائیور کی آواز اُبھری۔

''تعاقب چیف......! تعاقب، لیکن وہ پولیس کی گاڑیاں نہیں ہیں۔''

ہم سب کی گردنیں مشینی انداز میں دوسری طرف گھوم گئی تھیں۔ لیکن میں نے عقبی تاریکی میں ایک شعلہ چمکتے دیکھا، اور دوسرے لمحے میں چیخ کر پھرتی سے نیچے جھک گیا۔ عقبی شیشہ چور چور ہو گیا اور گولی ڈیش بورڈ میں گھس گئی۔ میرے ساتھ ہی وہ لوگ بھی نیچے جھک گئے تھے۔ ایک اور گولی چلی اور اس کے بعد تیسری اور پھر مسلسل فائرنگ ہونے لگی۔ ڈرائیونگ کرنے والا واقعی مشاق نوجوان تھا۔ اس نے گاڑی کو سڑک پر لہرانا شروع کر

دیا۔ گاڑی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مجھے خطرہ پیدا ہو گیا۔ ذرا سی لغزش سے وہ اُلٹ سکتی تھی، لیکن ڈرائیور کی مہارت قابل دید تھی۔ پیچھے آنے والی گاڑیوں کی رفتار بہت تیز تھی، اور ہر لمحہ ان کا فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

اچانک ہی میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ ہماری گاڑی کے ڈرائیور نے اچانک ہی بریک لگائے تھے۔ اس کی یہ حرکت تو ایک لمحے کے لئے سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن دوسرے لمحے سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔ ہماری گاڑی کے اچانک رُک جانے سے پیچھے آنے والے گھبرائے اور نفسیاتی طور پر سب سے آگے آنے والی گاڑی نے بریک لگا دیئے۔ لیکن اس کے پیچھے آنے والوں کو اس کی اُمید نہیں تھی۔ اس لئے وہ پوری قوت سے رُکنے والی گاڑی سے ٹکرائے۔ غالباً اس کے پیچھے بھی کوئی گاڑی تھی۔ خوفناک دھماکے ہوئے اور زخمیوں کی آوازیں فضاء میں گونج اُٹھیں۔ شعلے اور دُھوئیں کے بادل فضاء میں بلند ہو گئے۔

ہمارے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ڈرائیور نے ہولناک خطرہ مول لیا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ ہماری ہی گاڑی سے آ ٹکراتے۔ یہ سارا منظر بے حد عجیب تھا، بے حد عجیب......!

''آؤ چیف......!''

مارک ایشلے نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا۔ ہمارا رُخ اب ان تباہ شدہ گاڑیوں کی طرف تھا۔ مارک ایشلے کی اس حکمت عملی کو میں سمجھ نہیں سکا تھا۔ چنانچہ میں نے صرف مارک ایشلے کا ساتھ دیا۔ جلتی ہوئی گاڑیاں مکمل تباہ ہو گئی تھیں اور ان میں پھنسے ہوئے لوگوں کے گوشت جلنے کی چراند دُھوئیں کے ساتھ فضاء میں بلند ہو رہی تھی۔ مارک ایشلے نے کہا۔

''میرا خیال ہے، ہماری گاڑی کو بھی تباہ ہو جانا چاہئے۔ سب سے زیادہ خطرہ مجھے پلیس کی طرف سے ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے......؟ اگر ہم اپنی گاڑی بھی اس آگ میں پھونک دیں تو بہت جلد یہ بھی آگ پکڑ لے گی اور پھر اس کے ٹکڑے بھی فضاء میں منتشر ہو جائیں گے۔ یہاں جلنے والی لاشوں میں اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ ہماری لاشیں کون سی ہیں......؟ چنانچہ اس طرح ہم پولیس کی نگاہوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔''

مارک ایشلے کی یہ تجویز مجھے پسند آئی اور میں نے اس پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ ڈرائیونگ کرنے والے نے گاڑی ریورس کر کے جلتی ہوئی گاڑیوں میں اس طرح پہنچا دی کہ وہ یقیناً آگ پکڑ لے، اور اس کے بعد ہم نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ میں نے مطلوبہ اشیاء ساتھ لے لی تھیں۔ مارک ایشلے نے بائیں سمت کا نشیبی راستہ اختیار کیا تھا۔ ابھی ہم نے ایک فرلانگ کا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ ہمیں کچھ نئے دھماکے سنائی دیئے۔ مارک ایشلے نے مسکرا کر کہا۔

''ہمارا منصوبہ کامیاب ہو گیا ہے۔ لیکن اس کا اندازہ مشکل ہے کہ ہماری اس اجنبی علاقے میں آئندہ منزل کیا ہوگی......؟''

نوٹوں کا بریف کیس میرے ہاتھ میں تھا اور وہ قیمتی فلم میرے لباس میں محفوظ تھی، جس کے لئے نہ

جانے کون کون سرگرداں تھا.....؟ سوچ کر ہی وحشت ہوتی تھی۔ ایچ ہوگن مارا جاچکا تھا اور ابھی تک میں نے مارک ایشلے کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ جبکہ مارک ایشلے بارہا اظہار کرچکا تھا کہ کہیں اس کا ساتھی کسی مصیبت کا شکار نہ ہوگیا ہو۔ دو ایک بار اس نے تشویش زدہ لہجے میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر ایچ ہوگن پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو ان کی کہانی منظرِ عام پر آجائے گی، پھر اس نے خود ہی کہا تھا۔

"لیکن اپنے وعدے کے مطابق جو رقم تم مجھے دو گے، وہ اتنی ہوگی کہ میں فرانس سے کہیں اور جاکر زندگی کے کچھ دن آرام سے گزار سکوں۔ اگر ایچ ہوگن نے پولیس کو اطلاع دے بھی دی تو پولیس اتنی جلدی مجھ تک نہیں پہنچ سکتی۔ ویسے چیف.....! اندازے کے مطابق تم بقیہ رقم کی ادائیگی کتنے وقت میں کردو گے.....؟ دراصل ہمیں آئندہ کا منصوبہ بھی ترتیب دینا ہوگا۔"

"فرانس پہنچنے کے بعد مارک.....! سب سے پہلا کام یہی ہوگا کہ تمہیں تمہارا بقیہ معاوضہ ادا کردیا جائے۔ ویسے تم اس کے لئے مطمئن تو ہوناں.....؟"

"یقیناً چیف.....! انسان کی شناخت تھوڑی بہت مجھے بھی ہے۔ تم اس قسم کا سوال دوبارہ مت کرنا۔"

ہم لوگ آگے بڑھتے رہے۔ راستہ نامعلوم تھا، لیکن حادثے کی جگہ سے تقریباً ڈھائی تین میل کے سفر کے بعد جب چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا تھا، ہم نے ایک سڑک دیکھی جو چاندنی میں چمک رہی تھی۔ مارک ایشلے کی نگاہ بھی اس سڑک تک پہنچ گئی تھی۔ وہ کھڑے ہوکر اندازہ لگانے لگا اور پھر گردن جھٹک کر بولا۔

"تم نے وہ سڑک دیکھی چیف.....؟ میں یہ کوشش کررہا تھا کہ اس کے بارے میں کوئی اندازہ ہوسکے، لیکن اس میں ناکام رہا ہوں۔ تاہم اگر ہم سڑک کے ساتھ ساتھ سفر کریں اور کوئی ایسی گاڑی ہمیں نظر آجائے، جس کے ذریعے کسی بھی آبادی تک پہنچ سکیں تو میرا خیال ہے، یہ بہتر ہوگا۔ خطرہ ہے تو صرف اس بات کا کہ کہیں پولیس سے مڈبھیڑ نہ ہوجائے۔"

میں نے مارک ایشلے سے اتفاق کرلیا۔ یہی غنیمت تھا کہ مارک ایشلے یا اس کے ساتھیوں کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے بریف کیس میں کیا ہے.....؟ جرائم پیشہ لوگ تھے۔ اگر صورتِ حال سے واقف ہوجائیں تو ممکن ہے، میرا حساب کتاب یہیں ہوجائے۔

سڑک کا فاصلہ طے کرتے ہوئے کافی دیر لگ گئی، اور پھر جب ہم اس سنسان سڑک پر پہنچے تو اس کے نشیب میں ہمیں ایک جگہ روشنی نظر آئی۔ چاندنی میں ہم اس عمارت کو بھی دیکھ سکتے تھے۔ مارک ایشلے نے مسرور لہجے میں کہا۔

"آہ.....! مجھے تو شبہ ہی نہیں تھا کہ ہم سانتا ہل سے اتنے فاصلے پر نکل آئے ہیں چیف.....! اس ہوٹل کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ سڑک پر لعنت بھیج کر اب ہم اس ہوٹل کی جانب ہی سفر کریں۔ یہ ہوٹل میرے ایک شناسا جانسن کا ہے۔ جانسن خود تو یہاں موجود نہیں ہوتا، لیکن ہوٹل کے عملے کے لوگ مجھے اس کے دوست کی

حیثیت سے بخوبی پہچانتے ہیں۔

واہ.....! یوں سمجھ لو کہ وہ جگہ ہماری مشکل کا حل ہے۔ یہ سڑک پولس سے آتی ہے اور تافائین نکل جاتی ہے۔ اس کا سانتا ہل سے کوئی رابطہ نہیں ہے چیف.....! بہتر یہ ہے کہ ہم اس ہوٹل میں رات کو قیام کریں۔ صبح کوئی نہ کوئی بندوبست ہوجائے گا۔"

ہوٹل کی عمارت کافی خوب صورت تھی۔ رات کے اس حصے میں وہاں رونق تو نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود استقبالیہ پر بیٹھے ہوئے پستہ قامت شخص اور تین چار افراد نے چونک کر ہمیں دیکھا۔ پھر کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا شخص جلدی سے اپنی جگہ سے نکل آیا۔ اس نے مسرور لہجے میں کہا۔

"مسٹر مارک ایشلے.....! آپ.....؟"

"ہاں.....! میں نے سوچا کہ رات کے اس حصے میں تمہاری کارکردگی کا جائزہ لیا جائے، چنانچہ اس طرف نکل آیا۔"

پستہ قامت شخص ہنسنے لگا، پھر بولا۔

"تو دیکھ لیجئے سر.....! بلکہ مسٹر جانسن کو بھی اطلاع دے دیجئے کہ ہوٹل کا عملہ اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتا۔ آپ تشریف تو رکھئے۔ کیا منگواؤں آپ کے لئے.....؟"

"کمرے.....!"

مارک ایشلے نے جواب دیا۔

"ویٹر.....!"

پستہ قامت آدمی نے ایک ویٹر کی طرف اشارہ کرکے اسے آواز دی اور پھر چونک کر بولا۔

"جی.....! کیا فرمایا آپ نے.....؟ کیا منگواؤں.....؟"

"کمرے.....! رہائش کے لئے۔"

پستہ قامت آدمی پھر بھونڈے انداز میں ہنسنے لگا تھا۔ ویٹر کے قریب آنے پر اس نے کہا۔

"نہیں نہیں.....! ابھی نہیں.....! جاؤ.....!"

اور پھر مارک ایشلے کی طرف رُخ کرکے بولا۔

"تو پھر اوپر تشریف لے آیئے۔ کمروں کی کیا کمی ہے.....؟"

مارک ایشلے نے دو کمرے منتخب کئے تھے۔ اپنے چند ساتھیوں کو اس نے ایک کمرے میں بھیج دیا۔ پھر خود اس ڈرائیور کے ساتھ جو اس دوران گاڑی چلاتا رہا تھا، میرے کمرے میں مقیم ہوگیا۔ پستہ قامت شخص نے جلدی جلدی بستروں وغیرہ کے انتظامات کردیئے، پھر اس نے کہا۔

"کچھ کھانا پینا پسند کریں گے.....؟"

''میرے خیال میں اس وقت کچھ نہیں، صبح کے ناشتے کی البتہ مناسب تیاریاں کر لینا۔''

پستہ قامت شخص نے گردن ہلائی۔ چند لمحات رسمی گفتگو کرتا رہا اور پھر چلا گیا۔ مارک ایشلے نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں نے کہا تھا ناں چیف......! یہ جگہ ہمارے لئے جنت ثابت ہوگی۔ اب آرام سے اپنے بستر پر پاؤں پھیلا کر سو جاؤ۔ پستہ قامت شخص جانتا ہے کہ اگر کوئی ہماری تلاش میں آئے گا تو اسے کیا جواب دیا جائے......؟''

''مطلب......؟''

''بس چیف......! اپنا یار جانسن اچھی طرح جانتا ہے اور اس نے عملے کے لوگوں کو ہدایت کر رکھی ہے کہ ہم کس قسم کے آدمی ہیں اور اس وقت تک جب تک ہم یہ نہ چاہیں کہ کہیں کسی کو ہماری موجودگی کی اطلاع دی جائے، کوئی کسی کو ہمارے بارے میں اطلاع نہیں دے گا۔''

جرائم پیشہ افراد کی کارکردگی کا اندازہ اب مجھے تھوڑا تھوڑا ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے مارک ایشلے سے تعرض نہیں کیا۔ بریف کیس سرہانے رکھنے کے بعد میں جوتے اُتارے بغیر مسہری پر دراز ہوگیا۔ مارک ایشلے اور ڈرائیور ایک ہی مسہری پر لیٹ گئے تھے، اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ گہرے گہرے خراٹے نشر کرنے لگے۔ تمام تر تھکن کے باوجود، میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ نہیں تھا۔ میرا دل تو وسوسوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک ایسی جگہ، جہاں کا سارا عملہ مارک ایشلے کے ساتھیوں پر مشتمل ہے۔ میرے لئے خطرناک جی ہوسکتی تھی۔ لیکن مارک ایشلے کے ذرائع بتاتے تھے کہ وہ بے پرواہ قسم کا آدمی ہے۔ ویسے بھی بدبخت ایچ ہوگن سے اس کا کوئی گہرا تعلق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ جب کہ ایچ ہوگن غلط آدمی تھا۔

واقعات ایک ایک کر کے دوبارہ میرے ذہن میں آنے لگے اور میں ان کی گہرائیوں کو ٹٹولتا رہا۔ لیکن یہ سب کچھ بے سود تھا۔ مارک ایشلے اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ مجھے طویل وقت نہیں گزارنا تھا۔ میرے پاس ایک قیمتی چیز موجود تھی جس کے لئے سینکڑوں افراد کو قتل کیا جاسکتا تھا۔ پہلے اس بلائے بے درماں سے نجات حاصل کرلوں، اس کے بعد کچھ اور سوچنا مناسب ہوگا۔

بہت دیر تک غور کرتا رہا۔ ہوٹل میں داخلے کے وقت میں نے ایک سٹیشن ویگن دیکھی تھی جو ایک گوشے میں کھڑی ہوئی تھی۔ اگر یہاں سے نکل جانے کے لئے یہ گاڑی مل جائے تو کیوں نہ اس سے نجات حاصل کر لی جائے......؟ اپنے ہوٹل میں پہنچنے کے بعد پہلے فلم وغیرہ کرک ڈگلس کے حوالے کر دوں گا اور اس کے بعد آرام سے وقت گزاروں گا۔ یہ خیال میرے ذہن میں اس شدت سے جڑ پکڑ گیا کہ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے سوتے ہوئے مارک ایشلے اور ڈرائیور کو دیکھا اور پھر سوچنے لگا کہ سٹیشن ویگن کی چابی کہاں سے حاصل کی جاسکتی ہے......؟

بہت دیر تک اس خیال میں ڈوبا رہا۔ پھر خاموشی سے بریف کیس اُٹھایا اور چوروں کی طرح چلتا ہوا باہر نکل آیا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ عملے کے لوگ مستعد ہیں اور رات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے۔ چوروں کی طرح یہاں سے نکل جانا ممکن ہے مشکل ہو۔ چنانچہ میں اس ہال کی جانب بڑھ گیا، جہاں کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔ پستہ قامت کاؤنٹر مین اپنی جگہ موجود تھا۔ میں ایک میز پر جا بیٹھا۔ پستہ قامت شخص مسکراتا ہوا میرے نزدیک پہنچ گیا، پھر بولا۔

''کیا بات ہے جناب......! آپ کو نیند نہیں آرہی......؟''

''ہاں دوست......! جبکہ مارک اور اس کے ساتھی گھوڑے بیچ کر سو گئے ہیں۔ شاید تمہیں اس بات کا اندازہ نہ ہو کہ میں مسٹر جانسن کے بہترین دستوں میں شامل ہوں اور مسٹر جانسن ہی نے مجھے ایک اہم کام سونپ کر سانتاہل کے علاقے میں بھیجا تھا۔''

''اوہ......! اچھا اچھا......! باس اکثر سانتاہل آتے رہتے ہیں۔ غالباً آپ مسٹر سٹیورڈ کے پاس پہنچے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر سٹیورڈ ہمارے باس کے بہترین کرم فرماؤں میں سے ہیں اور اکثر ہمارے پاس ان کی طرف سے تحائف آتے رہتے ہیں۔ ویسے مسٹر سٹیورڈ خیریت سے تو ہیں ناں......؟''

''ہاں......! مارک ایشلے نے سستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں قیام کیا ہے۔ جب کہ مجھے صرف اس خیال سے نیند نہیں آرہی کہ مسٹر جانسن بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے اور مجھے آج رات ہی کے کسی حصے میں ان کے پاس پہنچنا ہے۔''

''اگر آپ اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کرتے ہیں تو میں آپ کو باس کے پاس بھجوانے کے لئے بندوبست کرسکتا ہوں۔ مسٹر مارک ایشلے جب صبح کو جاگیں گے تو میں انہیں اطلاع دے دوں گا۔''

میں کسی خیال میں ڈوب گیا۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

''ایک کپ کافی مل سکے گی......؟''

''معذرت خواہ ہوں کہ میں نے خود آپ سے کیوں نہ پوچھا......؟ ابھی منگواتا ہوں۔''

اس نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور وہ کچن کی جانب دوڑ گیا۔ میرے اندازِ گفتگو اور اطمینان نے پستہ قامت شخص کو ذرا بھی شبہ نہیں ہونے دیا تھا کہ میرے دل میں کچھ اور ہے۔ ویسے یہاں میں سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔ اگر مارک وغیرہ کی آنکھ بھی کھل گئی اور انہوں نے میرے بارے میں کسی تشویش زدہ انداز میں سوچا تو یہاں پہنچ کر وہ مطمئن ہو جائیں گے۔ البتہ جو کہانی میں نے اس پستہ قامت شخص کو سنائی تھی، وہ ذرا مارک ایشلے کے لئے تعجب خیز ہوگی۔ لیکن کسی بھی کہانی کے سلسلے میں کوئی دوسری کہانی بھی سنائی جاسکتی ہے۔ کافی پینے کے دوران میں پُرخیال انداز میں گردن ہلاتا رہا اور پھر میں نے پستہ قامت شخص سے کہا کہ مجھے کچھ لفافے درکار ہیں اور ایک سادہ کاغذ اور قلم بھی۔

ان اشیاء کا بندوبست چند ہی لمحات میں کر دیا گیا اور میں نے پستہ قامت شخص سے کہا کہ وہ میرے

لئے گاڑی تیار کرادے۔ مسٹر جانسن کو اس کی اس کارکردگی پر خوشی ہوگی۔ کیونکہ وہ اس رات سو نہیں سکیں گے۔
پستہ قامت شخص میری باتوں کے جال میں آگیا تھا۔ جو اشیاء میں نے طلب کی تھیں، اسے مہیا کرنے کے ساتھ
ساتھ ہی اس نے گاڑی کے بندوبست کی اطلاع بھی مجھے دی۔ اس دوران میں اپنا کام کر چکا تھا۔ مطلوبہ رقم کے
نوٹوں کی گڈیاں میں نے اس لفافے میں منتقل کر دیں اور کاغذ کا پرزہ پست قامت شخص کے حوالے کرتا ہوا بولا۔
”صبح کو جب مارک ایشلے جاگے تو یہ لفافہ اور پرچہ اسے دے دیا جائے۔ میں نے اس پر تحریر کر دیا
ہے کہ میرا اس وقت یہاں رُکنا مناسب نہیں تھا۔“

”بہت بہتر جناب......!“

”گاڑی......؟“

”باہر موجود ہے۔“

پستہ قامت شخص نے جواب دیا اور میری دی ہوئی اشیاء اپنے پاس محفوظ کر لیں۔ مارک ایشلے کے
لئے میں نے لکھ دیا تھا کہ اس کی مطلوبہ رقم لفافے میں موجود ہے اور میں نے اس کے ساتھ کوئی بے ایمانی نہیں کی
ہے۔ لیکن میرا اس وقت یہاں سے چلے جانا ہی مناسب تھا۔ میں نے مارک ایشلے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا تھا
کہ اگر مجھے دوبارہ کوئی ضرورت پیش آئی تو اسے تکلیف دوں گا۔ ویسے اگر وہ چاہے تو اپنے پروگرام کے مطابق
فرانس چلا جائے۔

وہی سٹیشن ویگن سٹارٹ تھی جسے میں نے ہوٹل کے بیرونی حصے میں دیکھا تھا۔ ویگن کی سیٹ پر ایک
دُبلے پتلے بدن کا آدمی موجود تھا۔ میں اس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا اور پستہ قامت نے مجھے خدا حافظ کہا۔ سٹیشن
ویگن سٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ ڈرائیور خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا تھا۔ اس کا انداز مؤدبانہ تھا۔ غالباً اسے یہ
اطلاع دے دی گئی تھی کہ میں اس کے باس جانسن کے گہرے دوستوں میں سے ہوں۔

سٹیشن ویگن کا سفر بغیر کسی دِقت کے جاری رہا۔ راستے میں کئی چوراہوں سے اس نے موڑ کاٹے تھے
اور میں نے دل ہی دل میں سوچا تھا کہ اگر یہ ڈرائیور میرے ساتھ نہ ہوتا اور سٹیشن ویگن تنہا میرے قبضے میں ہوتی تو
شاید میں پیرس نہ پہنچ پاتا، اور ان سڑکوں پر کہیں بھٹک جاتا۔

یہ طویل ترین سفر صبح کو تقریباً پونے چھ بجے ختم ہوا اور سٹیشن ویگن پیرس کے نواحی علاقے میں پہنچ
گئی۔ میں نے اسے ایک عمارت کے سامنے رُکوایا جو سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ڈرائیور کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے میں
نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ رات کے اس پہر میں اسے تکلیف دینے کا مجھے افسوس ہے۔ مسٹر جانسن
سے میری ملاقات اسی عمارت میں ہوگی۔ اس لئے اب وہ واپس جا سکتا ہے۔

ڈرائیور نے شکریہ ادا کر کے سٹیشن ویگن واپسی کے راستے پر موڑ دی۔ میں بریف کیس ہاتھ میں
لٹکائے ہوئے پُرسکون انداز میں چلتا ہوا عمارت کے صدر گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ صدر گیٹ کے قریب پہنچ کر

جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو سٹیشن ویگن نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ کہیں کوئی اور میری جانب
متوجہ نہ ہو۔ چنانچہ میں چند لمحات اس طرح کھڑا سوچتا رہا جیسے کوئی بات بھول گیا ہوں، اور پھر میں اُلٹے قدموں
وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ کافی دُور تک چلتا رہا اور جب یہ یقین ہو گیا کہ کوئی بھی میری جانب متوجہ نہیں ہے تو میں
نے روڈ کی سمت اختیار کر لی۔ اب مجھے کسی ٹیکسی کی تلاش تھی۔

ٹیکسی تھوڑی دیر کے بعد ہی مل گئی اور میں اس میں بیٹھ کر اپنے ہوٹل کی جانب چل پڑا۔ ذہن بوجھل
تھا۔ کیونکہ رات بھر کی بے خوابی اور اس سے پہلے کی شدید محنت نے اعصاب کو بری طرح تھکا دیا تھا۔

ٹیکسی تھوڑی دیر کے بعد ہوٹل کے سامنے رُکی اور میں بل دے کر اندرونی حصے کی جانب چل پڑا۔
پھر اپنے کمرے میں پہنچنے میں مجھے کوئی دِقت نہیں ہوئی تھی۔ بڑا عجیب سا احساس دل میں جاگزیں تھا۔ میں نے وہ
کارنامہ انجام دے ڈالا تھا، جس کے خواہش مند مسٹر کرک ڈگلس اور ان کی بیٹی لینا گوائل تھی۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں
تھا کہ وہاں ان پر کیا بیتی......؟

لیکن یہ میری ذمہ داری نہیں تھی۔ کیونکہ ان کا وہاں پہنچ جانا ہی میرے لئے غیر متوقع تھا۔ مجھے تو
صرف اپنا کام انجام دینا تھا جو میں نے خدا کے فضل سے بڑی ذہانت سے انجام دے لیا تھا۔

میں نے کمرے میں آنے کے بعد کسی اور چکر میں پڑنے کی ہمت نہیں پائی۔ اس لئے دروازہ بند کر
کے باہر ڈونٹ ڈسٹرب کا سائن روشن کر دیا اور پھر جوتے اُتار کر جو بستر میں گھسا تو دوپہر کو تقریباً ڈھائی بجے آنکھ
کھلی۔ طبیعت پر بے پناہ سستی اور ذہن پر غبار چھایا ہوا تھا۔ دیر تک مسہری پر ہی لیٹا اینٹھتا رہا۔ کچھ سوچنے کو جی نہیں
چاہ رہا تھا۔ لیکن بہر طور نیند پوری ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ اعصاب پُرسکون ہوتے گئے اور میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ باتھ روم
میں جا کر تقریباً آدھے گھنٹے تک پانی کے نیچے رہا۔ حالانکہ باہر کا موسم بہتر نہیں تھا، جس کا احساس کھلی ہوئی کھڑکی
سے ہو رہا تھا۔

ابر آلود موسم تھا اور کافی گہرے بادل تھے، لیکن اس غسل نے بدن سے ساری تھکن نچوڑ دی۔ بھوک
بھی شدت سے لگ رہی تھی۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو تین بج کر اٹھارہ منٹ ہو چکے تھے۔ کھانے کا تو سوال ہی
نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ویٹر کو بلا کر اسنیک اور کافی کا آرڈر دے دیا۔ کافی سے شغل کرتے ہوئے میرے ذہن میں
مختلف منصوبے بنتے رہے۔ اب مسٹر کرک ڈگلس کی امانت ان کے سپرد کر دی جائے تو بہتر ہوگا۔ پتا نہیں انہیں
میرے آنے کی اطلاع بھی ملی ہے یا نہیں......؟

بہر ڈونٹ ڈسٹرب کا سائن دیکھ کر ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ میں اطمینان سے جاگ جاؤں تو وہ
مجھ سے ملاقات کریں۔ میں جانتا تھا کہ وہ لوگ مضطرب ہوں گے۔ لیکن میں اپنے کام کی تکمیل کر چکا تھا۔ اس
لئے یہ میرا حق تھا کہ آرام کروں۔ چنانچہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے بریف کیس ایک جگہ محفوظ کیا
اور پھر باہر نکل آیا۔

پہلے میں نے لینا گوائل ہی کا کمرہ دیکھا، لیکن لاک دیکھ کر یہ اندازہ ہو گیا کہ اندر کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد مسٹر کرک ڈگلس کے دروازے پر بھی لاک نظر آیا تھا۔ دونوں کے کمرے لاک دیکھ کر میں چونک پڑا تھا۔ راہ داری میں کھڑے ہو کر سوچنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ لیکن اب میرے ذہن میں وسوسوں نے سر اُبھارا تھا۔ لینا گوائل اور کرک ڈگلس کسی مصیبت میں نہ گرفتار ہو گئے ہوں۔

اس جگہ حالات بہت خراب ہو گئے تھے اور پولیس کی کافی تعداد وہاں پہنچ گئی تھی۔ ہم لوگ تو جس طرح نکل بھاگے تھے، وہ ہمارا کام تھا۔ لیکن ظاہر ہے، دوسرے لوگ اس طرح آسانی سے وہاں سے نہیں نکل سکے ہوں گے۔ اس کے علاوہ مارک ایشلے اور اس کے ساتھیوں نے وہاں جو افراتفری پھیلائی تھی، اس سے ممکن ہے کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے ہوں اور ہو سکتا ہے چند ہلاک بھی ہو گئے ہوں۔ کہیں دونوں باپ بیٹی میں سے تو کوئی ہنگامے کی زد میں نہیں آ گیا......؟

یہ تصور بے حد افسوس ناک تھا۔ اگر ایسا ہو گیا تو واقعی بہت دُکھ کی بات ہے۔ کیونکہ مسٹر کرک ڈگلس بڑی مستعدی کے ساتھ گولڈ ڈسٹ کو زندہ کرنے پر تلے ہوئے تھے اور یہ ان کی دلی خواہش تھی کہ انہیں اس سلسلے میں کامیابی حاصل ہو۔ ہر چند کہ انہوں نے اس کامیابی کا انحصار مجھ پر کیا تھا۔ ایک ایسے شخص پر جس کے بارے میں وہ پوری طرح جانتے بھی نہیں تھے۔ لیکن یہ ان کی حماقت تھی۔ میں کیا کرتا......؟ البتہ وہ کسی عذاب میں مبتلا ہو گئے ہیں تو ظاہر ہے میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے کمرے میں واپس آ کر میں دیر تک سوچتا رہا تھا۔ اس بات کے امکانات تھے کہ وہ کچھ وقت گزارنے کے بعد واپس آ جائیں اور اگر نہ آئے تو...... اس ''تو'' ہی سے میرے ذہن میں ایک ننھا سا لفظ روشن ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے میرے ذہن میں تاریکیاں ہی تاریکیاں تھیں۔ لیکن نہ جانے کہاں سے یہ ننھی سی روشنی جگمگا اُٹھی تھی اور اس روشنی میں میرے ذہن نے سوچنا بھی شروع کر دیا تھا۔

مائیکرو فلم میرے پاس ہے اور نوٹوں کا یہ بریف کیس بھی ہے۔ گویا اگر کسی اور سے مائیکرو فلم کی قیمت وصول کی جائے تو کم از کم اسی رقم کے برابر ہو سکتی ہے اور یہ رقم...... یہ رقم تو اتفاقیہ طور پر ہی میرے ہاتھ آئی ہے۔ اس پر تو کرک ڈگلس کا بھی حق نہیں ہے۔ نہ ہی اس کے حصول کے لئے مجھ سے کچھ کہا گیا تھا۔

گویا اگر مسٹر کرک ڈگلس واپس آ بھی جائیں تو کم از کم وہ اس رقم کے حق دار بھی نہیں، کیونکہ انہوں نے تمام تر جدوجہد مائیکرو فلم کے لئے کی ہے۔ مائیکرو فلم ان کے حوالے کر دی جائے تو میرا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد گولڈ ڈسٹ میں مجھے جو بھی مقام دیا جائے گا، وہ ایک علیحدہ حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ نوٹ تو میری ملکیت ہیں۔ مارک ایشلے کو بھی میں نے ایمانداری کے ساتھ اس کے معاوضے کی رقم ادا کر دی تھی اور یقیناً وہ میرا ممنون ہو گا۔ کیونکہ اگر میں چاہتا تو خاموشی سے وہاں سے نکل سکتا تھا، اسے یہ اندازہ تو ہو ہی چکا ہو گا، یا اگر نہیں ہوا ہے تو کچھ وقت کے بعد ہو جائے گا کہ میں دھوکا دے کر اس کے پاس سے نکل بھاگا ہوں۔ لیکن جب اسے رقم کا

لفافہ اور میرا رُقعہ ملے گا تو کم از کم دل میں ضرور سوچے گا کہ برے لوگوں میں، میں ایک اچھا انسان تھا۔ چنانچہ دُشمنی کا مسئلہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ رقم مجھے ہضم کر لینی چاہئے۔ کیونکہ یہ میرے لئے بہت معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

بہت دیر تک سوچتا رہا۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا۔ اب ایسا وقت نہیں تھا کہ میں اس رقم کو کسی بینک وغیرہ میں جمع کروانے کی کوشش کر سکتا۔ لیکن یہ بھی سوچا کہ اسے بینک میں جمع کرانا مناسب نہیں ہو گا۔ پتا نہیں حالات کیا رُخ اختیار کریں......؟ بہتر یہ ہے کہ اسے کسی ایسی جگہ محفوظ کر دیا جائے جہاں دوسروں کی نگاہ نہ پہنچ سکے۔ فلم کا مسئلہ بھی یہی تھا، اس وقت تک جب تک کہ مسٹر کرک ڈگلس واپس نہیں آ جاتے۔ اس فلم کی حفاظت بے حد ضروری ہے۔

میں نے کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ کمرے کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جو ہوٹل کے عملے کی نگاہوں کی زد سے باہر ہو۔ کم از کم یہ فلم اور بریف کیس کی رقم یہاں نہیں چھپائی جا سکتی۔

''پھر کہاں......؟''

ایسی کوئی جگہ میرے علم میں نہیں تھی۔ بڑی اُلجھن اور پریشانی میں پھنس گیا تھا۔ میں نے دروازہ بند کر کے ایک بار پھر بریف کیس میں سے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور ان کی تعداد کا اندازہ کر کے ششدر رہ گیا۔ بلاشبہ اس رقم سے میں اپنی باقی زندگی نہایت سکون سے گزار سکتا تھا۔ لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ حالات نہ جانے کیا رُخ اختیار کریں......؟ میں تو حالات کا غلام تھا، اور ایک بات اچھی طرح جانتا تھا کہ میری یہ کالی تقدیر مجھے کہیں سکون سے نہیں بیٹھنے دے گی۔ دل میں خواہش ضرور تھی کہ ایک پُرسکون گوشہ اپنا لوں لیکن اس خواہش کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا۔ اس پر بعض اوقات مجھے خود ہنسی آ جاتی تھی۔

میں نے اس بریف کیس میں رقم کی گڈیاں دوبارہ جمائیں۔ یہ بریف کیس ہر نگاہ میں مشکوک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کوئی ایسا انتظام......؟

اور میں نے یہ انتظام تھوڑی دیر کے بعد کر لیا تھا۔ ویٹر سے میں نے کچھ ایسی اشیاء طلب کر لی تھیں جو اس سلسلے میں کارآمد ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ نوٹوں کی لاتعداد گڈیاں سیاہ رنگ کے ایک تھیلے میں منتقل ہو گئیں، جو واٹر پروف تھا اور دیکھنے میں بہت بھدا نظر آتا تھا۔ یعنی اگر کوئی اس کی جانب متوجہ ہو بھی تو کم از کم یہ بات نہ سوچ سکے کہ اس تھیلے میں اتنی بڑی رقم محفوظ ہے۔ فلم بھی میں نے اسی تھیلے میں منتقل کر دی اور اسے مضبوطی سے پیک کرنے کے بعد ہوٹل سے باہر آ گیا۔

ایک منصوبہ میرے ذہن میں ترتیب پا چکا تھا۔ اس دوران میں فرانس کے مختلف حصوں کی سیر کر چکا تھا اور نہ جانے کیوں میرے ذہن میں کلیسائے نوٹرڈیم اُبھر آیا تھا۔ ہر چند کہ اس کلیسا میں سیاحوں کی آمد و رفت رہتی ہے، لیکن بہرطور اس کی وسعت میری مشکل حل کر سکتی تھی۔ ٹیکسی نے جب مجھے نوٹرڈیم کے کلیسا کے پاس اُتارا تو میں اس کے خوب صورت کنگوروں، خوف ناک مجسموں اور بڑے گھڑیالوں کو دیکھنے لگا۔ ان میں سے کون

سی جگہ میرے مقصد کے لئے کارآمد ہوسکتی ہے......؟

سیاح اس وقت بھی یہاں بادلوں کی گہری سیاہی کے نیچے کلیسا کی سیر کر رہے تھے۔ دریائے سین کے گدلے پانی میں روشن کشتیاں سفر کر رہی تھیں۔ میں کلیسا کے ان میناروں کے قریب پہنچ گیا، جن سے منسوب داستانیں آج تک زندہ تھیں اور پھر میں نے ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جو میرے مقصد کے لئے کارآمد ہوسکتی تھی۔

نوٹرڈیم کے اس مضبوط کلیسا کے مینار کے عقب میں ایک ایسا مجسمہ نصب تھا، جو ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ لیکن اس کی مرمت کر کے اسے دوبارہ قابل دید بنا دیا گیا تھا۔ لیکن یہ مرمت صرف سامنے کے حصے میں ہوئی تھی۔ اس کا پچھلا حصہ آج بھی بوسیدہ تھا۔ مجسمے کے عقبی سمت میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولتے ہوئے مجھے یہ خوف بھی پیدا ہوا کہ کہیں کوئی سانپ وغیرہ اس کے اندر موجود نہ ہو، اور میری ساری کہانی یہیں ختم ہو جائے۔ لیکن مجسمے کے کھوکھلے حصے میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی اور اسی کھوکھلی جگہ میں نے اپنا وہ بیگ جو میرے لئے بے حد قیمتی تھا، منتقل کر دیا، اور پھر اس طرح اسے محفوظ کر دیا کہ اگر کوئی سرسری نگاہ سے اس عقبی حصے کا جائزہ بھی لے تو اسے کوئی شبہ نہ ہو سکے۔

بادلوں کی گہرائی بڑھتی جا رہی تھی اور پھر بارش شروع ہوگئی۔ پیرس دُھلنے لگا، میں نے بمشکل تمام ایک ٹیکسی پکڑی۔ دل تو چاہتا تھا کہ اس بارش سے لطف اُٹھاؤں، لیکن وقت اور حالات اس وقت اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ٹیکسی نے مجھے پھر میرے ہوٹل پہنچا دیا۔

ہوٹل کا بیرونی حصہ بارش کی وجہ سے سنسان ہوگیا تھا اور وہ لوگ جو کھلی فضاء میں شام کی تفریحات کے عادی تھے، ہوٹل کے ہالوں میں منتقل ہو گئے تھے۔ میں نے سب سے پہلے اپنی منزل پر جا کر مسٹر کرک ڈگلس اور لینا گوائل کو تلاش کیا، لیکن ان کے کمروں پر بدستور تالے پڑے ہوئے تھے۔ اس کا مطلب ہے، وہ واپس نہیں آئے۔ حالانکہ اب تک انہیں یہاں واپس آ جانا چاہئے تھا۔ تاکہ مجھ سے رابطہ قائم کر سکیں۔ اب صرف ایک ہی بات سوچی جا سکتی تھی۔ وہ یہ کہ دونوں باپ بیٹی کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ذہن پر شدید جھنجلاہٹ سوار رہی اور اسی جھنجلاہٹ کو ختم کرنے کے لئے میں نے سوچا کہ اب ان لوگوں کو بھی بھول کر مجھے اپنے طور پر خوش رہنا ہے۔ جب آئیں گے تب دیکھا جائے گا۔

فی الحال کوئی مسئلہ سامنے نہیں تھا۔ نوٹوں کی ایک گڈی میں نے اپنے استعمال کے لئے نکال لی تھی، اور اس طرح کوئی مالی پریشانی بھی نہیں تھی۔ چنانچہ میں مطمئن ہو کر ہال میں آ گیا اور رات گئے تک وہاں کی تفریحات میں گم رہا۔ پھر اپنے کمرے میں آ کر گہری نیند سو گیا۔

دوسرا دن بھی پُرسکون تھا۔ صبح ہی کو ایک نگاہ سے جائزہ لے لیا تھا کہ دونوں کمرے حسب معمول بند پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد فرانس کی سڑکوں پر نکل آیا اور مختلف علاقوں میں چکراتا رہا۔ سارا دن آوارہ گردی کرنے کے بعد شام کو واپس ہوٹل میں آ گیا، اور اس کے بعد اپنے کمرے تک ہی محدود رہا۔ آج کی آوارہ گردی

میں اس بات کا خاص طور سے جائزہ لیتا رہا تھا کہ کوئی میرے تعاقب میں تو نہیں ہے......؟ لیکن کہیں بھی کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ دُنیا اپنے اپنے معمولات میں مصروف تھی اور میں کسی کے لئے قابل توجہ نہیں تھا۔ تب میں نے ان کے بارے میں یہ یقین کر لیا کہ وہ کسی بڑے حادثے کا شکار ہو گئے ہیں۔ دل پر کوئی رنج، کوئی دُکھ نہیں تھا۔ بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی تھی کہ بلاوجہ کسی کے لئے پریشان ہوتا پھروں......؟ اپنی ذات کے لئے ہی اتنی پریشانیاں تھیں کہ کسی دوسرے کی گنجائش اس میں نہیں تھی۔

ہوٹل کے کمرے میں بیٹھ کر میں نے سوچا کہ اب مجھے بہت زیادہ نیک اور شریف نہیں بننا چاہئے۔ دُنیا بھلا اس کا موقع کہاں دیتی ہے......؟ جو کچھ آج تک ہوتا رہا ہے اس میں میری مرضی بھلا کب شامل تھی......؟ کہیں سختی اور کہیں مجبوری کے تحت کام کرتا رہا تھا۔ گو اب بھی یقین نہیں تھا کہ وقت میرے لئے پُرسکون ہو گیا ہے۔ لیکن سکون کے چند لمحات اگر بغیر کسی دِقت کے میسر آ سکتے ہیں تو اس سے کیوں نہ فائدہ اُٹھایا جائے......؟ کیا ضرورت ہے کہ فرانس ہی میں پڑا رہوں......؟ اور پھر ویسے بھی مجھے گولڈ ڈسٹ نامی کسی گروہ کے اہم رُکن بننے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

میں شریف آدمیوں کی طرح زندگی گزارنے کا خواہاں تھا۔ اب اگر موقع ملا ہے تو اس موقع سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے اور اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ فرانس چھوڑ دیا جائے۔ کرک ڈگلس اور لینا گوائل اگر زندہ ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ سوچ کر خاموش ہو جائیں گے کہ میں نے بداعتمادی کی اور موقع سے فائدہ اُٹھا کر یہاں سے نکل گیا، اور اگر ان کے لئے کوئی پیغام چھوڑتا تو کس کی معرفت......؟ اور کیا کہا جا سکتا تھا کہ وہ کس حالت میں ہیں......؟ اتنی ہمت خود میں نہیں پاتا تھا کہ دوبارہ سانتاہل جا کر یا کسی دوسرے ذریعے سے ان لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔

مارک ایشلے یا اس جیسے دوسرے میرے معاون بن سکتے تھے۔ لیکن میں ایسا کیوں کرتا......؟ اس کی کوئی جائز وجہ تو ہوتی۔ میں نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کیا کہ اب یہ کرنسی اپنے استعمال میں لائی جائے اور ان ڈالروں کو کہیں اور منتقل کرنے کی کوشش شروع کر دی جائے۔ پھر اس کے بعد فرانس چھوڑ دیا جائے۔ فرانس میں اس لئے چھوڑ دینا چاہتا تھا کہ یہاں کچھ ہنگامے میری ذات سے منسوب رہ چکے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی دوبارہ مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرے، اور میں کسی اور جال میں پھنس جاؤں۔

اگر اس کرنسی کے ساتھ ہی زندگی گزاری جائے تو مجھے کافی آسانیاں فراہم ہو سکتی تھیں اور اس کے بعد ذہن منصوبوں میں کھو گیا۔ گو سیاحت کی اس زندگی سے مجھے کوئی اُکتاہٹ نہیں ہوئی تھی۔ میں ملک ملک گھومنا پسند کرتا تھا، لیکن اس بھاگ دوڑ میں جو درمیانی مسئلے آ جاتے تھے، وہ تکلیف دہ ہوتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے سارے کردار میرے اردگرد چکرا رہے ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی کردار کسی بھی جگہ میری گردن دبوچ لیتا تھا، اور اس کے بعد ایک نئی کہانی شروع ہو جاتی تھی جس کے بارے میں، میں حلفیہ کہہ سکتا ہوں کہ اس سے میرا کوئی

واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ تاہم غور سے دیکھا جاتا تو مرکزی کردار میں ہی نکلتا تھا، اور میں اس مرکزی کردار سے ہمیشہ سے تنگ تھا۔

میں نے یہ آخری فیصلہ کرنے کے بعد اپنی کرنسی منتقل کروانے کے لئے بہت سی معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں اور پھر چھٹے روز اپنا یہ ہوٹل بھی چھوڑ دیا۔ کرک ڈگلس اور لینا گوائل سے اب کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا تھا میں، اور اس میں میرا قصور بھی نہیں تھا۔ چھ سات دن گزر گئے تھے۔ اس سے زیادہ کیا انتظار کرتا......؟ اور کس بنیاد پر......؟ اگر آئندہ وہ کبھی مجھے نظر بھی آئے تو انہیں چھوڑ دینا ہی بہتر ہوگا۔ اپنے کام کے سلسلے میں کافی تگ و دو کر رہا تھا اور مجھے کچھ ایسے لوگوں کا پتہ معلوم ہو چکا تھا جو اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے تھے۔ کرنسی چونکہ کافی تعداد میں تھی، اس لئے ذرا احتیاط رہ کر کام کرنا چاہتا تھا۔ کسی کی بھی نیت خراب ہو جاتی اور میں ایک بار پھر کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو جاتا۔

یہ غالباً اس کارروائی کے دسویں دن کی بات ہے۔ میں دریائے سین کے کنارے کھڑا کشتیوں کو دیکھ رہا تھا کہ دفعتہً ہی مجھے ایک چیخ سنائی دی اور میری نگاہیں سامنے کی سمت اُٹھ گئیں۔ بارہ تیرہ سالہ لڑکا تھا جو دریائے سین کے کنارے پانی میں ڈوری لٹکائے بیٹھا تھا اور جیسے غالباً کسی بڑی مچھلی نے ایک جھٹکا دے کر پانی میں کھینچ لیا تھا۔ وہ لڑکا اب مدد کے لئے چیخ رہا تھا۔ قریب ہی چونکہ میں موجود تھا، میں نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید کوئی اس کی مدد کے لئے دوڑے، لیکن آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔

چنانچہ مجبوراً مجھے جوتے اُتار کر پانی میں کودنا پڑا۔ لڑکا تیرنا نہیں جانتا تھا۔ میں اسے کھینچ کر کنارے پر لے آیا۔ اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ چکا تھا۔ آنکھوں میں وحشت کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ لباس بھیگ جانے کے علاوہ اسے اور کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ لیکن خوف کے باعث اس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ میں نے اسے اطمینان سے زمین پر لٹا دیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔ پھر جب اس کے اعصاب بحال ہوئے تو اس نے ممنون نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''شکریہ انکل......! آپ نے میری زندگی بچالی، ورنہ......ورنہ میں تیرنا نہیں جانتا۔''

''گر کیسے پڑے تھے......؟''

''انکل......! میری ڈوری میں کوئی بڑی مچھلی لگ گئی تھی۔ بہت زور سے جھٹکا دیا تھا اس نے مجھے اور چونکہ میں بالکل کنارے پر بیٹھا ہوا تھا اس لئے نیچے گر پڑا تھا۔

''ہوں......! شکر ہے، تمہاری زندگی بچ گئی۔ تنہا یہاں مچھلیاں پکڑنے آئے تھے......؟''

''نہیں......! یوجن بھی موجود ہے۔ میری بہن ہے، وہ اس طرف وہاں درختوں کے جھنڈ کے پیچھے چھپی بیٹھی ہوئی ہے۔''

''اور اسے تمہاری فکر بھی نہیں ہے۔''

''نہیں......! یہ حادثہ تو اتفاقیہ طور پر ہوا ہے انکل......! اسے کیا معلوم تھا کہ ایسا ہو جائے گا......؟ میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو میری وجہ سے پریشانی ہوئی۔ آپ کے کپڑے بھی بھیگ گئے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں......! خشک ہو جائیں گے۔ آؤ میں تمہیں تمہاری بہن کے پاس پہنچا دوں۔''

لڑکے نے ممنون نگاہوں سے ایک بار پھر مجھے دیکھا اور میں اس کا بازو پکڑے ہوئے ان درختوں کو جانب بڑھ گیا جن کی طرف اشارہ کر کے لڑکے نے بتایا تھا کہ اس کی بہن وہاں موجود ہے۔

ایک انتہائی خوب صورت لڑکی جو اپنے سادہ سے لباس میں سنہری بالوں والی گڑیا محسوس ہوتی تھی۔ درختوں کی جڑوں میں بیٹھی شطرنج کی بساط بچھائے مہروں کو اُلٹ پلٹ کر رہی تھی۔ ہمارے قدموں کی چاپ پر چونک کر اس نے ہماری جانب نگاہیں اُٹھائیں لیکن اس کے چہرے پر ایک سونا پن نظر آ رہا تھا۔ وہ بغیر کسی تاثر کے ہماری طرف دیکھتی رہی اور پھر اس کی آواز اُبھری۔

''کون ہے......؟ کون ہو......؟''

ایک لمحے کے لئے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس کے بولنے کے انداز میں ایک ایسی کیفیت تھی کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے اس کی حسین آنکھوں کو دیکھا۔ انتہائی پُرکشش اور چمکدار آنکھیں تھیں۔ لیکن ان میں ویرانی سی نظر آ رہی تھی۔ دیکھنے کا انداز ایسا نہیں تھا جس سے یہ محسوس ہو سکے کہ وہ ہماری جانب دیکھ رہی ہے۔ لڑکا آہستہ سے بولا۔

''میں ہوں سسٹر......! میں ہوں ایگل......!''

''اور......اور کون ہے تمہارے ساتھ......؟''

''مسٹر......! ایک حادثہ ہوا ہے، میں پانی میں گر پڑا تھا۔ بیچارے انکل نے میری جان بچائی ہے۔''

لڑکی کے ہاتھ بری طرح شطرنج کے مہروں سے ٹکرائے اور شطرنج کے مہرے ایک دوسرے سے ٹکرا کر بری طرح بکھر گئے۔ اس نے بدحواسی میں اُٹھنے کی کوشش کی اور لباس میں اُلجھ جانے کی وجہ سے گرتے گرتے بچی پھر وہ بدحواسی سے آگے بڑھی اور دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر لڑکے کو ٹٹولنے لگی۔ لڑکا آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ یوجن نے اسے پکڑ لیا اور اس کے لباس اور بدن کو ٹٹولتے ہوئے بولی۔

''کوئی چوٹ......کوئی چوٹ تو نہیں آئی......؟ پانی تو نہیں بھر گیا تمہارے بدن میں......؟ کیسے گر پڑے تھے......؟''

اس کے چہرے سے انتہائی خوف اور بیچارگی برس رہی تھی۔ میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

ایگل اسے اپنے گرنے کی داستان سناتے ہوئے بتا رہا تھا کہ قرب و جوار میں ان صاحب کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو یقیناً اس کا بچنا محال تھا۔

''سنبھل کر بیٹھنا چاہئے تھا تمہیں۔ میں تو ویسے ہی مچھلی کے شکار کے خلاف ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی

کھیل ہے......؟ جناب......! آپ نے...... آپ نے ہماری مدد کر کے ہم پر جو احسان کیا ہے، میں کبھی اس کا صلہ آپ کو نہیں دے سکتی۔ آہ......! اگر ایگل کو کچھ ہو جاتا تو کیا ہوتا......؟''

''کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کے بھائی کی زندگی بچ گئی۔''

''آپ...... آپ براہِ کرم ہمارے ساتھ بیٹھئے۔ ایگل......! تم...... تمہارا لباس بھی بھیگ گیا ہے اور......اور......لیکن تم انہیں کچھ کھلاؤ پلاؤ، کافی تو پلاؤ۔ جناب......! براہِ کرم آپ ہمارے ساتھ ایک کپ کافی تو ضرور پیجئے۔ ہمیں خوشی ہوگی۔''

لڑکی کے انداز میں لجاجت تھی۔ میں وہیں اس کے سامنے گھاس پر بیٹھ گیا اور وہ اندازے کے مطابق ٹٹول ٹٹول کر اپنے سامان میں سے کافی کا تھرماس اور دوسری اشیاء نکالنے لگی۔ پھر اس نے بڑی نفاست سے مجھے کافی کی ایک پیالی پیش کی۔ ایگل مسکرا رہا تھا، لیکن میرے دل میں اس اندھی لڑکی کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوگئے تھے۔ اس نے اپنے اور پھر ایگل کے لئے بھی کافی نکالی اور پھر اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی ہوئی بولی۔

''میں ہمیشہ کی اندھی نہیں ہوں جناب......! بیمار ہوئی تھی، بینائی جاتی رہی، میں کوشش کرتی ہوں کہ اپنی حسیات سے کام لے کر آنکھوں کی کمی دُور کرلوں۔ لیکن میں کامیاب نہیں ہو پاتی۔ پتا نہیں یہ اندھے کس طرح اپنی حسیات کا سہارا لے کر آنکھوں کی کمی پوری کر لیتے ہیں......؟

اوہ......! معاف کیجئے گا، میں کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی، مگر کیا کروں......؟ سب کو اپنی کہانی سنانے کو جی چاہتا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں۔ آپ...... آپ جناب......! کیا ہم آپ کے نام سے بھی واقف نہیں ہو سکتے......؟''

میرا دل نہ جانے کیوں اس لڑکی کے لئے کٹنے لگا تھا۔ کافی حسین اور نوجوان تھی۔ اس عمر میں آنکھوں کا کھو جانا ہی بڑی غم ناک کیفیت کا حامل تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

''میرا نام جوزف ہے، اور آپ کا تعارف آپ کا یہ چھوٹا بھائی کروا چکا ہے۔ میرا مطلب ہے ایگل......! آپ کا نام یوجن ہے ناں......؟''

میں نے سوال کیا۔

''اوہ......! اتنی جلدی اس نے میرا تعارف بھی کروا دیا آپ سے......؟ بہت محبت کرتا ہے یہ مجھ سے۔ یہ دونوں ہمیشہ کے ساتھی ہیں۔ دراصل میں یہاں پیرس میں نہیں رہتی۔ انکل میکس نے مجھے آنکھوں کے معائنے کے لئے بلایا ہے۔ لیکن وہ خود کسی ضروری کام سے چلے گئے اور آج شام ہم لوگ واپس میلوک جا رہے ہیں۔

اوہ......! مسٹر جوزف......! آپ نے ایگل کی زندگی بچا کر ہم لوگوں کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ اگر

آپ نہ ہوتے تو......''

یوجن کی آواز لرز گئی اور میں نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔

''نہیں یوجن......! مجھے تو خوشی ہے کہ میں اتفاقیہ طور پر تمہارے کام آ گیا۔''

یوجن نے اپنی بے نور آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آنسوؤں کو خشک کرتے ہوئے کہا۔

''آپ نہیں سمجھتے مسٹر جوزف......! کہ ایگل ہمارے لئے کیا ہے......؟ ہم بہت ہی مختصر فیملی رکھتے ہیں۔ ایگل میری خالہ کا بیٹا ہے اور میں اپنی خالہ کے ساتھ ہی میلوک کے سب سے شاندار فارم ہاؤس میں رہتی ہوں۔ میری خالہ بیوہ ہے، اور یہ فیملی ہم تین افراد پر مشتمل ہے۔ چند ملازم بھی ہیں ہمارے ساتھ، جو ہمارے اہل خاندان ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بس......! اگر میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں تو...... ویسے مسٹر جوزف......! اگر آنکھیں کسی بیماری کا شکار ہو جائیں تو کیا ان کی روشنی دوبارہ واپس آ سکتی ہے۔''

''کیوں نہیں مس یوجن......! ایسی آنکھوں کا علاج تو آسانی سے ہو جاتا ہے۔''

''آہ......! کاش ایسا ہو جائے۔ مسٹر جوزف......! کیا آپ میری خالہ سے ملنا پسند کریں گے......؟ معاف کیجئے گا، یہ احمقانہ سوال ہے۔ ظاہر ہے، آپ کی مصروفیات کچھ اور ہوں گی، اتنی سی شناسائی حیثیت کی کیا اہمیت رکھتی ہے......؟ مگر میرا دل چاہتا ہے کہ میری بھی کسی سے دوستی ہو، کوئی ان اندھی آنکھوں پر توجہ دیئے بغیر مجھ سے دوستی اور ہمدردی کا اظہار کرے۔''

یوجن کی آواز میں کچھ ایسی بے بسی اور بے چارگی تھی جو میرے دل کی گہرائیوں کو چھو گئی۔ میں نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آنکھیں اگر ساتھ نہیں دے رہیں تو تمہاری شخصیت پر تو کوئی اثر نہیں پڑا۔ پتا نہیں وہ کیسے لوگ ہوں، جو یہ تمام باتیں سوچتے ہیں......؟ میں تو کبھی ایسا نہیں سوچ سکتا۔''

میں نے کہا۔ اس کا چہرہ جیسے روشن ہو گیا ہو، اس نے ایگل سے کہا۔

''ایگل......! مسٹر جوزف کس قسم کے انسان لگتے ہیں......؟''

بڑی معصومیت تھی اس سوال میں۔

''مسٹر......! مسٹر جوزف شاندار صحت کے مالک ہیں، بہت اچھی شکل و صورت رکھتے ہیں، اور ان کی آنکھوں سے محبت اور ہمدردی ٹپکتی ہے۔''

پھر یوجن نے کہا۔

''مسٹر جوزف......! کیا آپ اپنی مصروف زندگی میں سے کچھ وقت ہمارے لئے نکال سکتے ہیں......؟ آپ یقین کیجئے، میلوک اتنی خوب صورت جگہ ہے کہ آپ نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ سوری مسٹر جوزف......! کیا آپ کبھی میلوک سے گزرے ہیں......؟''

"نہیں یوجن......! یہ حقیقت ہے کہ میں نے میلوک کبھی نہیں دیکھا۔ دراصل میں سیاح ہوں اور سیاحت کرتا ہوا یہاں آیا ہوں۔"

"اوہ مائی گاڈ......! اگر آپ سیاحت کی غرض سے فرانس آئے ہیں مسٹر جوزف......! تو پھر میلوک دیکھے بغیر نہیں جایئے گا۔ آپ کچھ دن ہمارے ساتھ مہمان رہیں۔ خالی کو بھی آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔ وہ بچوں کی طرح خوش مزاج اور ہنس مکھ ہیں، اور اگر کبھی کوئی مہمان ہمارے ہاں آجاتا ہے تو آپ یقین کریں کہ ہم لوگ خوشی سے پاگل ہو جاتے ہیں۔ مسٹر جوزف......! اب تو آپ کو میری درخواست قبول کرنا ہی ہوگی اور کسی معذور کا دل رکھنا ثواب کا کام ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے......! اگر تم لوگوں کی یہی خواہش ہے تو بھلا میں کیسے انکار کرسکتا ہوں......؟"

میں نے ایک فیصلہ کر کے کہا۔ میں نے سوچا تھا کہ پیرس کی اس ہنگامی زندگی اور اپنے دُشمنوں سے بچاؤ کے لئے میں یہاں سے نکلنے کا فیصلہ تو کر ہی چکا ہوں۔ کیوں نہ کچھ وقت پیرس سے دُور کسی چھوٹے پہاڑی قصبے میں گزار لوں......؟ ایک سہارا مل رہا تھا، کچھ وقت تفریح میں گزر جائے گا۔ کوئی خاص مقصد تو ہے نہیں۔ کرک ڈگلس اور لینا گوائل کی کہانی ختم ہوگئی تھی۔ گولڈ ڈسٹ زندہ ہونے سے پہلے مرگیا تھا۔ اب تو اس کے علاوہ کچھ اور نہیں سوچا جاسکتا تھا کہ وہ دونوں اس ہنگامے میں کام آگئے یا پھر اپنے دُشمنوں کے ہتھے چڑھ گئے یا پولیس کی تحویل میں پہنچ گئے، اور میں کسی قیمت پر یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ انہیں تلاش کروں۔ بھلا مجھے کیا غرض تھی، خواہ مخواہ کی مصیبتیں پالنے کی......؟

ان لوگوں کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اینگل مجھے اس فارم ہاؤس کے بارے میں بتا رہا تھا جس میں اس کے ڈیڈی نے بہت کچھ کیا تھا۔

"انکل جوزف......! میں نے فارم ہاؤس میں ایک چڑیا گھر بنایا ہے جس میں ہزاروں طرح طرح کے پرندے موجود ہیں۔ بونگی کو میں نے بڑا ٹرینڈ کیا ہے۔ بونگی چمپینزی ہے اور ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ آپ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جائیں گے۔ میں نے ایک شتر مرغ بھی پالا ہوا ہے جو بے حد سمجھدار ہے۔ آپ ہماری اس دُنیا کو دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔"

اینگل کی ان باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا وہ فارم ہاؤس کیسا ہوگا......؟ اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی تھی کہ اس منحوس زندگی سے وقتی نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے میلوک ضرور جانا چاہئے۔ چنانچہ میں نے اینگل سے سوال کیا۔

"آج شام جارہے ہو تم لوگ......؟"

"ہاں انکل جوزف......! ہمارا ڈرائیور موجود ہے، اور ہمارے پاس ایک خوب صورت گاڑی ہے جس میں جدید ترین چیزیں لگی ہوئی ہیں۔ انکل......! اگر آپ سیاح ہیں تو کیا آپ کا قیام کسی ہوٹل میں

ہے......؟"

"ہاں......!"

"تو پھر ٹھیک ہے......! ساڑھے چار بجے ہم لوگ پیرس سے نکل چلیں گے۔ اس سے پہلے آپ اپنا سامان اپنے ہوٹل سے لے لیجئے گا۔"

بقیہ وقت میں نے ان لوگوں کے ساتھ گزارا تھا۔ ٹھیک ساڑھے چار بجے ایک دُبلے پتلے بدن کا بے وقوف سی صورت والا شخص ڈرائیور کے لباس میں وہاں پہنچ گیا اور اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا وہ واپسی کے لئے تیار ہیں......؟

اس دوران یوجن مجھ سے کافی بے تکلف ہوگئی تھی۔ اس کی معصوم گفتگو اس پُرفریب دور سے بہت دُور لے جاتی تھی۔ اتنی عمر کی کسی پُرکشش لڑکی سے اس گفتگو کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس کے کسی جملے میں فریب نہیں تھا۔ نہ ہی یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر اپنی عمر کے مطابق ہے۔ جبکہ جسمانی طور پر وہ بہت پُرکشش تھی اور اسے دیکھ کر نیلس کی خاندانی کاک ٹیل یاد آجاتی تھی۔

میں ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا، اور پھر میں نے ہوٹل سے اپنا مختصر سا سامان بھی لے لیا۔

قیمتی الفارومیو کسی راج ہنس کی طرح چکنی اور شفاف سڑک پر پرواز کرنے لگی۔ باہر کے مناظر بے حد حسین تھے۔ راستے میں یوجن اور اینگل مجھ سے باتیں کرتے جارہے تھے۔ ڈرائیور بہت ہی مشاق تھا اور پھر سڑک بھی بے نظیر تھی۔ منظر پر نگاہ جمانا ممکن نہیں ہورہا تھا۔ رفتار دیکھ کر چکر سے آتے تھے۔ لیکن اینگل بہت خوش تھا تیز رفتاری سے۔ تاہم چالیس منٹ کا سفر اسی رفتار سے طے کرتے ہوئے دماغ چکرا گیا تھا۔

سڑک سیدھی چلی گئی تھی۔ لیکن میلوک سے تقریباً آٹھ کلومیٹر پہلے الفارومیو اچانک نشیب میں اُتر گئی۔ میں تو چونک پڑا تھا۔ کیونکہ ڈرائیور نے جس رفتار سے گاڑی نیچے اُتاری تھی، اس سے خطرہ تھا کہ ڈھلان میں اُترتے ہی وہ لڑھک جائے گی، لیکن یہاں سے بھی ذیلی سڑک غالباً اس فارم ہاؤس تک پہنچائی گئی تھی جو اتنی ہی شفاف تھی اور ڈرائیور اس پر ڈرائیونگ کرنے کا ماہر تھا۔

میں نے اس علاقے کو غور سے دیکھا۔ تاحدِ نگاہ سرسبز اور برف پوش پہاڑ نظر آرہے تھے اور ان کے درمیان ڈھلانوں پر درختوں کی بہتات تھی۔ یہ علاقہ جنت نظیر تھا، اور بلاشبہ اینگل اور یوجن نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، وہ غلط نہیں تھا۔ پھر بہت فاصلے پر میں نے اس فارم ہاؤس کو دیکھ لیا جس کے گرد سفید احاطہ بنا ہوا تھا۔ دیواریں لکڑی سے بنائی گئی تھیں اور ان کے درمیان ایک چوڑا گیٹ تھا۔

فارم ہاؤس کی عمارت کے گیٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد کے مناظر بھی بے حد حسین تھے۔ جابجا پھولوں کے تختے بچھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان ترشی ہوئی گھاس موجود تھی۔ سامنے ہی ایک حسین طرز کی عمارت نظر آرہی تھی جو لکڑی ہی سے بنائی گئی تھی اور اس کے اوپر سرخ کھپریل بچھائے گئے تھے۔ سامنے ہی ایک

وسیع و عریض برآمدہ تھا جس میں پھولوں کی بیلیں لٹک رہی تھیں۔ بادلوں کی کجلاہٹوں میں یہ منظر قیامت خیز محسوس ہوتا تھا اور زمین پر انسان کی جنت تصور کیا جا سکتا تھا۔ وہ جنت جو انسانی ہاتھوں نے تشکیل دی ہو۔

عمارت کے برآمدے سے کچھ فاصلے پر الفارومیو روک دی گئی اور اس کے بعد اینگل اور یوجن نیچے اُتر آئے۔ اینگل نے میرا وزنی سامان اُٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن ڈرائیور نے یہ سامان اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ یوجن نے ہاتھ فضاء میں پھیلائے اور پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔

''مسٹر جوزف......! آیئے، میں آپ کا تعارف اپنی خالہ سے کرا دوں۔''

میں نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو پکڑ لیا اور یوجن برآمدے کی سیڑھیاں طے کرنے لگی۔ اینگل نے کہا۔

''مسٹر......! آپ جوزف کو ممی کے پاس لے جائیں۔ میں ان کا سامان کمرے میں پہنچائے دیتا ہوں۔''

''او کے او کے......! تم فکر مت کرو۔''

یوجن نے کہا۔ برآمدے کی سیڑھیاں عبور کر کے ہم اندرونی حصے میں داخل ہو گئے، اور پھر ایک چوڑی راہ داری سے گزرنے کے بعد یوجن نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر مجھے اندر داخل ہونے کی ہدایت کی۔ اندر سے ہلکی موسیقی کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ میں نے اندر قدم رکھا۔ بہت بڑا گول ہال تھا، جس کے آخری سرے پر ایک چوڑی میز پڑی ہوئی تھی اور اس چوڑی میز کے پیچھے کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ ہال میں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی جو باہر کی روشنی کی نسبت بہت کم تھی۔

چنانچہ ایک لمحے کے لئے میری آنکھوں کے سامنے کچھ جھائیاں سی اُبھریں۔ پھر میں نے اس شخص کو دیکھا اور چونک پڑا۔ اس کے بدن پر گہرے نیلے رنگ کا سوٹ تھا، چہرہ بالکل دُبلا پتلا، گال اندر کو دھنسے ہوئے، ٹھوڑی چوڑی اور گالوں کی ہڈیاں اُبھی ہوئی جن کے درمیان چھوٹی چھوٹی آنکھیں بہت عجیب سی لگ رہی تھیں۔

حیرت ناک چیز و چھوٹی سی مشین تھی، جو اس کے سامنے میز پر نصب تھی اور اس کی نال میری طرف اُٹھی ہوئی تھی۔

دوسرے ہی لمحے میرے عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔ میں نے حیرت سے پلٹ کر دیکھا۔ یوجن کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔

''لیکن خالہ جان......؟''

تب ہی اس شخص کی بھاری آواز اُبھری جو اس کی شخصیت سے ہم آہنگ نہیں تھی۔

''یوجن......! کیا تم اس کے لباس کی تلاشی لے چکی ہو......؟''

''نہیں چیف......! لیکن کم از کم اس شخص کے پاس آتشیں اسلحہ نہیں ہو سکتا۔ میں اس کا اندازہ لگا چکی ہوں۔''

میں نے پلٹ کر حیرت سے ایک بار پھر یوجن کو دیکھا اور دفعتہً مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ اب یوجن کی آنکھوں میں وہ ویرانی نہیں تھی، بلکہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بخوبی دیکھ رہی ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر مجھے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

''چلو......! آگے بڑھو، خبردار......! حرکت کی تو وقت سے پہلے مارے جاؤ گے۔''

میرے حواس معطل ہو گئے تھے۔ کھوپڑی جیسے گردن سے چار فٹ اوپر بلند ہو گئی تھی۔ تیز ہواؤں کی آوازیں میری سماعت کو مجروح کر رہی تھیں۔ یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔ لیکن آنکھوں کے سامنے نظر آنے والی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ یوجن کے اشارے پر میں آگے بڑھا اور اس میز کے قریب پہنچ گیا۔

سب مشین گن کی نال میرے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی اور مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میری کوئی بھی لغزش مجھے اس جگہ موت کے گھاٹ اُتار سکتی ہے۔

میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میرے پیروں سے تو جیسے زمین ہی نکل گئی تھی۔ اتنا بڑا ذہنی جھٹکا لگا تھا کہ ناقابل بیان تھا۔ دماغ جھنجنا کر رہ گیا تھا اور سوچنے سمجھنے کی قوتیں طلب ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

میں بیٹھ گیا، تب اس شخص نے نرم اور پُرسکون لہجے میں کہا۔

''کیا نام ہے تمہارا......؟''

''احتشام......!''

''تعلق......؟''

''ایشیائی ہوں۔''

میں نے جواب دیا۔

''لیکن تمہارا چہرہ......؟''

''میں اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں......؟''

''میک اَپ......؟''

''نہیں......! بالکل نہیں......!''

''سنو......! میرا تم سے تعارف ضروری نہیں ہے۔ لیکن بس اتنا جان لو کہ میں کبھی اُلجھنوں میں گرفتار نہیں ہوتا۔ تمہارے بارے میں مجھے کچھ معلومات درکار ہیں۔ سچ بولو، اگر جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو اس مشین گن کا ایک ہی برسٹ جسم کے اتنے چیتھڑے اُڑا دے گا کہ اس کے بعد مزید ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ تم نے اپنا جو بھی نام بتایا ہے، میں اسے صحیح طور پر ادا نہیں کرسکتا۔ مجھے صرف اس مائیکرو فلم کے بارے میں بتاؤ، جو تم نے شون لائل سے حاصل کی ہے۔''

''کک...... کیا مطلب......؟ کیا بکواس ہے......؟ کون سی مائیکرو فلم......؟ اگر تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو تو کیا تمہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ کسی بے گناہ شخص کو گرفتار کرکے اس کے ساتھ یہ سلوک کرو......؟ پہلے تحقیق کرو کہ جس شخص کو تم نے پکڑا ہے، وہ کون ہے......؟ کیا ہے......؟ اور جو کچھ تم سمجھ رہے ہو، وہ تمہاری غلط فہمی تو نہیں ہے......؟

میرے پاس کوئی آتشیں ہتھیار نہیں ہے، بلکہ ہتھیار نام کی کوئی چیز سرے سے ہے ہی نہیں۔ کیونکہ

میں ایک امن پسند آدمی ہوں، صرف ایک سیاح، جو مختلف ممالک کی سیاحت کرتا ہوا فرانس پہنچا ہے۔ اس لڑکی سے پوچھ سکتے ہو کہ میں نے صرف انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت اس لڑکی کی زندگی بچائی ہے، اور اس کے بعد میرے ساتھ یہ سلوک......؟

اگر میں کسی فلم وغیرہ کے بارے میں جانتا ہوتا تو یقیناً تمہیں بتا دیا۔ میرا تعلق کسی فلم سے نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کبھی کوئی غلط کام کیا ہے۔ اس کے باوجود اگر تمہیں میری زندگی ہی لینی ہے تو میں مجبور ہوں، صرف ایک درخواست کرتا ہوں تم سے کہ ذرا تحقیقات کرلو کہ تم نے صحیح آدمی کو پکڑا ہے یا اصل آدمی کہیں اور روپوش ہے......؟ ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں میری موت کا افسوس ہو۔''

یہ الفاظ میں نے انتہائی معصومیت سے ادا کئے تھے۔ اس میں خوف کا عنصر بھی موجود تھا جو سو فیصد حقیقی تھا، اور جان بچانے کی کوششوں کا تصور بھی، شاید میرے انداز نے اس شخص پر اثر کیا۔ اس کو بھنویں سوچنے کے انداز میں اوپر اُٹھیں اور اس نے سوالیہ نگاہوں سے یوجن کو دیکھا۔

''نہیں چیف......! جس شخص کی نشان دہی کی گئی تھی، وہ سو فیصد یہی ہے۔ اسے اس فائیو سٹار ہوٹل میں بھی دیکھا گیا ہے اور پھر اس نے ہوٹل تبدیل کرلیا تھا۔ ہم لوگ مسلسل اس کی نگرانی کر رہے تھے، اور آپ جانتے ہیں کہ ایگل کبھی دھوکہ نہیں کھاتا۔''

ایک لمحے کے لئے میری آنکھیں بند ہوگئی تھیں۔ ایگل، وہ معصوم سا لڑکا جسے میں نے دریائے سین میں ڈوبنے سے بچایا تھا، اتنی چھوٹی سی عمر اور اتنی بڑی مجرمانہ کاروائی میں مصروف، یہ ایک ایسی ناقابل یقین حقیقت تھی جس پر شاید مرتے وقت تک یقین نہ آئے۔ تاہم جو کچھ تھا، نگاہوں کے سامنے تھا۔ دُبلے پتلے چہرے والے شخص نے مجھ سے پوچھا۔

''کیا یہ حقیقت ہے کہ تم کسی فائیو سٹار ہوٹل میں مقیم تھے اور اس کے بعد......؟''

''ہاں......! یہ حقیقت ہے۔ فرانس کے اس خوب صورت ہوٹل میں کچھ وقت گزارنے کی شدید آرزو میرے دل میں تھی، لیکن اس سے زیادہ نہیں جتنا وقت میں نے گزار لیا تھا۔ کیونکہ میرا بجٹ اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ اس شاطر لڑکی سے پوچھ لو کہ میں نے کسی کو دھوکہ نہیں دیا اور ایک کم قیمت والے ہوٹل میں منتقل ہوگیا۔ پتا نہیں ان بے وقوفوں کو مجھ پر شبہ کیسے ہوگیا......؟ اور یہ میری جان کے پیچھے کیوں پڑ گئے......؟''

دُبلے پتلے چہرے والے شخص نے اُلجھی ہوئی نگاہوں سے یوجن کو دیکھا اور یوجن کہنے لگی۔

''چیف......! شون لائل کی رہائش گاہ پر موجود شخص کے بارے میں جو حلیہ پتا چلا تھا، وہ مکمل طور پر اس شخص سے ملتا ہے۔ باقی معاملات میری سمجھ سے باہر ہیں۔''

''ہوں......! تاہم میں اس شخص کی اس درخواست پر غور کروں گا کہ اگر یہ اصل شخص نہیں ہے تو پھر کون ہے......؟''

''ہاں ہاں......! مسٹر......! اگر یہ ثابت ہو جائے کہ میں ہی آپ کا مجرم ہوں تو آپ میرے جسم کو اتنے ٹکڑوں میں تقسیم کریں کہ کوئی انہیں گننے کی ہمت نہ کر سکے۔''

''ہوں......! آؤ میرے ساتھ، باہر آؤ......!''

یہ کہہ کر وہ کرسی سے اُٹھ گیا اور میں لرزتے قدموں سے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ یوجن باہر نکلنے کے بعد ایک سمت مُڑ گئی تھی۔ وہ شخص آہستہ آہستہ چلتا ہوا راہ داری کے کسی دوسرے حصے میں مُڑ گیا۔ یہاں چڑیوں کا پنجرہ لٹکا ہوا تھا۔ اس نے ایک مارکر میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اسے پکڑو......!''

اس کے بعد پنجرے سے ایک چڑیا نکال لی اور اس کے پَر پھیلاتا ہوا بولا۔

''اس پر اپنے دستخط کرو......!''

''مم...... میں...... میں سمجھا نہیں......!''

''ان پَروں پر اپنے دستخط کرو۔''

اس نے کہا اور میں نے اس کی اس عجیب و غریب خواہش پر عمل کیا۔ تب اس نے وہیں کھڑے کھڑے کسی کو آواز دی اور ایک پستہ قامت شخص ہاتھ میں رائفل پکڑے وہاں پہنچ گیا۔

''اس چڑیا کا رنگ نوٹ کر لو۔ پرواز کے دس منٹ بعد اسے ہلاک کرنا ہے۔''

اس نے ہاتھ میں دبی ہوئی چڑیا اس شخص کے سامنے کر دی اور اس نے چڑیا کو بغور دیکھا، پھر گردن ہلا دی۔ دُبلے پتلے چہرے والے شخص نے چڑیا کو فضاء میں اُڑا دیا اور وہ برق رفتاری سے نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ یہ احمقانہ کوشش میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تب اس شخص نے کہا۔

''آؤ......! میں تمہیں تمہاری رہائش گاہ دکھا دوں۔''

وہ مجھے ساتھ لئے چل پڑا۔ فارم ہاؤس کی عمارت کے عقبی حصے میں چھوٹے چھوٹے کیبن بنے ہوئے تھے جو ایک کمرے اور باتھ روم پر مشتمل تھے۔ سامنے ہی چھوٹا سا برآمدہ بھی تھا۔ کیبنوں کی تعداد چار تھی، اور یہ فارم ہاؤس کے سامنے کے رُخ سے نظر نہیں آتے تھے۔ اس نے ایک کیبن مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہاری عارضی رہائش گاہ ہے جہاں تم اس وقت تک رہو گے جب تک کہ تمہارے بارے میں تصدیق نہ ہو جائے۔ ویسے اگر تم اپنی شخصیت کو چھپا رہے ہو تو یہ بات میرے لئے تعجب خیز ہے۔ کیونکہ جن لوگوں نے تمہارے بارے میں تحقیقات کی ہیں، وہ معمولی لوگ نہیں ہیں۔ اس بات کو ذہن نشین کر لینا کہ اگر تمہارا بیان جھوٹا ہوا تو تمہاری نسلوں کا نام و نشان بھی نہیں ملے گا۔''

''ٹھیک ہے جناب......! لیکن ایک درخواست آپ سے بھی ہے۔ اگر میں بے قصور نکلوں تو میرے خون سے ہاتھ رنگنے کی کوشش نہ کریں۔''

دُبلے پتلے آدمی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے میری بات کا کوئی بھی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ مجھے اس فارم ہاؤس کے اطراف کے بارے میں بتانے لگا اور میں نے اس سے میلوک کے بارے میں پوچھا۔ تب اس کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

''پورے پیرس میں میلوک نامی کوئی قصبہ نہیں ہے۔ یہ فارم ہاؤس ایک لگ تھلگ جگہ پر واقع ہے۔ میلوک کے بارے میں اگر تم چھان بین کرتے تو شاید پیرس میں کوئی بھی شخص تمہیں اس کی نشان دہی نہیں کر سکتا تھا۔''

میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور دل ہی دل میں اپنے آپ کو وہ تمام گالیاں دے ڈالیں جو مجھے یاد آ سکتی تھیں۔ وہ شخص مجھے فارم ہاؤس کے اطراف کے بارے میں بتاتا رہا۔

پندرہ منٹ گزر گئے۔ سولہویں منٹ پر وہی پستہ قامت شخص آتا ہوا نظر آیا اور چند لمحات کے بعد وہ قریب پہنچ گیا۔ وہی چڑیا اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی، لیکن اب اس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا، اور اس کے دماغ کے چیتھڑے اُڑ گئے تھے۔ اس نے مردہ چڑیا دُبلے پتلے آدمی کے ہاتھ میں تھما دی اور دُبلے پتلے شخص نے اس کے پَر پھیلائے، میرے دستخط خون آلود نہیں ہوئے تھے۔ وہ سفاک لہجے میں بولا۔

''بتانا یہ مقصود تھا کہ اس علاقے سے آسمان پر پرواز کرنے والی ایک ننھی سی چڑیا بھی باہر نہیں نکل سکتی، تم پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ لیکن فرار کی کوشش کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔''

وہ برق رفتاری سے مُڑا اور واپس چلا گیا۔ میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔ یہ شعبدہ واقعی بے حد خطرناک تھا۔ ایک ننھی سی چڑیا جسے میری نگاہوں کے سامنے آسمان کی وسعتوں میں چھوڑ دیا گیا تھا، ان لوگوں کی نگاہوں سے نہیں بچ سکی تھی۔ اس کے بعد اس شخص کا یہ دعویٰ کہ یہاں سے کوئی پرندہ بھی باہر نہیں نکل سکتا۔ اس محاورے کی تصدیق ہو گئی تھی۔ میں دیر تک کھڑا ویران نگاہوں سے سامنے پھیلی ہوئی پہاڑیوں کو دیکھتا رہا اور پھر اس کیبن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا جو اس نے میری رہائش گاہ کے لئے مخصوص کیا تھا۔ اگر نارمل حالات ہوتے تو یہ رہائش گاہ اور ماحول میرے لئے بے حد سکون بخش ہوتا۔ لیکن حالات نارمل ہو ہی کیسے سکتے تھے......؟

میری تقدیر بھلا مجھے چین لینے دے سکتی تھی۔ وہ کم بخت اندھی لڑکی جس کے منہ سے دودھ کی بُو آتی تھی اور جس کی معصوم باتوں کو سن کر میں نے سوچا تھا کہ وہ اپنی عمر سے بہت پیچھے ہے، درحقیقت اپنی عمر سے کہیں آگے نکلی تھی۔ اس نے نہایت کامیابی سے مجھے گدھا بنا دیا تھا اور تو اور وہ لڑکا جس کی عمر ابھی کچھ نہیں تھی۔

میں نے کیبن کی ایک کھڑکی کے پاس بیٹھ کر ایک گہری سانس لی۔ ایگل نے درحقیقت چالاکی سے اپنے آپ کو دریائے سین میں گرا دیا تھا اور فطری طور پر مجھے اس کی مدد کرنا چاہئے تھی۔ کتنی آسانی سے ان دونوں نے مجھے پھانس لیا اور مجھ احمق کو دیکھو کہ آدھی زندگی ان خطرناک حالات میں گزارنے کے باوجود عقل سے کام نہ لیا، اور دو معصوم بچوں کے ساتھ ان کے گھر چلا آیا۔ اس سے زیادہ حماقت کسی نے نہیں کی ہوگی۔ تاہم اب یہ سوچنا

تھا کہ آگے کیا ہوگا......؟ اگر کسی نے ان کی رہنمائی مجھ تک کی تو بلاوجہ نہیں کی ہوگی۔

خیالات کی اسی اُدھیڑ بن میں دن گزر گیا، اور آسمان کی وُسعتوں پر تاریکیوں کا راج ہوگیا۔ ملازموں نے مجھے کھانے پینے کی اشیاء فراہم کردی تھیں۔ رات کو تقریباً ساڑھے تین بجے تک نیند نہیں آئی تھی۔ دو تین بار کیبن سے باہر نکلا اور اس چڑیا کا حشر یاد آگیا جو پندرہ منٹ کے بعد شکار ہوکر واپس آگئی تھی۔ چنانچہ بھاگنے کا تصور ہی بے حد خطرناک تھا۔

دوسری صبح ناشتہ کرنے کے بعد میں کیبن سے نکل آیا۔ آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں اس دوسرے کیبن کا خیال آیا جو میرے کیبن کے قریب تھا۔

''کیا اس کیبن مین کوئی اور رہتا ہے......؟''

میں نے سوچا اور کیبن کی جانب چل پڑا۔ دروازے سے باہر کھڑے ہوکر میں نے آواز لگائی۔

''اندر کوئی ہے......؟''

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے ایک بار پھر یہ الفاظ دُہرائے اور دفعتہً ہی مجھے دھب دھب کی آوازیں سنائی دیں۔ میں ان آوازوں پر غور کرنے لگا اور پھر مجھے اندازہ ہوگیا کہ کوئی اندر اپنی موجودگی کا اعلان کر رہا ہے۔ ایک لمحے کے لئے میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اپنی موجودگی کے بارے میں بتانے کا یہ انداز ظاہر کرتا تھا کہ اندر جو کوئی بھی ہے، زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

دوسرے لمحے میں کیبن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ کیبن کے واحد کمرے میں ایک شخص آرام کرسی پر دراز تھا۔ برابر ہی میں مسہری بچھی ہوئی تھی۔ جو شخص آرام کرسی پر دراز تھا، اسے دیکھ کر میں ایک لمحے کے لئے پہچان بھی نہ سکا، لیکن جب کچھ اور قریب پہنچ کر میں نے اس کی حالت دیکھی تو میری آنکھیں دہشت سے بند ہوگئیں۔

کرسی پر دراز شخص کے دونوں ہونٹ کٹے ہوئے تھے اور دانت باہر جھانک رہے تھے۔ اس کے ہاتھوں کی تمام اُنگلیوں کی پورے اوپر سے کاٹ دی گئیں تھیں۔ یہی کیفیت پیروں کی اُنگلیوں کی بھی تھی اور ان پر کوئی مرہم پٹی بھی نہیں کی گئی تھی۔ ان کے آخری سروں پر خون جما ہوا تھا۔ چہرے، گردن اور بازوؤں پر جگہ جگہ سلاخ سے داغے جانے کے نشان موجود تھے۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مجھے دیکھ کر ان آنکھوں میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی اور پھر ایک آواز اُبھری۔

''ہے ہے......! ہارک......ہیی شلے......!''

میری سمجھ میں ایک لمحے کے لئے تو کچھ نہیں آیا تھا، لیکن پھر دفعتہً میرے ذہن میں مارک ایشلے کا نام گونجا، اور اب جو میں نے غور سے دیکھا تو میرا پورا بدن تھرا گیا۔ یہ مارک ایشلے تھا، اور مجھے اپنا نام بتا رہا تھا۔ میں تڑپ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

''ارے......! ارک ایشلے......! تم......تم اس حالت میں......؟''

''ہے......ہے......گرہتا......ہرلیا......گیا......ہولوگ......ہلم......ہلم......''

ہونٹوں کی غیر موجودگی اسے کئی الفاظ ادا نہیں کرنے دے رہی تھی، لیکن وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ میری سمجھ میں اچھی طرح آگیا تھا۔ میں نے ہمدردی سے اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

''تم کیسے گرفتار ہوگئے مارک ایشلے......؟ اور تمہارا یہ حال......؟ آہ......! میں سمجھ گیا۔ فلم کے حصول کے لئے تمہاری یہ حالت بنائی گئی ہوگی......؟''

''ہے......نہیں جانتا......ہوں سی فلم......؟''

مارک ایشلے نے کہا اور میری آنکھوں میں نمی سی آگئی۔ وہ بے چارہ تو کچھ نہیں جانتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اس نے معاوضے کے عوض میری مدد کی تھی۔

''اس کے ساتھ یہ سلوک......؟''

میرے بدن میں چنگاریاں سی دوڑنے لگیں اور میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مارک ایشلے......! تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، مجھے اس کا بے حد دُکھ ہے۔ لیکن مجھے اس کی اُمید نہیں تھی کہ ایسا ہوگا۔ آہ......! کاش میں تمہارے لئے کچھ کرسکتا۔''

میں نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔ مارک ایشلے نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ اس بے چارے کے لئے میں بھلا کیا کرسکتا تھا......؟ آنکھیں بند کرنے کے بعد وہ شاید بے ہوش ہوگیا تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ اس کی جو حالت ہوگئی تھی، اس کے تحت اب یہ سب کچھ بے کار تھا کہ میں اس سے تسلی کے کچھ الفاظ کہوں۔ لیکن اپنی بے بسی کے شدید احساس کے ساتھ ساتھ مارک ایشلے کی اس حالت سے خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔

''کیا کروں......؟ کیا کرنا چاہئے......؟ کیا یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں......؟ اگر مارک ایشلے ان کے قبضے میں آگیا ہے تو پھر ظاہر ہے، مجھے بھی شناخت کرلیا جائے گا، اور اس کے بعد ممکن ہے کہ میر حالت بھی مارک ایشلے جیسی ہو۔ نہیں......! میں ان لوگوں کی قید میں نہیں رہوں گا۔''

تھوڑی دیر کے بعد جب میں مارک ایشلے کے کیبن سے باہر نکلا تو بے حد عجیب الخلقت انسان نظر آئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے بازوؤں پر پَر لگائے ہوئے تھے اور دوسر چمپینزی بنا ہوا تھا۔ اس نے چہرہ سیاہ کیا ہوا تھا اور ایک مصنوعی دُم لٹکا رکھی تھی۔ ایگل ان کے پیچھے پیچھے قہقہے لگاتا ہوا آرہا تھا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر وہ رُک گیا اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''انکل......انکل جوزف......! آپ دیکھ رہے ہیں، میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرے پاس ایک چمپینزی بھی ہے اور شتر مرغ بھی، اس کے علاوہ بہترین چڑیاں بھی ہیں میرے پاس۔ انکل......! یہ جگہ آپ کو یقیناً پسند آئی ہوگی۔''

میں کینہ توز نگاہوں سے اس ننھے شیطان کو دیکھتا رہا۔ یہ کم بخت کیا چیز تھا......؟ اپنی عمر سے کہیں آگے کی باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ ہنستا ہوا ان دونوں کو دوڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور میں اپنے کیبن میں داخل ہو گیا تھا۔

دن کے تقریباً ساڑھے دس بجے دو افراد میرے کیبن میں پہنچے اور مجھے ساتھ لے کر فارم ہاؤس کی عمارت میں داخل ہو گئے۔ یہاں وہی دُبلا پتلا شخص موجود تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا اور بولا۔

''میں جلد بازی کا عادی نہیں ہوں۔ اس وقت تک تم سے کچھ نہیں کہوں گا، جب تک میرے وہ آدمی یہاں تک نہ پہنچ جائیں، جو تمہارے بارے میں مفصل معلومات مجھے فراہم کریں گے۔ لیکن مارک ایشلے سے جو تم نے گفتگو کی ہے، وہ میرے پاس ریکارڈ ہے۔ اگر تم مارک ایشلے کے شناسا ہو اور فلم کے بارے میں جانتے ہو تو پھر تمہارا یہ کہنا بے مقصد ہے کہ تم صرف ایک معصوم سیاح ہو۔

مائی ڈیئر......! اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ تم اس وقت تک ہم سے جان نہیں چھڑا سکتے، جب تک فلم کے بارے میں پوری تفصیل نہ بتا دو۔ میں نے تمہیں صرف اس لئے بتایا تھا کہ ابھی تمہارے پاس کچھ وقت ہے۔ میں تو تمہارے ساتھ کچھ رعایت کر بھی سکتا ہوں لیکن وہ جو یہاں پہنچنے والے ہیں، بے حد سفاک لوگ ہیں۔ مارک ایشلے کی یہ درگت انہی کے ہاتھوں ہوئی ہے، اور اگر وہ تم سے کچھ پوچھنے پر آمادہ ہو گئے تو ان کا انداز ذرا مختلف ہے۔ کیا سمجھے......؟

بہتر یہی ہے کہ مجھ ان کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع دو۔ ممکن ہے، انعام کے طور پر میں تمہیں کسی اذیت سے نہ گزرنے دوں۔ جاؤ اپنے کیبن میں جاؤ۔ ابھی شام دُور ہے۔ میں نے تمہیں سوچنے کا موقع دیا ہے، سوچ لینا، اور اگر مناسب سمجھو تو دوپہر کے کھانے کے بعد مجھے اس فلم کے بارے میں تفصیلات بتا دینا کہ وہ کہاں ہے......؟ بس اب جاؤ......!''

میں تذبذب کے عالم میں سوچتا رہ گیا کہ کیا میں اسے فلم کی حقیقت بتا دوں......؟ جو کچھ اس نے کہا تھا، وہ بے حد خوفناک تھا۔ وہ کون لوگ ہیں جو میری حقیقت معلوم کر کے آنے والے ہیں......؟ مجھے واپس کیبن میں بھیج دیا گیا۔ یہ وقت بہت کٹھن تھا۔ میں ایک آزاد قیدی تھا۔ میلوک کی کہانی بھی عجیب تھی۔ ایک ایسی بستی جس کا کوئی وجود نہیں تھا، کتنے نڈر ہیں یہ لوگ اور انہیں خود پر کتنا اعتماد ہے......؟

کیبن میں کچھ وقت گزارنے کے بعد میں پھر باہر نکل آیا۔ ذہن شدید اُلجھن کا شکار تھا۔ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا......؟ مارک ایشلے کے کمرے کی طرف جانے کی دوبارہ ہمت نہیں ہوئی۔ اس کی کیفیت دیکھ کر دل ڈوبنے لگتا تھا۔ میں سامنے کی سمت بڑھتے ہوئے کیبن سے کافی دُور نکل آیا۔

دفعتہً مجھے خیال آیا کہ یہاں سے فرار کے سلسلے میں کہیں انہوں نے مجھے نفسیاتی دباؤ میں نہ لیا ہو۔ وہ صاف شفاف سڑک مجھے یاد تھی۔ ان کی اجارہ داری تو نہیں تھی فرانس پر۔ اگر اس سڑک تک پہنچ جاؤں تو......؟

اس خیال کے تحت میں نے چاروں طرف دیکھا کہ فرار کے لئے کون سی سمت اختیار کی جا سکتی ہے......؟ اور پھر میری نگاہ ایک جانب اُٹھ گئی۔ سامنے سے کوئی گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا۔ میں اسے بغور دیکھنے لگا، اور پھر میرے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے۔ یہ یوجن تھی، یوجن نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتی ہوئی میرے نزدیک پہنچ گئی۔

''ہیلو مسٹر جوزف......!''

''ہیلو شیطان کی خالہ......!''

میں نے کہا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''غلط......! میری عمر اتنی تو نہیں ہے، تم مجھے شیطان کی نواسی کہہ سکتے ہو۔ ویسے تمہارا یہ غصہ غلط ہے۔''

''ایک بات کی پیشن گوئی کرتا ہوں، تم ایک نہ ایک دن اندھی ضرور ہو جاؤ گی۔''

''اوہ......! بس اتنی سی بات......! میں تو اس سے زیادہ کے لئے تیار ہوں۔ جو چیز جب تک ساتھ دے اپنی ہے، چھن جائے تو پرائی۔ ویسے میں نے اتنا برا سلوک تو نہیں کیا تمہارے ساتھ۔ آزادی سے گھوم پھر رہے ہو، اور کیا چاہئے......؟ باقی رہے ان کے اور تمہارے معاملات......؟ تو وہ تم جانو......!''

''اپنے بارے میں کچھ تو بتا دو مجھے......!''

میں نے ندیدی نگاہوں سے اس کے گھوڑے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آہ......! میں اندھی یوجن ہوں۔ کچھ عرصہ قبل لنگڑی تھی اور بیساکھیوں کے سہارے چلتی تھی۔''

''اطمینان رکھو، کوڑھی ہو کر مرو گی۔''

میں نے جلے بھنے لہجے میں کہا اور اس نے ایک کھنکدار قہقہہ لگایا۔

''دلچسپ آدمی ہو۔''

''کاش میں تمہارے ساتھ کاک ٹیل پی سکتا۔''

میں نے آہستہ سے کہا۔

''بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

وہ بولی۔

''اس ٹٹو سے نیچے اُترو تو سمجھاؤں۔ اس طرح بیٹھی ہوئی ہو اس پر جیسے کسی اعلیٰ نسل کے گھوڑے پر سواری کر رہی ہو۔''

میں نے طنزیہ کہا۔

''ٹٹو......! گھوڑوں کی شکل بھی دیکھی ہے کبھی......؟ یہ گولڈ رشیا ہے، خالص گولڈ رشیا، اور اس کی

قیمت ایک لاکھ ڈالر ہے۔"

"میں ایسے گھوڑوں کو ٹٹو سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔"

"اس کی پشت کو چھو لو تو میں یہ تمہیں انعام دے دوں گی۔"

"ارے بس جاؤ......! لڑکیوں کی بات بھی کبھی غور سے سنی جا سکتی ہے......؟"

میں نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔ وہ گھوڑے کی پشت سے نیچے اُتر آئی۔ اس نے اچانک ہی اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا تھا۔

"چلو اس گھوڑے پر سواری کرو۔"

اس کی غرائی ہوئی آواز اُبھری اور میں تمسخرانہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"بس......! چڑ گئیں......؟"

"میں کہتی ہوں، اس گھوڑے پر سواری کرو، ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

یوجن کی آواز میں سفاکی پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے پستول کے ٹرائیگر پر اُنگلی رکھ لی اور مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے، اس پر عمل بھی کر ڈالے گی۔ میں نے اپنی اسکیم کامیاب ہوتی محسوس کی تھی، لیکن اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اگر میں گھوڑے کی سواری میں کامیاب ہو جاتا اور اس کی پشت پر بیٹھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا تو وہ گولی بھی چلا سکتی تھی۔ چنانچہ میں ایک گہری سانس لے کر گھوڑے کی جانب متوجہ ہوگیا۔

ہر چند کہ مجھے گھڑ سواری میں کمال حاصل نہیں تھا۔ لیکن اس وقت کمال دکھانا تھا۔ چنانچہ میں اس کی لگام پکڑ کر آہستہ آہستہ چلانے لگا۔ یوجن پستول سنبھالے مجھے دیکھ رہی تھی۔ گھوڑے کو ٹہلاتا ہوا میں یوجن کے نزدیک پہنچا اور پھر نہایت پھرتی اور مہارت سے میں نے اس کی کلائی پر ہاتھ مارا اور ایک ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔

پستول ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا، لیکن میں تیار تھا۔ میں نے پستول کو زمین پر گرنے نہیں دیا تھا اور درمیان ہی میں لپک لیا تھا۔ پھر نہایت پھرتی سے میں نے چھلانگ لگائی اور گھوڑے کی پشت پر بیٹھ گیا۔ گھوڑا واقعی بے حد ٹیڑھا تھا۔ اسے سنبھالنے میں خاصی دِقت پیش آئی، لیکن میں جلد ہی اپنی کوشش میں کامیاب ہوگیا اور اس کے بعد میں نے اسے ایک سیدھ میں ڈال کر چھوڑ دیا۔ بس ایک نگاہ یوجن کی جانب دیکھا تھا جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی اور شاید صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

پھر ایک تیز سریلی چیخ میرے کانوں سے ٹکرائی۔ غالباً اسے موجودہ صورتِ حال کا اندازہ ہوگیا اور اس کے بعد خاموشی تھی۔ یہ ایک اندھی چال تھی جو میں نے کھیلی تھی اور اب صرف انتظار تھا تو اس بات کا، اب مجھے زندگی کی بادشاہت ملتی ہے یا موت کی، لیکن اس تصور کے ساتھ ہی مجھے ہنسی آجاتی تھی۔ ہر موقع پر یہی تو سوچا تھا لیکن آج بھی زندہ تھا، اور وہ جو میری زندگی کے درپے تھے، اپنی ناکامیوں سمیت قبر کی گہرائیوں میں جا سوئے تھے

یا پھر اپنا منہ پیٹ رہے تھے۔

گھوڑا اب پوری طرح قابو میں آگیا، اور میں گہری نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا لیکن ساتھ ہی یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ صحیح سمت ہے بھی یا نہیں۔ وہ ذیلی سڑک ابھی تک نظر نہیں آئی تھی۔ پھر دفعتہً ہی گولی چلنے کی تیز آواز سے پورا ماحول گونج اُٹھا۔ گولی ایک بلند چٹان سے ٹکرائی تھی۔ دھماکے کی صدائے بازگشت نے پہاڑیوں کے دامن میں طاری سکوت کو درہم برہم کر دیا تھا اور اب بے شمار پرندوں کی آوازیں فضاء میں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک فائر کے بعد خاموشی چھا گئی تھی۔

میں گھوڑے کی لگامیں پکڑ کر کھڑا ہوگیا اور چاروں سمت دیکھنے لگا۔ لیکن آس پاس کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے گھوڑے کو چند قدم اور آگے بڑھایا تو ایک بار پھر فائر ہوا اور اس بار گھوڑے کی ٹانگوں کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ گھوڑا ہنہنا کر الف ہوگیا اور میں اس کی پشت پر جما نہ رہ سکا، نیچے گرا تو گھوڑے نے دولتیاں جھاڑتے ہوئے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ اب میں ان لوگوں کو دیکھ چکا تھا جن کے جسموں پر شکاریوں جیسے چست لباس تھے اور ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ دوسرے ہی لمحے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اچھا ہی کیا، کیونکہ تیسرا فائر عین اسی جگہ ہوا تھا جہاں میں چند لمحات قبل موجود تھا۔

میں سنبھلا اور ایک سمت اختیار کر کے پوری قوت سے دوڑ پڑا۔ میں نے اپنے پیچھے دو آدمیوں کو دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ سامنے سے ہی ایک بلند چٹان نظر آرہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس چٹان کے عقب میں پہنچ جاؤں تو ان لوگوں کی گولیوں سے محفوظ رہ سکتا ہوں۔ میں کسی خطرے کی پرواہ کئے بغیر چھوٹے چھوٹے پتھروں کو پھلانگتا ہوا چٹان کی جانب دوڑنے لگا۔

اور مجھے احساس ہوا کہ میرا تعاقب کرنے والے بھی بڑی بے جگری سے میرے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ ان لوگوں کو روکنے کی کوشش کروں، ممکن ہے انہیں یہ اندازہ نہ ہو کہ میرے پاس بھی ہتھیار تھا، باقاعدہ نشانہ تو نہیں لے سکتا تھا، لیکن پلٹ کر فائر کر دیا، اور اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ دوڑنے والوں میں سے ایک چیخ سنائی دی تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری بھی شامت آگئی۔ رُخ تبدیل کیا ہی تھا کہ ایک پتھر سے اس بری طرح ٹکرایا کہ پیشانی پھٹ گئی اور چکرا سا گیا۔ لیکن اس وقت تکلیف کو محسوس کرنا ممکن نہیں تھا۔

چنانچہ میں پھر دوڑنے لگا۔ چٹان کے دوسری جانب پہنچنے کے بعد میں نے رُکنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور پھر میں کافی دُور تک دوڑتا رہا۔ میرا داہنا رُخسار خون سے تر ہوگیا تھا اور ہوا لگنے کی وجہ سے زخم میں کافی تکلیف ہو رہی تھی۔ لیکن اس وقت ان ساری باتوں کو محسوس کرنا حماقت کی بات تھی۔ میرے ذہن میں مسلسل وہ چڑیا اُڑ رہی تھی جس کے پروں پر میں نے اپنے دستخط کئے تھے۔

کافی دیر تک میں دوڑتا رہا۔ اب تو یہ اندازہ بھی نہیں ہو رہا تھا کہ کتنا سفر طے کر چکا ہوں اور کس سمت

میں ہوں نہ جانے کتنی دُور نکل آیا، اور پھر لکڑی کی ایک اور عمارت نظر آئی۔ میں ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔ یہ عمارت دُشمنوں کی بھی ہوسکتی ہے یا پھر ممکن ہے خالی پڑی ہو۔ نہ جانے کیا سوچ کر میں عمارت کے عقبی حصے سے اندر داخل ہوگیا۔ لکڑی کے بڑے بڑے شہتیروں سے وہ عمارت بنائی گئی تھی۔

اندر داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ تھا۔ راستے میں ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا جس میں مرغیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ ان آوازوں کو محسوس کرنے کے بعد یہ اندازہ ہوگیا کہ یہ عمارت خالی نہیں ہے۔ میں آہستہ آہستہ کمرے کے نزدیک پہنچا۔ دروازہ بند نہیں تھا اور اس کے دوسری جانب ایک بہت بڑا کمرہ تھا، لیکن یہاں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ نیم تاریک ماحول میں، میں نے اس کمرے کا جائزہ لیا اور اسی وقت ایک خوف زدہ سی آواز اُبھری۔

''مم...... میرا کوئی قصور نہیں، یقین کرو میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یقین کرو میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

اچانک ہی اس آواز کو سن کر میں بری طرح اُچھل پڑا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس ماحول کا جائزہ لیا، تب میں نے ایک سمت پڑی ہوئی اس لڑکی کو دیکھا جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔

میں پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ لڑکی کی آنکھیں شاید تاریکی کی عادی تھیں، اور وہ مجھے بخوبی دیکھ رہی تھی۔ پھر جب میں بھی کچھ دیکھنے کے قابل ہوا تو سر کو جھٹکتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول سے خوف زدہ تھی، اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بھلا مجھے اس کے بارے میں کیا معلوم ہوسکتا ہے......؟ میں تو...... میں تو......''

''تم یہاں کیا کر رہی ہو......؟''

میں نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

''دیکھتے نہیں ہو بندھی پڑی ہوں۔ بھلا اگر کوئی اس طرف آتا تو میں اسے کیا نقصان پہنچا سکتی تھی......؟ تم خود سوچو، میرے پاپا بوڑھے آدمی ہیں اور ہم دونوں یہاں امن کی زندگی گزار رہے ہیں، مجھے کیا پڑی تھی کہ میں کسی کو نقصان پہنچاتی......؟ اور اگر آنے والا کوئی مظلوم شخصیت کا مالک ہوتا تو ہم تو اس کی مدد کرتے نہ کہ اسے کسی کے حوالے کر دیتے، تم خود ہی بتاؤ۔''

''ایک منٹ......! ایک منٹ......!''

میں نے کہا اور پستول ایک سمت رکھ کر میں نے لڑکی کے ہاتھ اور پاؤں کھول دیئے۔ بھدی سی شکل کی نوجوان لڑکی تھی۔ وہ اپنی کلائیوں کو مسلنے لگی۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار منجمد تھے۔ میں نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا اور بولا۔

''اس عمارت میں اور کون کون ہے......؟''

''اب تو کوئی بھی نہیں، پاپا کو بھی تم نے باندھ کر دوسرے کمرے میں ڈال دیا ہے، ورنہ وہ میرے

کمرے میں ضرور آتے۔ یہ تو بتاؤ، تم نے انہیں مار تو نہیں ڈالا......؟''

''اوہ......! وہ میں نہیں ہوں جو تم سمجھ رہی ہو۔ میں پہلی بار اس عمارت میں داخل ہوا ہوں۔''

''کک...... کیا......؟''

لڑکی اچانک اُچھل پڑی۔

''ہاں......! میں اپنے دُشمنوں سے بچتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔''

''تم...... تم مائیکل ہو، کیا تم مائیکل ہی ہو......؟''

لڑکی نے سوال کیا اور میں گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگا۔

''اگر تم مائیکل ہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے ساتھی تمہیں تلاش کرنے کی کوشش میں دوسرے لوگوں پر تشدد کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ تم اس طرف آئے ہو گے اور ہم نے تمہیں ان کے حوالے کر دیا۔''

''کن کے......؟''

''ولیم کے حوالے، ولیم ہی نام لیا تھا انہوں نے۔ اب ہم کیا جانیں کہ ولیم کون ہے......؟ اور وہ یہاں کیا کر رہا ہے......؟ یا اسے کسی مائیکل کی تلاش کیوں ہے......؟ ہم جیسے لوگ تو صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ بائیس بھیڑیں اور ایک سو چوبیس مرغیاں ہیں ہمارے پاس، اور یہ چھوٹی سی جگہ جہاں ہم ترکاریوں کی کاشت کرتے ہیں، پپا ہفتے کے ایک دن یہ ترکاریاں لے کر شہر جاتے ہیں اور ساتھ ہی مرغیوں کے انڈے بھی، یا پھر بھیڑ کے دودھ سے بنا ہوا پنیر اور اس کے عوض وہ مختلف چیزیں خرید لاتے ہیں۔ دیکھو مسٹر مائیکل......! اب اگر تمہارے ساتھی آئیں تو تم انہیں اس بات کا یقین دلا دو کہ ہم نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔''

میں چکراتے ہوئے سر کے ساتھ لڑکی کی بکواس سن رہا تھا۔ ایک لفظ نہیں تھا جو سمجھ آ رہا ہو۔ اس نے مجھے مائیکل سمجھ لیا تھا۔ بہرطور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مائیکل ہوں تو تھوڑی دیر کے لئے مائیکل ہی سہی، لیکن اب کیا کروں......؟ میرے دُشمن میرا پیچھا کر رہے تھے اور ہوسکتا ہے وہ اس مکان تک بھی آ پہنچیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے لڑکی سے کہا۔

''سنو لڑکی......! اگر تم بے قصور ہو تو میری مدد کرو۔ اس کے نتیجے میں تمہیں بہت کچھ ملے گا، اطمینان رکھو۔''

''میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں......؟''

''کچھ نہیں......! میرے جو ساتھی یہاں آئے تھے اور انہوں نے جو کچھ تم سے میرے بارے میں پوچھا تھا، وہ یقیناً دوبارہ اس طرف واپس آئیں گے، لیکن اس وقت میرے دُشمن میرے تعاقب میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تھوڑی دیر میں یہاں آئیں، تمہیں میری مدد کرنی چاہئے۔ تمہارے پپا کون سے

کمرے میں ہیں......؟ جاؤ انہیں کھول دو اور پھر تمام صورتِ حال سے آگاہ کردو، میں یہیں موجود ہوں۔“

لڑکی چند لمحات غیر یقینی سے مجھے دیکھتی رہی اور اس کے بعد پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ خطرات تو ایک ایک لمحہ موجود تھے۔ میں ہر خطرے سے نمٹنے کو تیار تھا۔ اب جو بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد لڑکی ایک مدقوق سے بوڑھے کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ بوڑھا پتلون پر واسکٹ پہنے ہوئے تھا، اس نے اندر آتے ہی پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

”یہ غنڈہ گردی، یہ بدمعاشی ان علاقوں میں نہیں چل سکتی۔ تم کوئی بھی ہو، یہاں سے چلے جاؤ۔ نہ ہم تمہارے دُشمنوں کے خلاف تمہاری کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ براہِ کرم ہماری اس پرسکون رہائش گاہ کو چھوڑ دو، جاؤ چلے جاؤ یہاں سے۔“

”اور پپا......! ابھی اس کے ساتھی واپس آئیں گے اور اگر......“

”تو پھر ہم کس مصیبت میں پھنس گئے اور کس حساب میں......؟“

”دیکھو میں کہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے ورنہ کسی زمانے میں، میں بھی بہت برا آدمی رہ چکا ہوں۔“

مجھے ہنسی آگئی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

”محترم......! وہ زمانہ گزر گیا ہے۔ اب تو آپ مجھے بہت اچھے انسان نظر آتے ہیں اور کسی پریشان حال آدمی کی مدد کرنا ہر اچھے انسان کا فرض ہے۔“

”تم باتوں سے مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ چچ...... چچ......!“

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اچانک باہر کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں اور وہ سہم کر خاموش ہوگیا۔ لڑکی کی خوف زدہ نگاہیں بھی دروازے کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ پھر آہستہ سے دروازہ کھلا اور دو آدمی دبے پاؤں چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

تاریکی کی وجہ سے وہ ہم لوگوں کو نہیں دیکھ سکتے تھے، لیکن جیسے ہی وہ درمیان میں پہنچے، میں نے آگے بڑھ کر پستول کی نال ان میں سے ایک کی کنپٹی پر رکھ دی اور اس صورتِ حال سے وہ دم بخود رہ گیا۔ دوسرے نے جیسے ہی جنبش کرنے کی کوشش کی، میری بھرپور لات اس کے پیٹ پر پڑی اور وہ تڑپتا ہوا زمین پر آگیا۔ غالباً میرا پاؤں اس کے جسم کے کسی نازک حصے پر لگ گیا تھا۔ پھر اچانک ہی اس نے فائر کیا اور گولی لکڑی کی چھت کو چیرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

میں نے اس شخص کو جسے میں پستول کی زد میں لئے ہوئے تھا، پوری قوت سے دھکا دے کر اس شخص کے اوپر گرا دیا تاکہ اگر وہ دوسری گولی چلائے تو کم از کم میں بچ سکوں۔ لڑکی نے دہشت زدہ انداز میں چیختے ہوئے دروازے کی طرف چھلانگ لگانے کی کوشش کی تھی اور بوڑھا بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ وہ مجھے ان دونوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے تھے۔ نیچے گرے ہوئے آدمی نے نہ جانے کس طرح ہمت کر کے گولی چلائی تھی۔ لیکن دوسری

گولی چلانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ کیونکہ اس کے پیٹ پر پڑنے والی ضرب شدید تھی۔ دوسرا آدمی جو اس کے اوپر آگرا تھا، غیر مسلح نہیں تھا، لیکن میں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

پستول کے استعمال کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ دونوں ساکت ہوگئے۔ لیکن دعوے سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ میرا تعاقب کرنے والے ہی دو افراد ہیں۔ ممکن ہے، باہر کچھ اور بھی ہوں۔

”اب کیا کرنا چاہئے......؟“

دفعتہً باہر گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

”یا الٰہی......! اس دھائیں دھائیں سے چھٹکارا ابھی ملے گا یا نہیں......؟“

میں چکراتے ہوئے سر کے ساتھ سوچ رہا تھا۔ کافی دیر تک آوازیں گونجتی رہیں اور ایک بار پھر کمرے کے دروازے کی جانب آہٹیں بڑھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اب مجھ میں مقابلے کی سکت نہیں تھی۔ حالانکہ میرے ہاتھ میں موجود پستول میں چند گولیاں تھیں، لیکن کیا فائدہ......؟ ان لوگوں کا استعمال کرنے کے بعد ایک بار پھر میں نہتا ہو جاؤں گا۔

کمرے میں داخل ہونے والے چار افراد تھے۔ انہوں نے اس بوڑھے کو گریبان سے پکڑ رکھا تھا جو بے چارہ ناگہانی آفت کا شکار ہوا تھا۔ اس نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”ان آدمیوں میں سے ایک لاش اس کی بھی ہے۔ اُٹھاؤ اور ہم دونوں کو بھی گولی مار دو۔ میں کہتا ہوں تم لوگ اتنے درندے کیوں ہو......؟ اگر یہ پہلے میرے پاس پہنچا ہوتا اور مجھ سے مدد کی درخواست کرتا تو...... تو ویسے یہ تو اندازہ ہے، چلو اس سے پوچھ لو۔“

بوڑھے نے مجھے دیکھ لیا تھا۔

”روشنی کرو، روشنی کرو۔“

کسی نے چیخ کر کہا۔

”یہاں اتنی ہی روشنی ہوتی ہے میرے دوست......! اس سے زیادہ روشنی کرنا چاہتے ہو تو میرے اوپر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دو۔“

بوڑھا پوری طرح جھلایا ہوا تھا۔ ان لوگوں میں سے کوئی نہیں پڑا، اور پھر کسی نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔

”مائیکل......! تم خیریت سے تو ہو......؟“

”ہاں......! ٹھیک ہوں......!“

میں نے مرے مرے لہجے میں کہا۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میری پشتوں میں کوئی مائیکل نہیں تھا۔ لیکن اگر اپنا ہی جائزہ لے لیتا تو اندازہ ہو جاتا کہ خود میں ہی کچھ نہیں تھا۔ پھر بھلا اپنا شجرۂ نسب بتانے کی کوشش کیا

معنی رکھتی تھی......؟

وہ لوگ مجھے اس طرح سہارا دے کر باہر لائے جیسے میں شدید زخمی یا بوڑھا آدمی ہوں۔ لڑکی باہر کھڑی ہوئی تھی اور اسے ایک آدمی نے پستول سے کور کیا ہوا تھا۔ اندر موجود لوگ ان دونوں افراد کو دیکھ رہے تھے جو میرا شکار ہوئے تھے۔ پھر وہ ان دونوں کو گھسیٹ کر باہر لے آئے۔ دونوں بے ہوش تھے اور ان کے جسم پر چوٹوں کے نشانات نظر آ رہے تھے، جو میری ٹھوکروں کا نتیجہ تھے۔

''گڈ مائیکل......! اس کا مطلب ہے کہ تم بالکل پرفیکٹ ہو۔ آؤ چلو، ہمیں زیادہ وقت نہیں ضائع کرنا چاہئے۔''

''اے...... اے سنو......! ان دونوں کو بھی یہاں سے لے جاؤ، ورنہ تمہارے بعد یہ دونوں میرے لئے مصیبت بنیں گے۔''

بوڑھے نے بے ہوش آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا اور میرے ان احمق ساتھیوں میں سے ایک نے ہنس کر کہا۔

''بہتر یہ ہے کہ روشنی کرنے کا جو فارمولا تم اپنے اوپر آزمانے کا مشورہ دے رہے تھے، وہ تم ان دونوں پر آزما ڈالو۔ ابھی یہ بے ہوش ہیں۔ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

وہ ہنستے ہوئے باہر نکل آئے۔ میں بھی ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ اگر سمجھ میں آنے والی کوئی بات ہوتی تو میں سمجھنے کی کوشش بھی کرتا۔ لیکن میں بے بس آدمی تھا۔ جس نے جو بنا دیا، بن گیا۔ بھلا خود بھی کبھی کچھ کر سکا تھا......؟

چنانچہ ان کے ساتھ خاموشی سے آگے بڑھتا رہا۔ میں نے یہ تردید کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ میں مائیکل نہیں ہوں۔ اب اتنا تجربہ تو ہو ہی چکا تھا کہ اگر کسی کو سچ بتانے کی کوشش کی جائے تو اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں......؟ اگر یہ لوگ میری جان بچانے کے باعث بن رہے تھے تو اچھا ہے، یہاں سے نکلنے کا موقع تو ملے گا۔

وہ تیزی سے سفر کرتے ہوئے ایک درّے میں پہنچ گئے اور پھر اس درّے کا اختتام ایک بڑے اور تیز رفتار دریا کے کنارے ہوا تھا جس میں ایک چھوٹی سی لانچ جھول رہی تھی۔ لانچ پر دو آدمی نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے رسّے پھینکے اور میرے ساتھیوں نے ان رسّوں کو لپک کر لانچ کے کنارے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ لانچ کنارے سے آ لگی تو پہلے مجھے اس میں سوار کیا گیا اور پھر وہ لوگ خود بھی لانچ پر چڑھ آئے اور اس کے بعد رسّے واپس کھینچ لئے گئے۔ لانچ دریا کے بہاؤ پر بہنے لگی تھی۔ اس کا انجن اسٹارٹ کر لیا گیا تھا اور وہ برق رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔

اب لانچ پر کل آٹھ افراد تھے۔ پانچ وہ جو مجھے یہاں لے کر آئے تھے۔ لانچ میں آرام دہ جگہ پر

مجھے بٹھا دیا گیا۔ پستول میں نے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ ان لوگوں نے مجھ سے میرے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ لیکن میں یہ سوچ رہا تھا کہ جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ وہ اپنے آدمی کی بجائے کسی اور آدمی کو ساتھ لے جا رہے ہیں تو اس کے بعد ان کا سلوک میرے ساتھ کیا ہوگا......؟ لیکن اب میں اس قسم کے سلوکوں کا عادی ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے خاموشی ہی اختیار کی۔

لانچ دریا کے سینے پر بہتی رہی۔ پھر اس سفر کا اختتام ایک کھاڑی پر ہوا تھا۔ کھاڑی کے کنارے لانچ کو روکا گیا اور مجھے بازوؤں سے پکڑ کر نیچے اُتار دیا گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سیاہ رنگ کی لینڈ روور کھڑی تھی، جس کا سفر تقریباً دس منٹ جاری رہا اور دس منٹ کے بعد میں سمندر کے کنارے تھا، جہاں ایک اور سٹیمر موجود تھا۔ اس سٹیمر کے ذریعے ہمیں گہرے سمندر میں کھڑے ایک بحری جہاز تک پہنچا دیا گیا۔ یہاں بھی پرتپاک انداز میں میرا استقبال کیا گیا اور مجھے جہاز کے کیبن میں منتقل کر دیا گیا۔ کیبن تک لانے والوں نے مجھ سے کہا۔

''مسٹر مائیکل......! یقیناً یہ جگہ آپ کی تھکن دُور کر دے گی۔ کسی بھی ضرورت کے لئے آپ یہ بٹن دبا دیجئے گا۔ آپ کے خادم باہر موجود ہیں۔''

وہ لوگ یہ الفاظ کہہ کر باہر نکل گئے اور میں سوچنے لگا کہ جب ان کو حقیقت کا علم ہوتا تو وہ مجھ سے میری موت کے بارے میں سوال کریں گے کہ میں کس قسم کی موت پسند کرتا ہوں......؟ سمندر میں پھینک دیا جاؤں یا پھر ایک ہفتہ بھوکا رکھنے کے بعد مجھے راہی ملک عدم کیا جائے......؟

انہی سوچوں میں غرق میں کیبن میں پڑی ہوئی ایک مسہری پر دراز ہو گیا اور اپنی اس تقدیر کو کوسنے لگا جس نے انتہا کر دی تھی۔ سوچتے سوچتے نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ پھر میرے لئے بڑے اہتمام سے چائے لائی گئی۔ اپنے دوستوں کی اس کرم فرمائی کو میں نے بخوشی قبول کر لیا تھا۔ رات کو ایک دُبلا پتلا سمارٹ آدمی میرے پاس پہنچ گیا۔

''مسٹر مائیکل......! میرا خیال ہے آپ کی تھکن دُور ہو گئی ہوگی۔ باہر کا موسم بے حد خوشگوار ہے۔ اگر آپ عرشے پر چہل قدمی کرنا چاہیں تو......''

میں نے مسکرا کر اس کو دیکھا اور پھر اُٹھ کر اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ موسم واقعی بے حد خوب صورت تھا۔ وہ میرے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔

''چیف کو آپ کے بارے میں اطلاع دے دی گئی ہے۔ وہ شاید ایک دو گھنٹے میں پہنچنے والے ہیں۔ اس کے بعد ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ مائیکل......! یقیناً تمہارے پاس وہ سب کچھ محفوظ ہوگا، جس کے چیف خواہش مند تھے، کہیں ایسا تو نہیں کہ ان لوگوں نے......''

''تمہارا نام کیا ہے......؟''

میں نے پوچھا۔

"اوہ......! میرا نام میکس ہے۔ چیف کا منظورِ نظر ہوں۔"

"ڈیئر میکس......! اگر میں تم پر ایک انکشاف کروں تو میرے خیال میں یہ قبل از وقت ہوگا، لیکن میں ایک دیانت دار آدمی ہوں اور کسی کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ تم مجھے مائیکل سمجھ کر پکڑ لائے ہو، کیا تم میں سے کوئی مائیکل کی صورت سے واقف نہیں ہے......؟"

میں نے سوال کیا۔

"میں سمجھا نہیں......!"

میکس کی آنکھوں میں حیرت اُبھر آئی۔

"اگر تم نے اس سے پہلے مائیکل کو دیکھا ہے اور وہ میرا ہم شکل ہے تو براہِ کرم ذرا اور غور سے دیکھو۔ ممکن ہے تمہاری غلط فہمی دُور ہو جائے۔ کیا مائیکل واقعی میرا ہم شکل ہے......؟"

"کک......کیا کہہ رہے ہو مسٹر مائیکل......؟ ہم شکل سے تمہاری کیا مراد ہے......؟"

"آہ......! یہ بات اب میں کسی کو بتانا بھی نہیں چاہتا کہ میرا وجود دراصل اس دُنیا میں رہنے والے بے شمار افراد کا ہم شکل ہے۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم مائیکل نہیں ہو......؟"

"ہاں......! یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بکواس ہے......؟ اگر تم مذاق کر رہے ہو تو براہِ کرم ان حالات میں اس قسم کا مذاق مت کرو۔ خدانخواستہ اگر یہ بات حقیقت ہوئی تو جانتے ہو ہمارا کیا حشر ہوگا......؟"

"اگر ایسی بات ہے مائی ڈیئر میکس......! تو تم بھی براہِ کرم غور کر لو اچھی طرح کہ میں مائیکل نہیں ہوں۔ میں تو صرف ایک سیاح ہوں، جو بھٹکتا ہوا ان اطراف میں آنکلا تھا اور چند لوگوں نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ وہ مجھ سے کسی فلم کا مطالبہ کر رہے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کون سی فلم تھی......؟ میں نے ان سے بھی صاف صاف کہا کہ میرا تعلق کسی فلم سے نہیں ہے۔ لیکن وہ نہ مانے اور انہوں نے مجھ پر تشدد شروع کر دیا، جس کے نتیجے میں، میں وہاں سے بھاگ نکلا اور پھر میں نے اس گھر میں پناہ لی جہاں سے تم نے مجھے بازیاب کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈیئر میکس......! میں مائیکل نہیں صرف ایک سیاح ہوں۔"

میکس منہ پھاڑے میری باتیں سنتا رہا اور اس کے بعد اس نے کچھ کہے بغیر ایک سمت چھلانگ لگا دی۔ میں عرشے کی ریلنگ سے ٹیک لگائے آنے والے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ وہ مصیبت وقت سے پہلے میں نے اپنے قریب بلالی تھی جو کسی نہ کسی وقت آنی ہی تھی۔ پھر تقریباً چھ سات افراد دوڑتے ہوئے میرے نزدیک پہنچ گئے۔ ان میں میکس بھی تھا۔ وہ سب کے سب احمقوں کی طرح مجھے دیکھ رہے تھے۔ ایک بھاری بھرکم اور لمبے آدمی نے میرے سامنے پہنچ کر کہا۔

"اگر تم مائیکل نہیں ہو تو پھر کون ہو......؟ اور یہ بات سن لو کہ اگر یہ صرف مذاق ہے تو اس مذاق کے نتیجے میں تمہارے ساتھ جو کچھ ہوگا، اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

"میں ایک انسان کی حیثیت سے اپنے محسنوں کو غلط فہمی سے نکالنا چاہتا ہوں۔ محسن تمہیں میں جن معنوں میں کہہ رہا ہوں، اس کی حقیقت میں نے مسٹر میکس کو بتا دی ہے۔ باقی میرے ساتھ جو بھی سلوک تم کرنا چاہو، میں اس سے تمہیں روک نہیں سکتا۔"

وہ لوگ شاید کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ ان میں سے ایک نے آسمان کی جانب رُخ کر کے کہا۔

"شاید چیف آ گیا......!"

ان سب کی نگاہوں کے ساتھ ساتھ میری نظریں بھی دُور سے چمکتی ہوئی روشنیوں پر پڑیں اور مجھے چند ہی لمحات کے بعد اندازہ ہو گیا کہ ایک ہیلی کاپٹر اسی جہاز کی سمت آ رہا ہے۔ وہ سب اپنی جگہ سے منتشر ہو گئے۔ صرف میکس میرے ساتھ کھڑا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہیلی کاپٹر جہاز پر اُتر گیا اور اس میں سے ایک پستہ قامت شخص نیچے اُترا، جس کے سر پر مخصوص انداز کی ٹوپی اور ہونٹوں پر سگار دبا ہوا تھا۔ قد بمشکل ساڑھے چار فٹ رہا ہوگا اور بدن کا پھیلاؤ بھی اتنا ہی تھا۔ ہیلی کاپٹر کے دروازے سے وہ بڑا پھنس کر نکلا تھا۔

وہ تمام لوگ جو اس وقت جہاز پر موجود تھے، اس کے سامنے مؤدب ہو گئے تھے۔ میں نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"تو یہ ان لوگوں کا چیف ہے۔"

جو لوگ میرے پاس سے گئے تھے، وہ شاید فوری طور پر اسے میرے بارے میں بتانے لگے۔ چیف وہیں کھڑا رہا اور ہیلی کاپٹر فضاء میں بلند ہو کر ایک جانب بڑھتا چلا گیا۔ پھر چیف آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا عین اس جگہ آ گیا جہاں میں کھڑا ہوا تھا۔ روشنی بہت تیز نہیں تھی، لیکن پستہ قامت شخص میرے بالکل ہی قریب پہنچ گیا۔ اس نے میری قمیص کو سینے کے پاس سے پکڑا اور پوری قوت سے نیچے جھکا کر میرا چہرہ دیکھنے لگا، اور پھر اس نے اچانک میرا گریبان چھوڑ دیا۔ اس کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے، اور یہ اندازہ لگانے میں مجھے دِقت نہیں ہوئی کہ وہ چینی یا جاپانی نسل کا باشندہ ہے یا پھر کچھ ملا جلا سا۔ اس کے خدوخال اسی کا اظہار کرتے تھے۔ اس نے حیرت کے عالم میں کہا تھا۔

"اوہ نو......! یہ نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے، بے حد تعجب ہے۔ کیا واقعی تم ڈان پر سیلے ہو......؟"

اطراف میں کھڑے ہوئے لوگوں نے حیرت سے چیف کے یہ الفاظ سنے تھے۔ تب وہ ان لوگوں کی طرف رُخ کر کے دھاڑا۔

"یہ جو کچھ کہتا ہے، سچ کہتا ہے۔ جاؤ گدھے کے بچو......! مائیکل کو تلاش کرو۔ تم واقعی غلط آدمی کو پکڑ لائے ہو۔"

اور بے شمار افراد وہاں سے بھاگ گئے۔ چیف نے ایک اور شخص سے کہا۔

''ہیلی کاپٹر کو واپس بلا لو اور مائیکل کی تلاش کے لئے ہیلی کاپٹر بھی استعمال کیا جائے، اور تم...... تم جس طرح میرے سامنے آئے ہو ڈان پرسیلے......! میں اسے دُنیا کا سب سے حیرت انگیز واقعہ کہہ سکتا ہوں۔ کیا تم جہاز کے حادثے میں ہلاک نہیں ہوئے تھے......؟''

''نہیں......! میں کسی جہاز کے حادثے میں ہلاک نہیں ہوا۔ میں جو کچھ ہوں ڈیئر......! اس کے بدلے میں تمہارے ان ساتھیوں کو بتا رہا تھا۔ سمجھ لو، اچھی طرح غور کر لو، کہیں بعد میں تم بھی مجھے قصور وار نہ قرار دو۔''

''نہیں بگ مین......! تم بہت بڑے آدمی ہو۔ ہوکسا نے ہمیشہ تمہیں تسلیم کیا ہے۔ لیکن...... لیکن اگر تم ہوکسا سے تعاون کرتے تو یقین کرو......''

وہ خاموش ہو گیا۔ میرے ذہن میں بجلی سی کوند گئی تھی۔

''ہوکسا گروپ......؟ ہوسکا......؟''

کرک ڈگلس کے الفاظ میرے ذہن میں آ رہے تھے، اور اب اس بات پر کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ اس بار میں ہوکسا گروپ میں آ شامل ہوا ہوں۔ بڑی احتیاط اور بڑی محنت سے کام کرنا تھا۔ ایک لمحے میں بہت سے فیصلے کر لئے تھے میں نے، اور یہی چیز مجھے ہوکسا گروپ میں زندہ رکھ سکتی تھی۔ اگر ان لوگوں کو میری اصل حیثیت کی بھنک بھی مل گئی تو گولڈ ڈسٹ کے حوالے سے یہ لوگ کسی قیمت پر مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

اب مجھے زندگی بچانے کے لئے ضروری تھا کہ میں اپنے آپ کو ڈان پرسیلے ہی کہوں اور سمجھوں۔ پتا نہیں ہوکسا سے اس کے کیا تعلقات تھے......؟ ہوکسا نے جو الفاظ کہے تھے، ان سے مفاہمت کی بُو آتی تھی اور اس وقت ڈان پرسیلے بن کر زندگی بچائی جا سکتی تھی۔ بعد میں جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔

پستہ قدم آدمی مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے چل پڑا۔ شاید اس نے دوسرے آدمیوں کو بھی اشارے کئے تھے۔ کیونکہ وہ مسلح افراد میرے اور ہوکسا کے پیچھے چل رہے تھے۔ یہاں پر ہوکسا کا کیبن مخصوص تھا، اور اس کیبن کو چینی طرز پر آراستہ کیا گیا تھا۔ پستہ قامت شخص نے کیبن میں داخل ہو کر مسکراتے ہوئے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی میرے سامنے ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھوں میں آگ سی سلگتی محسوس ہوتی تھی اور اس کی آنکھیں اس مسکراہٹ سے ہم آہنگ نہیں تھیں۔

''مجھے کبھی گمان بھی نہیں تھا ڈان پرسیلے ڈیئر......! کہ وہ کام جسے میں مشکل ترین سمجھتا تھا، میرے آدمی اتنا آسان کر دیں گے۔ تم سے ملاقات میری سب سے بڑی آرزو تھی، اور جب میں نے ہوائی حادثے میں تمہاری موت کے بارے میں سنا تو سب سے زیادہ افسوس مجھے ہو رہا تھا۔ لیکن میری جان پرسیلے......! میں ہی وہ واحد شخص تھا جس نے شاید سب سے پہلے یہ الفاظ کہے کہ ڈان پرسیلے اتنی آسانی سے نہیں مر سکتا۔

تمہیں جینیفر کروز تو ضرور یاد ہوگی۔ وہی جینیفر کروز، میں نے اس سے تفصیلی بات کی تھی اور ہم دونوں تبصرہ کرتے رہے تھے۔ تمہاری موت کی خبر پر جینیفر کروز کا کہنا تھا کہ وہ غیر متوقع حادثہ تھا، لیکن میں جانتا تھا اور اچھی طرح جانتا تھا۔ پھر جب ہمیں اطلاع ملی کہ تم زندہ ہو اور ایسٹ جرمنی میں دیکھے گئے ہو تو میں نے جینیفر کروز کو مبارک باد کا پیغام بھجوایا تھا۔''

وہ ہنس پڑا۔ نہ جانے کیوں......؟ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

''ہوائی حادثے میں موت حکمت عملی تھی یا درحقیقت کوئی حادثہ ہوا تھا......؟''

اس کے اس سوال پر میں چند لمحات خاموشی سے سوچتا رہا کہ ہوکسا کے ساتھ میرا روّیہ کیا ہونا چاہئے......؟ ڈان پرسیلے کے بارے میں جتنی معلومات اب تک حاصل ہوئی تھیں، ان سے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ چنانچہ ہوکسا کے احکامات پر عمل کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ اس سے اپنی ذات کا ہلکا پن نمایاں ہو جائے گا اور ہوکسا بھی گرفتار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب ڈان پرسیلے کی حیثیت قبول کر لی تھی تو اس کا انداز بھی اختیار کرنا تھا۔ میں نے کہا۔

''ڈیئر ہوکسا......! بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف اپنی ہی ذات تک رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ میں تم سے کچھ الفاظ کہہ چکا ہوں۔ اپنے طور پر ان کا تجزیہ کر لینا اور اگر اس کے بعد بھی اگر مجھ سے سوال کرنا چاہو تو میں کوشش کروں گا کہ تمہیں مناسب جواب دوں۔''

''کون سے الفاظ کی بات کر رہے ہو پرسیلے......؟''

ہوکسا کی ہنسی سکڑ گئی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ جو کچھ تم سمجھ رہے ہو، وہ میری ایک مجبوری ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

دفعتہً ایک شخص کمرے میں داخل ہوا اور اس نے چینیوں کے مخصوص انداز میں خم ہو کر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

''چیف......! آپ کے لئے ایک پیغام ہے۔''

ہوسکا اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے مُڑتے ہوئے کہا۔

''ڈیئر ڈان پرسیلے......! تم جس انداز میں بھی یہاں تک پہنچے ہو، میں نے اس پر غور نہیں کیا۔ یہاں اس جہاز پر تم میرے معزز مہمان ہو۔ براہِ کرم مجھے کچھ دیر کی اجازت دو، ابھی آتا ہوں۔''

وہ باہر نکل گیا اور میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ آج تک جتنی مصیبتیں مجھ پر نازل ہوئی تھیں، ان سے ہمیشہ انحراف کرتے ہوئے اپنی اصلی شخصیت کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ لیکن اب پہلی بار میں نے اس کردار کو تسلیم کر لیا تھا جو حالات نے مجھے زبردستی بنا دیا تھا۔

''یہ دیکھنا ہے کہ اب اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے......؟ تجربہ ہی سہی......!''

ہوکسا کافی دیر تک واپس نہیں آیا اور میں آرام کرسی پر اونگھتا رہا۔ پھر اس نے دروازے سے مجھے پکارا اور میں باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔

''معذرت خواہ ہوں ڈیئر ڈان پرسیلے......! تم سے زیادہ گفتگو نہیں ہو سکی۔ لیکن مجھے واپسی میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ میں نے تمام لوگوں کو ہدایت کر دی ہے کہ تمہارے شایانِ شان خاطر مدارات کریں۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''جب تم مجھے پہچان چکے ہو ہوکسا......! تو اس جہاز پر میرا رُکنا کیا معنی رکھتا ہے......؟ کیا میں اپنے آپ کو قیدی محسوس کروں......؟''

''ہرگز نہیں......! بلکہ ایک ایسا معزز دوست جس کی میزبانی کر کے مجھے دلی مسرت ہوگی۔''

میں طنزیہ انداز میں ہنس پڑا اور میں نے کہا۔

''اور وہ معزز دوست اپنی مرضی سے کہیں جا نہیں سکتا۔''

''اس معاملے میں واپس آنے کے بعد گفتگو ہوگی۔''

ہوکسا نے کہا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کر کے واپسی کے لئے مُڑ گیا۔

میں نے کوشش کی تو تھی کہ ہوکسا کو متاثر کر لوں۔ لیکن اس کے روّیے میں جارحیت تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ بظاہر نہ سہی، لیکن پس پردہ اس نے ڈان پرسیلے کو قیدی بنا لیا تھا۔ ہیلی کاپٹر کے انجن کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد شاید وہ فضاء میں بلند ہو گیا۔ میں ہوکسا کے کیبن میں اس کی کرسی پر بیٹھا حالات پر غور کر رہا تھا۔ دفعتہً میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں احتیاط سے اُٹھ کر کیبن سے باہر نکل آیا۔ جائزہ لینا چاہتا تھا کہ کیا کیبن کے باہر کسی کو میری نگرانی کے لئے متعیّن کیا گیا ہے......؟

راہداری خالی پڑی ہوئی تھی، لیکن اس کے آخری سرے پر ایک اور کیبن کے سامنے میں نے دو افراد کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ سرسری ہی سہی، لیکن مجھ پر نگاہ رکھی جا رہی ہے۔

کیبن میں واپس آنے کے بعد میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر گہری نگاہوں سے ہوکسا کی اس رہائش گاہ کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے بارے میں کچھ اور جاننے کا خواہش مند تھا، چنانچہ ایسی جگہوں کا انتخاب کیا، جہاں کاغذات وغیرہ موجود ہو سکتے تھے۔ کچھ کاغذات دستیاب بھی ہوئے تھے، جن میں ہوکسا کی مجرمانہ زندگی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا تھا، لیکن یہ میرے لئے بیکار تھے۔ کوئی ایسی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی جو کسی طور میری مددگار ہوتی۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دو افراد نے کمرے میں داخل ہو کر مجھ سے مؤدبانہ درخواست کی کہ میں واپس اپنے کیبن میں پہنچ جاؤں۔ غالباً انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ چیف کے کیبن میں میری موجودگی مناسب نہیں ہے۔ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا اور انہوں نے مجھے ایک نئے کیبن میں منتقل کر دیا جو میرے پہلے کیبن سے زیادہ

آرام دہ تھا۔

پورا دن گزر گیا۔ شام کو میں نے عرشے کی سیر کے دوران محسوس کیا کہ میری حرکت کو نظر میں رکھا جا رہا ہے۔ لیکن یہ نگرانی مجھ سے دُور رہ کر کی جا رہی تھی۔ یہ ان کا حق تھا اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس جہاز سے واپسی کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

رات کے کھانے کے بعد میں اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ خیالات کا سمندر طغیانی پر تھا اور میں نیند کا خواہش مند۔ نہ جانے کب نیند کی دیوی مجھ پر مہربان ہوئی اور پھر اس وقت تک سوتا رہا جب تک کہ سورج کی تیز کرنوں نے کیبن کے روشن دان سے براہِ راست آنکھوں کے پپوٹوں کو جھنجوڑنا شروع نہ کر دیا۔ تیز چمک سے سر میں ہلکا سا درد ہو گیا تھا۔

غسل سے جوں ہی فارغ ہوا، میرے لئے ناشتہ آ گیا۔ ناشتہ لانے والے سے میں نے ہوکسا کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ابھی تک مسٹر ہوکسا کی واپسی کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ لیکن دن کے تقریباً پونے بارہ بجے میں نے ہیلی کاپٹر کی آواز سنی اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے ہوکسا کے آنے کی اطلاع ملی اور یہ بھی کہا گیا کہ ہوکسا نے مجھے طلب کیا ہے۔

اطلاع دینے والے کے ساتھ میں ہوکسا کے کیبن میں داخل ہوا تو ایک لمحے کے لئے میرے پورے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ ہوکسا کے کمرے میں ایک کرسی پر وہی دُبلا پتلا دراز قامت شخص بندھا ہوا تھا، جس نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ اس کی نگاہ بھی مجھ پر پڑی اور غالباً میرے جیسی کیفیت اس کی بھی ہو گئی۔ ہوکسا اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ مائی ڈیئر ڈان پرسیلے......! میں ابھی تھوڑی دیر قبل واپس آیا ہوں اور آتے ہی تمہارے بارے میں پوچھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری وہ پذیرائی نہیں کر سکا جو تمہارے شایانِ شان ہوتی۔ دراصل اُلجھنوں میں گرفتار ہوں۔ میرا ایک آدمی گم ہو گیا ہے جو میرے لئے انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ وہی مائیکل جس کے دھوکے میں میرے آدمی تمہیں یہاں پکڑ لائے تھے۔ وہ بھی نہیں مل سکا۔''

ہوکسا نے کرسی پر بندھے ہوئے شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن اب اس کے مل جانے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ کیونکہ مسٹر جیکسن بنفس نفیس ہم تک پہنچ گئے ہیں۔''

ہوکسا کی آنکھوں میں پھر وہی آگ سلگ اُٹھی جو اسے بے حد خوفناک بنا دیتی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور کرسی پر بندھے ہوئے شخص کے قریب پہنچ گیا۔

''اگر تم ہوکسا کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہو جیکسن......! تو ڈان پرسیلے سے پوچھو۔ یہ تمہیں بتائیں گے کہ ہوکسا کیا ہے......؟ میں مانتا ہوں کہ تمہاری پشت پر ایک بہت بڑا ملک ہے، لیکن ہوکسا بین الاقوامی

ہے۔''

''جیکسن کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے ہوکسا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں بین الاقوامی کیا، ایک معمولی حیثیت کا آدمی نہیں سمجھتا ہوکسا......! ایک ایسا شخص تمہارے گھ میں آ کر تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے، جو درحقیقت ان تمام کارروائیوں میں مرکزی کردار رکھتا تھا۔''

''کیا مطلب......؟''

ہوکسا نے قدرے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''اس شخص کا نام تم نے ڈان پر سیلے لیا ہے ناں......! یہی وہ شخص ہے جس نے شون لائل کی رہائش گاہ سے مائیکروفلم حاصل کی ہے۔ اس سے پوچھو کہ وہ ان پہاڑوں میں کیوں بھٹک رہا تھا......؟ اور کس طرح تمہارے آدمیوں کے ہاتھ لگا......؟''

میں نے ہوکسا کو چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر جیکسن کی طرف دیکھنے لگا۔

''جیکسن......! اگر تم نے یہ چال یہ سوچ کر چلی ہے کہ تم مجھے میرے دوست سے برگشتہ کر دو گے تو اس کے نتائج تمہارے لئے بے حد خطرناک ہوں گے، جو کچھ کہنا چاہتے ہو، اس کی وضاحت کرو۔''

''مسٹر ہوکسا......! یہ حقیقت ہے کہ شون لائل کی رہائش گاہ پر یہ شخص موجود تھا اور اس کے ساتھ کچھ اور افراد بھی۔ جن میں سے چند افراد ہمارے ہاتھ لگ گئے۔ یہ شخص تباہی پھیلانے کے بعد فلم لے کر نکل گیا تھا۔ لیکن ہمارے ہاتھ لگنے والے لوگوں کو شون لائل کی رہائش گاہ پر افراتفری پھیلانے کے لئے آمادہ کیا تھا۔ فرار ہونے کے دوران اس نے راستے میں کچھ اور لوگوں کو نہ صرف قتل کیا، بلکہ اپنی موت کا سوانگ رچا کر صاف نکل گیا۔

تم جانتے ہو ڈیئر ہوکسا......! کہ اس فلم کے حصول کے لئے بہت سے ملک سرگرداں ہیں اور ان میں سے بیشتر ممالک کے ایجنٹ شون لائل کی رہائش گاہ پر ہونے والے فینسی ڈریس شو میں موجود تھے۔ اس نے اپنی کارروائی پر مکمل طور سے عمل کر لیا، اور دوسرے لوگ ہاتھ ملتے رہ گئے، جن میں شاید تم بھی شامل تھے۔''

ہوکسا کے انداز میں بے پناہ بے چینی پیدا ہو چکی تھی۔ کرسی پر بندھے ہوئے شخص نے مزید کہا۔

''یہ تمام تفصیلات میں نے مارک ایشلے نامی شخص پر تشدد کرنے کے بعد حاصل کی تھیں اور پھر یہ بھی ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ ابھی ہم اپنی کارروائیوں کی تکمیل نہیں کر سکے تھے کہ یہ دھوکہ دے کر وہاں نکل آیا اور اس کے بعد اگر تمہارے آدمی درمیان میں مداخلت نہ کرتے تو ہم اسے دوبارہ گرفتار کر لیتے۔ لیکن تمہارے آدمیوں نے مائیکل کی حیثیت سے اسے شناخت کر لیا تھا اور یہ شخص موقع غنیمت دیکھ کر ان کے ساتھ یہاں تک پہنچ گیا۔

حقیقت یہی ہے ڈیئر ہوکسا......! تم جس طرح چاہو اس سلسلے میں تحقیقات کر سکتے ہو۔ فلم میرے

ہاتھ نہیں لگی۔ لیکن اگر لگ جاتی تو میں اپنی زندگی کی قیمت پر بھی اسے تمہارے حوالے نہ کرتا۔ کیونکہ یہ میری ذمہ داری ہے۔ میرے ساتھ جو سلوک تم چاہو کر سکتے ہو، لیکن میں نے تمہیں اس شخص کی حقیقت بھی بتا دی ہے۔''

ہوکسا چند لمحات کچھ سوچتا رہا، پھر اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک شخص سے کہا۔

''جیکسن کی مکمل نگرانی کی جائے۔ اسے لے جاؤ اور ہوشیار رہو۔''

اس کے بعد وہ میرا بازو پکڑ کر اپنے کیبن سے باہر نکل آیا۔ اس کی اُنگلیوں میں دبا ہوا موٹا سگار بجھ گیا۔ ایک جگہ رُک کر اس نے سگار سلگایا اور اس کا کش لے کر گاڑھا دُھواں فضاء میں چھوڑتا ہوا بولا۔

''جیکسن نے جو انکشاف کیا ہے، ڈیئر ڈان پر سیلے......! اس نے میرے ذہن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم بھی اس سلسلے میں کام کر رہے ہو، اور اگر جیکسن کا کہنا درست ہے تو پھر بھلا مجھ سے زیادہ اور کون یہ بات جان سکتا ہے کہ ڈان پر سیلے جس سلسلے میں کام کر رہا ہے، اس میں اسے ناکامی ہو......؟''

اس نے سگار دانتوں سے نکال کر گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اور اس بات کے دعویٰ میں مجھے ذرّہ بھر شک نہیں ہے کہ وہ نایاب فلم اس وقت تمہارے پاس موجود ہے۔''

میں دل ہی دل میں لرز رہا تھا۔ لیکن اداکاری کے وہ گُر اب مجھے بھی آ گئے تھے جو انسانوں کو ممتاز کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں......! اس میں کوئی شک نہیں ہے مسٹر ہوکسا......! کہ اس وقت وہ فلم میرے پاس موجود ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم کس طرح اسے برآمد کرتے ہو......؟''

''میں سمجھا نہیں......!''

''پہلے مجھے جیکسن کی تفصیل بتاؤ۔''

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ میں اس وقت اُلجھنوں کا شکار ہوں۔ دراصل اس فلم کا سودا کر چکا ہوں اور وہ بھی ایک بہت بڑے معاوضے کے تحت مائی ڈیئر ڈان پر سیلے......! میں جانتا ہوں کہ ہر شخص کا اپنا ایک مقام، ایک وقار ہوتا ہے۔ تم صرف مجھے اتنا بتا دو کہ اس فلم کے سلسلے میں تم سے کسی سے سودا کر لیا ہے......؟ اور اس سودے کی نوعیت کیا ہے......؟ اگر تم اس سودے کو ملتوی کر دو تو کیا تمہارا وقار مجروح ہوگا......؟

دراصل میں یہ چاہتا ہوں کہ جو سودا میں نے کیا ہے، اسی کی تکمیل ہو۔ اس ملک سے میرے اور بھی بہت سے مفادات وابستہ ہیں۔ اس سودے کے سلسلے میں جو رقم حاصل ہوگی ڈیئر ڈان پر سیلے......! میں اسے نہایت عاجزی سے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اس وقت میرے وقار کی لاج تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

میں نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور ہوکسا حسب معمول جلتی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا، پھر میں

نے کہا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ وہ شخص جس کا نام تم نے جیکسن لیا ہے، احمق اور پاگل ہے تو کیا تم اس بات پر یقین کرلو گے......؟ اس کے علاوہ مجھے تمہاری ذہنی حالت پر بھی شک ہو رہا ہے۔ اگر ڈان پر سیلے سے تم بخوبی واقف ہو تو یہ بات بھی جانتے ہو گے کہ اس کا گروہ کسی طور تم سے کم نہیں ہے اور وہ تنہا اپنے گروہ کے بغیر کسی ایسے سلسلے میں کام نہیں کرتا۔ جبکہ مارک ایشلے نامی وہ شخص فرانس کا ایک معمولی غنڈہ تھا جسے جیکسن نے بآسانی گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔''

ہوکسا بھنویں سکوڑ کر میری باتوں پر غور کرنے لگا۔ پھر اس نے کسی قدر پھیکے انداز میں کہا۔

''ہاں......! اس بات پر مجھے تعجب ہے کہ کسی ملک کی سیکرٹ سروس کے معمولی ایجنٹ ڈان پر سیلے جیسے شخص کو گرفتار کرلیں اور ڈان پر سیلے کے ساتھی اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کر پائیں۔ لیکن پھر یہ سب کچھ کیا ہے مائی ڈیئر ڈان پر سیلے......! تم نے اعتراف کیا ہے کہ تم مارک ایشلے کو جانتے ہو اور اس بات سے بھی تم نے انحراف نہیں کیا کہ جیکسن نے تمہیں ٹریس کیا تھا، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میرے ساتھی صرف ایسے شخص کی حیثیت سے تمہیں یہاں لائے تھے جو میرا اپنا آدمی تھا۔ لیکن وہ لوگ اس کے صورت آشنا نہیں تھے، کیا تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ تم جیکسن کے قیدی رہے اور اس کے بعد فرار ہو کر پہاڑوں میں بھٹکتے رہے اور انہی لمحات میں میرے آدمی تم تک پہنچے......؟''

''ہاں مائی ڈیئر ہوکسا......! میں اس اعتراف سے انحراف نہیں کرتا۔ درحقیقت ایسا ہی ہوا ہے۔''

''کیوں......؟ آخر کیوں......؟''

''اس لئے کہ میں ڈان پر سیلے نہیں ہوں۔''

میں نے جواب دیا۔ ہوکسا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سگار اس کے منہ سے نکل کر نیچے گر پڑا تھا جسے اس نے جوتے دبا کر مسل دیا۔ چند لمحات وہ میری طرف منہ پھاڑے دیکھتا رہا۔ پھر کسی قدر غصیلے انداز میں بولا۔

''تو گویا ہمیشہ کی مانند تم آج بھی مجھ سے تعاون پر آمادہ نہیں ہو......؟ کیوں مسٹر ڈان پر سیلے......؟''

''میں نے طنزیہ انداز میں مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''میں جانتا تھا کہ تم یہی الفاظ کہو گے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اگر میں کسی کے سامنے سچ بولتا ہوں تو وہ مجھ پر یقین نہیں کرتا۔ کوشش کرو مائی ڈیئر ہوکسا......! کہ میری اس بات پر تمہیں یقین آجائے۔ میں واقعی ڈان پر سیلے نہیں ہوں۔ کون ہوں......؟ یہ تمہیں اس وقت بتاؤں گا، جب تم میری یہ بات تسلیم کرلو گے۔''

''ہوکسا کی آنکھوں میں وہی آگ سلگ رہی تھی جو کبھی بھی اس کی مسکراہٹ سے ہم آہنگ نہیں ہوتی تھی۔ اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مائی ڈیئر ڈان پر سیلے......! میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھی اس بات سے ناواقف ہیں

کہ تم میرے قبضے میں ہو۔ تم ہوائی حادثے میں ہلاک ہو چکے ہو اور یہ بات بہت سے لوگ جانتے ہیں۔ کوشش کرو کہ اپنے آپ کو کسی بحری حادثے کا شکار نہ بناؤ۔''

وہ بولا اور تیز تیز قدموں سے واپس چلا گیا۔ میں اس کی دھمکی کا مطلب بخوبی سمجھ گیا تھا۔ کیونکہ میں اس وقت اس کے بحری جہاز پر تھا اور بحری حادثے کا تذکرہ ایک کھلی دھمکی تھی۔ گویا وہ مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا تھا۔

ہوکسا کے اس بحری قید خانے میں مجھے تین دن گزر چکے تھے۔ اس گفتگو کے بعد ہوکسا سے میری ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔ گو میری حیثیت ایک قیدی کی تھی۔ لیکن یہاں میرا احترام کیا جاتا تھا۔ مجھے ہر سہولت حاصل تھی۔ شام کو چند لوگوں کی نگرانی میں عرشے پر چہل قدمی بھی کرسکتا تھا۔ رات کو بال روم میں بھی جاسکتا تھا، لیکن ہر جگہ بے شمار نگاہیں میری نگران رہتی تھیں۔ ویسے بھی اس سمندری قید خانے سے فرار کا تصور میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ تاہم میں بددل نہیں تھا۔ بلکہ یہ دن مجھے بہت پرسکون محسوس ہو رہے تھے۔ عارضی طور پر ہی سہی، کم ازکم دن رات کی بھاگ دوڑ سے تو نجات ملی ہوئی تھی۔

تیسری ہی رات تھی۔ میں بال روم میں ایک میز پر تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خوب صورت بلا مجھ پر نازل ہوئی۔ دراز قامت، انتہائی قیمتی لباس میں ملبوس، اُنگلیوں میں بیش قیمت انگشتریاں، اس کی قومیت کا ایک نگاہ میں اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ سانولی رنگت تھی۔ لیکن ایسی دلکش سیاہی اس سے پہلے کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی سیاہ کپڑے کے پیچھے روشنی جلادی گئی ہو۔ خدوخال ایسے پرکشش کہ نگاہ نہ ہٹ سکے۔ اس نے بے تکلفی سے کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گئی۔ میں گھورتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر میں نے برا سامنہ بنا کر دوسری جانب رُخ موڑ لیا۔ اس کی یہ بے تکلفی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تب ہی اس کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو......!''

مجبوراً مجھے پھر اس کی جانب رُخ کرنا پڑا تھا۔ وہ اپنی گہری چمکدار سیاہ آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور یہ آنکھیں کھوپڑی کی ہڈیاں توڑ کر دماغ کی گہرائیوں میں اُترنے کی کوشش کررہی تھیں۔ پھر وہ مسکرا کر بولی۔

''اس نے غلط تو نہیں کہا۔''

میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

''تاہم تم نے اپنے اندر جو تبدیلیاں پیدا کی ہیں، وہ قابل ستائش ہیں۔''

''کیا تم ہسٹری کی پروفیسر ہو......؟''

میرا ذہن بھی جاگ اُٹھا تھا۔

''نہیں......! لیکن ڈان پر سیلے کی ہسٹری سے بخوبی واقف ہوں۔''

وہ مسکرائی اور اس کے دلکش دانتوں کی چمک آنکھوں میں بجلی بن کر کوندگئی۔ اس کی پرسحر شخصیت،

ذہن ودل پر قبضہ جمانے میں کمال رکھتی تھی۔لیکن شاید ایک جھنجلائے ہوئے انسان کے لئے نہیں۔''

''تو پھر مجھے اس کی ہسٹری سنانے کے لئے تم یہاں آئی ہو......؟''

''ہوسکتا ہے ہوکسا کے لئے تمہارے دل میں کوئی رنجش ہو۔لیکن جینیفر کروز کو تم نے ہمیشہ دوستوں میں شمار کیا ہے۔''

وہ آہستہ سے بولی اور میرے ذہن میں ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی۔ ہوکسا نے میری موت کے سلسلے میں اپنی غیر یقینی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس نے سب سے پہل جینیفر کے سامنے یہ پیشن گوئی کی تھی کہ ڈان پر سیلے اتنی آسانی سے موت کا شکار نہیں ہوسکتا۔ میں نے جینیفر کروز کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

لیکن بہرحال یہ نام میرے ذہن میں آ گیا تھا۔تو یہ جینیفر کروز کون ہے......؟ اور ہوکسا یا مجھ سے اس کا کیا تعلق ہے......؟ مجھ سے میری مراد ڈان پر سیلے تھی۔ یہ میں نہیں جانتا تھا۔ میں خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔تب جینیفر کروز نے کہا۔

''ہوکسا کی یہ اطلاع میرے لئے اتنی ہی اہمیت کی حامل تھی کہ میں ڈنمارک سے سفر کر کے یہاں آ گئی صرف تم سے ملنے کے لئے ڈیئر ڈان پر سیلے......! صرف اس بات کی تصدیق کے لئے کہ کیا تم واقعی زندہ ہو......؟

یہ حقیقت ہے کہ تمہاری موت کی اطلاع سب سے زیادہ میرے لئے دکھ کا باعث تھی۔اچھے دوست اور پھر وہ بھی ڈان پر سیلے جیسے کیسے ملتے ہیں......؟لیکن تم نے مجھ سے بھی شناسائی کا اظہار نہ کر کے مجھے تم نے تھوڑا سا ذہنی صدمہ پہنچایا ہے۔''

''مسٹر ہوکسا نے مجھ سے اعتراف کرنے کے لئے اب تمہیں متعین کیا ہے۔لیکن مجھے افسوس ہے میڈم جینیفر......! کہ تمہیں بھی اس سلسلے میں کامیابی نہیں ہوئی۔تم لوگ مجھے صرف یہ بات بتا دو کہ اگر میں ڈان پر سیلے ہونے کا اعتراف کرلوں تو کیا تمہیں اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل ہوگا......؟ لیکن اس نام کے ساتھ مجھ پر کوئی ذمہ داری عائد نہ کی جائے۔کیونکہ میں اس قابل نہیں ہوں۔''

''ہوسکتا ہے، ہوائی حادثہ ہوا ہو۔ہوسکتا ہے، اس حادثے میں تمہیں کوئی ذہنی نقصان پہنچا ہو۔لیکن تمہیں کم از کم مجھ جیسی دوست سے تو مخلص ہونا چاہئے۔

اوہ......! ایک بات اچانک میرے ذہن میں آئی ہے۔کہیں ہوکسا کے اور تمہارے درمیان ایسا کوئی معاملہ تو نہیں ہے، جس کی وجہ سے تم نے اپنی شخصیت ہی کا اقرار نہ کیا ہو......؟ اگر ایسی کوئی بات ہے ڈیئر پر سیلے......! تو مجھے بتا دو، میں تمہاری مدد کروں گی۔''

''تم لوگ واقعی ذہین اور چالاکی سے کام کر رہے ہو۔لیکن میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میرا ڈان

پر سیلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔تاہم اس کے بعد اگر تم مجھے ڈان پر سیلے کہنا اور سمجھنا چاہتے ہو تو میرا کیا ہے......؟ مجھے اس سے انحراف نہیں کرنا چاہئے۔کیونکہ میری اپنی کوئی منزل نہیں ہے۔ میں سیاح ہوں اور سیاحت کرتا پھر رہا ہوں۔بس......! اتنی مہربانی کرنا مجھ پر کہ اس حیثیت سے کسی مصیبت میں پھنسا دینا۔''

جینیفر کروز کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔ وہ سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی، پھر بولی۔

''بس......! اس سے زیادہ میں تم سے کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ جب تم مجھ پر ہی اعتبار نہیں کر رہے تو پھر میں اپنی ذمہ داریاں کیسے پوری کروں......؟''

''پتا نہیں تم کس طرح کا اعتبار چاہتی ہو......؟ اگر میں کسی طور ڈان پر سیلے کا ہم شکل ہوں تو کم از کم اتنی تحقیقات تو کرلو کہ میں ڈان پر سیلے ہوں بھی یا نہیں......؟ اچھے خاصے ذہین لوگ ہو تم......! ایک شخص مسلسل کہہ رہا ہے کہ وہ، وہ نہیں ہے جو اسے سمجھا جا رہا ہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں تمہاری خوشی کے لئے خود کو ڈان پر سیلے تسلیم کرلیتا ہوں۔''

جینیفر کروز اپنی سحر خیز نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

''ہوکسا تم سے کیا چاہتا ہے......؟''

''ایک فلم جو کسی شون لائل سے حاصل کی گئی ہے اور اس سلسلے میں وہ بے شمار نام لے رہا ہوں۔ مارک ایشلے، جیکسن اور نہ جانے کون کون......؟ اب تم خود سوچو کہ میں کسی کو کیا بتاؤں......؟ جب کہ ایسی کسی چیز سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''اوہ......! تو یہ بات ہے۔ پہلے کیوں نہ کہا مجھ سے......؟ ویسے ڈی پارک کے بارے میں بھی نہیں بتاؤ گے......؟''

''اب میرا یہاں سے اُٹھ جانا بہتر ہے۔''

میں نے غصیلے لہجے میں کہتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی تھی اور اس نے مجھے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہاں سے اُٹھ کر میں سیدھا اپنے کیبن میں آ گیا اور لباس وغیرہ تبدیل کر کے بستر میں گھس گیا۔

صورتِ حال میرے ذہن میں واضح ہوگئی تھی۔ جینیفر کروز کو ڈنمارک سے صرف میری شناخت کے لئے بلایا گیا تھا، لیکن یہ جینیفر کروز چیز کیا ہے......؟ اس کا مجھے ابھی کوئی اندازہ نہیں تھا۔ انتظار کے سوا اور کیا کرسکتا تھا......؟ اور بھلا ان خیالات میں اپنی نیندیں کیوں خراب کرتا......؟ چنانچہ سو گیا۔

دوسری صبح ناشتے کے لئے مجھے کہیں اور بلایا گیا تھا۔ ناشتہ ایک خوب صورت کیبن میں میز پر لگا ہوا تھا اور میز کے گرد ہوکسا اور جینیفر بیٹھے ہوئے تھے۔ تیسری کرسی میری تھی۔ کیونکہ باقی کرسیوں کو ہٹا کر کیبن کی دیوار سے لگا دیا گیا تھا۔ ہوکسا نے میرا استقبال کیا۔ جینیفر بھی تھوڑی سی خم ہوئی تھی، اور پھر خاموشی سے ناشتہ کیا

جانے لگا۔ جب ملازم برتن اُٹھا کر لے گئے تو کیبن کا دروازہ بند ہوگیا اور ہوکسا نے اپنا مخصوص سگار دانتوں میں دبا لیا اور اسے سلگا کر گہرے گہرے کش لینے لگا۔

"تو تم نے جینیفر سے بھی یہی کہاں ہے کہ تم ڈان پر سیلے نہیں ہو......؟"

ہوکسا گویا ہوا۔

"نہیں......! میں ڈان پر سیلے ہوں اور چی ہوا ہوا میں پیدا ہوا تھا۔ پھر وہاں سے مریخ پر چلا گیا۔ کافی عرصہ گزارنے کے بعد ایک خلائی جہاز کی دُم سے لٹک کر یہاں پہنچ گیا اور اب تمہارے پاس ہوں۔"

میں نے چڑچڑے انداز میں کہا۔ لیکن ہوکسا جلتی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں تمہارے چند الفاظ کا احساس دلا دوں۔ اس کے بعد ان کی وضاحت کر دینا۔ تم نے کہا تھا کہ اگر میں ڈان پر سیلے سے واقف ہوں تو یہ بھی جانتا ہوں گا کہ اس کا گروہ کسی طور میرے گروہ سے کم نہیں ہے اور وہ تنہا اپنے گروہ کے بغیر کسی ایسے اسلسلے میں کام نہیں کر سکتا، جبکہ مارک ایشلے فرانس کا ایک معمولی غنڈہ ہے۔

میری جان......! اگر تم ایک اجنبی ہو، اور جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ تم صرف اتفاقیہ طور پر جیکسن کے چکر میں پھنس گئے تھے تو پھر ڈان پر سیلے سے تمہاری واقفیت کیا معنی رکھتی ہے......؟ کیا اس کی وضاحت کرنا پسند کرو گے......؟"

ایک لمحے کے لئے میں چکرا کر رہ گیا تھا۔ بلاشبہ میں نے یہ الفاظ کہے تھے اور جلد بازی میں، میں نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ ان کا کیا مفہوم نکلتا ہے اور اب میں ان الفاظ سے پھنس گیا تھا۔ اگر میں ایک غیر متعلق آدمی ہوں تو پھر واقعی مجھے ڈان پر سیلے کے بارے میں کیسے معلوم ہوا......؟ یہ بات ذرا سوچنے کی تھی۔ جینیفر کروز گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور غالباً میرے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔ چند لمحات کے لئے مکمل طور پر خاموشی طاری ہوگئی۔ میرا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔

"اور اس بات کا کوئی جواب نہیں ہے تمہارے پاس......؟"

ہوکسا نے کہا۔

"یہ بات نہیں مسٹر ہوکسا......! بلکہ میں سوچ رہا ہوں کہ یہ الفاظ میں نے کب کہے تھے......؟"

"سنا تم نے جینیفر......!"

ہوکسا نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ جینیفر کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے، پھر وہ بولی۔

"پتا نہیں کیوں مسٹر ڈان پر سیلے خود کو چھپانا چاہتے ہیں۔ تاہم ہوکسا......! ہمیں پیشہ ورانہ ضبط سے کام لینا چاہئے۔ مسٹر ڈان پر سیلے بھی بہت بڑے آدمی ہیں، مفاہمت کی کوئی راہ نکل آئے تو بہتر ہے۔"

"الیگزینڈر کیس کے سلسلے میں، میں نے مسٹر ڈان پر سیلے سے تعاون کی درخواست کی تھی جسے انہوں نے حقارت سے مسترد کر دیا تھا اور اب پھر ایسا ہی ایک سلسلہ دوبارہ پیدا ہوگیا ہے۔ یہ میرے لئے بھی وقار

کا مسئلہ ہے اور میں مسٹر ڈان پر سیلے کو اس سلسلے میں ایک پُر وقار پیش کش کر چکا ہوں۔"

ہوکسا نے کہا۔

"کچھ وقت گزار لو ہوکسا......! میں اس تصفیے کو سلجھانے میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے اس بارے میں کچھ بتا دو۔"

جینیفر کروز نے مصالحانہ انداز میں کہا۔

"دراصل جینیفر......! معاملہ ایسی فلم کا ہے جو دُنیا کے بیشتر ممالک کے لئے اہمیت رکھتی ہے۔ بہت سے ملکوں کے ایجنٹ براہِ راست اس کے لئے کام کر رہے ہیں۔ میں نے خود بھی ایک ملک کے لئے اس کے حصول کی کوشش کی لیکن مسٹر ڈان پر سیلے اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ میرے وقار کا مسئلہ ہے، اس لئے میں اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ میں مسٹر ڈان پر سیلے کو برین چیمبر تک پہنچا سکتا ہوں، جہاں ہر راز حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے بعد مسٹر ڈان پر سیلے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گے۔ میں انہیں بچانا چاہتا ہوں، لیکن اگر انہوں نے تعاون نہیں کیا تو......"

"مجھے اس کا موقع دو۔ میں ایک اچھے ساتھی کو کھونا نہیں چاہتی۔ تم اس کے لئے مجھے صرف دو دن کا وقت دے دو۔"

"فلم سے حاصل ہونے والی رقم پانچ ملین ڈالر ہوگی۔ میں اس میں سے دو ملین ڈالر تم لوگوں کو دینے کا معاہدہ کر سکتا ہوں، لیکن فلم مجھے ملنی چاہئے۔"

"دو دن......! صرف دو دن مائی ڈیئر......!"

جینیفر نے کہا۔

"او کے......!"

ہوکسا جھٹکے دار آواز میں بولا اور جینیفر میرا ہاتھ پکڑ کر اُٹھ گئی۔ وہ مجھے ساتھ لئے باہر نکل آئی تھی۔

عرشے پر دُھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ سمندر پُرسکون تھا، بہت دُور ایک سفید اسٹیمر نظر آ رہا تھا۔ دفعتہً جینیفر نے کہا۔

"دُنیا یقین کرے یا نہ کرے، لیکن میں یقین کر چکی ہوں کہ تم ڈان پر سیلے نہیں ہو۔"

میں چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا، وہ پھر بولی۔

"کیونکہ بہت کم لوگ پر سیلے سے اس حد تک واقف ہیں جتنی میں۔ کیونکہ وہ میرا محبوب ہے۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ قہقہے لگاتا ہوا سمندر میں کود جاؤں۔ ذہنی جھٹکے برداشت کرنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ میرا دماغ تو ہل ہل کر شاید لاتعداد ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ نہ جانے اب دماغ کی جگہ کیا چیز رہ گئی ہے، جو ابھی تک مسلسل ساتھ دے رہی ہے......؟

جینیفر کروز، ڈان پر سیلے کی پرستار تھی۔ کافی دیر میں اسے اس بات کا یقین ہوا تھا کہ میں ڈان

پر سیلے نہیں ہوں۔ ویسے تو ڈی پارک بھی میری محبوب تھی اور اس نے اسی کا اظہار کیا تھا۔ گویا جینیفر، ڈی پارک کی رقیب بھی تھی۔

ارے ہاں......! اس نے ڈی پارک کا تذکرہ بھی تو کیا تھا۔ اس وقت میں نے محسوس نہیں کیا تھا، لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ اس تذکرے میں ایک طنزیہ کیفیت تھی۔ بہرحال ان تمام باتوں سے مجھے کیا حاصل......؟ میں تو صرف احتشام تھا، نہ ڈان پر سیلے، نہ جینیفر کا محبوب، صرف اور صرف وہ بین الاقوامی گدھا جس کی اپنی شخصیت اس سے مذاق پر تلی ہوئی تھی۔

جینیفر کروز سمندری لہروں پر نگاہیں جمائے رہی۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بولی۔

''لیکن تم ڈان پر سیلے سے اس قدر مشابہ ہو کہ دُنیا کا کوئی شخص بھی دھوکہ کھا سکتا ہے۔ تمہارا چہرہ، تمہاری جسامت، ہاتھ پاؤں کی بناوٹ، سب کچھ ڈان پر سیلے جیسی ہے۔ لیکن کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے بارے میں صرف میں جانتی ہوں شاید صرف میں۔''

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تاہم میں اس کی تحقیق کئے بغیر ہی یہ اعلان کر رہی ہوں کہ تم ڈان پر سیلے نہیں ہو۔''

''یہ اعلان آپ کب فرما رہی ہیں محترمہ......؟''

میں نے گہری سانس لے کر کہا اور وہ ہنس پڑی۔

''نہیں......! بھلا کسی اور سے کہنے کی بات تو نہیں ہے یہ۔ دراصل مائی ڈیئر......! تنہائی میں تمہیں کس نام سے پکاروں......؟''

وہ رُک کر سوالیہ انداز میں بولی۔

''احتشام......!''

''تو مائی ڈیئر احتشام......! میں ذرا مختلف سوچ کی مالک ہوں۔ تمہارے بارے میں سنتے ہی میں دوڑی چلی آئی اور اس کے بعد سے اب تک تمہارا تجزیہ کر رہی ہوں۔ ہوکسا جیسا زیرک اس بات پر مصر ہے کہ تم ڈان پر سیلے ہو، لیکن بھلا وہ ان باتوں کو کیا جانے......؟

جو کوئی محبوبہ اپنے محبوب کے بارے میں جان سکتی ہے، تمہیں اس بات سے مطمئن ہو جانا چاہئے کہ کم از کم میں تمہیں ڈان پر سیلے نہیں سمجھ رہی۔''

''کیا اطمینان کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے مس جینیفر......؟''

میں نے کہا۔

''نہیں......! اور بھی بہت کچھ ہوگا۔ جینیفر کروز کے بارے میں یقیناً تمہیں تفصیلات معلوم نہیں ہوں

گی، کیونکہ تم ڈان پر سیلے نہیں ہو۔''

''ان تفصیلات سے مجھے کوئی فائدہ بھی حاصل نہیں ہوگا مس جینیفر! لیکن کیا آپ اس یقین کے بعد میں ڈان پر سیلے نہیں ہوں، میری کچھ مدد کر سکتی ہیں......؟''

''ایک بات کا اعلان اس کے ساتھ ہی کرنا چاہتی ہوں۔ وہ یہ کہ تم جو کوئی بھی مشکوک شخصیت کے حامل ہو، تم نے ہوکسا کو بتایا ہے کہ تم صرف ایک سیاح ہو۔ نہ ہوکسا نے اس بات کو تسلیم کیا ہے اور نہ ہی میں تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ان گہرائیوں میں کہیں نہ کہیں تمہاری اس شخصیت کا دوسرا رُخ ضرور چمک رہا ہے۔

بات دراصل یہ ہے مائی ڈیئر احتشام......! کہ ہم جرم کی دُنیا سے تعلق رکھنے والے اپنا کام ذہانت اور عقل مندی سے ضرور نکالتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ہمارے اندر ایک اور بھی حس ہوتی ہے۔ اسے تم چھٹی کی بجائے ساتویں حس کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ چھٹی حس ان جاسوسوں کے پاس ہوتی ہے جو ہماری گرفتاری کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔

ان ایجنٹوں کے پاس ہوتی ہے جو ہمارے راستے کاٹنے کے لئے ہماری راہ میں آتے رہتے ہیں۔ چھٹی حس کا چھٹی حس سے مقابلہ ذرا مشکل رہتا ہے۔ اس لئے اس بات پر یقین کر لو کہ جو لوگ اپنے دشمنوں پر حاوی رہتے ہیں، وہ چھٹی حس نہیں بلکہ ساتویں حس کے مالک ہوتے ہیں۔

تو میری ساتویں حس مجھے بتاتی ہے کہ ہوکسا جی سلسلے میں تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے، اس کا تمہاری ذات سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ ذرا یہ بتاؤ، کیا تمہارے چہرے پر میک اَپ ہے......؟''

''نہیں......!''

تب پھر جس شخصیت نے بھی تمہیں اس سلسلے میں استعمال کیا ہے، وہ یقیناً ذہین ہے۔ کیونکہ اس نے تمہارے ڈان پر سیلے کے ہم شکل ہونے کا فائدہ اُٹھایا ہے۔ کون ہے وہ......؟''

اس نے بڑے پیار سے پوچھا۔

''میں نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر میں نے کہا، اس کا نام زمانہ قدیم میں افلاطون تھا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ گزرا تو ہٹلر کہلایا اور اس وقت نہ جانے وہ کس روپ میں ہے......؟ مجھے یہاں سے نکالنے کا وعدہ کرو تو معلومات حاصل کر کے بتا دوں گا۔''

جینیفر کروز ہنسنے لگی تھی، پھر وہ بولی۔

''جھلانے کا یہ انداز بھی مصنوعی ہے۔ میں نے کہا ناں، ساتویں حس کیمرے کی آنکھ کی مانند ہے جو ایک ایک چیز کو ذہن نشین کر کے اسی کا عکس پیش کر دیتی ہے۔ تمہاری اس جھنجلاہٹ کے پیچھے بھی مجھے ایک شکل نظر آ رہی ہے۔''

''تمہیں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے جینیفر کروز......! اسے بڑے شوق سے دیکھتی رہو۔ جب تم نے اس

گفتگو کا آغاز کیا ہے تو کم از کم مجھے یہ جواب تو دے دو کہ اس مصیبت سے نکالنے کے لئے میری کوئی مدد کرسکتی ہو یا نہیں......؟‘‘

’’فلم ہوکسا کے حوالے کر دو، تمہیں خود بخود اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔‘‘

’’تب پھر وہ فلم تم مجھے دے دو۔ تاکہ میں اسے ہوکسا کے سپرد کر دوں۔‘‘

میں نے کہا۔ جینیفر مسکراتے ہوئے بولی۔

’’تو کم از کم مجھے تو اس کی حیثیت بتا دو۔ وہ کون لوگ ہیں جو اس میں دلچسپی لے رہے ہیں......؟ بہت سے کام ہو سکتے ہیں مائی ڈیئر......! ہم لوگ بہت اچھے دوست ہوتے ہیں، لیکن کاروبار، کاروبار ہے۔ جو کام ایک شخص نہیں کرسکتا، دوسرا کرلے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ اس کے مفادات بھی وہ ہی حاصل کرے۔ پہلے کو اس سے دُشمنی ہو جائے تو کیا فرق پڑتا ہے......؟

دُشمنوں کے درمیان زندگی گزارنا ہی تو زندگی ہے۔ تم اگر چاہو تو میرے ساتھ تعاون کر سکتے ہو۔ اس لئے کہہ رہی ہوں یہ بات کہ تم اس وقت ہوکسا کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہو اور ہوکسا کسی قیمت پر تمہیں چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ باقی تم پر منحصر ہے۔‘‘

وہ میری طرف دیکھنے لگی اور پھر واپسی کے لئے مُڑتی ہوئی بولی۔

’’میں جا رہی ہوں۔ تنہائی میں سمندر کی لہروں کو دیکھتے ہوئے میری پیش کش پر غور کرنا۔ تمہیں یقیناً صحیح فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔‘‘

اور پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

بھلا مجھے کیا صحیح فیصلہ کرنا تھا......؟ میرے فیصلے تو ہمیشہ ہی مضحکہ خیز ہوا کرتے تھے۔ آج تک میں اپنے کسی مسئلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ بہرطور زندگی کی تفریحات میں حصہ لیتے رہنا چاہیے۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہوسکتا تھا......؟ جینیفر کروز سے تعاون کرنے میں کوئی اتنی زیادہ سوچنے سمجھنے کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب جینیفر مجھ سے دوبارہ ملی تو اس نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔

’’تو کیا فیصلہ کیا تم نے......؟‘‘

جینیفر نے کہا۔

’’میں تمہاری مرضی پر چلنے کے لئے تیار ہوں جینیفر......! اور اس بات کو مذاق تصور نہ کرو کہ میں ڈان پر سیلے نہیں ہوں۔ حقیقت یہ ہی ہے کہ میں ایک سیاح ہوں اور حالات نے مجھے ان راستوں پر لا ڈالا ہے۔ میں مجرمانہ صلاحیتیں نہیں رکھتا تھا۔

لیکن اس بات کے لئے کیا کروں کہ جس نے مجھے سمجھا مجرم ہی سمجھا، بلکہ زبردستی مجرم بنا ڈالنے کی کوشش بھی کی اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی جرائم میں ملوث ہوتا چلا گیا۔ یہ زندگی بری نہیں ہے، لیکن وہ داؤ پیچ مجھے

نہیں آتے جو جرم کی دُنیا کے ہوتے ہیں۔‘‘

’’سب سے پہلے فلم کی بات کرو۔ کیا تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ فلم تمہارے پاس موجود ہے......؟‘‘

’’ہاں......! اب میں اس سے انکار نہیں کرتا۔‘‘

’’گڈ......! وری گڈ......!‘‘

جینیفر مسکرائی اور پھر بولی۔

’’اور تمہیں یہ پتا کیسے چل گیا کہ وہ فلم کسی کے لئے دلچسپی کا باعث ہے......؟‘‘

’’مختصراً بتا چکا ہوں کہ لوگوں نے مجھے بلاوجہ اپنے آپ میں ملوث کرلیا تھا اور ایک کے بعد ایک واقعہ پیش آتا چلا گیا۔ یہ بھی سچ ہے کہ شون لائل کے گھر سے وہ فلم میں نے ہی اُڑائی تھی اور باقی لوگ آپس میں ڈھول دھپہ کرتے رہ گئے تھے۔‘‘

’’یہ فیصلہ تو ہم بعد میں کرلیں گے کہ تم کیا ہو......؟

ہاں......! اگر فلم کے مسئلے میں اپنے طور پر کچھ کرنا چاہتے ہو تو مجھ سے تعاون کرو۔ ہوکسا نے اس سلسلے میں پانچ ملین ڈالر کا تذکرہ کیا، جن سے دو ملین وہ ہمیں دینا چاہتا ہے۔

کیوں......؟ آخر کیوں......؟

تین ملین وہ کس سلسلے میں رکھنا چاہتا ہے......؟

اسے اس کا کیا حق پہنچتا ہے......؟

چنانچہ ساری رقم ہماری اپنی ہونی چاہیے۔

بس......! اب تم میری ہدایت کے مطابق عمل کرو اور اگر واقعی تمہارا کوئی گروہ نہیں ہے تو میں ایک ایسا کھیل کھیلوں گی جو جرائم کی دُنیا میں تہلکہ مچا دے گا اور لوگ اس کی تفصیلات جان کر دانتوں میں اُنگلیاں دبا لیں گے۔ جینیفر کروز نام ہے میرا، لیکن اس کی تفصیلات تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ یہ پیش کش ہے میری تمہارے لئے کہ اگر تم واقعی اپنا کوئی گروہ نہیں رکھتے تو میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔‘‘

’’ہوگیا......!‘‘

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔

’’میں تو نہ جانے کتنے گروہوں میں شامل ہوں اور نہ جانے کتنے لوگ مجھے کیا کیا سمجھتے ہیں......؟ مس جینیفر......! آپ بھی سنیں گی تو آپ کی عقل چکرا کر رہ جائے گی۔ بہرطور آپ بھی اپنے طور پر کچھ دن کے لئے خوش ہولیں۔‘‘

جینیفر کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"گویا ہمارے درمیان یہ بات طے ہوگئی ہے کہ ہم تم مل کر کام کریں گے، لیکن مسئلہ ہوکسا کا آجاتا ہے۔"

"یقیناً......! اور کیا ہوکسا اتنی آسانی سے ہمیں ہمارے مقصد کے لئے چھوڑ دے گا......؟"

میں نے سوال کیا۔ جینیفر ہنسنے لگی، پھر بولی۔

"نہیں ڈیئر......! ہوکسا کو تم معمولی نہ سمجھو۔ بہت خوف ناک شخصیت کا مالک ہے وہ۔ لیکن مزہ تو اسی وقت آئے گا جب ہم ہوکسا کو چکر دیں گے۔ ایک بات کا جواب دو مجھے، لیکن پورے اعتماد کے ساتھ۔"

"ہاں ہاں......! اب میرے اور تمہارے درمیان اعتماد کا رشتہ تو قائم ہو ہی چکا ہے۔"

"فلم کہاں ہے......؟"

"اس کے لئے ہمیں پیرس چلنا ہوگا۔"

میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک......! میں نے جو پروگرام ترتیب دیا ہے، اس کی تھوڑی سی تفصیل تم بھی سن لو مسٹر احتشام......! ہوکسا ہم سے ملاقات کرے گا اور اس کے سامنے تم اعتراف کرلو گے کہ فلم تم اس کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو۔ بس باقی کام مجھ پر چھوڑ دو۔"

"میں تمہاری ہدایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

میں نے جواب دیا۔ اس کے بعد میرے اور جینیفر کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

ہمیں ہوکسا کی آمد کا انتظار تھا۔ جینیفر اس دوران کیا کرتی رہی تھی......؟ یہ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ لیکن میں اپنے طور پر بہت سے وسوسوں کا شکار رہا تھا۔ دو گروہوں میں چلے گی، پتا نہیں میرا کیا حشر ہو......؟ وقت مقررہ پر ہوکسا آگیا۔ ہیلی کاپٹر سے اُترنے کے بعد وہ اپنی آرام گاہ میں چلا گیا تھا۔ پتا نہیں یہ جہاز فرانس حکومت کی نگاہوں سے کیسے پوشیدہ تھا یا کس حیثیت سے فرانسیسی سمندر میں لنگر انداز تھا......؟

جرم کی دُنیا کے بہت سے نظارے کئے تھے میں نے، اور مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس دُنیا میں حکومت صرف ان لوگوں کی ہی نہیں ہوتی جو الیکشن میں کامیابی حاصل کر کے یا فوجی انقلابات کے ذریعے برسرِاقتدار آتے ہیں، بلکہ لاتعداد چھوٹی چھوٹی حکومتیں ان لوگوں کی بھی ہوتی ہیں، جو کھلم کھلا حکومتوں کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں اور دھڑلے سے منظرِ عام پر بھی رہتے ہیں۔ ان کے ہاں کوئی الیکشن نہیں ہوتا۔ یہ اپنی دُنیا کے بے تاج شہنشاہ ہوتے ہیں اور نہ جانے کتنے گروہ بین الاقوامی پیمانے پر سرگرم عمل ہیں۔

جینیفر سے میری ملاقات ہوکسا کے ساتھ ہی ہوئی۔ ہوکسا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آرہی تھی۔ اس نے میرا پُرتپاک استقبال کیا۔

"مائی ڈیئر ڈان پر سیلے......! بالآخر تم نے پہلی بار میری بات مان ہی لی۔ میں درحقیقت معذرت خواہ

ہوں، لیکن اس بات کا حق تمہیں بھی حاصل ہے کہ اگر میں کبھی تمہارے چنگل میں پھنسوں تو تم مجھ سے اپنی من مانی کراؤ۔ لیکن یہاں یہ صورتِ حال نہیں ہے۔

میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ بات میری آن، میرے وقار کی ہے۔ جن لوگوں کے لئے میں نے کام کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے، ان سے میرے بہت سے مفاد وابستہ ہیں، اور اگر میں اس میں ناکام رہا تو میری ساکھ خراب ہو جائے گی۔ چنانچہ اس سلسلے میں تم میری مدد کرو۔ آئندہ ہم اپنے بارے میں مناسب فیصلے کرلیں گے۔"

"ٹھیک ہے مسٹر ہوکسا......! مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔ مس جینیفر سے جو گفتگو ہوتی ہے، میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے......! اب تمہاری خواہش کے مطابق چوبیس گھنٹے کے اندر اندر یہاں سے چلیں گے، اور اس کے بعد کی کارروائیوں میں اگر تم چاہو تو باقاعدہ میرے ساتھ شریک رہ سکتے ہو۔"

"مجھے اجازت ہے......؟"

میں نے پوچھا اور ہوکسا خود بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ایک بار پھر تم سے معذرت خواہ ہوں۔ کوشش کروں گا کہ تمہارے دل میں میرے لئے بغض نہ رہے۔"

شام جھک آئی تھی اور بادل گھرے ہوتے چلے جارہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی اور جہاز کا عملہ بارش کی وجہ سے اپنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہوگیا۔ اس وقت رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ بارش خاصی زوردار ہو رہی تھی کہ دفعتہً جہاز پر ایک خوف ناک دھماکہ سنائی دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضاء میں کسی ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی تھی۔

سب لوگ چونک پڑے۔ میں بھی اپنے کیبن سے باہر نکل آیا۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی دوسرا دھماکہ ہوا اور پھر گولیوں کی تڑتڑاہٹ سنائی دینے لگی۔

باہر جہاز کے عملے کے لوگوں کی چیخیں اُبھر رہی تھیں۔ میں ایک جگہ دُبک گیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے......؟ گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور مسلسل دھماکے گونجنے لگے اور پھر جہاز پر سے بھی اس کارروائی کا جواب دیا جانے لگا۔ لیکن دھماکوں کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ یہ اندازہ لگانے میں مجھے بھی کوئی دقت نہیں ہوئی تھی کہ جہاز کے اوپر پرواز کرتے ہوئے ہیلی کاپٹر یا ہیلی کاپٹروں سے بمباری کی جارہی ہے۔

غالباً دستی بم جہاز پر پھینکے جارہے تھے اور مشین گن سے گولیاں برسائی جارہی تھیں۔ یہ ہنگامہ تقریباً دس یا گیارہ منٹ تک جاری رہا اور اس کے بعد عجیب سی بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس وقت اپنے کیبن سے باہر جانا نہایت خطرناک ہوسکتا تھا۔

چنانچہ میں نے صورتِ حال جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ چیخوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، لیکن کون سی آواز کس کی تھی......؟ مجھے کچھ پتا نہیں تھا۔

دفعتہً میرے دائیں شانے میں آگ لگ گئی۔ کوئی گولا لگا تھا۔ انسانی سرکٹ بریکر کتنا عمدہ ہوتا ہے، میرا سرکٹ بھی بریک ہو گیا تھا۔ ہوش بھی آ گیا۔ میں کسی ہسپتال میں تھا، لیکن سب سے حیرت ناک بات یہ تھی کہ ہسپتال کا سارا عملہ اپنا اپنا لگ رہا تھا، اُردو بولنے والا۔ میں اپنے وطن میں تھا، کیسے......؟ یہ بعد میں معلوم ہوا جب ہسپتال میں ہی ابرانوس کی آواز سنائی دی۔

"یہ حقیقت ہے کہ تم انسان بڑے ناشکرے ہوتے ہو۔ ہم آتش زادے تم سے بدرجہا بہتر ہیں۔ میں نے کیا کچھ نہیں کیا تمہارے لئے، لیکن تم نے میرا احسان کبھی نہیں مانا۔ پوری دُنیا کی سیر کرا دی میں نے تمہیں، مگر کیا صلہ ملا......؟ خیر......! میں تمہیں اس جہاز سے بچا لے آیا جو وہیں غرق ہو گیا تھا۔

اب تم سیٹھ احتشام ہو۔ بزنس روڈ پر تمہاری کوٹھی ہے۔ بہترین کاروبار ہے۔ یہاں سے جا کر اسے سنبھالو اور عیش کرو۔ میں نے تمہارے چھوٹے سے احسان کا بدلہ اُتار دیا ہے۔"

ابرانوس نے سچا کہا تھا۔ ہم انسان زادے ظرف کے معیار سے بہت نیچے گر چکے ہیں۔ ابرانوس پھر کبھی مجھے نہیں ملا، لیکن میں اس کا احسان مند ہوں کہ اس نے میری زندگی بدل دی۔

اختتام